اس کتاب کی رقم تبلیغ وترویج کے لئے وقف ہے۔

کتاب	:	سیرت کورس
مرتب	:	مفتی مصطفیٰ عزیز حفظہ اللہ
سرورق والے آؤٹ	:	مفتی محمد وسیم عفی عنہ
نظر ثانی	:	مولانا احسان الرحمن حفظہ اللہ
اشاعت ثانیہ	:	صفر المظفر 1445ھ، ستمبر 2023ء
ناشر	:	سیرۃ انسٹی ٹیوٹ اینڈ ریسرچ سینٹر فیصل آباد 645 ڈی پیپلز کالونی نمبر 1 ڈی گراؤنڈ فیصل آباد

کتاب اور اسلامک شارٹ کورسز PDF اور VIDEOS میں

حاصل کرنے کے لئے اپنا نام اور شہر کا نام لکھ کر بھیجیں۔

+92 111 772 111

سیرۃ انسٹی ٹیوٹ اینڈ ریسرچ سینٹر 645 ڈی پیپلز کالونی نمبر 1 ڈی گراؤنڈ فیصل آباد

سیرۃ ھی تو زندگی ھے

سیرت النبی ﷺ کی تعلیم و ترویج کا حسین سلسلہ

تربیتی نشست

جدید انداز میں ملٹی میڈیا کے ذریعے جغرافیائی نقشوں کے ذریعے

ایک مسلمان کا اپنا آپ جاننا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جاننا ضروری ہے!

کورس پڑھانے سے پہلے کی ہدایات

- اختتامی سبق اور اختتامی سبق کی تعیین کرنا
- مسجد میں اعلان کرنا
- دعوت نامہ
- دعا کرنا، نوافل پڑھنا، مناسب صدقہ کرنا
- اشتہار اور فلیکس آویزاں کرنا
- انفرادی ملاقاتوں سے کلاس بنانا
- مناسب وقت کا ہونا
- تشہیر کرنا
- داخلہ فارم
- ہفتہ وار چھٹی اور حاضری کے ایام کا تعین کرنا
- نمازیوں کا واٹس ایپ اور فون گروپ بنانا
- اختتامی تقریب کرنا

کورس پڑھانے کے درمیان کی ہدایات

- وقت کی پابندی کرنا
- ہر سبق میں ترغیب دینا
- کورس کے فوائد بیان کرنا
- کورس کی اہمیت اور کورس کا تعارف کرانا
- ہر سبق میں دوسرے احباب کو لانے کی تشکیل کرنا
- ہر سبق میں عملی زندگی کے متعلق کوئی سنت عمل بتانا
- ہر سبق میں حوصلہ افزائی کے الفاظ اور فضائل سنانا
- ہر سبق کے بعد چند نئے احباب سے تعارف کرنا
- اسباق کے ایام میں مناسب اکرام کا اہتمام کرنا
- ہر سبق کے بعد درود و اسلام کا اہتمام کرنا

کورس پڑھانے کے بعد کی ہدایات

- اختتامی تقریب کا اہتمام کرنا
- سند اور اعزاز کا اہتمام کرنا
- کوئز مقابلہ اور انعامات
- شرکا کو تقریب میں عمامہ/ پگڑی کا اہتمام کرانا
- مکمل عزت افزائی اور مبارکباد کا ماحول بنانا
- آئندہ کورسز کا تعارف کرانا
- گزشتہ کورس کی کارگزاری تقریب میں تقریری اور تحریری صورت میں لینا

ہر شعبۂ زندگی کے مصروف احباب کو مکمل دینی تعلیم سکھانا

کورس کی آڈیوز، ویڈیوز، جغرافیہ، موبائل ایپلیکیشن، پاور پوائنٹ سلائیڈز اور اردو، عربی میں سیرت طیبہ کی سینکڑوں پی ڈی ایف کتابیں ہدیہ حاصل کرنے کیلئے رابطہ فرمائیں۔

+92 111 772 111

سیرۃ انسٹی ٹیوٹ اینڈ ریسرچ سینٹر 645 ڈی پیپلز کالونی نمبر 1 ڈی گراؤنڈ فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّدٍ

وّعلیٰ آلِ محمّدٍ کما صلّیت

علیٰ ابراھیم وعلیٰ آلِ ابراھیم

انّک حمیدٌ مّجیدٌ ۝

اللّٰھمّ بارک علیٰ محمّدٍ وّعلیٰ

آلِ محمّدٍ کما بارکت علیٰ

ابراھیم وعلیٰ آلِ ابراھیم

انّک حمیدٌ مّجیدٌ ۝

فہرست مضامین

پیش لفظ 26

کلمات القلب 29

سبق نمبر 1 سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ، دینی فوائد وبرکات 32

خلاصۂ سبق 32

خیر کا مرکز 33

معاشی لحاظ سے/ سیاسی لحاظ سے/ سماجی لحاظ سے 012

1۔آپ ﷺ کی معرفت ہو 36

2۔ایمان لانا / 3۔محبت کرنا/ 4۔اطاعت واتباع 37

5۔درود شریف 38

6۔تبلیغ دین/محبت رسول ﷺ: حقیقت وآداب 40

اَحَبِّیت مطلوب نہ کہ محض محبت 41

1۔جبلی وطبعی محبت/ ۔اختیاری محبت/ نبی اکرم ﷺ سے محبت کے اسباب 42

محبت دل کا فعل ہے/ نبی اکرم ﷺ کی نفع رسانی 43

محض عقل سے محبت نصیب نہیں ہوتی / محبت کی کیفیات 44

محبت کے تقاضے، اتباع ونصرت / محبت رسول ﷺ کامل نہ ہو تو ایمان بھی کامل نہیں 45

محبت اعمال القلوب کی اصل ہے/ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محبت رسول ﷺ 46

ہمارے کرنے کا کام 47

سبق نمبر 2
جزیرۂ عرب

50

خلاصۂ سبق/طبعی حالت — 50

آب وہوا / عرب کی علاقائی تقسیم/1۔حجاز/ 2۔نجد/ 3۔یمن/ — 51

4۔تہامہ/ 5۔العروض / 6۔یمامہ/ 7۔عمان/ 8۔بحرین/عرب قبائل — 52

1۔قبیلہ عدنان / 2۔قبیلہ قحطان/ اہل عرب کی خصوصیات/ مذہبی حالات — 53

سیاسی حالات — 55

اخلاقی حالات — 56

معاشی حالات/ خاندانی حالات — 57

پہلا حصہ/ دوسرا حصہ — 58

تیسرا حصہ/ قیدار/عدنان/قصی — 59

عبدمناف بن قصی/ ہاشم بن عبدمناف — 60

شیبہ عرف عبدالمطلب/ زم زم کی کھدائی — 61

حضرت عبدالمطلب کی نذر — 62

حضرت عبدالمطلب کی اولادوں کے نام — 63

بیٹے/ بیٹیاں/حضرت آمنہ سے شادی — 64

سبق نمبر 3
ولادت کے وقت پیش آنے والے واقعات

67

خلاصۂ سبق/ پیدائش اورنشوونما — 67

ولادت کے وقت پیش آنے والے واقعات — 68

عقیقہ اورتسمیہ — 69

محمد ﷺ — 71

احمد ﷺ رضاعت — 71

واقعۂ شق صدر / — 73

ملک شام کا سفراور بحیرہ راہب سے ملاقات — 73

حرب الفجار — 74

حلف الفضول میں آپ ﷺ کی شرکت — 74

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور اولاد — 75

تعمیر کعبہ اور آپ ﷺ کی تحکیم — 76

خلعت نبوت 78

سبق نمبر 4 خاموش دعوت وتبلیغ 85

خلاصۂ سبق 85
خاموش دعوت کا طریقہ کار 86
خاموش تعمیل دین 87
دارارقم اسلام کی پہلی دانش گاہ/ سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کا تعارف 88
دارارقم کی سرگرمیاں 89
اعلانیہ دعوتِ اسلام / اعلانیہ دعوت کا حکم/حکم دعوت سورۂ شعراء کی روشنی میں 90
دعوتِ عام کا پرچار/ ہر عام وخاص کو دعوت 91
قریبی رشتے داروں کو ڈرانے کی حکمت 92
قریش مکہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں ابوطالب سے مذاکرہ 93
وفدِ مشرکین کی سردار ابوطالب سے ملاقات/ مشرکین کی دھمکی 93
سردار ابوطالب کی نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا برجستہ جواب 94
آخری دم تک حمایت 95
کفار کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مصالحت کی پیشکش 97
عتبہ بن ربیعہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشکش 97
عرب کے سرداروں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصالحت کی پیش کش 98
ایک اور وفد کی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات 99
مداہنت ومفاہمت کی ایک اور بے سود کوشش 100
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فوری جواب 101
حجاج کو روکنے کے لیے مجلس شوریٰ 102
کفار کی طرف سے مسلمانوں کو ایذا رسانی/تکلیف وآزمائش ضروری ہے 104

سبق نمبر 5 ایذا دینے والے بدبخت اور ان کا انجام 108

خلاصہ سبق 108
رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی/1۔نفسیاتی دباؤ 110

2۔ گلے میں چادرڈال کر بل دینا 111

3۔ کمر مبارک پر اونٹنی کی بد بودار بچہ دانی رکھنا 112

4۔ گردن روندنے کا منصوبہ 113

5۔ چہرہ مبارک پر دُھول / 6۔ قتل کا منصوبہ 7۔ دروازے پر گوبر 114

8۔ بدکلامی 115

9۔ ام جمیل کی زبان درازی 116

10۔ مخالفین کی بھیانک حرکت / 11۔ سنگ زنی کا ناپاک ارادہ 117

12۔ دعوت نبوی کو دھوکا قرار دینا / 13۔ اُخروی مقام و مرتبے کے متعلق نبی ﷺ کا استہزا 118

14۔ اُخروی سزاؤں کا مذاق / 15۔ مجلسوں میں استہزا 16۔ دخل اندازی 119

17۔ حجاج سہمی کے بدنصیب بیٹے / 18۔ ابن طُلاطلہ کی ہرزہ سرائیاں 120

19۔ اشاروں کنایوں سے گستاخیاں 20۔ نماز سے روکنے کی جسارت / نبی ﷺ کے قتل کی انفرادی اور اجتماعی سازشیں 121

1۔ ابی بن خلف کا منصوبۂ قتل 122

2۔ حکم بن ابی العاص اور دیگر کفار کے حملے کی بار ہا کوشش 122

3۔ ابوجہل کی ناپاک کوشش / 4۔ رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش / 5۔ بنو مخزوم کی مشترکہ سازش 123

6۔ نضر بن حارث کی بے سود کوشش / رسول اللہ ﷺ کو تسلی 124

معجزوں کے ذریعے تسلی 125

سبق نمبر 6 مسلمانوں پر ظلم وستم اور ہجرت حبشہ 129

خلاصہ سبق / اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم وستم 129

تعذیب مسلمین / حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ 130

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ / صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ 131

خباب بن الارت رضی اللہ عنہ 132

ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ / حبشہ کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت 133

ہجرت کا مفہوم 134

ہجرت حبشہ / ہجرت کا حکم اور ملک کا انتخاب 135

آغاز سفر / مشرکین مکہ کا بندرگاہ تک تعاقب 136

مہاجرین کی تعداد اور نام / صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحابیات رضی اللہ عنہن / ہجرت حبشہ کے اسباب ومحرکات 137

جبشہ کے انتخاب کی وجوہ 139
نجاشی کا عدل 139
جبشہ سے واپسی اور اس کے اسباب 140
حاکم جبشہ کے دربار میں سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تقریر 142
مشرکین مکہ کا اقدام/شاہ جبشہ کے لیے تحائف 142
قریش کا وفد دربار نجاشی میں 143
نجاشی کی برہمی/مہاجرین جبشہ کی دربار میں طلبی دربار نجاشی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر 144
نجاشی کی مسلمانوں سے سماعت قرآن کی فرمائش 145
مشرکین کی ایک اور چال ناکام 146
اہل اسلام کو دربار نجاشی سے پروانۂ امن 147
سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر کے فوائد وثمرات 147
نجاشی کے لیے دعائے نبوی/جبشہ کی طرف دوسری ہجرت 148

سبق نمبر 7

اسلام حمزہ رضی اللہ عنہ وعمر فاروق رضی اللہ عنہ شعب ابی طالب کا محاصرہ اور عام الحزن 152

خلاصہ سبق 152
اسلام حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ 154
شعب ابی طالب کے محاصرے اور عہد نامے کا بیان 157
کفار مکہ کا ناپاک منصوبہ/شعب ابی طالب میں محصوری 157
ابولہب کی بنو ہاشم سے علیحدگی 157
قریش کی بنو ہاشم اور بنو مطلب سے قطع تعلقی / ظالمانہ تحریر/عہد نامہ کس نے لکھا؟ 158
شعب ابی طالب کا محاصرہ سخت / شعب ابی طالب میں حفاظت نبوی کا خصوصی اہتمام 159
ابوجہل کی ابوالبختری کے ہاتھوں دھلائی 160
حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زبان سے داستان ظلم کا اظہار 160
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی سرگرمیاں/ دیمک کا عہد نامے کو چاٹ لینا 160
ابوطالب اور قصیدہ لامیہ 161
ہشام بن عمرو کا کارنامہ 162
معاہدہ چاک کرنے پر اتفاق/معاہدہ چاک ہوگیا 163
عہد نامہ چاک کرنے والوں کا تعارف 164

محاصرے کا خاتمہ / معجزہ شق القمر 165
عام الحزن (غم کا سال) / ابوطالب کی وفات 166
سردار ابوطالب کی قریش کو آنحضرت ﷺ کے متعلق وصیت 166
وفات سردار ابوطالب / ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات 167
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حالت بیماری اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے دلجوئی / تدفین 168
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دیگر خواتین پر فضیلت 168
سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں / سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا اسلام اور ہجرت حبشہ 169
سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے حبالہ عقد میں 170
سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے دو خواب 171

سبق نمبر 8 — سفر معراج

174

خلاصۂ سبق 174
براق کا تعارف 177
قریش پر معراج کی خبر کا اثر 178
ابوجہل کو اسراء کی اطلاع / ابوجہل کا لوگوں کو اکٹھا کرنا / ابوجہل اور مطعم کا انکار 179
واقعہ اسراء پر قریش کا ردعمل / بیت المقدس رسول اللہ ﷺ کے روبرو 180
سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور لقب صدیق 181
ایک راہ گزر قافلے کے بارے میں اطلاع 182
واقعہ اسراء اور منکرین کا انجام / عجائب سفر اور عالم مثال کی بے مثال اَمثال 183
تحمید ابراہیمی علیہ السلام / تحمید موسوی علیہ السلام / تحمید داوٗدی علیہ السلام 185
تحمید سلیمانی علیہ السلام / تحمید عیسوی علیہ السلام 186
تحمید محمدی ﷺ / چار پیالے 186
مشاہدہ جنت وجہنم 187
مقام صریف الاقلام / دیدار اور کلام اور عطائے احکام مقام 187

سبق نمبر 9 — بیعت عقبہ اور ہجرت مدینہ

192

خلاصۂ سبق / وفد انصار سے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات 192

وفد میں شامل انصار کے نام/تاریخ ملاقات 193
وفد انصار کی یثرب واپسی / یثرب میں اسلام کی مقبولیت/ہجرتِ رسول ﷺ کا واقعہ 194
کاشانۂ نبوت کا محاصرہ 195
غار ثور 196
سو اونٹ کا انعام/اُمِ معبد کی بکری 197
سراقہ کا گھوڑا/ بریدہ اسلمی کا جھنڈا 198
حضرت زبیر کے بیش قیمت کپڑے 199
شہنشاہ رسالت ﷺ مدینہ میں 199
مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کا پہلا خطبہ اور نماز جمعہ / خطبات کا حاصل 200
مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کا پہلا خطاب 201
خطبہ جمعہ میں پنہاں اسباق 202
مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کا اولین خطبہ 203

سبق نمبر 10
ہجرت کا پہلا سال
210

خلاصۂ سبق/حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسلام 210
مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر/ نبی کریم ﷺ کے لیے تین عظیم المرتبت مساجد کا اعزاز 212
حدود مدینہ میں تعمیر کردہ اولین مسجد 213
تعمیر مسجد سے پہلے 213
مسجد نبوی کے لیے جگہ کا انتخاب اور حصول 214
جگہ کی قیمت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کی/ زمین کی صفائی اور ہمواری/تعمیراتی سامان کی فراہمی 215
پہلی اینٹ اور آغاز تعمیر 216
طرز تعمیر اور دورانیہ/ مسجد نبوی کی تعمیر میں رسول اللہ ﷺ کی شرکت 217
آنحضرت ﷺ کا انداز ترغیب/ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے مکانات 218
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی/ اذان کی ابتداء 219
انصار و مہاجر بھائی بھائی 220
یہود مدینہ سے معاہدہ 222

سبق نمبر 11

ہجرت کا دوسرا سال

227

خلاصۂ سبق/ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کا حکم/تحویل قبلہ سے پہلے 227

رسول اللہ ﷺ کی بے قراری 228

قبلہ کی تبدیلی 229

صحابہ رضی اللہ عنہم کا بے مثل جذبۂ اطاعت/ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک خلجان/اہل حق کی کینہ پروری کا نیا رخ 230

تحویل قبلہ پر یہود کا حسد 232

منافقین کی مذموم حرکت/ روزوں کی فرضیت 232

فرضیت رمضان سے قبل عاشوراء اور دیگر روزے 233

صیام رمضان کی فرضیت 234

فرضیت صیام رمضان کے مراحل/ پہلا مرحلہ 235

دوسرا مرحلہ / تیسرا مرحلہ 236

غزوہ وسریّہ کا فرق/ سریّہ حمزہ/ سریّہ عبیدہ بن الحارث 240

سریّہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ/ غزوۂ ابواء/ غزوۂ بواط 241

غزوہ بنی قینقاع 242

غزوۂ سفوان / غزوۂ ذی العُشیرہ/ سریّہ عبداللہ بن جحش 243

غزوۂ سویق 244

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی 245

سبق نمبر 12

ہجرت کا دوسرا سال غزوہ بدر

249

خلاصۂ سبق 249

جنگ بدر کا سبب/ مدینہ سے روانگی 250

ننھا سپاہی 251

کفار قریش کا جوش/ ابوسفیان بچ کر نکل گیا 252

کفار میں اختلاف / کفار قریش بدر میں/ تاجدار دو عالم ﷺ بدر کے میدان میں 253

سرور کائنات ﷺ کی شب بیداری/ کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟ 254

لڑائی ٹلتے ٹلتے پھر ٹھن گئی 255

شکم مبارک کا بوسہ/عہد کی پابندی 256

مسجد العریش/ دونوں لشکر آمنے سامنے/ دعائے نبوی 257
لڑائی کس طرح شروع ہوئی/حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت 258
کفار کا سپہ سالار مارا گیا 259
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تاریخی برچھی / ابوجہل ذلت کے ساتھ مارا گیا 260
ابوالبختری کا قتل 261
اُمیّہ کی ہلاکت/فرشتوں کی فوج 262
کفار نے ہتھیار ڈال دیئے اسماء شہداء غزوہ بدر/ بدر کا گڑھا 263
کفار کی لاشوں سے خطاب/ مدینہ کو واپسی/مجاہدین بدر کا استقبال 264
قیدیوں کے ساتھ سلوک/ اسیرانِ جنگ کا انجام 265
حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ 266
حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار 266
مقتولین بدر کا ماتم 267
مجاہدین بدر کے فضائل/ ابولہب کی عبرتناک موت 268

سبق نمبر 13 غزوہ احد (ہجرت کا تیسرا سال) 272

خلاصۂ سبق/ جنگ اُحد 272
مدینہ پر چڑھائی/ مسلمانوں کی تیاری اور جوش 274
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی امداد کو ٹھکرا دیا/ بچوں کا جوش جہاد 275
تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں 276
جنگ کی ابتداء 277
ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی 278
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت/حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت 279
مورچہ خالی کرنے پر سیدنا ابن جبیر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ/ خالد بن ولید کا حملہ 280
ابلیس کی صدائے بازگشت 281
عمرہ حارثیہ کی علمبرداری 281
مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت یمان رضی اللہ عنہ کی شہادت 281
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تاثرات 282

آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے اصحاب / ثابت قدم رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم 283
حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی 284
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے بشارت 285
ابن سکن رضی اللہ عنہ کی بے مثل دادِ شجاعت 285
ابن قابوس رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے کا پایۂ استقلال 286
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موت پر بیعت 288
ابی ابن خلف کی آنحضرت ﷺ کو قتل کی دھمکی 288
تاجدارِ دو عالم ﷺ زخمی / صحابہ رضی اللہ عنہم کا جوش جاں نثاری 289
خواتین اسلام کے کارنامے / حضرت اُمِ عمارہ رضی اللہ عنہا کی جاں نثاری بیداری 291
ایک انصاری عورت کا صبر 293
شہدائے کرام / رضی اللہ عنہم قبورِ شہداء کی زیارت 293
حیاتِ شہداء 294

سبق نمبر 14
ہجرت کا چوتھا سال

298

خلاصہ دُرس / سریہ ابو سلمہ 298
سریہ عبد اللہ بن انیس / حادثۂ رجیع 299
حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی قبر / حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت 301
واقعۂ بیر معونہ 302
غزوۂ بنو نضیر 303
شراب کی حرمت 306
حرمت شراب کے مراحل / پہلا مرحلہ 306
دوسرا مرحلہ / تیسرا مرحلہ 307
قطعی حکم کب نازل ہوا؟ / غزوہ ذات الرقاع 308
غزوہ بدر صغریٰ 309
اہم واقعات 311

سبق نمبر 15
ہجرت کا پانچواں سال

316

خلاصہ سبق 316
غزوہ دُومۃ الجندل/غزوۂ مُریسیع 317
منافقین کی شرارت 318
حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح 319
واقعہ افک 320
غزوہ خندق 325
محاصرہ کی شدت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزیمت 327
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا دلیرانہ اقدام 330
نصرت غیبی اور محاصرہ کا خاتمہ 330
ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کو جہاد اور شہادت پر آمادہ کرتی ہے۔ 331
غزوہ بنو قریظہ 332

سبق نمبر 16
هجرت کا چھٹا سال صلح حدیبیہ اور سلاطین و امراء کو دعوت اسلام 337

خلاصہ سبق/عمرۃ الحدیبیہ 337
بیعۃ الرضوان 339
شرائط صلح 344
سلاطین کے نام دعوت اسلام 350
نامہ مبارک اور قیصر 351
خسرو پرویز کی بد دماغی 354
نجاشی کا کردار/شاہ مصر کا برتاؤ 354
بادشاہ یمامہ کا جواب/حارث غسانی کا گھمنڈ 355
سریۂ نجد 356
ابو رافع قتل کر دیا گیا 357

سبق نمبر 17
هجرت کا ساتواں سال غزوہ خیبر اور عمرۃ القضاء 362

خلاصۂ درس/غزوۂ ذات القرد 362
جنگ خیبر / غزوۂ خیبر کب ہوا؟ 363
جنگ خیبر کا سبب/مسلمان خیبر چلے 364

یہودیوں کی تیاری/محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے/اسود راعی کی شہادت 365
اسلامی لشکر کا ہیڈ کوارٹر 366
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مرحب کی جنگ 368
خیبر کا انتظام 369
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح 369
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دیا گیا/حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے آ گئے 370
خیبر میں اعلان مسائل/وادی القری کی جنگ 371
فدک کی صلح/عمرۃ القضاء 372
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی 374
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح 374

سبق نمبر 18 ہجرت کا آٹھواں سال کفارِ مکہ کی عہد شکنی اور فتحِ مکہ 378

خلاصہ سبق/جنگ موتہ 378
اس جنگ کا سبب 379
معرکہ آرائی کا منظر 380
نگاہِ نبوت کا معجزہ 381
سریۃ الخبط 382
ایک عجیب الخلقت مچھلی 383
فتح مکہ (رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء) 383
کفار قریش کی عہد شکنی 384
تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استعانت 385
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امن پسندی 386
ابوسفیان کی کوشش 387
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط 388
مکہ پر حملہ 389
حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ملاقات 390
میلوں تک آگ ہی آگ/قریش کے جاسوس 391
ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اسلام 392
لشکر اسلام کا جاہ و جلال 393

فاتح مکہ کا پہلا فرمان 394

مکہ میں حضور ﷺ کی قیام گاہ 396

بیت اللہ میں داخلہ 397

شہنشاہِ رسالت ﷺ کا دربارِ عام 398

سبق نمبر 19 فتح مکہ (حصہ دوم) (جنگِ حنین، طائف کا محاصرہ اور عاملوں کا تقرر) 402

خلاصۂ سبق / کفارِ مکہ سے خطاب 402

دوسرا خطبہ / انصار کو فراق رسول ﷺ کا ڈر / کعبہ کی چھت پر اذان 405

بیعتِ اسلام 406

بت پرستی کا خاتمہ / چند نا قابل معافی مجرمین 408

مکہ سے فرار ہو جانے والے 409

مکہ کا انتظام 410

جنگِ حنین 411

جنگ اوطاس 413

طائف کا محاصرہ / طائف کی مسجد 415

جنگ طائف میں بت شکنی 416

مالِ غنیمت کی تقسیم 417

انصاریوں سے خطاب 417

قیدیوں کی رہائی 418

عمرۂ جعرانہ 419

۸ھ کے متفرق واقعات 420

توبہ کی فضیلت / عاملوں کا تقرر 421

سبق نمبر 20 ہجرت کا نواں سال (غزوہ تبوک، اسلام کی نشر و اشاعت اور مختلف وفود کی آمد) 425

خلاصۂ سبق / غزوۂ تبوک 425

غزوۂ تبوک کا سبب / فہرست چندہ دہندگان 426

فوج کی تیاری 427

تبوک کو روانگی 428

راستے کے چند معجزات 429
ہوا اڑا لے گئی/گمشدہ اونٹنی کہاں ہے؟ 430
تبوک کا چشمہ / رومی لشکر ڈر گیا 431
ذو البجادین رضی اللہ عنہ کی قبر 432
مسجد ضرار 433
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امیر الحج 434
وفود العرب 435
استقبالِ وفود / وفد ثقیف 436
وفد کندہ/ وفد بنی اشعر 437
وفد بنی اسد/ وفد فزارہ 438
وفد بنی مرہ / وفد بنی البکاء 439
وفد بنی کنانہ 439
وفد بنی ہلال/ وفد ضمام بن ثعلبہ 440
وفدَ بلی 441
وفد تجیب 442
وفد مزینہ/ وفد دوس 443
وفد بنی عبس 444
وفد دارم/ وفد غامد 445
وفد نجران 446
بنی تمیم کا وفد 447
حاتم طائی کی بیٹی اور بیٹا مسلمان 448

سبق نمبر 21
ہجرت کا دسواں سال (حجۃ الوداع، لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ) 452

خلاصۂ سبق/ حجۃ الوداع 452
شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تخت شاہی 455
موئے مبارک/ساقی کوثر چاہ زمزم پر 456
غدیر خم کا خطبہ / جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ 457
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے وصال کے متعلق اشارے 459
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رحلت نبوی کی اطلاع/1۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اشارہ 461

2۔ایک صحابی کے سوال پر نبی ﷺ کا جواب / 3۔نبی ﷺ کی اپنے متعلق پیش گوئی 462
4۔غدیر خم کے موقع پر واضح اظہار / 5۔واضح انداز میں جدائی کی اطلاع 462
6۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بشارت / 7۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی الوداعی ملاقات 463
دیدار الٰہی کی تیاری 464
شہدائے احد کے لیے دعا / اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کا حکم الٰہی 464

سبق نمبر 22
رسول اللہ ﷺ کا سفرِ آخرت

469
خلاصۂ سبق 469
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا انتخاب 470
مرض میں شدت 470
آنحضرت ﷺ کا آخری خطبہ 473
رسول اللہ ﷺ کی رحمت بھری آخری نظر / حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد 474
ملک الموت کی طرف سے اجازت طلبی / جگر گوشۂ رسول فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی بے قراری 475
آخری الفاظ اور لمحات 476
رسول اللہ ﷺ کا وصال پُرملال / تجہیز و تکفین / نماز جنازہ 478
قبر انور / حضور ﷺ کا ترکہ 479
زمین 480
سواری کے جانور 480
ہتھیار / ظروف و مختلف سامان 481

سبق نمبر 23
رسول اللہ ﷺ کا خاندان

485
خلاصۂ سبق / حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا 485
حضرت سودہ رضی اللہ عنہا 486
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا 487
حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا / 489
حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا / حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا 490
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا 492
حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا 493

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا 493
حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا 494
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا 495
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد واھل بیت/حضرت قاسم رضی اللہ عنہ/حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ 496
حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ 497
حضرت زینب رضی اللہ عنہا 498
حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا 499
حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا 500
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا 501
امام حسن رضی اللہ عنہ 503
امام حسین رضی اللہ عنہ 505
حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا / آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیاں 506
مقدس باندیاں/حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا/حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا 507
حضرت نفیسہ رضی اللہ عنہا/چوتھی باندی صاحبہ 508

سبق نمبر 24
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارک
512

خلاصۂ سبق/رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے مثل حسن وجمال 512
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ پرانوار 513
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت 515
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک 516
نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد وقامت 517
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زلفیں اور سر مبارک 518
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مونچھیں اور داڑھی مبارک 520
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی اور ابرو مبارک 521
نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسین آنکھیں اور پلکیں مبارک / آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک اور کان مبارک 522
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہن اور دندان مبارک / آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اور ہونٹ مبارک 524
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک / رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے اور سینہ مبارک 525
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیٹ اور ناف مبارک 526
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر مبارک / نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازو، بغلیں اور کلائیاں مبارک 527

آنحضرت ﷺ کے ہاتھ اور انگلیاں مبارک 528
آنحضرت ﷺ کی رانیں، پنڈلیاں اور پاؤں مبارک 528
آنحضرت ﷺ کا جسم اطہر، ہڈیاں اور جوڑ مبارک 529
آنحضرت ﷺ کی چال مبارک 530
محبوب عالم ﷺ کی آواز مبارک 531
آنحضرت ﷺ کے سفید بال مبارک 532
آنحضرت ﷺ کا پسینہ مبارک 534

سبق نمبر 25
روزمرہ کے عادات وخصائل

540
خلاصۂ سبق 540
آنحضرت ﷺ کی عادات جمیلہ 540
صلہ رحمی 541
اوروں کا بوجھ اُٹھانا 543
بے کسوں پر خرچ کرنا 544
مہمان نوازی 545
مصائب وآلام میں مدد کرنا 546
صداقت وامانت 550
آنحضرت ﷺ کی سادہ زندگی 551
وعدے کی پاسداری 553
شرم وحیا 555
خوش طبعی 556
آنحضرت ﷺ کا مسکرانا 558
آنحضرت ﷺ کا انداز گفتگو 561
صبر وتحمل 562
آنحضرت ﷺ کا عجز وانکسار 564
نبی ﷺ کا طریقہ ملاقات 565
رسول مقبول ﷺ کا سیاسی تدبر 568

سبق نمبر 26
ملبوسات اور نبوی تعلیمات
574

خلاصۂ سبق/ نیا لباس کب پہنا جائے؟/ نیا لباس پہننے کی دعا 574
لباس میں سادگی 575
خوش لباس ہونا معیوب نہیں/ آنحضرت ﷺ کا پسندیدہ لباس 576
کون سا لباس ممنوع ہے؟/ مردانہ سوٹ پر کڑھائی 577
لباس کی کیفیت/ آنحضرت ﷺ کے ملبوسات 578
کرتہ مبارک/ جبہ مبارک 579
حلہ مبارک 580
قبا مبارک/شلوار مبارک 581
عمامہ اور ٹوپی مبارک 582
چادر مبارک 583
جرابیں اور موزے مبارک/ جوتا مبارک 584
آنحضرت ﷺ کا اوڑھنا بچھونا/ ۱۔بستر مبارک/ ۲۔چار پائی مبارک 585
۳۔تکیہ مبارک/ ۴۔بچھونا مبارک/ ۵۔لحاف اور چادر مبارک 586
۶۔کمبل مبارک/ ۷۔چٹائی مبارک/ ۸۔کرسی مبارک 587
زیب وزینت کے لوازمات/ تیل اور کنگھی/سرمہ 588
آئینہ/ خوشبو اور اس کا استعمال 589
انگوٹھی مبارک/ زلفیں مبارک 590
خضاب 591
۹۔حجامت/ ۱۰۔ناخن تراشنا اور غیر ضروری بال مونڈنا 591
تبرکات 592

سبق نمبر 27
ماکولات ومشروبات اور نبوی تعلیمات
598

خلاصۂ سبق/ کاشانۂ نبوی میں فاقہ کشی 598
میسر غذا پر قناعت/ مرغوب غذائیں/ ۱۔کھجور مع کھیرا یا تربوز/ ۲۔دودھ 599
۳۔شہد اور میٹھی اشیا/ ۴۔زیتون/ ۵۔ثرید/ ۶۔حیس 600
۷۔خزیرہ/ ۸۔حریرہ/ ۹۔تلبینہ/ ۱۰۔پنیر/ ۱۱۔سرکہ 601

۱۲۔ستو/ ۱۳۔کدو/ ۱۴۔روٹی/ ۱۵۔گوشت 602
۱۶۔پیلو کا پھل/مشروبات/ ۱۔شہد کا مشروب 603
۲۔دودھ کا شربت/ ۳۔نبیذ/کھانے پینے کے آداب 604

سبق نمبر 28
نبی کریم ﷺ کے یومیہ معمولات
609

خلاصۂ سبق/تہجد کے لیے بیداری 609
نمازتہجد 610
نمازتہجد کے بعد / نماز فجر 611
نماز فجر کے بعد 612
طلوع آفتاب کے بعد اشراق کے نفل / نبی ﷺ سے یمن و برکت کا حصول 613
گھر واپسی اور ناشتہ / کہیں آنے جانے کا موزوں وقت 614
فیصلے اور احکامات جاری کرنے کا وقت 615
نماز ظہر 616
قیلولہ 617
دوپہر کا کھانا 619
نماز عصر 620
نماز عصر کے بعد 621
نماز مغرب 622
گھریلو مصروفیات 623
شام کا کھانا/نماز عشاء 624
عشاء کے بعد 625

سبق نمبر 29
رسول اللہ ﷺ کے دن اور رات کے اذکار
629

خلاصۂ سبق 629
سونے اور نیند سے بیدار ہونے کی تعلیم/سونے سے پہلے کرنے والے مسنون کام 629
۱۔وضو کرنا / ۲۔بتیاں بجھانا اور دروازہ بند کرنا/ ۴۔آگ بجھا کر سونا 630
۵۔بستر جھاڑنا / سونے کی دعائیں پڑھنا 631

رات کو کروٹ لیتے وقت اللہ کا ذکر کرنا/ بیدار ہوتے وقت نبی کریم ﷺ کا طریقہ مبارک 632
ربانی محبوب کی محبوب نماز 633
گھر میں آنے جانے کے آداب 634
مسجد میں داخل ہوتے اور باہر نکلتے وقت کی تعلیم 635
کھانے پینے کی دعائیں 636
بیت الخلا میں جانے اور باہر نکلنے کا طریقہ 637
وضو کے مسنون وظائف 638
صبح وشام کے اذکار کی فضیلت واہمیت 639
صبح کی خاص دعائیں 640

سبق نمبر 30
نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا 644

نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجنا حکم الٰہی ہے 644
درود وسلام کی فضیلت اور اہمیت 645
درود وسلام کے مواقع 652
درود نہ پڑھنے کی وعید 653
درود وسلام بھیجنے کا طریقہ 654
درود پاک کے آداب 655
چالیس درود شریف 656

كلمات القلب

فضيلة الشيخ رمزی الحبيب المالكی التونسی
شيخ الحديث بجامعة الحسنين بفيصل أبادالباكستان

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الولی الحسيب ......والصّلاة والسّلام علی النبی الحبيب ﷺ

اليك ارفع سيدی و جدی و حبيبی هذه الكلمات...... واسطر هذه العبارات ......
فأنت مجمع الانوار و معدن الاسرار ...... صلوات الله وسلام عليك بالليل و النهار......

صحيح سيدی انی لم ار نور و جهك يوما...... ولا سمعت عذب حديثك مرة ......
ولكنی ''احبك'' ''احبك'' ''احبك''......

سيدی لست بأنس رضی الله عنه اللذی خدمك...... وا با بكر رضی الله عنه اللذی صدقك ......
و لا بعمر رضی الله عنه اللذی ساندك ......ولا بعثمان رضی الله عنه اللذی بماله ايدك ......
ولا بعلی رضی الله عنه اللذی حفظك......

انا سیدی مسلم فی آخر الزمان ......قد ا ظلتنی الساعة واحاطت بی الفتن ......
قرات عنك فعشقتك...... و عشت فی حدیثك فعرفتك...... و تفكرت فی خصالك
فجمدتك...... فانت یاسیدی هو انت...... انت للعالمین رحمة ...... للعاملین حجة ......
وللمتقین قدوة......

سیدی و سندی......هٰذه دروس فی سیر تك العطرة ......وحیاتك العبقة......یقدمها
خادم من خدامك (مصطفیٰ عزیز) ......لینال بها اعز شفاعتك ......
وفی مثل هذا قد صدقك شاعر ...... كحسان بن ثابت رضی اللہ عنہ......حیث قال :

وما ان مدحت محمد بمقالتی

ولكن مدحت مقالتی بمحمد

والسّلام علی مسك الختام

كتبهٔ رمزی الحبیب الاستاذ

بجامعة الحسنین فیصل آباد

دل کی بات (ترجمہ)

میرے محترم ومکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم......میرے محبوب، دل وجان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم......میں چند الفاظ اور جملے آپ کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کی جسارت چاہتا ہوں ......آپ تو انوارات کا سرچشمہ ہیں اور اسرارات کا خزینہ......دن ورات آپ پر درود وسلام۔ میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... یہ تو یقینی بات کہ مجھے آپ کے چہرۂ انور کی زیارت سعادت نصیب نہیں ہوئی......اور نہ میرے کان آپ کی رس بھری شیریں آواز مبارکہ سے خوش بخت ہوئے ......اس کے باوجود مجھے آپ سے پیار ہے...... مجھے آپ سے پیار ہے...... مجھے آپ سے پیار ہے......۔ میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دامن میں نہ تو انس رضی اللہ عنہ کی خدمت ہے......اور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت ......اور نہ ہی عمر رضی اللہ عنہ کی شجاعت ......اور نہ ہی علی رضی اللہ عنہ کی حفاظت......۔

پیارے محبوب......! میں تو آخری زمانے کا کمزور مسلمان ہوں......جس کو زمانے کی گردش نے کچل دیا ہو...... اور فتنوں نے روند ڈالا ہو......لیکن میں نے آپ کو پڑھا......تو آپ پر فریفتہ ہوگیا ہوں......آپ کی باتیں سنیں......تو آپ کو پہچان لیا......آپ کے اخلاق دیکھے ......تو آپ کو اعلیٰ پایا......بس میرے پیارے......آپ ہی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں......آپ ہی جہانوں کیلیے رحمت......عمل والوں کیلئے دلیل......اور تقویٰ والوں کے لئے نمونہ ہیں......۔

میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم......! یہ سیرت کے اسباق......آپ کی مبارک اور معطر زندگی پر مشتمل ہیں......جن کو آپ کا خادم (مصطفیٰ عزیز)......پیش کر کے سعادت مند ہو رہا ہے......تا کہ آپ کی شفاعت کے سہرے کا اعزاز پائے......۔ سیرت کی کوئی بھی خدمت......حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر کا مصداق ہے......۔

میں نے اپنے قصیدے سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف نہیں کی
بلکہ اپنے قصیدے کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف سے عزت بخشی

الشیخ رمزی الحبیب (تیونس)
شیخ الحدیث جامعۃ الحسنین فیصل آباد

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ...وَوَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ حِفْظًا ...وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ سُلْطَانُهٗ... وَ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ رَحْمَتُهٗ... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ سِیْرَةَ نَبِیِّهِ الْمُصْطَفیٰ... مِنَارَةَ النُّوْرِ وَ الْهُدٰی... وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی صَفْوَةِ خَلْقِهٖ ...مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ... وَ عَلٰی آلِهٖ... وَاَصْحَابِهٖ... وَاَتْبَاعِهٖ... اَجْمَعِیْنَ...!

ایک مسلمان کے لیے اپنا آپ جاننا اتنا ضروری نہیں جتنا رسول اللہ ﷺ کے بارے جاننا ضروری ہے کیونکہ مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ صرف حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے......آج پوری دنیا ایک عالمگیر نظام کی ضرورت محسوس کر رہی ہے......انسانی خودساختہ نظام یکے بعد دیگرے فیل ہو رہے ہیں...... پوری دنیا متبادل نظام کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہی ہے...... یہ ضرورت اگر کوئی مذہب پوری کر سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے......کیونکہ عالمگیر نظام کا نمونہ اگر کسی نے پیش کیا ہے تو وہ یہی اسلام ہے......گویا عالمگیر نظام برپا کرنے اور اسے صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے اگر کسی شخصیت کی زندگی صحیح رہنمائی کر سکتی ہے......تو وہ صرف حضور ﷺ کی زندگی ہے......

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اقدار حیات اس خوبی کے ساتھ پائی جاتی ہیں...... کہ اس کا مطالعہ کرنے والا کبھی بھی اور کسی بھی مقام پر تاریکی کا نام ونشان نہیں پاتا...... آپ ﷺ کی مثالی شخصیت ایں خانہ ہمہ آفتاب است کے مانند ہے۔ ......آپ ﷺ کا شخصی کردار...... رحمت ورافت......محنت وشفقت......خشیت وانابت...... شجاعت وبسالت...... صداقت وعدالت......جود وسخا......فراست ومتانت......ایثار وقربانی...... احساس ذمہ داری......حلم وتواضع......صبر وتوکل......نیز گھریلو وجماعتی زندگی میں دوست، ساتھی، شفیق سردار، مساکین کے سرپرست......اسی طرح قومی وملی زندگی میں عدل وانصاف......فوجوں کی کمانڈری......انتظامات حکومت......سیاسی سوجھ بوجھ......دوستوں کی دلداری......دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک ......جیسے اوصاف عالیہ کی اتنی بہترین اور متنوع تصویریں ......جس خوبی کے ساتھ کتب سیرت میں دکھائی دیتی ہیں ......وہ کسی اور عبقری وقت کے حوالے سے اس جامعیت کے ساتھ دکھائی نہیں دیتیں ......اور کمال یہ ہے کہ اجتماعی وانفرادی زندگی کے سارے تابندہ نقوش ایک ہی مکمل ومقدس ذات کے اندر پائے جاتے ہیں......

مختصر یہ کہ محض تیئس سالہ کوششوں کے نتیجے میں جزیرہ عرب کے جاہلوں گنواروں......توہم پرستوں......غارت گروں......دختر کشوں ......اور دوسروں کے حقوق مارنے والوں کا مجمع نہیں رہ گیا...... بلکہ وہ ایک مہذب، تعلیم یافتہ...... پاکیزہ اخلاق ......روشن خیال اور امن پسند......جو لوگوں اور حقوق انسانی کے پاسبانوں کا معاشرہ بن گیا......آج ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت نبوی ﷺ کے پیغام کو عام کیا جائے......۔اگر معاصر دنیا واقعی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاقی وروحانی ترقی چاہتی ہے......اور وہ پرامن اور خوش حال زندگی کی خواہاں ہے......تو اسے اسوۂ رسول ﷺ کو عملی طور پر اپنانا ہوگا......یہی ربیع الاوّل کا حقیقی پیغام ہے......۔

اللہ کریم نے کرم فرمایا کہ سیرت جیسے عظیم موضوع کا خیال نصیب فرمایا......گزشتہ پانچ سے سیرت کورس کے نام سے حیات طیبہ کی خوشبو سے معطر ہونے کی جستجو میں ہیں ...... ہزاروں لوگوں کی مثالی محبت اور شرکت نے بے حد متاثر کیا...... عاشقین کا اپنے پیارے دل وجان کی مسلسل مصائب والی زندگانی پر تڑپنا اور آنسو بہانا......عشق کے سمندر کی موجوں میں اپنے محبوب کی تاب نہ لاتے ہوئے جنت کی تمنا کرنا......ان جیسی کیفیات وجذبات نے علمی وعملی بے سروسامانی کے باوجود آن کھڑا کیا......کہ سیرت کورس 30 اسباق پر مشتمل کو وجود ملا......

سیرت طیبہ خود معجزہ نہ ہوتا ......تو شاید دلوں کو تلملانی والی حیاۃ کے انوارت وفیوضات میری موت کا سبب بن جاتے ......یقین جانیں اتنی کشش کہ عبارت کو لکھنے کے دوران بار بار ٹھنڈے سانسوں کا سہارہ لینا پڑتا ہے......سیرت طیبہ کا مطالعہ ساتھ چھوڑ دیتا ہے لیکن آنسو ساتھ نہیں چھوڑتے ......سیرت طیبہ کے اس سفر میں کبھی خاموشی طاری ہو جاتی ہے...... تو کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہمدردی میں سسکیاں شروع ہو جاتی ہیں ......کبھی حبشہ پہنچ جاتے ہیں ......تو کبھی صعوبت خانے میں بند ہو جاتے ہیں ......کبھی طائف کے پہاڑوں پے چڑھنا ہوتا ہے......تو کبھی آسمانوں کی سیر بھی کرنی ہوتی ہے ......کبھی ہجرت کا ساتھی ......تو کبھی مسجد نبوی کا مزدور......کبھی بدر، احد، خندق کے لطف ......تو کبھی احرام میں لبیک کی صدائیں ......کبھی فتح مکہ کے نظارے ......تو کبھی بادشاہوں کے دربار......کبھی پیٹ پے پتھر ......تو کبھی مال غنیمت کے ڈھیر......عشق ومحبت اور احساس وجنون کی کیفت میں تھک ہار کر......بس اتنا......بس اتنا......بس اتنا ......سوچ لیتا ہوں......فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

اللہ کریم اس سیرت کورس کو میرے تمام اساتذہ کرام ......والدین ......آباؤ اجداد ......اولاد واحفاد...... اور تمام امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دنیا و آخرت کا ذخیرہ بنائے ......اطاعت اور محبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذریعہ بنائے ......حوض کوثر کے پاس تعارف اور شفاعت کا سبب فرمائیں۔ اَللّٰھُمَّ آمِیْن ......

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

19 صفر المظفر 1445 بمطابق 4 ستمبر 2023

سیرۃ انسٹی ٹیوٹ اینڈ ریسرچ سینٹر فیصل آباد

سبق نمبر
01
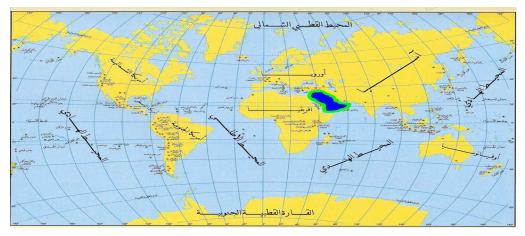
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ دینی فوائد و برکات

خلاصۂ سبق

(رسول کائنات، فخر موجودات محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خالق ارض وسماء، رب العلیٰ نے نسل انسانی کے لیے نمونۂ کاملہ اور اسوۂ حسنہ بنایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کو فطری طریقہ قرار دیا ہے۔ محسن انسانیت صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے معمولات زندگی ہی قیامت تک کے لیے شعار و معیار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے۔ یوم ولادت سے لے کر روز رحلت تک کے ہر ہر لمحہ کو قدرت نے لوگوں سے محفوظ کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کی ہر ادا کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متوالوں نے محفوظ رکھا ہے اور سند کے ساتھ تحقیقی طور پر ہم تک پہنچایا ہے، لہٰذا سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت واکملیت ہر قسم کے شک وشبہ سے محفوظ ہے۔)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع الجہات، جامع الصفات اور جامع الحسنات ہستی ہیں۔ عالم انسانیت میں آپ کی کوئی نظیر نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید البشر، امام الانبیاء، دینی پیشوا، سیاسی مدبر، عسکری رہنما، سماجی رہبر، خانگی اور عائلی زندگی میں محبت ومرحمت اور شفقت ونجابت کے پیکر ہیں۔ فی الجملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانے اور زندگی کے ہر میدان کے شہسوار اور بہترین قائد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی زندگی، لوگوں کے ساتھ آپ کا رویہ، آپ کی دعوت کی عالم عرب پر اثر انگیزی اور قبولیت، غرضیکہ آپ کی مبارک زندگی کے یہ سب امور پوری تفصیل کے ساتھ انسانی بساط کے بلند ترین معیار کے مطابق محفوظ ہیں۔ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تشریعی مقام و مرتبہ سمجھنا ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت، اقوال و افعال اور سیرت وکردار دین کا جز ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (1)

''وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے۔ یہ تو ایک وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ پر دین نازل ہی نہیں کیا بلکہ آپ کو دین کا شارح بھی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (2)

''اور ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ پر نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جائیں جو ان کے لیے اتاری گئی ہے، شاید وہ غور و فکر کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کو دین حنیف کا مستقل ماخذ قرار دیا۔ اس حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شارع بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے ہر معاملے اور الجھن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (3)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ عمل ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ایک مسلمان پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، احترام اور اتباع لازم ہے، بلکہ یہ ایمان کی شرط لازم ہے۔ محبت و احترام کا تقاضا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار کی مکمل آگہی حاصل کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم ربانی کے مطابق اسلامی نہج پر افراد، معاشرہ اور حکومت قائم کرنے والے عظیم پیغمبر تھے۔ آپ کا طرز انقلاب دنیا کے لیے ایک بے مثل تجربے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تربیت و تزکیہ کے نتیجے میں ایک امت منصۂ شہود پر آئی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (4)

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

خیر کا مرکز

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۲۳ سالہ عظیم جدوجہد اور کاوش کے نتیجہ میں اللہ نے آپ کو کامیابی عطا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن مکمل ہو گیا۔ اس اتنی جاں گسل کشمکش کے دوران انتہائی ایثار کا مظاہرہ فرمایا اور کوئی صلہ و معاوضہ نہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصول تھا:

وَمَآ اَسۡئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ (5)

''اور میں تم سے اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا میرا ثواب تو بس رب العالمین ہی کے ذمہ ہے۔''

معاشی لحاظ سے

نبوت ملنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت کامیاب تاجر تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پورا سرمایہ اپنے مشن پر لگا دیا۔ جب کامیابی کا دور آیا تب بھی آپ نے فقر و فاقہ اور سادگی ہی سے گزر بسر کی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کچھ مزید کا مطالبہ کیا مگر رد کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر میں کوئی بچا ہوا مال نہ رکھا۔ کوئی دربان اور خادم نہ تھے۔ سواری نہ تھی نہ گھر میں سامان آرائش تھا دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپ کے گھر میں صرف چند ہتھیار پائے گئے۔

سیاسی لحاظ سے

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ خدا کے احکام نافذ کئے۔ خود احکام شریعت کے پابند رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنا حکم (بطور انسان) ماننے پر مجبور نہ کیا۔ یہود و منافقین کی نت نئی سازشوں کے باوجود کسی کو نظر بند نہ کیا۔

کسی کی کمر کو تازیانوں سے نہیں اُدھیڑا۔ لوگوں کو تنقید کا حق دیا۔ اختلاف کرنے کی آزادی دی ان سے مشورے کئے۔ پھر ان کے مشورے قبول فرمائے۔

سماجی لحاظ سے

سماجی لحاظ سے بھی ہمیشہ اپنے لیے مساوات پسند فرمائی۔ مجلس میں سب کے برابر بیٹھتے۔ اپنے لیے کسی کو کھڑے ہونے کی اجازت نہ دی۔ رہن سہن، لباس وضع قطع کسی میں امتیاز نہ فرمایا۔

خندق کی کھدائی ہو یا مساجد کی تعمیر غرض ہر جگہ ہر موقع پر لوگوں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ قرض خواہوں کو اپنے سے تقاضہ کرنے کا حق دیا اپنے آپ کو مجلس عام میں انتقام کے لیے پیش کر دیا۔ نہ قانونی طور پر اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھا اور نہ سماجی طور پر کبھی امتیاز برتا۔

کیا اس بے لوث اور پر خلوص ایثار کا مظاہرہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے علاوہ کہیں اور مل سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مشن کی تکمیل پر اللہ ربّ العزّت نے بشارت دیتے ہوئے اعلان فرمایا:

اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا‌ ؕ (6)

''کہ میں نے آج تمہارے دین کو مکمل کر دیا تم پر، اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان پر بے شمار احسانات کئے ہیں ان گنت انعامات سے اسے نوازا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا اپنے بندے پر احسان نہیں رکھا۔ اگر اس نے اپنے بندوں پر اپنی کسی نعمت کو جتلایا ہے تو وہ یہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (7)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انھیں پاک صاف بنائے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقینا کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کو لازمہ ایمان آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ کی اتباع کو شرط نجات قرار دیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ (8)

''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

یعنی اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حُب خداوندی کے حصول کی ضامن ہے جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہ کرے وہ کبھی خدا کا محبوب نہیں بن سکتا نہ اس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں قرآن وسنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو انسانیت کے لیے عظیم نعمت اور اہل ایمان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کو شرط ایمان قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (9)

''جو شخص فرمان برداری کرے رسول کی تو اس نے اللہ کی فرمان برداری کی''

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت نہ کرنا دراصل اپنے اعمال کو ضائع کرنے کے مترادف ہے سورۃ محمد میں ارشاد ربانی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾(10)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال اس وقت شرف قبولیت حاصل کر سکتے ہیں جب تک آپ کی اطاعت کی جائے بلکہ کوئی عمل عمل صالح ہی تب کہلا سکتا ہے جب وہ سنت کے مطابق ہو۔ جب کوئی عمل آپ ﷺ کے طریقہ مبارک سے ہٹ کر کیا جائے گا تو وہ باطل اور مردود ٹھہرے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ۘ(11)

''اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

اسی طرح حدیث میں بھی اتباع سنت پر بہت زور دیا گیا ہے۔

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ (12)

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جن نے میری نافرمانی کی اس نے دراصل اللہ کی نافرمانی کی۔''

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (13)

''جس نے میری سنت اور طریقے سے منہ موڑا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''

مومنوں کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق اور واسطے کے کئی مدارج ہیں:

1۔ آپ ﷺ کی معرفت ہو

آپ ﷺ کتنی رفعتوں اور عظمتوں کے حامل ہیں آپ ﷺ کے فضائل، اسوۂ حسنہ اور خلق عظیم سے واقفیت ہونا۔ آپ ﷺ کے سنت، طریقہ، آپ ﷺ کے ارشادات وفرامین، آپ ﷺ کا مقام ومرتبہ، آپ ﷺ کا زہد وتقویٰ، عفوودرگزر، عزم واستقلال، صبر وحوصلہ، ایثار اور شرافت گویا آپ ﷺ کی سیرت کی معرفت حاصل کرنا

لازمی ہے۔ کیونکہ جب تک نبی کریم ﷺ کی معرفت نہ ہو آپ ﷺ کا احترام اور عظمت دل میں جاگزیں ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا سیرت طیبہ کے ہر ہر لمحہ کا مطالعہ کرنا اور اس سے واقفیت بہم پہنچانا ایک مسلمان کا فرض اوّلین ہے کیونکہ یہ آپ ﷺ پر ایمان لانے کا پہلا زینہ ہے۔

2۔ ایمان لانا

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ دل سے آپ ﷺ کی قدر کریں، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مانیں۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ اس پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہماری فلاح ہے اور اگر اس پر عمل نہ کیا گیا تو یہ انجام کار دنیا و آخرت میں ہمارے ہی لئے نقصان کا باعث ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات دائمی اور ابدی ہیں اور خدا کی معرفت کا وہی طریقہ بہترین ہے جو آپ ﷺ نے بتایا ہے۔

3۔ محبت کرنا

ایسی عظیم ہستی سے ہمیں بے لوث محبت کرنی چاہیے۔ دل کی گہرائیوں سے آپ ﷺ کے ساتھ شعوری محبت کی جائے اور یہ محبت دنیا کی تمام محبتوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے، ماں باپ، اولاد، بہن بھائی، عزیز و اقارب اور دوست و احباب ان سب سے زیادہ محبت آپ ﷺ کے ساتھ ہونی چاہیے بلکہ اپنی ذات سے بھی نبی کریم ﷺ کی ذات کو مقدم رکھنا تقاضائے ایمان ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ۔ (14)

’’تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کی نگاہ میں اس کے والدین، اولاد اور دیگر سب لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔‘‘

حقیقت یہ ہے کہ کوئی کام یا عمل اس وقت تک اللہ کے ہاں شرف قبولیت نہیں پاسکتا جب تک اس کی بنیاد حُبّ رسول ﷺ پر نہ ہو۔

4۔ اطاعت و اتباع

نبی کریم ﷺ کی معرفت آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ سے دلی محبت رکھنے کا یہ منطقی تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے اور آپ کے حکم پر سر تسلیم خم کیا جائے۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (15)

''جو شخص فرمان برداری کرے رسول کی تو اس نے اللہ کی فرمان برداری کی''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل ارشاد فرمایا تھا۔

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں پر مضبوطی سے قائم رہو گے۔ گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری سنت رسول۔''

اطاعت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع بھی لازمی ہے، اتباع کا دائرہ اطاعت سے وسیع ہے، اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر فعل کی پیروی ہے چاہے وہ فرض ہو، سنت ہو، مستحب یا نفل ہو، ہر مومن صادق کی یہ خواہش ہونی چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے سانچے میں ڈھال دے۔ پھر یہ اتباع کی گہرائیوں سے ہو۔ احترام وعقیدت کے جذبے سے ہو۔ خدا کی محبوبیت کا درجہ ایسے ہی اتباع سے حاصل ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱ (16)

''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ (17)

''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔''

5۔ درود شریف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر ایک اور حق ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجا جائے۔ درود ہے کیا؟ غور کیا جائے تو یہ دراصل ایک دعا ہے جو ہر مومن کے دل سے از خود نکلنی چاہیے کہ اے اللہ! نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات ہم پر بے شمار ہیں انھوں نے تیرا پیغام ہم تک بلا کم و کاست پہنچایا۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑا، بے شمار تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔

اے اللہ! ہم عاجز و بے بس بندے تیرے، اس عظیم الشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے پایاں احسانات کا بدلہ خود دینے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تو ہماری طرف سے ان پر رحمتیں برکتیں اور سلامتی نازل فرما۔ اس طرح ان کو ہماری طرف سے اپنے خزانہ عامرہ سے جزائے خیر اور اجر بے پایاں سے نواز۔

آپ پر درود بھیجنے کا حکم خود رب کریم نے قرآن پاک میں دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶ (18)

''بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو، اور خوب سلام بھیجا کرو۔''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''وہ سب سے بڑا بخیل ہے جس کے سامنے میرا نام لیا جاوے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''(19)

مزید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

''جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا، اس کے دس گناہ معاف کرے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔''(20)

اور یہ بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا بغیر درود کے قبول نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں درود پڑھنے سے روز قیامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔ اب اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام تو بڑے پیار و محبت سے لے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زبانی عقیدت و محبت کے بڑے وعدے بھی کرے مگر عملاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل اور عمل کی پیروی نہ کرے بلکہ اس کا اپنا قول و فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے متصادم ہو تو ایسا شخص دعوائے حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جھوٹا اور اس کا دل حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خالی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کا معیار تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی ہی ہے۔ ایک عربی شاعر لکھتا ہے:

تَعْصِي الإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ   هذا محالٌ فی القیاس بدیعُ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لأَطَعْتَهُ   إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعُ

''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی بھی کرتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ بھی رکھتا ہے۔ واللہ! یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرتا کیوں کہ محب تو اپنے محبوب کا اطاعت شعار ہوا کرتا ہے۔''

قرآن حکیم جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری پر دنیا میں کامیابی اور آخرت میں اجر جزیل کا وعدہ فرماتا ہے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کو بہت بڑی گمراہی سے تعبیر فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (21)

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے بے شک وہ بڑی کامیابی سے ہمکنار رہوا۔''

دوسری جگہ قرآن پاک میں اس کامیابی کی وضاحت بھی کی گئی ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ (22)

''اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔''

اس کے برعکس نافرمانی کرنے والے کے لیے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿٣٦﴾ (23)

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

6۔ تبلیغ دین

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق کا ایک اور تقاضہ ہم پر یہ عائد ہوتا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو دوسروں تک پہنچائیں۔ دین اسلام پر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تبلیغ بھی کریں۔ اقامت دین کی سعی ہر مسلمان پر لازم ہے عملاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی اشاعت کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو دوسروں تک پہچانا لازمی فریضہ ہے آپ کا ارشاد ہے:

بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً (24)

''میرا پیغام دوسروں تک پہنچانا چاہے ایک آیت کیوں نہ ہو۔''

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حقیقت و آداب

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ (25)

''تم میں سے کوئی مومن ہو نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے

زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

مذکورہ بالا حدیث میں اولاد اور والدین کی محبت کا ذکر ہے لیکن نفس کی محبت کا ذکر نہیں۔ نفس کی محبت کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے سوال کرتے ہیں کہ "تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو؟ انھوں نے کہا ساری دنیا سے زیادہ۔ فرمایا: اپنی جان سے بھی زیادہ؟ کہا اپنی جان سے زیادہ نہیں۔ فرمایا: اللہ کی قسم! تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز نہ سمجھو۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اب میں آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ فرمایا: ہاں! اب ٹھیک ہے، اے عمر!"(26)

"اللہ نے بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو لازم قرار دیا ہے۔ فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ؀ (27)

"اے نبی مکرم! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بچے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں۔ تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی راہنمائی نہیں کرتا۔"

اَحَبِّیت مطلوب نہ کہ محض محبت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فقط محبت نہیں بلکہ احبیت یعنی سب لوگوں سے زیادہ محبت مطلوب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو زندگی کے ہر شعبے میں لازمی طور پر اپنائے۔ آپ کی سنت کی اتباع کرے۔ آپ کے بارے میں تمام شرعی آداب کا لحاظ رکھے۔ آپ پر اپنی جان قربان کرے، نیز اپنے پیارے بیٹے یا مشفق والد یا کسی بھی محبوب ہستی کی محبت کو آپ کی محبت میں آڑے نہ آنے دے۔ اگر کسی وجہ سے اسے اپنی پسندیدہ چیز سے بالکلیہ علیحدگی اختیار کرنا پڑے تو دریغ نہ کرے، جیسا کہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔

اگر کوئی شخص ماں باپ، اولاد، عزیز واقارب کی محبت سے خالی ہو جائے تو اس کے ایمان کا وجود ممکن ہے، کیونکہ ایمان یا رسالت کے لیے زمینی مخلوق کی محبت شرط نہیں، لیکن اگر کوئی شخص نبوی محبت سے خالی ہے تو اس کا ایمان ثابت نہ

ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتۂ محبت کا ٹوٹنا ایمان سے خارج ہونا ہے، کیونکہ رسالت کی تصدیق محبت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ ہر مومن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جان و مال اور اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ عام مسلمان بھی اپنے مرتد اولاد اور بے دین ماں وباپ کو چھوڑ دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت پر جان نچھاور کرتے ہیں۔

محبت دو قسم کی ہوتی ہے:

1 جبلی وطبعی محبت 		2 اختیاری محبت

1۔جبلی وطبعی محبت

جس میں جبلت وطبیعت کا میلان بار ارادہ واختیار ہوتا ہے، جیسے اولاد اور والدین کی محبت خاوند کی اپنی بیوی سے محبت، مال واسباب سے محبت،قبیلہ اور وطن سے محبت وغیرہ۔

2۔اختیاری محبت

جس میں بندے کے اختیار کا دخل ہے اور یہ بالا رادہ ہے۔ یہ ایمانی محبت بھی کہلاتی ہے۔ کیونکہ کہ اس کا ایمان سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ہر محبت امور تکلیفیہ میں سے ہے کیونکہ تمام انسانوں سے اللہ کا مطالبہ ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں۔اسے حب عقلی بھی کہا جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے اسباب

محبت ومودت کا باعث حسن ہوتا ہے یا احسان،اور یہ دونوں صفتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔حسن ذات میں حلیہ اقدس کا جمال بھی ہے اور عبادت، زہد،تقوی اور ذاتی ومعاشرتی اوصاف اور سیرت جلیلہ کا کمال بھی۔ہم اپنے ماحول میں دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنی پاکیزگی، بے غرض محبت، اپنی نیکی اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے ہمارے دل میں گھر کر جاتے ہیں۔بعض لوگ اپنے والدین سے محض ان کی بے لوث قربانی کی وجہ سے پیار کرتے ہیں۔بعض اپنے دوستوں کے احسان کی وجہ سے ان پر جان نچھاور کرتے ہیں۔بعض اپنے روحانی وسیاسی رہنما کے غیر معمولی اوصاف کی وجہ سے ان کی عقیدت کا دم بھرتے ہیں تو ہمیں اپنے رسول اور نبی سے کمال درجے کی محبت کیوں نہ ہو جو تمام اوصاف جلیلہ کے حامل وجامع تھے اور زندگی کے ہر شعبے میں اوج کمال پر فائز تھے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ چند روپوں کے احسان سے متاثر ہو جاتے ہیں۔بعض تسلی وتشفی کے چند کلمات سے جانثار رفیق

بن جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کا کیا عالم ہوگا جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو انسان کامل بناتے تھے اور دنیا و آخرت میں سعادتوں کا امین بناتے تھے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فیضان ہے کہ ہم اللہ کی معرفت حاصل کر پائے اور زندگی کا مقصد کچھ حاصل کر پائے، ورنہ ہم جانوروں کی طرح زندگی گزار رہے ہوتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اجلال و توقیر کی محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان ہے کہ آپ نے مخلوق اور امت کی ہدایت و خیر خواہی کے لیے کمال درجے کی جسمانی و معنوی، اخلاقی و مادی، معاشرتی و سیاسی، دعوتی و جہادی تگ و تازگی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یہ احسان اور رحمت کی محبت ہے۔ بعض اوقات صرف ایک کمال والے سے محبت ہو جاتی ہے، جیسے حاتم طائی، نوشیرواں عادل، رستم، شجاع، ارسطو حکیم وغیرہ۔ لیکن جب محبوب بے شمار اوصاف کا حامل ہو تو محبت کی انتہا کیا ہوگی۔

محبت دل کا فعل ہے

محبت کے جتنے بھی درجے ہیں، ان میں قلب و طبیعت ہی صحیح عمل دخل ہوتا ہے۔ دل کا میلان، قلب میں کشش اور شغف محبوب کا ہر دم خیال و فکر اور اس کی خاطر ہر دعوے اور آرزو سے آزادی محبوب کی خوشی کی ہر دم فکر، جسم و جان کے تمام جذبات اور آرزوؤں کا محض ایک نقطے پر مرکوز ہونا، یہ تمام امور دل سے تعلق رکھتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفع رسانی

انسان کو غیر سے محبت تب ہوتی ہے جب وہ اسے کوئی نہ کوئی نفع دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات سے یہ نفع حاصل ہوا کہ آپ اپنے پیروکاروں کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائے۔ اللہ کے رسول ہی ہیں جن کا نفع براہ راست یا بالواسطہ امتیوں تک پہنچا اور وہ فردوس نعیم کے مستحق ٹھہرے۔ محبت معرفت کا ثمرہ ہے لیکن اس معرفت کا استحضار بھی ضروری ہے ورنہ میلان قلب یکساں حالت میں نہ رہے گا۔ معرفت کامل ہو تو محبت بھی کامل ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اپنے نبی سے معرفت کامل تھی، اس لیے محبت بھی کامل تھی۔

بعض اوقات حجاب در حجاب کی وجہ سے محبت دب جاتی ہے۔ انسان کی فطرت اولیٰ اور طبیعت مستقیمہ بگڑ جاتی ہے۔ ایسے جیسے مریض مرض کی وجہ سے شیریں چیز کو بھی کڑوا سمجھتا ہے اور بھوک کی فطرت سے بھی روگردانی کرتا ہے۔ کسی کی خوبی اور کمال سے متاثر نہ ہونا درحقیقت مرض قلبی کی نشانی ہے، اس لیے جو لوگ اپنے دل میں حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محسوس نہیں کرتے، انھیں اپنے حجابات دور کرنے چاہئیں اور یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ صالحین کی صحبت اور سیرت طیبہ کا مطالعہ اس مرض کا اکسیر علاج ہے۔

محض عقل سے محبت نصیب نہیں ہوتی

محبت میں عقل دل کی رفیق ہوتی ہے۔محبت کومحبوب کی ذات وصفات کا جتنا عرفان ہوگا،محبت بھی اسی قدر عظیم اور مستحکم ہوگی۔قرآن وحدیث میں جہاں جہاں کہا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی محبت سب سے بڑھ کر ہو،اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ کی ذات وصفات کا عرفان زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جائے۔اگر دل کی محبت قوت دنیا کے علائق سے دب گئی ہوتو اسے صیقل کیا جائے تاکہ جہالت خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے۔(28)

محبت کا محل دل ہے اور عقل کا محل دماغ ہے۔دونوں کے نظام اور طرز عمل جدا جدا ہیں۔معرفت عقل سے ہوتی ہے لیکن محض معرفت سے ایمان حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ حب نصیب نہ ہو۔عقل محبت کی وجہ ضرور مہیا کرتی ہے لیکن محبت سراسر دل کا فعل ہے،عقل کا فعل نہیں۔محبت ہرصورت وجدانی اور طبعی چیز ہے۔خالص حب عقلی میں قلب کا کوئی کردار نہیں ہوتا جیسے ہرقل آپ ﷺ کی رسالت کو پہچان تو گیا لیکن ایمان نہ لا سکا۔

محبت کی کیفیات

باطنی معانی کو حاسہ عقل وقلب سے پانے کی لذت معنوی ہوتی ہے جس کے ذریعے سے علماء،صلحاء اور عرفاء سے محبت ہوتی ہے۔نبی اکرم ﷺ کی محبت از روئے شرع بھی واجب ہے اور از روئے طبیعت وعادت بھی واجب ہے۔جب ہم کسی عاقل بادشاہ محسن حاکم،صاحب علم وفضل کے گن گاتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ تو سب اوصاف حمیدہ کے جامع تھے۔

محبت یہ ہے کہ محبّ اپنی مرضی سے ہاتھ اٹھالے محبوب کی خاطر سب کچھ قربان کر کے بھی یہ سمجھے کہ کچھ نہیں کیا۔محبوب کی اولیٰ چیز کو بھی بہت عظیم اور بہت زیادہ سمجھے۔تھوڑی سی نافرمانی کو زیادہ سمجھے اور زیادہ طاعت کو بھی بہت کم سمجھے۔محبوب حکم دے تو لازم سمجھے حکم نہ دے تو اس کے منشا کو حکم سمجھے۔محبوب کو اپنی ہر چیز،افعال،ارادہ،خواہشات،اموال،ذات، اولاد کا مالک بنا دے اور اپنے اختیار میں کچھ بھی باقی نہ رکھے۔سب کچھ نچھاور کرے پھر بھی یہی سمجھے کہ حق ادا نہ ہو سکا۔ ماسوا محبوب کے ہر چیز دل سے مٹا ڈالے۔محبوب کے مقابلے میں اپنی ذات کو حقیر جانے محبوب کو بزرگ و برتر سمجھے۔محبوب کے دیدار کے وقت بھی محبت پر ایک وجدانی کیفیت ہی طاری ہوتی ہے جو تعریف وتوصیف سے بالاتر ہے،جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے دیدار سے ہمارا جی بھرتا نہ تھا۔محبت کا دل محبوب کی رضا کے لیے کوشاں رہے اور اس کی زبان محبوب کے ذکر میں سستی کا شکار نہ ہو بلکہ ہمیشہ درود پڑھتی رہے۔

محبت کے تقاضے، اتباع ونصرت

نبی کی محبت کی تفسیر ومراد کیا ہے؟ اس بارے میں اقوال کی عبارتیں تو بکثرت ہیں لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف نہیں، البتہ احوال و کیفیات ضرور مختلف ہیں۔ چنانچہ بعض نے فرمایا کہ ''محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا نام ہے۔ غالباً انھوں نے اللہ کے اس فرمان کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱ (29)

''اے نبی، لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔''

بعض علماء نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت یہ ہے کہ آپ کی نصرت و مدد کو لازم جانے۔ آپ کی سنت کی حمایت کرے، سنت کی پیروی کرے اور سنت کی مخالفت سے خوفزدہ رہے۔ بعضوں نے کہا کہ ہمیشہ محبوب کا ذکر کرتے رہنے کا نام محبت ہے۔ اور دوسروں نے کہا کہ محبوب پر جاں نثاری محبت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ محبت محبوب کی طرف شوق کا نام ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ دل رب تعالیٰ کی مراد کے موافق عمل کرے کہ جس کو وہ پسند کرے اس کو یہ پسند کرے، جس کو وہ برا کہے اس کو یہ برا کہے۔ مذکورہ اکثر عبارتیں محبت کے نتیجہ وثمرہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں نہ کہ اس کی حقیقت کی طرف۔ (30)

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل نہ ہو تو ایمان بھی کامل نہیں

ماں، باپ، اولاد، بیوی، ساز وسامان کی محبت حرام یا گناہ نہیں لیکن ان کو زیادہ محبوب سمجھنا حرام و گناہ ہے۔ معلوم ہوا کہ مسئلہ محبت کا نہیں بلکہ اَحَبِّیَّت کا ہے۔ مرقاۃ اور فتح الباری میں ہے۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ أَيْ إِيْمَانًا كَامِلًا

''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا، یعنی ایمان کامل والا نہیں ہوسکتا۔''

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اضطراری و جبری ہونے کے باوجود اتنے اسباب رکھتی ہے کہ اس کا حکم تکلیف مالا یطاق والا نہیں بلکہ عقل وشعور کے نزدیک یہ رب کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ایک فطری، مانوس اور مالوف چیز کی محبت کا حکم دیا۔ ایمان مطلق محبت سے حاصل ہوتا ہے اور کامل ایمان اَحَبِّیت سے حاصل ہوتا ہے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جلیلہ اور مناقب حمیدہ کے عرفان سے محبت نصیب ہوتی ہے اور محبت سے ایمان۔

محبت اعمال القلوب کی اصل ہے

محبت ہی سے انابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے اور محبت ہی خوف و رجا کا معدن ہے۔ محبت ہی ہے جو انسان کو بھی مقام رضا اور کبھی مقام شکر پر متمکن کر دیتی ہے، صبر بھی وہی صبر ہے، جس کی بنا محبت پر ہو، ورنہ اس کا نام بے چارگی ہوگا، زہد بھی وہی زہد ہے جس کا منشاء محبت ہو، ورنہ اس کا نام عدم دسترس ہوگا، حیا بھی وہی حیا ہے جس کی ولادت محبت سے ہو، جو ادب و تعظیم کی ہوا میں پلی ہو، ورنہ اس کا نام انفعال طبع ہوگا، فقر وہی فقر ہے جو محب کو بجانب محبوب ہو اور دل اپنی تمام تر قوت کے ساتھ محبوب کے جو دونوال کی جانب مجذب ہو جائے ورنہ اس کا نام تنگ دستی ہوگا، الغرض! محبت ہی قوت القلوب ہے، محبت ہی غذاء الارواح ہے، محبت ہی قرۃ العیون ہے، محبت ہی حیاۃ الابدان ہے، محبت ہی دل کی زندگی ہے، محبت ہی زندگی کی کامیابی ہے، محبت ہی کامیابی کو بقادوام کا تاج پہناتی ہے، محبت ہی بقا کو تخت ارتقا پر بٹھاتی ہے۔(31)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے محبّ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا تو حضرت ابوبکر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زار و قطار رونے لگے لیکن اور کوئی نہ سمجھ سکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ اپنی وفات کی طرف ہے۔(32)

حضرت عمر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے کہ اللہ مجھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں وفات دے۔(33)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر غم کے مارے کہنے لگے۔ جس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں، میں اس کا سر قلم کردوں گا۔(34)

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مذاکرات کے لیے مکہ گئے تو مکہ والوں نے انھیں طواف کعبہ کی اجازت دی۔ انھوں نے یہ کہہ کر اجازت قبول نہ کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام حدیبیہ پر ہوں اور میں طواف کرلوں۔(35)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کو پہلی وحی کے نزول کے وقت کتنے خوب صورت لفظوں سے تسلی دی جو ان کی اپنے خاوند کے ساتھ تعظیم محبت کی عکاسی کرتی ہے۔(36)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جب کوئی حدیث سناتے تو کہتے میرے خلیل اور میرے دوست نے یوں کہا۔(37)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی یاد کرتے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادمین خاص میں شامل تھے۔ آپ کا مسواک، جوتا، عصا سنبھال کر رکھتے۔

ہمارے کرنے کا کام

اللہ رب العزت نے ہمیں اس اسوۂ حسنہ کی مکمل اتباع کا حکم دیا ہے۔ اسی پر ہماری فلاح ونجات کا دارومدار رہے۔ حقیقی اطاعت اور اتباع کی بنیاد معرفت محبت اور تعظیم ہے محبت اور تعظیم دل میں جتنی زیادہ ہوگی۔ اتنی ہی اتباع کامل اور پائیدار ہوگی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت وعقیدت اور آپ کی عظمت وبرتری کے اس احساس کو بیدار کرنے کے لیے اور پھر اسے پروان چڑھانے کے لیے آپ کی سیرت پاک کا بار بار مطالعہ کیا جانا ضروری ہے۔

یہ مطالعہ غور سے ہونا چاہیے اور بار بار ہونا چاہیے کیونکہ عظمت وبرتری کا احساس تو شاید ایک دوبار کے مطالعہ سے بھی ہوجائے مگر محبت وعقیدت پیدا کرنے کے لیے بار بار مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ایک اور بات بھی ذہن میں رہے کہ آپ کی سیرت پاک کا مطالعہ ہمیں دوسری تمام سیرتوں کے مطالعہ سے بے نیاز کرسکتا ہے۔ مگر دوسری تمام عظیم ہستیوں کا مطالعہ آپ کی سیرت سے ہمیں بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

حوالہ جات

1۔ النجم: 3-4
2۔ النحل: 44
3۔ الاحزاب: 21
4۔ ال عمران: 110
5۔ الشعراء: 180
6۔ المائدہ: 3
7۔ آل عمران: 164
8۔ آل عمران: 31
9۔ النساء: 80
10۔ محمد: 33
11۔ الحشر: 7
12۔ صحیح بخاری
13۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم
14۔ صحیح البخاری: 15
15۔ النساء: 80
16۔ آل عمران: 31
17۔ جامع ترمذی
18۔ الاحزاب: 56
19۔ جامع ترمذی
20۔ سنن نسائی
21۔ الاحزاب: 17
22۔ النساء: 69
23۔ الاحزاب: 36
24۔ صحیح بخاری
25۔ صحیح البخاری: 15
26۔ صحیح البخاری: 6632
27۔ التوبۃ: 24
28۔ فتح الباری: ج1 ص 58-59
29۔ ال عمران: 31
30۔ الشفاء، قاضی عیاض: ج2 ص 52
31۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روح ایمان: ص 87-88
32۔ صحیح البخاری: 466
33۔ صحیح البخاری: 1890
34۔ المعجم الکبیر: 6367
35۔ دلائل النبوۃ: ج4 ص 135
36۔ صحیح البخاری: 3
37۔ صحیح مسلم: 948

مشق سبق نمبر 1

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو جاننا کیوں ضروری ہے؟

....

....

2. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟

....

....

3. سماجی لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برتاؤ کیسا تھا؟

....

....

4. مومنوں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق اور واسطے کے کتنے مدارج ہیں صرف عنوان لکھیں؟

....

....

5. محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی آیت پیش کریں؟

....

....

6. اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی حدیث لکھیئے؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. درود شریف دراصل ایک ہے۔

نظریہ ☐ نعرہ ☐ دعا ☐ وظیفہ ☐

2. اللہ نے بھی اپنے رسول ﷺ کی کو لازم قرار دیا۔

عبادت ☐ ریاضت ☐ نعمت ☐ محبت ☐

3. آپ ﷺ کے احسانات کا کیا عالم ہوگا جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو انسان بناتے تھے۔

عاقل ☐ کامل ☐ ماہر ☐ فاتح ☐

4. محبت کا محل ہے

دل ☐ دماغ ☐ گردے ☐ پھیپھڑے ☐

5. محبت رسول ﷺ کی کا نام ہے۔

یاد ☐ اتباع ☐ مراد ☐ سمجھ ☐

6. حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ جب کوئی سناتے تو کہتے میرے خلیل اور میرے دوست نے یوں کہا۔

کہانی ☐ آیت ☐ ترانہ ☐ حدیث ☐

سبق نمبر 02

جزیرۂ عرب

خلاصہ سبق

(سیاسی اعتبار سے عربوں کی کوئی قابل ذکر حیثیت نہیں تھی۔ یہ لوگ قبائلی طور طریقے کے مطابق رہتے تھے۔عرب کے بعض سرحدی علاقے سلطنت فارس، روم اور حبش کے اثر و رسوخ کے ماتحت تھے،لیکن وسطی عرب بیرونی مداخلت سے عموماً آزاد ہی رہا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت معزز اور اعلیٰ ترین گھرانے میں پیدا ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کو اعلیٰ نسب میں مبعوث فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عفیف اور پاکدامن انسان تھے اور آپ کے دادا جناب عبدالمطلب کی کوشش سے زم زم کا کنواں دریافت ہوا۔اسی طرح عبد مناف،قصی،کلاب اور مرہ سے عدنان تک ہر ایک منفرد اہمیت کے حامل اشخاص تھے۔)

جغرافیائی اعتبار سے عرب ایک جزیرہ نما ہے۔جس کے تین اطراف پانی ہے اور ایک طرف خشکی ہے۔مغرب میں بحیرہ قلزم آبنائے سویز اور بحیرہ روم ہیں۔مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان ہیں۔جنوب میں بحر ہند ہے اور شمال میں عراق اور شام ہیں۔عرب محل وقوع کے اعتبار سے دنیا کے وسط میں واقع ہے۔براعظم یورپ، براعظم افریقہ اور براعظم ایشیا کے فاصلے یہاں سے برابر ہیں اسی وجہ سے مکہ کو ناف زمین کہا جاتا ہے۔

طبعی حالت

عرب میں کوئی دریا نہیں ہے۔ پہاڑوں سے چشمے جاری رہتے ہیں یہ چشمے پھیل کر تھوڑی دور تک مصنوعی دریا بن

جاتے ہیں پھر ریگستان میں جذب ہوجاتے ہیں یا سمندروں میں گر جاتے ہیں۔عرب میں کچھ وادیاں بھی ہیں۔عرب کا وہ حصہ جو ساحل سمندر کے قریب ہے سرسبز و شاداب اور زرخیز ہے۔عرب میں سونے اور چاندی کی کانیں بکثرت ہیں۔قریش کی تجارت کا دارومدار چاندی کی تجارت پر تھا۔پیٹرول بکثرت ہے جس نے سعودی عرب کو دنیا کا امیر ترین ملک بنا دیا ہے۔

آب وہوا

محل وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب وہوا مختلف ہے لیکن عموماً ''گرم خشک'' ہے۔عرب کا شمار دنیا کے گرم و خشک ترین ممالک میں ہوتا ہے۔گرمی اتنی شدید ہوتی ہے کہ بعض اوقات برداشت سے باہر ہوجاتی ہے۔بارش بہت کم ہوتی ہے۔برسات کے موسم میں کبھی کبھار بارش ہوتی ہے۔بارش نہ ہونے کی وجہ سے فصلیں کم ہوتی ہیں۔زیادہ تر غذائی اجناس باہر کے ممالک سے آتی ہیں۔یہاں کا مشہور پھل کھجور ہے۔

عرب کی علاقائی تقسیم

علاقائی لحاظ سے عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

① حجاز ② نجد ③ یمن ④ تہامہ ⑤ العروض

1۔حجاز

عرب کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔اس کا کل رقبہ ڈیڑھ لاکھ مربع میل ہے۔حجاز میں اکثر حصہ ریگستان اور صحرا پر مشتمل ہے۔اس کے مشہور شہر مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔

2۔نجد

اس کے معنی بلند کے ہیں۔یہ صوبہ عرب کے درمیان میں واقع ہے۔یہاں پہاڑ اور وادیوں کا سلسلہ ہے۔یہ صوبہ تیل کے چشموں کی وجہ سے مشہور ہے۔ریاض اس کا صدر مقام ہے۔

3۔یمن

اس صوبہ کا کل رقبہ پچھتّر ہزار مربع میل ہے۔یہ صوبہ سرسبز و شاداب ہے۔اس علاقہ میں گندم جو اور باجرہ پیدا ہوتا ہے۔

4۔تہامہ

تہامہ کے معنی ساحلی علاقہ کے ہیں یہ حجاز کے جنوب میں واقع ہے۔نشیبی علاقہ ہے۔یہ علاقہ میدانوں اور پہاڑوں پر مشتمل ہے۔اس کی وجہ تسمیہ گرمی کی انتہائی شدت ہے۔

5۔العروض

یہ علاقہ یمامہ،عمان اور بحرین پر مشتمل ہے۔

6۔یمامہ

نجد اور یمن کے درمیانی علاقہ کو یمامہ کہتے ہیں۔

7۔عمان

یہ صوبہ عرب کے مشرق میں ہے۔اس کا رقبہ بیاسی ہزار کلومیٹر ہے۔یہاں کی خاص پیداوار کھجور ہے اس کا صدر مقام مسقط ہے۔

8۔بحرین

بحرین کو الاحساء بھی کہتے ہیں۔یہ عمان اور خلیج فارس کے درمیان واقع ہے۔اس کے بعض حصوں میں نہروں سے آبپاشی ہوتی ہے۔کہیں کہیں چونے کا پتھر بھی ملتا ہے دہران میں تیل کے چشمے ہیں۔

عرب قبائل

عرب میں قبائلی نظام رائج تھا۔ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا تھا جو شیخ کہلاتا تھا۔قبیلے کے لوگ سردار کا چناؤ کرتے تھے۔ قبائلی تعصب بہت زیادہ تھا۔ان قبائل میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا ہوجاتا تھا اور جنگ کی صورت اختیار کرلیتا تھا۔اگر دو قبیلوں میں لڑائی شروع ہوجاتی تو وہ کئی نسلوں تک جاری رہتی تھی۔اسی طرح ایک دفعہ گھوڑے دوڑانے پر بنو عبس اور بنو ذبیان کے درمیان جھگڑا ہوا۔دونوں قبیلے کئی برسوں تک آپس میں لڑتے رہے۔

عرب کے دو بڑے قبیلے تھے:

① قبیلہ عدنان ② قبیلہ قحطان

1۔ قبیلہ عدنان

یہ قبیلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ ان کے مشہور سردار کا نام مضر تھا۔ اسی نسبت سے یہ مضری بھی کہلاتے ہیں۔ ان کے دیگر قبائل، بنی بکر۔ بنی قیس۔ بنی تمیم۔ بنی تغلب اور بنو قریش وغیرہ ہیں۔ ان تمام قبائل میں قبیلہ قریش خانہ کعبہ کا متولی ہونے کی بنا پر سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے ہے۔

2۔ قبیلہ قحطان

یہ لوگ قحطان کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا اصلی وطن یمن تھا۔ اسی نسبت سے یمنی کہلائے۔ یہ عدنانی عربوں کی نسبت متمدن تھے۔ ان کی سلطنتیں غسان اور حیرہ تھیں۔ اس خاندان میں ایک مشہور بادشاہ تھا۔ جسے سرخ لباس پہننے کی وجہ سے ''حمیر'' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے قبیلہ بنی قحطان حمیری بھی کہلائے، ان کا قبیلہ بنوخزاعہ مکہ میں آباد تھا۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج بھی اسی قبیلہ سے تھے۔

اہل عرب کی خصوصیات

عربوں کی سخاوت مشہور ہے۔ اگر قحط سالی کے ایام میں بھی ان کے پاس مہمان آجاتے تو اپنی سواری کا جانور ذبح کر دیتے۔ جو شخص ان کی پناہ میں آجاتا اس کی پوری حفاظت کرتے۔ بہادر اور ذہین تھے۔ اگرچہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری تھے لیکن اپنی یاداشت کے بل بوتے پر انہوں نے اپنی جنگوں اور دیگر اہم واقعات کی تفصیلات کو محفوظ رکھا۔ وہ صرف اپنے سلسلہ نسب سے ہی پوری طرح باخبر نہ تھے بلکہ اپنے گھوڑوں کے نام اور ان کے نسب ناموں کو بھی پوری طرح جانتے تھے۔ عربوں کی دانشمندی دنیا میں مشہور تھی۔

شعر و شاعری سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ یہ شاعروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور ہر قبیلہ اپنے شاعر پر فخر کرتا تھا۔ عکاظ کے میلوں میں شاعر اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ ان کی شاعری کے خاص موضوعات بزرگوں کی تعریف، عشق و محبت اور جنگوں میں بہادری کے کارنامے ہوتے تھے۔

مذہبی حالات

عرب میں اسلام سے قبل مختلف مذاہب تھے۔

☆ ...... کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط (1)

''اور جو تم ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے، تم کہو کہ خدا کا شکر ہے۔''

☆......کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے قائل تھے لیکن قیامت، جزا اور سزا کے منکر تھے۔ قرآن کریم نے قیامت کے ثبوت کے بارے میں فرمایا ہے:

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط (2)

''کہہ دو کہ وہی دوبارہ زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔''

☆......کچھ لوگ جزا اور سزا کو مانتے تھے لیکن نبوت کے منکر تھے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط (3)

''کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا ہے پیتا ہے اور بازار میں چلتا پھرتا ہے۔''

عرب میں زیادہ تر تعداد بت پرستوں کی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر مذاہب کے ماننے والے لوگ بھی عرب میں آباد تھے:

① بت پرست ② عیسائیت ③ یہودیت

④ صابئین ⑤ آتش پرست ⑥ حنفیت

① اہلِ عرب کی اکثریت بت پرست تھی۔ جن خداؤں کو یہ لوگ مانتے تھے ان کے بُت بنا لئے تھے اور جا بجا عظیم الشان بت کدے قائم ہو گئے تھے۔ یہ رواج اس قدر عام ہو گیا تھا کہ جہاں خوب صورت پتھر مل گیا، اُٹھا لیا اور اس کی پرستش شروع کر دی۔ جہاں کوئی پتھر نہ ملا، مٹی کا ایک تودہ بنا لیا۔ ایک بکری لا کر اس کا دودھ اس پر ڈالا، پھر اس کے گرد طواف کیا اور یوں وہ ایک معبود بن جاتا تھا۔ عقل میں فتور نے عام و خاص کو بُت پرستی میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان کے بتوں پر کتے پیشاب کر دیتے تھے۔ ان پر مکھیاں بھنبھناتی تھیں۔ شرک کا غلبہ اتنا زیادہ تھا کہ مشرکین یہ نہیں سوچتے تھے کہ جس کی عبادت کرتے ہیں اس میں اتنی طاقت نہیں کہ اپنے اوپر سے مکھی اُڑا سکے۔ خانہ کعبہ اور اس کے اطراف میں تین سو ساٹھ (360) بت تھے۔

2. قبل از اسلام عرب کے بہت سے علاقوں میں عیسائی مذہب رائج تھا۔ بنوقضاء کا تعلق عیسائیت سے تھا۔ اس کے علاوہ قبیلہ غسان اور ربیعہ بھی عیسائیت کے ماننے والے تھے۔ قبیلہ طے کا رئیس حاتم طائی بھی عیسائی تھا۔ نجران کے لوگ بھی عیسائی تھے۔

3. پانچویں صدی قبل مسیح میں بخت نصر نے جب یہودیوں کو نیست نابود کرنا چاہا تو یہودی عرب چلے آئے۔ بنوحرث بن کعب۔ بنوکنانہ۔ حمیر۔ کندہ یہودی قبیلے تھے۔ خیبر کے لوگ بھی یہودیت میں داخل ہو گئے تھے۔ یثرب میں بنو نضیر۔ بنوقینقاع اور بنوقریظہ۔ یہودی قبائل تھے۔

4. ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا قبلہ قطب شمالی تھا۔ صائبین میں روزوں کے دن مقرر تھے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ جو مصری فرعون کے ساتھ ڈوبنے سے بچ گئے وہ قطب شمالی کی جنت میں آرام کررہے ہیں۔ صائبین حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سچا نبی مانتے تھے۔

5. آتش پرست ایران سے ہجرت کر کے عرب کی مشرقی سرحدوں اور یمن میں آباد ہو گئے تھے۔ آگ کی پوجا کرتے تھے۔ آگ کو خدا کا نور اور نیکی کی علامت سمجھتے تھے۔

6. قبل از اسلام کچھ لوگ سلیم الفطرت بھی تھے جو یہ جانتے تھے کہ عرب میں جہالت اور بدی نے دین کی حقیقت کو چھپا رکھا ہے۔ یہ لوگ دینِ حنیف پر قائم تھے۔ حنیف کا لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ لوگ فطرتاً بدی اور برائی سے ہمیشہ دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی تلاش میں رہتے تھے اور توحید کے ماننے والے تھے۔ ان کی تعداد بہت کم تھی۔ توہم پرستی اور بت پرستی سے اکتا کر حق کی تلاش میں رہتے اور اپنے آپ کو عبادت میں مصروف رکھتے تھے۔

سیاسی حالات

قبل از اسلام عرب کی سیاسی حالت بہت خراب تھی۔ عرب میں کوئی باضابطہ حکومت نہیں تھی۔ یہاں کے لوگ مختلف قبائل میں تقسیم تھے۔ کوئی بھی ان پر حکومت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ کیونکہ یہاں پر زیادہ تر حصہ ریگستان اور صحرا پر مشتمل تھا۔ کوئی روزگار نہیں تھا۔ کوئی پیداوار نہیں تھی۔ باقاعدہ آبادیاں نہیں تھیں۔ کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہیں تھی۔ اس لئے کسی فاتح نے اس کو فتح کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر کسی نے حملہ کیا بھی تو ان کو شکست دیتے ہوئے آگے نکل گیا یہاں پر اپنی حکومت قائم نہیں کی۔ اسی لئے عرب کے لوگ فطرتاً آزاد تھے اور کسی کے زیر اثر رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔

اخلاقی حالات

عرب میں قبل از اسلام ہر وقت جنگ وجدل کا بازار گرم رہتا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑنا اور ایک دوسرے کو قتل کر دینا سر کاٹ لینا، ان کے نزدیک کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرِ پیکار تھا۔ ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزوں کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ میں پرورش پاتا تھا۔

جوان ہو کر اس مقدس فرض کو انجام دیتا تھا اور اس طرح ایک لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم رہتا تھا۔ ان ہی لڑائیوں کو مؤرخین اور اہل ادب ایام العرب کہتے ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ ان لڑائیوں میں بے رحمی اور سفاکی کی حالت یہ تھی کہ جب ایک گروہ دوسرے گروہ پر قبضہ کر لیتا تو اسکے بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیتا اور سب کو قتل کر دیتا۔ عربوں میں جوئے کا بھی عام رواج ہو گیا تھا، اس کی کئی صورتیں تھیں۔

عرب کے مال ودولت کا تمام تر سرمایہ اونٹوں اور بکریوں کی تجارت تک محدود تھا۔ بعض اوقات کسی شرط پر بازی ہار جانے پر لوگ مال ودولت کے بعد گھر کی خواتین اور بچوں پر بازی لگا دیتے تھے۔ یہ قمار بازی اکثر مار پیٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی تھی۔ سودخوری کا عام رواج تھا۔ تمام دولتمند سود کا لین دین کرتے تھے۔ عربوں میں لوٹ مار کا عام رواج تھا۔ بعض قبائل نے راہزنی کو اپنا ذریعۂ معاش اور عام مشغلہ بنا لیا تھا۔ تاجروں اور سوداگروں کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے باسلامت گزر نہیں سکتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا اور مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا تھا۔ مراعات یافتہ طبقے میں کوئی صاحب اگر اس الزام میں پکڑے جاتے تو وہ چھوڑ دیے جاتے تھے۔

عورتوں کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا تھا، ایک مرد جتنی عورتوں سے شادی کرنا چاہتا تو اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ جس عورت کو جس وقت چاہتا بغیر وجہ کے چھوڑ دیتا تھا۔ دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کر لیتے تھے، عورت جب بیوہ ہو جاتی تو گھر سے باہر ایک نہایت تنگ کوٹھڑی رہنے کو اور خراب سے خراب کپڑے پہننے کو دیئے جاتے تھے۔ خوشبو استعمال نہیں کر سکتی تھی۔ جس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اس کو سخت رنج ہوتا اور شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ (4)

''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ

جاتا ہے۔اس خوشخبری کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو قبول کرے یا زندہ زمین میں دفن کردے۔''

رفتہ رفتہ دختر کشی کی رسم جاری ہوگئی،لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو میدان میں لے جا کر گڑھا کھودتے اور زندہ دفن کردیتے تھے۔

معاشی حالات

عرب کے شہر میں رہنے والے لوگوں کو حضرمی کہا جاتا تھا اور دیہات میں رہنے والے لوگوں کو بدوی کہا جاتا تھا۔شہری لوگوں کے معاش کا ذریعہ تجارت تھا اور دیہات میں رہنے والے لوگوں کا معاش زراعت اور حیوانات کی پرورش کرنا تھا۔

عرب کے تین طرف بحری سواحل واقع ہیں۔اس قدرتی جغرافیائی تقسیم کی بدولت عرب کے ہر حصے کو دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک کیساتھ تجارتی سہولتیں حاصل ہیں۔اس وجہ سے اہل عرب نے تجارت کی دنیا میں بڑی شہرت حاصل کی۔ عرب تاجر عام طور پر خوشبودار اشیاء، گرم مصالحہ جات،لوہا،سونا اور دیگر قیمتی جواہرات، چمڑا، کھالیں، زین پوش،گھوڑے، بھیڑ، بکریاں وغیرہ برآمد کیا کرتے تھے۔ان کی درآمدات میں کپڑا،غلّہ،سامان آرائش،ہتھیار وغیرہ شامل تھے۔

عرب میں وہ مقامات جو سرسبز و شاداب تھے۔مثلاً یثرب،نجد، یمامہ خیبر، جذان، طائف، نجران، رہا۔ یہاں کاشت ہوتی تھی۔دوسرے پھلوں کے علاوہ کھجور یہاں کا مشہور پھل تھا۔

عرب دنیا کو ہر زاویے سے دیکھنے کے بعد رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور مقام کو پڑھیے۔

خاندانی شرافت

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان ونسب،نجابت وشرافت میں تمام دنیا کے خاندانوں سے اشرف واعلیٰ ہے اور یہ وہ حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن کفار مکہ بھی کبھی اس کا انکار نہ کر سکے۔چنانچہ حضرت ابوسفیان نے جب وہ کفر کی حالت میں تھے بادشاہ روم ہرقل کے بھرے دربار میں اس حقیقت کا اقرار کیا کہ

هُوَ فِيْنَا ذُوْ نَسَبٍ

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالی خاندان ہیں۔''(5)

حالانکہ اس وقت وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن تھے اور چاہتے تھے کہ اگر ذرا بھی کوئی گنجائش ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک پر کوئی عیب لگا کر بادشاہ روم کی نظروں سے آپ کا وقار گرادیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنایا اور کنانہ میں

سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب کیا۔(6)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف والد ماجد کی طرف سے یہ ہے:

(۱) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۲) بن عبداللہ (۳) بن عبدالمطلب (۴) بن ہاشم (۵) بن عبد مناف (۶) بن قصی (۷) بن کلاب (۸) بن مُرّہ (۹) بن کعب (۱۰) بن لُوی (۱۱) بن غالب (۱۲) بن فہر (۱۳) بن مالک (۱۴) بن نضر (۱۵) بن کنانہ (۱۶) بن خزیمہ (۱۷) بن مدرکہ (۱۸) بن الیاس (۱۹) بن مضر (۲۰) بن نزار (۲۱) بن معد (۲۲) بن عدنان۔(7)

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شجرہ نسب یہ ہے:

(1) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (2) بن آمنہ (3) بنت وہب (4) بن عبد مناف (5) بن زہرہ (6) بن کلاب (7) بن مرہ۔(8)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا نسب نامہ کلاب بن مرہ پر مل جاتا ہے اور آگے چل کر دونوں سلسلے ایک ہو جاتے ہیں۔ عدنان تک آپ کا نسب نامہ صحیح سندوں کے ساتھ بالاتفاق مؤرخین سے ثابت ہے۔

مگر اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ عدنان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے فرزند ارجمند ہیں۔

پہلا حصہ

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبدالمناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر (قریش ان کا لقب تھا) بن مالک بن نضر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

دوسرا حصہ

عدنان بن اُود بن ہمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن اُبی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیض بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثر بن یحزن بن یلحن بن اُرعوی بن عیض بن ذیشان بن عیصر بن اُفناد بن اُیہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوضہ بن عرام بن قیدار بن اسمٰعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام

تیسرا حصہ

ابراہیم علیہ السلام بن تارح (آزر) بن ناحور بن ساروع (یا ساروغ) بن راعو بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ (کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں) بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن آنوشہ بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام۔

نوٹ: دوسرے اور تیسرے حصے میں اختلاف موجود ہے جبکہ پہلے حصے کے متعلق تمام مؤرخین متفق ہیں۔

قیدار

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بارہ صاحبزادے عطا فرمائے۔ ایک بیٹے کا نام قیدار تھا۔ یہ اپنے سب بھائیوں سے زیادہ بہادر، صاحب کردار مشہور تھے۔ ان کی نسل شمالی عرب میں آباد ہوئی اور اس نسل سے فخرِ کائنات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا۔

عدنان

قیدار کی اولاد میں جتنے امیر اور حکمران پیدا ہوئے ان میں اتفاق رائے سے اہلِ عرب کے نزدیک سب سے مشہور لائق اور فہم وفراست کا مالک عدنان تھا۔ ان کا خاندان حجاز میں آباد ہوا۔

قصی

قصی بن کلاب عدنان کی نسل سے ہیں۔ مکہ کی سرداری ان کے زمانہ میں قریش کے پاس آئی۔ قصی بہت دانشمند، منتظم اور تاجر تھے۔ مکہ کے تمام مناصب اور اعزازات بھی قصی کے پاس تھے۔ یہ اپنی قوم کو جمعہ کے روز جمع کرتے تھے اور انہیں وعظ ونصیحت فرماتے تھے کہ عنقریب ان میں ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں ان کی دعوت قبول کرنا۔

قصی نے مکہ میں دارالندوہ تعمیر کروایا اس کا دروازہ بیت اللہ کی جانب رکھا۔ قصی اس میں بیٹھ کر قوم کے سارے مسائل باہمی مشورہ سے حل کرتے تھے۔ جب کبھی کسی اہم مشورہ کے لئے وہ قوم کے سرداروں کو حاضر ہونے کا حکم دیتے تھے تو سب وہاں حاضر ہوجاتے تھے۔

قصی نے اپنی قوم میں اتحاد اور یکجہتی کی فضا قائم کی اور مختلف شعبے تشکیل دیئے۔ ان شعبوں کو قریش کے مختلف قبائل کے سپرد کیا تاکہ نظم ونسق بہتر طور پر انجام پاسکے۔

Î حجابہ: خانہ کعبہ کی نگرانی وانتظامات کرنا۔

Ï رفادہ: حجاج کی مالی اعانت اور طعام وقیام کا انتظام کرنا۔

Ð سقایہ: یہ شعبہ حج کے موقع پر حاجیوں کو پانی کی فراہمی کے انتظامات کرتا تھا۔

Ñ لواء: اسے آپ موجودہ دور کا وزارتِ دفاع سمجھئے۔ یہ شعبہ جنگ کی حکمت عملی بناتا تھا۔

Ò سفارت: سفارتی اُمور کی انجام دہی۔

Ó ثالثی: تنازعات کا تصفیہ کرنا۔

قصی بن کلاب کے تین بیٹے تھے۔

① عبداللہ بن قصی ② اسد بن قصی ③ عبدمناف بن قصیٰ

عبدمناف بن قصی

عبدمناف اپنی سرداری کے زمانے میں قریش کو خدا ترسی وحق شناسی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عبدمناف کو چار بیٹے عطا فرمائے جن سے مزید چار ذیلی قبیلے وجود میں آئے۔

1 عبدشمس بن عبدمناف 2 نوفل بن عبدمناف 3 مطلب بن عبدمناف 4 ہاشم بن عبدمناف

ہاشم بن عبدمناف

ہاشم اپنے اوصاف کی وجہ سے قوم کے سردار تھے۔ ان کا نام عمرو تھا جبکہ ہاشم لقب تھا۔ ایک مرتبہ مکہ میں قحط سالی کے باعث فاقہ کی نوبت پہنچ گئی۔ لوگوں کو کئی روز تک کھانے کے لئے کچھ میسر نہیں آیا۔ ہاشم مکہ سے شام آ گئے وہاں سے اشیاء خورد ونوش خریدیں اور مکہ واپس آئے۔ روٹیاں پکوائیں اونٹ قطار در قطار ذبح کئے سالن بنوایا۔ سالن کے شوربے میں روٹیاں توڑ توڑ کر ڈالی گئیں۔ تمام لوگوں کے لئے دسترخوان بچھا دیا گیا اور دعوت عام کر دی۔ عربی میں اس کھانے کو ثرید کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد انہیں ہاشم کہا جانے لگا۔ ہشم ٹکرے ٹکڑے کرنے کو کہا جاتا ہے۔

ہاشم ایک روز یثرب میں ٹھہرے۔ وہاں انہوں نے قبیلہ خزرج کی خاتون سلمی بنت عمرو سے نکاح کیا۔ جس کے بطن سے شیبہ نامی فرزند پیدا ہوئے۔ ہاشم کی وفات دورانِ تجارت فلسطین کے شہر غزہ میں ہوئی۔ شیبہ یثرب میں اپنی والدہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔ ان کے چچا مطلب ان کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو کی رضامندی سے مکہ لے آئے۔

شیبہ عرف عبدالمطلب

جس وقت مطلب کی سواری مکہ میں داخل ہوئی شیبہ ان کے عقب میں بیٹھے ہوئے تھے۔اہلِ مکہ نے سمجھا کہ یہ نوجوان مطلب کا غلام ہے اور کسی نے بلند آواز سے یہ کہہ دیا ''عبدالمطلب'' مطلب نے فوراً کہا یہ میرا غلام نہیں بلکہ میرا بھتیجا ہے ہاشم کا بیٹا ہے۔لیکن شیبہ عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہو گئے اور ان کا اصلی نام لوگوں کے ذہن سے اُتر گیا۔

مطلب کی وفات کے بعد مکہ کی سیادت اور تمام مناصب جناب عبدالمطلب کو منتقل ہو گئے۔عبدالمطلب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دادا ہیں۔عبدالمطلب اپنے عظیم الشان کارناموں بلند ہمتی اور اوصاف کے باعث ساری قوم کی آنکھوں کے تارے تھے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کو بے مثال حسن و جمال عطا کیا تھا۔حضرت عبدالمطلب کی شخصیت پر اثر، پر عظمت اور وقار میں بے مثال تھی۔حضرت عبدالمطلب کو جو دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا۔حضرت عبدالمطلب کی سخاوت اپنے باپ ہاشم سے زیادہ تھی۔ان کی مہمان نوازی چرند و پرند تک پہنچ گئی تھی۔

زم زم کی کھدائی

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وصیت کے مطابق ان کے بیٹے قیدار خانہ کعبہ کے متولی ہوئے اور بنو اسماعیل کی اولاد خانہ کعبہ کی متولی ہوتی رہی۔انقلاب زمانہ سے بنو اسماعیل اور بنو جُرہم میں تنازعہ پیدا ہو گیا جو مخالفت میں بدل گیا۔بالآخر بنی جُرہم غالب آ گئے اور مکے میں جُرہم کی حکومت ہو گئی۔زمانے کے نشیب و فراز سے حالات میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔خاندانی اختلاف کی وجہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ کے اطراف میں آباد ہو گئی۔جُرہم کا جب ظلم و ستم خصوصاً خانہ کعبہ کی بے حرمتی سامنے آئی تو قبائل عرب کھڑے ہو گئے مجبوراً قبیلہ جُرہم کو مکہ سے نکلنا پڑا لیکن جس وقت وہ مکہ سے نکلے انہوں نے خانہ کعبہ کے تبرکات کو زم زم کے کنویں میں ڈال دیا اور اس میں مٹی ڈال کر بھر دیا اور زمین کو ہموار کر دیا۔اس طرح زم زم کا نشان باقی نہیں رہا۔جب مکہ کی حکومت اور سرداری حضرت عبدالمطلب کو ملی تو حضرت عبدالمطلب کو خواب میں بتایا گیا کہ زم زم کے کنویں کو کھودا جائے۔

حضرت عبدالمطلب کہتے ہیں: ''میں حطیم میں سو رہا تھا، میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا: ''برّہ کھودو۔'' میں نے دریافت کیا: ''برّہ کیا ہے۔'' لیکن وہ شخص چلا گیا۔اگلے روز میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: ''مَضْنُونَہ کھودو۔'' میں نے پوچھا: ''مَضْنُونَہ کیا ہے؟'' لیکن وہ چلا گیا۔تیسرے روز پھر اسی جگہ میں نے

خواب دیکھا۔ وہ شخص کہہ رہا ہے: ''طیبہ کھودو۔'' میں نے پوچھا: ''طیبہ کیا ہے؟'' لیکن وہ شخص کچھ کہے بغیر چلا گیا۔ چوتھے روز میں اسی جگہ سو رہا تھا میں نے دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: ''زم زم کھودو۔'' یہ پانی کا ایک کنواں ہے۔ اس کنویں کا پانی نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے اور بے شمار حاجیوں کو سیراب کرتا ہے۔ پھر اس شخص نے کچھ نشانات اور علامات بتائیں اور کہا: ''اس جگہ کو کھودو۔'' اس طرح بار بار دیکھنے اور نشاندہی کے بعد حضرت عبدالمطلب کو یقین ہوگیا کہ یہ سچا خواب ہے۔

حضرت عبدالمطلب نے قریش سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا: ''میرا ارادہ ہے کہ اس جگہ کنواں کھودا جائے۔'' قریش نے کنواں کھودنے کی مخالفت کی۔ مگر حضرت عبدالمطلب نے مخالفت کی پروانہیں کی۔ کدال پھاوڑا لے کر اپنے بیٹے حارث کے ساتھ خواب میں بتائی ہوئی جگہ پہنچ گئے اور نشان کے مطابق کنواں کھودنا شروع کردیا۔ حضرت عبدالمطلب زمین کھودتے تھے اور ان کے بیٹے حارث مٹی باہر نکالتے تھے۔ تین روز کے بعد کنواں کی بنیاد ظاہر ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب نے خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا: ''یہی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے''۔

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے چاہ زم زم کے قریب چند حوض بنوائے جن میں آب زم زم بھر کر حاجیوں کو پلاتے تھے۔ حاسدوں نے یہ شرارت کی کہ رات کو ان حوضوں کو خراب کردیتے تھے۔ صبح ہوتی تو حضرت عبدالمطلب ان حوضوں کو صاف کرتے تھے۔ بالآخر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ حضرت عبدالمطلب کو خواب میں بتایا گیا کہ تم یہ دعا مانگو: ''اے اللہ! میں آبِ زم زم سے لوگوں کو غسل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، وہ صرف آبِ زم زم پی سکتے ہیں۔''

صبح بیدار ہونے کے بعد حضرت عبدالمطلب نے اس بات کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد جس کسی نے حوض کو خراب کرنے کا ارادہ کیا وہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہوگیا۔ جب بار بار بیمار ہونے کے واقعات پیش آئے تو حاسدوں نے آبِ زم زم کے حوضوں کو خراب کرنا چھوڑ دیا۔

حضرت عبدالمطلب کی نذر

زم زم کا کنواں کھودنے کے وقت حضرت عبدالمطلب کے اکلوتے بیٹے حارث کے سوا کسی نے کنواں کھودنے میں مدد نہیں کی۔ حضرت عبدالمطلب نے منت مانی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''مجھے دس بیٹے عطا فرمائیں تو میں ایک بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کروں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کی دعا قبول فرمائی۔ ایک رات حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے: ''اے عبدالمطلب! اپنی اس نذر کو پورا کر جو تونے اس گھر کے مالک اللہ تعالیٰ کیلئے مانی تھی۔''

حضرت عبدالمطلب خواب سے بیدار ہوئے اور سب بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی اس نذر کا تذکرہ کیا جو انہوں نے مانی تھی۔ سب نے بیک زبان ہو کر کہا:

''اے ہمارے باپ! آپ اپنی نذر پوری کریں ہم آپ کی مکمل اطاعت کریں گے، ہم سب حاضر ہیں''۔

حضرت عبدالمطلب نے سب بیٹوں کے نام قرعہ ڈالا۔ قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ حضرت عبداللہ کو حضرت عبدالمطلب سب بچوں سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بہت خوبصورت اور بڑے پاکیزہ کردار و اخلاق کے حامل تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں قربان کرنے کے لئے مذبح کی طرف لے گئے۔ چھری حضرت عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت عبداللہ کی بہنیں یہ دیکھ کر رونے لگیں اور ایک بہن نے حضرت عبدالمطلب سے عرض کیا:

''بابا جان! میری درخواست ہے کہ آپ دس اونٹوں اور عبداللہ میں قرعہ ڈالیے۔ اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو دس اونٹوں کی قربانی دے دیجئے۔''

اس وقت دس اونٹ ایک آدمی کا خون بہا ہوتا تھا۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب دس دس اونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے گئے مگر قرعہ عبداللہ کے نام کا نکلتا رہا۔ یہاں تک کہ جب سو اونٹوں کا قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام کا نکلا۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب اور تمام حاضرین نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ بہنیں اپنے بھائی عبداللہ کو ساتھ لے گئیں۔ حضرت عبدالمطلب نے قربانی کے سو اونٹ صفا اور مروہ کے درمیان نحر کیے۔

حضرت عبدالمطلب اپنی اولاد کو ظلم اور ستم سے منع فرماتے اور اچھے اخلاق کی ترغیب دیتے تھے۔ برائیوں سے بچنے اور نذر پورا کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ بہن، پھوپی اور خالہ وغیرہ سے نکاح کرنے سے منع فرماتے تھے۔ شراب اور زنا سے روکتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اس زمانے میں لوگوں میں برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرنا معمول تھا۔ جس کی حضرت عبدالمطلب نے ممانعت کی۔

حضرت عبدالمطلب کی اولادوں کے نام

حضرت عبدالمطلب کے ہاں بقول ابنِ ہشام پانچ بیویوں سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

بیٹے

1. حارث
2. زبیر
3. حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ
4. ضرار
- ابوطالب
6. ابولہب
7. مقوم
8. حجل
9. حضرت عباس رضی اللہ عنہ
10. حضرت عبداللہ

بیٹیاں

١. اروٰی
٢. برّہ
٣. امیمہ
٤. حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا
٥. عاتکہ
٦. بیضاء ام حکیم

حضرت آمنہ سے شادی

حضرت عبداللہ کی پاکیزہ سیرت اور حسن و جمال کی وجہ سے بہت سے اچھے گھرانوں کی لڑکیاں آپ کی زوجیت کا شرف حاصل کرنا چاہتی تھیں۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کی شادی کے لئے حضرت آمنہ کا انتخاب کیا جو وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی ہیں اور نسب اور رتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون ہیں۔ان کے والد نسب اور شرف دونوں حیثیت سے قبیلہ بنو زہرہ کے سردار تھے۔حضرت عبداللہ شادی کے کچھ عرصے بعد ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے۔واپسی میں یثرب کے مقام پر بیمار ہوئے اور عالمِ جوانی میں انتقال کر گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماں اور باپ دونوں کی طرف سے نسب میں افضل ہیں۔

حوالہ جات

1۔لقمان:25
2۔یٰس:79
3۔الفرقان:7
4۔النحل:58-59
5۔صحیح البخاری
6۔صحیح مسلم:2276
7۔صحیح البخاری،ج2،ص573
8۔السیرۃ النبویۃ لابن ہشام،ص48

مشق سبق نمبر 1

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1 قبیلہ عدنان کا تعارف کیا ہے

....

....

2 نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے بارے میں کوئی حدیث لکھیے؟

....

....

3 حضرت عبد المطلب کو زم زم کے کنویں کی کیسے خبر ہوئی؟

....

....

4 والدہ ماجدہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شجرہ نسب لکھیے؟

....

....

5 اسلام سے پہلے عرب کی اخلاقی حالت کیا تھی؟

....

....

6 عرب میں زیادہ تر تعداد بت پرستوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے ماننے والے لوگ بھی کون سے تھے؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. اسی وجہ سے مکہ زمین کہا جاتا ہے۔

آباد ☐ بیابان ☐ شاداب ☐ کوناف ☐

2. قبیلہ قریش خانہ کعبہ کا ہونے کی بنا پر سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا۔

پڑوسی ☐ مالک ☐ متولی ☐ منشی ☐

3. ... تک آپ کا نسب نامہ صحیح سندوں کے ساتھ بالاتفاق مؤرخین سے ثابت ہے۔

قصی ☐ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ☐ عدنان ☐ ہاشم ☐

4. ہشم کو کہا جاتا ہے۔

ملنے جلنے ☐ تانے بانے ☐ اندھیرے اجالے ☐ ٹکرے ٹکڑے کرنے ☐

5. اس طرح بار بار دیکھنے اور نشاندہی کے بعد حضرت عبد المطلب کو یقین ہو گیا کہ یہ سچا ہے۔

خواب ☐ واقعہ ☐ مقابلہ ☐ محاصرہ ☐

6. حضرت اپنی اولاد کو ظلم اور ستم سے منع فرماتے اور اچھے اخلاق کی ترغیب دیتے تھے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ☐ عبد المطلب ☐ ہاشم ☐ عبد مناف ☐

سبق نمبر
03

ولادت کے وقت پیش آنے والے واقعات

خلاصۂ سبق

(امام الانبیاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش یتیمی کی حالت میں واقعہ فیل کے تقریباً پچاس دن بعد، ماہ ربیع الاوّل میں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد اور والدہ ماجدہ نے خواب میں ایک فرشتے سے بشارت پا کر احمد رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ سال تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ سال ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بھی دنیا سے پردہ فرما گئے۔ بارہ سال دو ماہ کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کی ہمراہی میں تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف پہلا سفر کیا۔ عمر سعید چالیس برس کی ہوئی تو اللہ رب العزت نے خلعتِ نبوت کے ساتھ ممتاز و مشرف فرمایا۔ قریش اور قیس میں ہونے والی جنگ (حرب الفجار) میں حصہ لیا، معاہدے حلف الفضول کو پسند فرماتے ہوئے اس میں شرکت فرمائی، پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔)

پیدائش اور نشوونما

امام الانبیاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش یتیمی کی حالت میں واقعۂ فیل کے تقریباً پچاس دن بعد، مشہور قول کے مطابق ۱۲/ربیع الاوّل مطابق 20 اپریل 571ء بروز پیر موسم بہار میں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد اور والدہ نے خواب میں ایک فرشتے سے بشارت پا کر احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین دن تک اپنا دودھ پلایا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابولہب کی باندی ثویبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند دن دودھ پلایا، پھر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے دو سال پورے ہونے تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا، دو سال پورے ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ سال تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ سال ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بھی دنیا سے پردہ فرما گئے۔

ولادت کے وقت پیش آنے والے واقعات

1. عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھی تو اس وقت میں نے دیکھا کہ تمام گھر نور سے بھر گیا اور دیکھا کہ آسمان کے ستارے جھکتے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ یہ ستارے مجھ پر آگریں گے۔(1)

2. عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے ولادت باسعادت کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔(2)

3. اسحاق بن عبداللہ حضرت آمنہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پیدا ہوئے تو نہایت نظیف تھے اور پاک صاف تھے جسم اطہر پر کسی قسم کی آلائش اور گندگی نہ تھی۔(3)

4. ایوان کسریٰ میں زلزلہ: بنی ساسان کے نوشیروان نے کثیر مال و دولت لگا کر یہ محل تعمیر کرایا اس کی تعمیر پر 23 سال کا عرصہ لگ گیا۔ یہ ایوان دنیا کی مشہور عمارتوں میں سے تھا۔ اس میں زوردار زلزلہ آیا جس کے جھٹکوں سے محل پر بنے 22 میں سے 14 کنگرے ٹوٹ پڑے جس کی وجہ سے کسریٰ نوشیروان سخت پریشان ہوا، پہلے پہل تو عزم و استقلال سے کام لیا لیکن مسلسل پریشانی کے باعث دربار لگایا، اراکین سلطنت سے اس عظیم اور غیر معمولی واقعے کی وجہ دریافت کرنا چاہی۔ دربار لگا، اراکین سلطنت جمع ہوئے ابھی نوشیروان ان سے کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ اسے اطلاع دی گئی کہ "آج کی شب تمام آتش کدوں کی آگ یکا یک بجھ گئی ہے۔"

یہ ابھی اسی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ایلیا کے گورنر کا خط اس کو پہنچا جس میں اس نے لکھا کہ "آج شب بحیرہ ساوہ کا پانی بالکل خشک ہو گیا ہے۔" اس مجلس میں طبریہ سے خبر آئی کہ "بحیرہ طبریہ میں پانی کی روانی موقوف ہو گئی ہے۔" پریشانی کے

عالم میں نوشیروان نے کہا کہ آج شب ایوان میں سخت زلزلہ آیا ہے اور ایوان کے چودہ کنگرے بھی ٹوٹ کر گر پڑے ہیں۔

5 آتش کدہ ایران بجھ گیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اثبات پر آپ کی ولادت باسعادت سے بھی قبل دوسری دلیل ایران کے آتش کدوں کی آگ کا یکا یک بجھ جانا ہے۔ ان آتش کدوں میں ایک مرکزی آتش کدہ تھا جسے ایران کے بادشاہ گستاشپ نے مجوسیت اختیار کرنے کے بعد ہزار سال پہلے قائم کیا تھا۔ مجوسی آگ کی پوجا کرنے والی قوم کو کہتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آگ نفع ونقصان کی مالک ہے یہ دن رات اپنے عبادت خانے جسے آتش کدہ کہا جاتا ہے اس میں آگ روشن کرتے ہیں دن میں خوشبودار لکڑیاں اور رات میں صندل سے ابتداء کرتے ہیں اور پھر عام لکڑیاں اس میں جلاتے ہیں۔ مجوسی لوگ چونکہ آگ ہی کو اپنا خدا مانتے تھے اس لیے وہ اسے اپنے عبادت خانے سے بجھنے نہیں دیتے تھے۔ ایران کے اس آتش کدے میں مسلسل ایک ہزار سال سے آگ جل رہی تھی لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا وقت آیا تو وہ آگ یکا یک بجھ گئی، جس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اسلام کے مقابلے میں مجوسیت مٹنے والی ہے۔

6 بحیرہ ساوہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اثبات پر آپ کی ولادت باسعادت سے بھی قبل تیسری دلیل بحیرہ ساوہ نامی جھیل کا یکا یک خشک ہو جانا ہے۔ یہ ایران کے شہر ساوہ جو کہ ہمدان کے قریب ہے اس میں ایک مشہور جھیل تھی جو چھ فرسخ لمبی اتنی ہی چوڑی تھی۔ یہ ایران کا سیاحتی مقام تھا لوگ یہاں پر آتے تھے اس لیے اس کے اردگرد گرجا گھر، مجوسیوں کے عبادت خانے (آتش کدے) بنائے گئے تھے تاکہ سیاحوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی جا سکے۔ جس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اسی رات اس جھیل کا پانی یکا یک خشک ہو گیا اور ایسا خشک ہوا کہ ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔

دلائل النبوۃ للاصبہانی میں ہے

لَمَّا كَانَ لَيْلَةَ وُلِدَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ارْتَجَسَ إِيوَانُ كِسْرَى وَسَقَطَتْ مِنْهُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ شُرَّافَةً وَخَمَدَتْ نَارُ فَارِسَ وَلَمْ تَخْمَدْ قَبْلَ ذٰلِكَ بِأَلْفِ عَامٍ وَغَاضَتْ بُحَيْرَةُ سَاوَةَ۔۔الخ(4)

"جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اسی رات کسریٰ (شاہ ایران) کے محل میں زلزلہ آیا اور محل پر بنے ہوئے چودہ کنگرے (گنبد) ٹوٹ کر گر پڑے فارس (ایران کا پرانا نام) کے مجوسیوں کی ایک ہزار سال سے جلائی ہوئی آگ یک بیک بجھ گئی۔ بحیرہ ساوہ یکا یک خشک ہو گیا۔"

عقیقہ اور تسمیہ

ولادت کے ساتویں روز عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو دعوت دی اور محمد

آپ کا نام تجویز کیا۔ قریش نے کہا کہ ابوالحارث "ابوالحارث عبدالمطلب کی کنیت ہے" آپ نے ایسا نام کیوں تجویز کیا جو آپ کے آباؤ اجداد اور آپ کی قوم میں سے کسی نے نہیں رکھا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ میں نے یہ نام اس لئے رکھا کہ اللہ آسمان میں اور اللہ مخلوق زمین میں اس مولود کی حمد اور ثنا کرے۔ (5)

عبدالمطلب نے آپ کی ولادت سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا جو اس نام کے رکھنے کا باعث ہوا وہ یہ کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی۔ وہ یہ کہ عبدالمطلب کی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوئی کہ جس کی ایک جانب آسمان میں اور ایک جانب زمین میں اور ایک جانب مشرق میں اور ایک جانب مغرب میں ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ زنجیر درخت بن گئی۔ جس کے ہر پتہ پر ایسا نور ہے کہ جو آفتاب کے نور سے ستر درجہ زائد ہے۔ مشرق اور مغرب کے لوگ اس کی شاخون سے لپٹے ہوئے ہیں۔ قریش میں سے بھی کچھ لوگ اس کی شاخوں کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اور قریش میں سے کچھ لوگ اس کا کاٹنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب اس ارادے سے اس درخت کے قریب آنا چاہتے ہیں تو ایک نہایت حسین وجمیل جوان ان کو آ کر ہٹا دیتا ہے۔ معبرین نے عبدالمطلب کے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک لوگ اس کی اتباع کریں گے۔ اور آسمان اور زمین والے اس کی حمد وثنا کریں گے اس وجہ سے عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد رکھا۔ (۵)

عبدالمطلب کو اس خواب سے محمد نام رکھنے کا خیال پیدا ہوا اور ادھر آپ کی والدہ ماجدہ کو رؤیا صالحہ کے ذریعے سے یہ بتایا گیا کہ تم برگزیدۂ خلائق اور سیدالامم کی حاملہ ہو۔ اس کا نام محمد رکھنا اور ایک روایت میں ہے کہ احمد نام رکھنا۔ (ایضاً)

یہ دونوں نام قرآن مجید میں ذکر ہوئے ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (٦)

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (۷)

اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ: اے بنو اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توراۃ (نازل ہوئی) تھی، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور اس رسول کی خوشخبری

دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہے۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد کا اصل مادہ حمد ہے، حمد اصل میں کسی کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ اور کمالات اصلیہ اور فضائل حقیقیہ اور محاسن واقعیہ کو محبت اور عظمت کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تحمید جس سے محمد مشتق ہے وہ باب تفعیل کا مصدر ہے جس کی وضع ہی مبالغہ اور تکریر کے لئے ہوتی ہے۔ لہٰذا لفظ محمد جو تحمید کا اسم مفعول ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ذات ستودہ صفات کہ جن کے واقعی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت اور عظمت کے کثرت کے ساتھ بار بار کیا جائے۔

احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے بعض کے نزدیک اسم مفعول کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ اگر اسم مفعول کے معنی لئے جائیں تو احمد کے یہ معنی ہوں گے۔ سب سے زائد ستودہ تو بیشک مخلوق میں آپ سے زائز کوئی ستودہ نہیں اور نہ آپ سے بڑھ کر کوئی سراہا گیا۔ اور اگر اسم فاعل کے معنی لئے جائیں تو احمد کے یہ معنی ہوں گے کہ مخلوق میں سب سے زیادہ خدا کی حمد اور ستائش کرنے والے یہ بھی نہایت صحیح اور درست ہے۔ دنیا میں آپ نے اور آپ کی امت نے خدا کی وہ حمد ثناء کی جو کسی نے کہیں کی۔ اسی وجہ سے انبیاء سابقین نے آپ کے وجود باجود کی بشارت لفظ احمد کے ساتھ اور آپ کی امت کی بشارت حمادین کے لقب سے دی ہے۔ جو نہایت درست ہے اور اللہ نے آپ کو سورۂ الحمد عطاء کی اور کھانے اور پینے اور سفر سے واپس آنے کے بعد اور ہر دعا کے بعد آپ اور آپ کی امت کو حمد و ثنا پڑھنے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ کہ حمد کے تمام معانی اور انواع واقسام آپ کے لئے خاص کر دیئے گئے۔ کلمات الٰہیہ اور ارشادت نبویہ میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی حمد اور ثنا ہر کام کے ختم کے بعد پسندیدہ اور مستحسن ہے۔

رضاعت

آپ کو آپ کی والدہ کے ایک ہفتہ بعد سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ثُویبَہ نے دودھ پلایا۔ اس وقت اس کی گود میں جو بچہ تھا اس کا نام مسروح تھا۔ ثُویبَہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔

رضاعت کے دوران حضرت حلیمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت کے ایسے ایسے مناظر دیکھے کہ سراپا حیرت رہ گئیں۔

تفصیلات انہیں کی زبانی سنیے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بیان کیا کرتی تھیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنا ایک چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ لے کر بنی سعد کی کچھ عورتوں کے قافلے میں اپنے شہر سے باہر دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلیں۔ یہ قحط سالی کے دن تھے اور قحط نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی اور ہمارے پاس ایک اونٹنی بھی تھی، لیکن واللہ! اس سے ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا تھا۔ اِدھر بھوک سے بچہ اس قدر بلکتا تھا کہ ہم رات بھر سو نہیں سکتے تھے، نہ میرے سینے میں بچہ کے لیے کچھ تھا اور نہ اونٹنی اس کی خوراک دے سکتی تھی۔ بس ہم بارش اور خوشحالی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہوکر چلی تو وہ کمزوری اور دُبلے پن کے سبب اتنی سست رفتار نکلی کہ پورا قافلہ تنگ آ گیا۔ خیر ہم کسی نہ کسی طرح دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ پہنچ گئے۔ پھر ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش نہ کیا گیا ہو مگر جب اسے بتایا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیم ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لینے سے انکار کر دیتی۔ کیونکہ ہم بچے کے والد سے داد و دہش کی امید رکھتے تھے۔

ہم کہتے کہ یہ تو یتیم ہے۔ بھلا اس کی بیوہ ماں اور اس کے دادا کیا دے سکتے ہیں، بس یہی وجہ تھی کہ ہم آپ کو لینا نہیں چاہتے تھے۔ ادھر جتنی عورتیں میرے ہمراہ آئی تھیں سب کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا صرف مجھ ہی کو نہ مل سکا۔ جب واپسی کی باری آئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا: اللہ کی قسم! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری ساری سہیلیاں تو بچے لے لے کر جائیں اور تنہا مَیں کوئی بچہ لیے بغیر واپس جاؤں۔ میں جا کر اسی یتیم بچے کو لے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا: کوئی حرج نہیں! ممکن ہے اللہ اسی میں ہمارے لیے برکت دے۔ اس کے بعد میں نے جا کر بچہ لے لیا اور محض اس بناء پر لے لیا کہ کوئی اور بچہ نہ مل سکا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب میں بچے کو لے کر اپنے ڈیرے پر واپس آئی اور اسے اپنی آغوش میں رکھا تو اس نے جس قدر چاہا دونوں سینے دودھ کے ساتھ اس پر اُمنڈ پڑے اور اس نے شکم سیر ہو کر پیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی نے بھی شکم سیر ہو کر پیا، پھر دونوں سو گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے ہم اپنے بچے کے ساتھ سو نہیں سکتے تھے۔ ادھر میرے شوہر اونٹنی دوہنے گئے تو دیکھا کہ اس کا تھن دودھ سے لبریز ہے، انھوں نے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے نہایت آسودہ ہو کر پیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ ان کا بیان ہے کہ صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا: حلیمہ! اللہ کی قسم! تم نے ایک بابرکت روح حاصل کی ہے۔ میں نے کہا: مجھے بھی یہی توقع ہے۔

حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ میں اپنی اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئی اور اس بچے کو بھی

اپنے ساتھ لیا۔لیکن اب وہی گدھی اللہ کی قسم! پورے قافلے کو کاٹ کر اس طرح آگے نکل گئی کہ کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔ یہاں تک میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں: او! ابوذویب کی بیٹی! ارے یہ کیا ہے؟ ذرا ہم پر مہربانی کر۔آخر یہ تیری وہی گدھی تو ہے جس پر تُو سوار ہو کر آئی تھی؟ میں کہتی: ہاں ہاں! اللہ کی قسم یہ وہی ہے، وہ کہتیں۔اس کا یقیناً کوئی خاص معاملہ ہے۔(9)

واقعۂ شق صدر

اس طرح رسول اللہ ﷺ مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد بھی بنو سعد ہی میں رہے یہاں تک کہ ولادت کے چوتھے یا پانچویں سال شَقّ صدر (سینہ مبارک چاک کیے جانے) کا واقعہ پیش آیا۔اس کی تفصیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پکڑا اور سینہ چاک کر کے دل نکالا، پھر دل سے ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا: یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے، پھر دل کو طشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ لوٹا دیا۔ادھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں، یعنی دایہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: محمد قتل کر دیا گیا۔ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے، دیکھا تو آپ کا رنگ اترا ہوا تھا۔(10)

ملک شام کا سفر اور بحیرہ راہب سے ملاقات

بارہ سال دو ماہ کی عمر میں آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کی ہمراہی میں تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف پہلا سفر کیا۔راستے میں یہودیوں کے ایک بڑے عالم بُحیرہ راہب سے ملاقات کے بعد ابو طالب نے آپ ﷺ کو واپس مکہ بھیج دیا، 15 سال سات ماہ کی عمر میں آپ ﷺ نے اپنے قبیلہ قریش اور ایک دوسرے قبیلہ قیس کے درمیان ہونے والی جنگ (حرب الفجار) میں حصہ لیا،لیکن اس لڑائی میں آپ ﷺ نے کسی پر ہاتھ نہ اُٹھایا، اس جنگ کے بعد عرب کے چند قبائل نے ان جنگوں سے تنگ آکر یہ معاہدہ کیا کہ آئندہ قبائلی عصبیت سے بالاتر ہو کر صرف مظلوم کی مدد کی جائے گی، اس معاہدے کو"حلف الفضول" کہتے ہیں، آپ ﷺ نے اسے پسند فرماتے ہوئے اس میں شرکت فرمائی، اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۱۵ سال آٹھ ماہ تھی۔ ۲۳ سال کی عمر میں آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامان کو تجارت کی غرض سے ملک شام لے کر گئے اور اس میں خوب نفع کما کر واپس ہوئے۔

حرب الفجار

عرب میں عرصہ سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ واقعہ فیل کے بعد جو مشہور معرکہ پیش آیا وہ معرکہ حرب الفجار کے نام سے مشہور ہے یہ معرکہ قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان پیش آیا۔ اول قیس قریش پر غالب آئے۔ بعد میں قریش قیس پر غالب آئے بالآخر صلح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔ بعض دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس لڑائی میں اپنے بعض چچاؤں کے اصرار سے شریک ہوئے مگر قتال نہیں فرمایا۔ علامہ سہیلی فرماتے ہیں:

وَإِنَّمَا لَمْ يُقَاتِلْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مَعَ أَعْمَامِهِ، وَكَانَ يَنْبُلُ عَلَيْهِمْ، وَقَدْ كَانَ بَلَغَ سِنَّ الْقِتَالِ، لِأَنَّهَا كَانَتْ حَرْبَ فِجَارٍ، وَكَانُوا أَيْضًا كُلُّهُمْ كُفَّارًا، وَلَمْ يَأْذَنِ اللهُ تَعَالَى لِمُؤْمِنٍ أَنْ يُقَاتِلَ إِلَّا لتكون كلمة الله هى العليا (11)

”اس معرکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچاؤں کے ساتھ ہو کر جنگ نہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اپنے چچاؤں کو صرف تیر اٹھا اٹھا کر دیا کرتے تھے، جنگ اس لیے نہیں کی کہ یہ جنگ حرب فجار تھی یعنی ان مہینوں میں پیش آئی تھی جن میں جنگ کرنا فسق اور فجور نا جائز اور حرام تھی اسی وجہ سے اس لڑائی کو حرب فجار کہتے ہیں علاوہ ازیں سب کے سب کافر تھے۔ مومن کو قتل وقتال اور جنگ وجدال کا حکم فقط اس لیے دیا گیا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اسی کا بول بالا ہو۔

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چودہ یا پندرہ سال کی تھی اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر شریف بیس سال کی تھی۔ (12)

حلف الفضول میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرکت

لڑائی کا سلسلہ تو عرب میں مدت سے جاری تھا مگر کہاں تک۔ حرب فجار کے بعد بعض طبیعتوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ جس طرح زمانہ سابق میں قتل اور غارت گری کے انسداد کے لیے فضل بن فضالہ اور فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث نے ایک معاہدہ مرتب کیا تھا جو انہیں کے نام پر حلف الفضول کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح اب دوبارہ اس کی تجدید کی جائے۔ زبیر بن عبد المطلب نے اپنے بعض اشعار میں اس معاہدہ کا ذکر کیا ہے۔

إِنَّ الفُضُوْلَ تَحَالَفُوْا وَتَعَاقَدُوْا ۔۔۔ أَلَّا يُقِيْمَ بِبَطْنِ مَكَّةَ ظَالِمٌ

”فضل بن وداع، فضل بن فضالہ اور فضیل بن حارث نے سب سے اس امر پر عہد اور حلف لیا کہ مکہ میں کوئی ظالم

نہ رہ سکے گا۔''

أمرٌ عَلَيْهِ تَعَاهَدُ وْاوَ تَوَاثَقُوْا فالجار والمعترُّ فيهم سالمٌ

''اس پر سب نے پختہ عہد کیا پس مکہ میں پڑوسی اور آنے والا سب مامون ومحفوظ رہیں۔''(13)

جب شوال میں حرب فجار کا سلسلہ ختم ہوا تو ذیقعدۃ الحرام میں حلف الفضول کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور سب سے پہلے زبیر بن عبدالمطلب اس معاہدہ اور حلف کے محرک ہوئے اور بنو ہاشم اور بنی تیم عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے عبداللہ بن جدعان نے سب کے لیے کھانا تیار کرایا۔ اس وقت سب نے مظلوم کی حمایت ونصرت کا عہد کیا کہ مظلوم خواہ اپنا ہو یا پردیسی حتی الوسع اس کی اعانت اور امداد سے دریغ نہ کریں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس معاہدہ کے وقت میں بھی عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حاضر تھا اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کی طرف بلایا جاؤں تو بھی اس کی شرکت کو ضرور قبول کروں گا۔(14)

یہ عبداللہ بن جدعان رشتہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ابن جدعان نہایت مہمان نواز تھا لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا کیا قیامت کے دن یہ ابن جدعان کو کچھ نفع دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ اس لیے کہ اس نے یہ نہیں کہا:

رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ(15)

''اے پروردگار! میری خطاؤں کو یوم جزاء میں معاف فرما۔''

یعنی اس نے کبھی بارگاہ خداوندی میں اپنے گناہوں کی بخشش کی استدعاء اور درخواست نہیں کی۔ ابن قتیبہ غریب الحدیث میں ناقل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں کبھی چلتے چلتے موسم گرما میں عبداللہ بن جدعان کے لگن کے سایہ میں کھڑا ہو جایا کرتا تھا۔(16)

یعنی عبداللہ بن جدعان کا لگن اس قدر بڑا تھا کہ اس کے سایہ میں ایک انسان کھڑا ہوسکتا ہے۔ گویا کہ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ کا ایک نمونہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور اولاد

پچیس سال دو ماہ کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں، آپ کی اولاد میں حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی پیدائش سب سے پہلے ہوئی، یہ پاؤں پر چلنا سیکھ رہے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔ دوسرے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، انہی کا لقب طیب وطاہر ہے، پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا، ان کی ولادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملنے کے بعد ہوئی۔ جب آپ کی عمر 30 سال ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں آپ کی بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش ہوئی، ان کا نکاح مکہ میں ہی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ہوا، جب آپ کی عمر 33 سال ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش ہوئی، جن کا نکاح مکہ میں ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا، آپ کی تیسری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں، جن کا نکاح مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ۳ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ نبوت ملنے کے بعد جب آپ کی عمر 41 سال تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش ہوئی، ان کا نکاح مدینہ میں غزوۂ بدر کے بعد ذوالحجہ سنہ 3ھ میں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک تیسرے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، سترہ ماہ کی عمر پا کر 10ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔ تقریباً 33 برس کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غیبی اسرار کا ظہور شروع ہوا۔ 35 سال کی عمر میں آپ نے قبائل کے سب منتخب افراد کے ساتھ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کے دوران حجر اسود کی اپنے ہاتھ سے تنصیب کی۔

تعمیر کعبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحکیم

ابتدائے عالم سے اس وقت تک خانہ کعبہ کی تعمیر پانچ مرتبہ ہوئی۔ اول بار حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی دلائل بیہقی میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرئیل کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس تعمیر بیت اللہ کا حکم دے کر بھیجا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حکم ہوا کہ اس گھر کا طواف کرو اور یہ ارشاد ہوا کہ تم پہلے انسان ہو اور یہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کی (عبادت کے لیے بنایا گیا ہے۔)

جب نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا تو بیت اللہ کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کا حکم ہوا۔ بنیادوں کے نشان بھی باقی نہ رہے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آ کر بنیادوں کے نشان بتلائے تو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کی اعانت وامداد سے تعمیر شروع کی۔ (19)

تیسری بار بعثت نبوی سے پانچ سال قبل جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی۔ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ بناء ابراہیمی میں خانہ کعبہ غیر مسقّف تھا دیواروں کی بلندی کچھ زیادہ نہ تھی قد آدم سے کچھ زائد نو ہاتھ کی مقدار میں

تھی۔مرورزمانہ کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہو چکا تھا۔نشیب میں ہونے کی وجہ سے بارش کا تمام پانی اندر بھر جاتا تھااس لیے قریش کواس کی تعمیر کا ازسرنو خیال پیدا ہوا۔ جب تمام رؤساءقریش اس پر متفق ہو گئے کہ بیت اللہ کومنہدم کر کے ازسرنو بنایا جائے توابووہب بن عمرومخزومی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کے ماموں) کھڑے ہوئے اورقریش سے مخاطب ہوکر یہ کہا کہ دیکھو بیت اللہ کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ کسب حلال ہواور زنا اور چوری اور سود وغیرہ کا کوئی پیسہ اس میں شامل نہ ہوصرف حلال مال اس کی تعمیر میں لگایا جائے۔اللہ تعالی پاک ہےاور پاک ہی کو پسند کرتا ہے۔اس کے گھر میں پاک ہی پیسہ لگاؤاوراس خیال ہے کہ تعمیر بیت اللہ کے شرف سے کوئی محروم نہ رہ جائے۔

اس لیے تعمیر بیت اللہ کومختلف قبائل پر تقسیم کر دیا کہ فلاں قبیلہ بیت اللہ کا فلاں حصہ تعمیر کرے اورفلاں قبیلہ فلاں حصہ تعمیر کرے۔دروازے کی جانب بنی عبدمناف اور بنی زہرہ کے حصہ میں آئی اور حجراسوداوررکن یمانی کا درمیانی حصہ بنی مخزوم اور دیگر قبائل قریش کے حصہ میں آیا اور بیت اللہ کی پشت بنی جمح اور بنی سہم کے حصہ میں آئی اور حطیم بنی عبدالدار بن قصی اورابن اسداور بنی عدی کے حصہ میں آیا۔اسی اثناء میں قریش کو یہ خبر ملی کہ ایک تجارتی جہاز جدہ کی بندرگاہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا ہے۔ولید بن مغیرہ سنتے ہی جدہ پہنچااوراس کے تختے خانہ کعبہ کی چھت کے لیے حاصل کر لیے اس جہاز میں ایک رومی معمار بھی تھا جس کا نام باقوم تھا۔ولید نے تعمیر بیت اللہ کے لیےاس کوبھی ساتھ لے لیا۔(18)

ان مراحل کے بعد جب قدیم عمارت کے منہدم کرنے کا وقت آیا تو کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ بیت اللہ کے ڈھانے کے لیے کھڑا ہو۔ بالآخر ولید بن مغیرہ پھاؤلا لے کر کھڑا ہوااور یہ کہا کہ اَللّٰهُمَّ لَا نُرِيدُ إِلَّا الْخَيْرَ ’’اے اللہ ہم صرف خیراور بھلائی کی نیت رکھتے ہیں۔‘‘معاذ اللہ ہماری نیت بری نہیں اور یہ کہہ کر حجراسوداوررکن یمانی کی طرف سے ڈھانا شروع کیا۔اہل مکہ نے کہا کہ رات کا انتظار کرو کہ ولید پر کوئی آسمانی بلاتو نازل نہیں ہوتی۔اگراس پر کوئی بلائے آسمانی اورآفت ناگہانی نازل ہوئی تو ہم بیت اللہ کو پھراصلی حالت پر بنادیں گے ورنہ ہم بھی ولید کے معین ومددگار رہوں گے۔

صبح ہوئی تو ولید صحیح وسالم پھر پھاؤلا لے کرحرم محترم میں آ پہنچا۔لوگوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے اس فعل سے اللہ راضی ہے اور سب کی ہمتیں بڑھ گئیں اور سب مل کر دل و جان سے اس کام میں شریک ہو گئے اور یہاں تک کھودا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں نمودار ہوگئیں۔ایک قریشی نے جب بنیادابراہیمی پر پھاؤلا چلایا تو دفعتاً تمام مکہ میں ایک سخت دھما کہ ظاہر ہوا جس کی وجہ سے آگے کھودنے سے رُک گئے اورانہیں بنیادوں پر تعمیر شروع کر دی۔تقسیم سابق کے مطابق ہر قبیلہ نے علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کر کے تعمیر شروع کر دی۔ جب تعمیر مکمل ہوگئی اور حجراسود کواپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا توسخت

اختلاف ہوا تلواریں کھینچ گئیں اور لوگ جنگ وجدال اور قتل وقتال پر آمادہ ہوگئے۔

جب چار پانچ روز اسی طرح گذر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی تو ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور سن رسیدہ تھا۔ یہ رائے دی کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازے سے داخل ہو اسی کو اپنا حکم بنا کر فیصلہ کرالو۔ سب نے رائے کو پسند کیا۔ صبح ہوئی اور تمام لوگ حرم میں پہنچے دیکھتے کیا ہیں کہ سب سے پہلے آنیوالے محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی سب کی زبانوں سے بے ساختہ یہ لفظ نکلے

هذا محمد الامين رضينا هذا محمد الامين

''یہ تو محمد امین ہیں۔ ہم ان کے حکم بنانے راضی ہیں۔ یہ تو محمد امین ہیں۔''

آپ ﷺ نے ایک چادر منگائی اور حجر اسود کو اس میں رکھ کر یہ فرمایا کہ ہر قبیلہ کا سردار اس چادر کو تھام لے۔ تا کہ اس شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہے اس فیصلہ کو سب نے پسند کیا اور سب نے مل کر چادر اٹھائی۔ جب سب کے سب اس چادر کو اٹھائے اس جگہ پہنچے جہاں اسکو رکھنا تھا تو آپ ﷺ بہ نفس نفیس آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ چوتھی بار عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیت اللہ کو شہید کر کے از سر نو تعمیر کرایا۔ پانچویں بار اس کو حجاج بن یوسف نے بنایا کہ اولین اور آخرین میں جس کے جور وستم اور ظلم وتعدی کی نظیر نہیں۔ (19)

خلعت نبوت

9 ربیع الاوّل مطابق 14 فروری 610ء کو جب آپ ﷺ کی عمر چالیس برس ایک دن تھی تو باضابطہ طور پر آپ کو اللہ رب العزت نے خلعتِ نبوت کے ساتھ ممتاز ومشرف فرمایا۔ بعثت نبوی (آپ ﷺ کو نبوت ملنے کے بعد سے شروع ہونے والا زمانہ) کے پہلے سال نمازیں فرض کردی گئیں، اٹھارہ رمضان المبارک کو جب آپ کی عمر چالیس سال چھ ماہ چھ دن ہوئی تو آپ ﷺ پر قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا۔

نزول وحی سے پہلے نبی اکرم ﷺ کے دل میں خلوت کی محبت ڈال دی گئی۔ آپ ﷺ مختصر ترین خوراک کے ساتھ غارِ حرا میں خلوت نشینی فرماتے اور گھر واپسی سے قبل غار حرا کی خلوتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں راتیں گزارتے، پھر سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹتے اور مختصر خوراک لے کر دوبارہ غار حرا کی طرف تشریف لے جاتے۔ آپ ﷺ غارِ حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے گمراہی میں ڈوبے ہوئے اہل مکہ کو ان کے حال پر چھوڑ کر چلے جاتے اور آپ نے اتنی عبادت کی کہ عرب کہہ اٹھے:

"اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ عَشِقَ رَبَّهٗ"

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی محبت میں از خود فریفتہ ہو گئے ہیں۔''

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ابھی مکہ پر چھائی ہوئی گمراہی کی بدلیوں کے چھٹنے کا وقت نہیں ہوا تھا؟

کیا اس تاریکی کے روشنی میں بدلنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا؟

کیا ابھی بتوں کے پاش پاش ہونے کا وقت نہیں ہوا تھا؟

کیا ابھی روشنی کی کرن، یا علم کی اثر آفرینی کا لمحہ نہیں آیا تھا؟

کیا اللہ تعالیٰ کے ہاں سے رحمت یا ہدایت بخشنے والے کے ہاں سے ہدایت کی گھڑی ابھی نہیں آئی تھی؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہیں اور اس سے مدد اور اس کی پناہ مانگتے ہیں اور اس سے تمام تر امیدیں وابستہ کرتے ہیں اور امید میں پختگی اور عاجزی کو اپناتے ہیں اور اس سے اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے رحمت طلب کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایام اسی پرعزم جہد مسلسل میں گزرتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف ہر صبح، ہر دوپہر اور ہر شام کو متوجہ ہوتے، اس کی طرف غروب آفتاب اور ستاروں کے چمکنے پر متوجہ ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لحظہ، ہر سانس، پلک جھپکنے اور دل کی ہر دھڑکن اور ہر سرگوشی پر اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنے والے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے تھی۔ اس کے باوجود دن اور سال اس حال میں گزرتے رہے کہ تاریکیاں مکہ کے اطراف واکناف میں سایہ فگن تھیں۔ بت گمراہی اور بے راہ روی کی علامت بن کر کعبہ شریف کی دیواروں پر لٹک رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی عاجزی وانکساری اور اللہ کی رحمت میں امید کو بھی بڑھا دیتے ہیں پھر امید خوف اور بے چینی میں بدل جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عجز وانکسار میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجائیں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاکیزگی اور نورانیت کی انتہا کو چھو لیتے ہیں۔

ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں سالانہ اعتکاف میں تھے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں وہ رکاوٹ ہمیشہ کے لئے دور ہو گئی جو ایک جانب سے بشری کسب اور دوسری جانب سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے درمیان تھی۔ دوسرے لفظوں میں وہ رکاوٹ دور ہوئی جو نبوت اور ولایت کے درمیان تھی۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں معتکف تھے کہ ایک فرشتہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لایا، اس نے کہا: ''پڑھیئے''

تو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں پڑھنے والا نہیں ہوں''

تب فرشتے نے مجھے پوری قوت سے اپنے بازوؤں میں لے کر خوب اچھی طرح دبایا اور پھر چھوڑ کر کہا:

''پڑھیئے''

رحمت دو عالم ﷺ فرماتے ہیں، میں نے کہا: ''میں پڑھنے والا نہیں ہوں''

تب اس نے دوسری مرتبہ مجھے زور سے اپنے بازوؤں میں خوب اچھی طرح بھینچا اور پھر چھوڑ کر کہا:

''پڑھیئے''

میں نے کہا: ''میں پڑھنے والا نہیں ہوں''

تب اس نے مجھے تیسری مرتبہ زور سے اپنے بازوؤں میں لے کر خوب اچھی طرح بھینچا اور مجھے چھوڑ کر کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ (20)

''پڑھو! اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا، پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے۔''

رسول کریم ﷺ یہ آیات لئے دھڑکتے دل کے ساتھ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''مجھے چادر اوڑھا دو!'' سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو چادر اوڑھا دی اور جب آپ ﷺ کی گھبراہٹ سکون میں تبدیل ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنی رفیقۂ حیات کو تازہ ترین واقعہ کی خبر دی۔ تو حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے یوں جواب دیا:

''ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں ہونے دیگا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور بے آسرا لوگوں پر خرچ کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور حق کی راہ میں آنے والے مصائب کو برداشت کرنے میں مدد فرماتے ہیں۔''

پھر سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا رحمت دو عالم ﷺ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل خالص عربی النسل اور خاندانی طور پر قریش کے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور الاغانی کے مصنف کی روایت کے مطابق ورقہ بن نوفل ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے کنارہ کشی کر کے دین کا دامن تھاما اور دینی کتب کا مطالعہ کیا اور بتوں کے نام پر ذبح شدہ جانوروں کے گوشت سے بھی دوری اختیار کی۔ ورقہ بن نوفل نے دین کا مطالعہ صرف عربی زبان میں ہی نہیں کیا تھا بلکہ جب انہوں نے محسوس کیا کہ مطالعہ

مسیحیت کے لئے صرف عربی زبان کافی ہی نہیں تو پھر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھی۔ ان کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ورقہ بن نوفل نے زمانہ جاہلیت میں نصرانیت اختیار کر لی تھی اور وہ عبرانی زبان میں لکھنا بھی جانتے تھے اور وہ عبرانی زبان میں انجیل سے جس قدر چاہتے، لکھ لیتے تھے۔''

ورقہ بن نوفل اپنی پختہ رائے، وسیع علم اور انتہائی اخلاص کے ساتھ پہچانے جاتے تھے۔ وہ نزول وحی کے ابتدائی زمانے میں نابینا اور عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ انہیں دین اور دنیا کے بہت سے امور کا علم تھا۔ وہ اب اللہ کی راہ میں استطاعت کے مطابق عمل اور اچھے خاتمے کے علاوہ کسی چیز کی امید نہیں کرتے تھے۔ ان سب باتوں کے پیش نظر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے پاس لے گئیں اور ان سے کہنے لگیں: ''اے میرے چچا زاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو!'' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی خود بیتی سنائی تو ورقہ بن نوفل نے کسی انتظار، تردد اور سوچ بچار کے بغیر کہا: ''یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔''

ورقہ بن نوفل نے یہ کلمات ایک پختہ یقین اور سچے مومن کے جذبات کے ساتھ کہے، اور انہیں یہ بات کہنے پر مجبور کرنے والے اسباب یقینا یہ کہہ رہے تھے کہ ورقہ بن نوفل سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عفت والی پاک صاف زندگی سے آگاہ تھے۔ اس کے علاوہ ورقہ بن نوفل کی نظر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کی جھوٹی اور کھوکھلی عزت کے حصول سے دور رہنے والے تھے اور اس بات سے بھی بہت دور تھے کہ وہ دنیا کے طالب ہوں۔ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نزول وحی کی خبر سنی تو انہیں ایک سچے انسان کی بات میں پوری طرح سچائی کا احساس ہوا اور انہوں نے اس بات میں اس عنصر کو بھی محسوس کیا جو کسی کام کے اچانک ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی آپ کی خبر میں کوئی منطقی تسلسل یا سوچی سمجھی تدبیر یا خود ساختہ عزت کا شائبہ بھی نہ تھا بلکہ فقط معصومیت اور سچائی تھی۔ ورقہ بن نوفل نے جوں ہی قرآن کی پہلی آیت سنی۔ ان کے دل و دماغ نے فوراً گواہی دی کہ یہ کلام آسمان سے نازل شدہ وحی ہے۔ پہلی وحی میں سورہ علق کی یہ پانچ آیات نازل ہوئی تھیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ (21)

''پڑھو (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔''

حوالہ جات

1۔فتح الباری، ج6،ص422
2۔ایضاً
3۔زرقانی،ج4،ص271
4۔دلائل النبوۃ للاصبہانی،ص52
5۔فتح الباری،ج7،ص124
6۔زرقانی،شرح مؤطا،ج4،ص270
7۔الفتح:29
8۔الصّف:6
9۔سیرت ابن ہشام
10۔ایضاً،ج1،ص56
11۔سورۃ العلق:1-3
12۔العلق:1-5
13۔روض الانف،ج۱،ص۱۲۰
14۔سیرۃ ابن ہشام
15۔سیرۃ ابن ہشام وروض الانف
16۔طبقات ابن سعد،ج۱ص۸۲
17۔صحیح مسلم
18۔روض الانف ص۹۲ج۱
19۔فتح الباری ج۱ص:۲۸۵
20۔الاصابہ:ج۱ص۱۳۷
21۔سیرت ابن ہشام،ج1ص۶۵
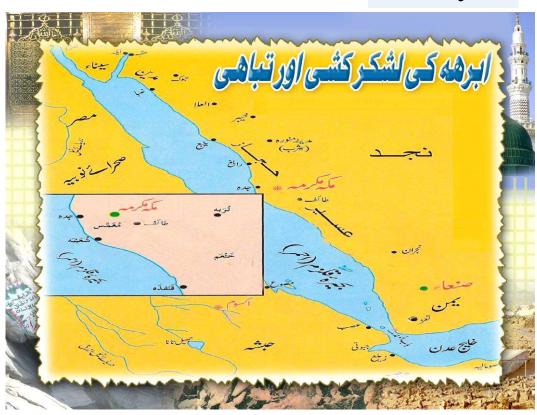
مشق سبق نمبر 1

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. آقا دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا واقعہ تحریر کریں؟

....

....

2. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش پر رونما ہونے والا کوئی واقعہ تحریر کریں؟

....

....

3. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک محمد رکھنے کی کیا وجہ بنی؟

....

....

4. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی تعداد اور نام تحریر کریں؟

....

....

5. شق صدر کا قصہ مختصر لکھیں؟

....

....

6. ورقہ بن نوفل کون تھے؟

....

....

سوال نمبر 2　درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگایئے۔

1. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد کس نے رکھا؟

ماں نے ☐　　باپ نے ☐　　قریش نے ☐　　دادا نے ☐

2. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر تھی کہ آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا

پانچ سال ☐　　چھ سال ☐　　چار سال ☐　　تین سال ☐

3. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے کون سا دریا رک گیا؟

بحیرہ قلزم ☐　　دریائے نیل ☐　　دریا طبریہ ☐　　دریائے سندھ ☐

4. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی والدہ کا نام ہے

ام ہانی ☐　　ثوبیہ ☐　　مریم ☐　　آمنہ ☐

5. ورقہ بن نوفل نے زمانہ جاہلیت میں اختیار کر لی تھی

یہودیت ☐　　نصرانیت ☐　　اسلام ☐　　بدھ مت ☐

6. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی کا نام ہے

فاطمہ ☐　　ام کلثوم ☐　　زینب ☐　　رقیہ ☐

سبق نمبر 04

خاموش دعوت وتبلیغ

خلاصۂ سبق

(نبوت ملنے کے تین سال بعد تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش تبلیغ فرماتے رہے، جس کے نتیجے میں 30 سے زائد افراد مسلمان ہو گئے، تین سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علانیہ دعوتِ دین کا حکم دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل کے لیے موزوں اور مؤثر طریقوں اپنائے۔ جس میں رحمۃ العالمین خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز اپنے گھر کے افراد سے کیا اور ساتھ ہی اپنے قریبی رشتہ داروں کو بلا کر انھیں دعوت دین دی۔ ان سارے مراحل میں سردار ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے معاون و مددگار رہتے۔ آپ کی اعلانیہ دعوت سے اسلام تیزی کے ساتھ پھیلتا چلا گیا۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی قوم کی اصلاح وتربیت کا حکم ہوا جو ظلم وستم کی عادی تھی، کئی طرح کی جسمانی وروحانی برائیوں میں ملوث تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ممکن حد تک ان کی اصلاح کی کوشش کی۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طریقہ اختیار کیا وہ مخفی دعوت کا تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسی دعوت پیش کرنی تھی جو ان لوگوں کے آبائی دین کے برعکس تھی۔ قرآن نے اسے اس طرح واضح کیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَآءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ (1)

''اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اُسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ

کام نہ لیا ہو اور سیدھا اور سچا راستہ نہ پایا ہو تو کیا پھر بھی یہ انھی کی پیروی میں چلے جائیں گے؟''
قرآن کریم نے ان کی اس سوچ کو کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے۔
اہل باطل کے لیے اپنے معبودان باطلہ کو چھوڑنا انتہائی مشکل تھا۔ اس لیے انھوں نے صرف ایک اللہ کی الوہیت پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہا:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝۵ (2)

''کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ بس ایک ہی معبود بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

شروع میں آپ نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموش دعوتِ دین کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ آپ اپنے عزیز و اقارب، دوستوں اور ایک نیک فطرت ساتھیوں سے تبلیغی ملاقاتیں فرماتے رہے۔ یہ دعوت دین خاموش اس لیے تھی تا کہ اسلام کی بنیاد مضبوط ہو سکے، اگر شروع ہی میں سرِعام دعوت وتبلیغ کا طریقہ اختیار کیا جاتا تو اندیشہ تھا کہ یہ دعوت پنپنے اور استحکام حاصل کرنے سے پہلے ہی دبا دی جاتی۔

خاموش دعوت کا طریقہ کار

مکہ مکرمہ میں خاموش دعوت دین کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق مبارک یہ تھا کہ آپ خود بہ نفس نفیس افراد کے پاس جاتے، انھیں رب کا پیغام سناتے، اپنے نبی ہونے کی اطلاع دیتے اور عقیدۂ توحید کی دعوت دیتے۔ کبھی کوئی شخص خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ جاتا، آپ اسے دعوت دین دیتے اور وہ مسلمان ہو جاتا تھا، جیسا کہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ دعوت خفیہ تھی لیکن اس کے اثرات پھیلتے چلے جا رہے تھے۔ سیدنا عمرو بن عبسہ سُلَمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ کی ایک شخصیت کے بارے میں سنا کہ وہ کئی امور کی خبریں دیتے ہیں۔ اس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی آپ کے پاس خود آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے۔(3)

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی صحابی کسی شخص کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر خفیہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں دعوت دی تو وہ اُسی وقت مسلمان ہو گئے اور ہمیشہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار بن گئے۔(4)

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی صحابی کسی کو دعوت دیتا۔ وہ مسلمان ہو جاتا تو وہ اسے لے کر دربار نبوی میں حاضر ہو جاتا، جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر پانچ نامور شخصیات حضرت زبیر بن عوام، حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم اسلام لائے۔

رسول اللہ ﷺ کے ہمدم دیرینہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں اپنے ساتھ لے کر آپ ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔آپ نے انھیں قرآن سنایا، اسلام کی حقیقت بیان کی اور روزِ قیامت دیے جانے والے انعامات کا ذکر فرمایا تو ان سب نے دل کی گہرائیوں سے دین حنیف قبول کر لیا اور ہمیشہ کے لیے اسلام کے محافظ ہونے کی شہادت دی۔(5)

خاموش تعمیلِ دین

رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب ذی شان رضی اللہ عنہم جس طرح شروع میں اسلام کی تبلیغ اور فریضۂ دعوت خاموشی سے ادا کرتے رہے، اسی طرح آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب رب ذوالجلال کی عبادت اور بندگی بھی شروع شروع میں خفیہ طور پر کرتے تھے۔اس وقت کے حالات کا تقاضا یہی تھا۔

حضرت عزیزہ بنت ابی تجراہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب عصر کا وقت ہوتا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے اور وہاں جا کر ایک ایک اور دو دو افراد نماز ادا کرتے۔ایک دن طلیب بن عمیر اور حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہما اجیاد کی تنگ وادی میں نماز ادا کر رہے تھے کہ انھیں ابن اصداء اور ابن غیطلہ نے دیکھ لیا۔یہ دونوں بہت بدزبان اور بداخلاق تھے۔ان بدبختوں نے انھیں نماز پڑھتے دیکھا تو معاًان پر حملہ کر دیا، ان پر پتھر برسائے اور انہیں گالیاں دینے لگے۔جب اہل ایمان اس گھاٹی سے چلے گئے۔تبھی یہ واپس گئے۔(6)

سیدنا سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ایک سال تک اسلام چھپائے رکھا۔ہم لوگ نماز کسی محفوظ گھر یا خالی کھائی میں ادا کرتے تھے۔اس دوران میں ہم ایک دوسرے کا پہرہ بھی دیتے تھے۔(7)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں، حضرت سعید بن زید، خباب بن ارت، عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ایک گھاٹی کی طرف گئے۔وہاں ہم نے چھپ کر وضو کیا اور نماز ادا کرنے لگے تو اچانک مشرکین کی ایک جماعت ہماری طرف آنکلی۔یہ لوگ ہماری تلاش میں تھے۔ہمیں دیکھتے ہیں انھوں نے بدزبانی شروع کر دی۔ہمارے عمل پر آوازے کسے اور ہمیں مارنے پیٹنے لگے۔اسی دوران میں مَیں نے اونٹ کی ایک ہڈی پکڑ کر ایک مشرک کو کھینچ ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا اور اُسے بہت گہرا زخم آیا، اب مشرکین پیچھے ہٹنے لگے اور ہمارے اصحاب نے انھیں مار بھگایا۔یہ دعوتِ اسلام کے راستے میں کسی کافر کا بہنے والا پہلا خون تھا۔(8)

خفیہ طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام پیش کرنے کا اور اگلے روز ان کے قبول اسلام کا تذکرہ ہے۔اسلام لانے کے بعد وہ اپنے والد ابوطالب سے

ڈرتے تھے، اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خفیہ طور پر نماز ادا کرتے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز ادا فرماتے اس وقت حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے لئے پہرہ دیا کرتے تھے۔(9)

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ چھپ کر ہی نماز ادا کر پڑھتے رہے۔ایک دفعہ آپ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ابودب کی گھاٹی میں چھپ کر نماز ادا کر رہے تھے، اچانک ابوطالب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتے ہوئے ادھر آ نکلے۔ انہوں نے انھیں نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا: یہ کیسا عمل ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کا دین کا قبول کرنے کی بات بتا دی اور اپنے باپ کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات سن کر ابوطالب واپس آئے اور اپنی بیوی کو یہ بات بتائی۔ انھوں نے اپنی بیوی کو تاکید کی کہ یہ معاملہ مخفی رکھنا۔(10)

ایک دفعہ جناب عباس بن عبدالمطلب نے بھی رسول اللہ ﷺ ، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھپ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔(11)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ اسلام کے آغاز میں جہاں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب دین کی تبلیغ خفیہ طریقہ سے کرتے تھے وہاں وہ اپنے رب کی ربوبیت کے اقرار واظہار اور عبادت کی بجا آوری کے لیے بھی خفیہ طریقہ ہی بروئے کار لاتے تھے۔ یہ اس وقت کا تقاضا اور رب ذوالجلال کی طرف سے امت محمدیہ کے لئے ایک ہدایت تھی۔ محتاط طریقے کو بر سر کار لا کر بھی دین کی تبلیغ واشاعت مرحلہ وار مؤثر طور پر کی جا سکتی تھی۔

دار ارقم اسلام کی پہلی دانش گاہ

سر آغاز مسلمانوں کی تعداد روز افزوں تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے احکام سے آگاہی کے لئے ایک ایسی محفوظ جگہ کی ضرورت محسوس کی جس میں تمام اصحاب اور خود رسول اللہ ﷺ اطمینان سے اکٹھے ہو سکیں۔ اس مقصد کے لئے دار ارقم کا انتخاب کیا گیا۔ یہ ارقم بن ابی ارقم بن اسد بن عبداللہ مخزومی کی حویلی تھی۔ سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ نے اپنی حویلی رضائے الٰہی کی خاطر وقف کر دی تھی۔ یہ حویلی مکہ مکرمہ میں صفا پہاڑی کے پاس تھی۔ اسی کو بعد میں دار الاسلام کہا جانے لگا۔ دار ارقم کو دار خیزران بھی کہا جاتا تھا۔(12)

سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کا تعارف

سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے تھے۔ یہ بھی قریشی تھے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ

تھی، ان کے والد کا نام عبد مناف اور کنیت ابو ارقم تھی۔ ان کا نسب ساتویں پشت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ یہ بدری صحابی ہیں۔ دعوتِ اسلام کے آغاز میں ان کی حویلی میں متعدد کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ 55ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ ان کی وصیت کے مطابق سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔(13)

دارارقم کی سرگرمیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم اللہ تعالی کی عبادت اور باہمی مشاورت کے لیے دارارقم میں اکٹھے ہوتے تھے۔ یہاں آپس کے احوال پر گفتگو ہوتی، نئے مسلمان ہونے والوں کے متعلق لائحہ عمل طے کیا جاتا، تعلیم و تعلم کا اہتمام کیا جاتا، حالات کا جائزہ لیا جاتا، صبر و تحمل کا درس دیا جاتا اور بھولی بھٹکی انسانیت کو راہ راست پر لانے کا عزم اور اس کی منصوبہ بندی کی جاتی۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے تمام ضروری معاملات و مسائل حل کرنے کے لیے باہمی مشاورت کرنا بہت ضروری ہے۔ اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے تو یہ نہایت ضروری امر تھا اور مشاورت کے لیے مل بیٹھنا ناگزیر تھا جس کے لیے دارارقم کا انتخاب کیا گیا۔

زین الدین عراقی نے دارارقم کے انتخاب کے متعلق یہ اشعار کہے۔

وَاتَّخَذَ النَّبِيُّ دَارَ الْاَرْقَمِ　　لِلصَّحْبِ مُسْتَخْفِيْنَ عَنْ قَوْمِهِمْ
وَقِيْلَ كَانُوْا يَخْرُجُوْنَ تَتْرٰى　　اِلَى الشِّعَابِ لِلصَّلَاةِ سِرًّا (14)

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان اصحاب کے لیے دارِارقم کا انتخاب فرمایا، جو اپنی قوم سے چھپ کر رہتے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ اصحابِ رسول نماز ادا کرنے کے لیے ایک دوسرے کے آگے پیچھے رازدارانہ طور پر گھاٹیوں کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔“

دارارقم دعوتی مرکز کے ساتھ ساتھ مسجد بھی تھا۔ یہاں نماز ادا کی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین سے مخفی ہو کر ادھر تشریف لے آتے، اپنے اصحاب کو قرآن سکھاتے اور انھیں دین حنیف کی تعلیم دیتے۔ اسی گھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبولِ اسلام کے لئے حاضر ہوئے تھے۔(15)

دارارقم میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو پند و نصائح فرماتے تھے۔ اس حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شاندار نصیحتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت عثان بن مظعون رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دارارقم میں اپنے اصحاب کو تقویٰ کے حوالے سے نصیحت فرمائی۔ اس طرح علم و عمل کی اہمیت، ایمان قبول کرنے کے بعد استقامت اور صبر و توکل کی قدر و منزلت کے حوالے سے بھی نصیحتیں فرمائیں۔(16)

اعلانیہ دعوتِ اسلام

اعلانِ نبوت کے بعد کچھ عرصے تک رسول اللہ ﷺ مخفی طریقے سے مخصوص افراد کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تین سالہ خفیہ اور پُر مشقت جہدِ مسلسل کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساٹھ کے قریب اصحابِ عظام اور رفقائے کرام رضی اللہ عنہم عطا فرمائے، جن میں خواتین اسلام بھی شامل تھیں۔

اعلانیہ دعوت کا حکم

تین سالہ خاموش دعوت کے بعد اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کو اعلانیہ دعوت اسلامیہ دینے کا حکم دے دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُلْ إِنِّيْٓ أَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝٨٩ (17)

''آپ کہہ دیں کہ میں تو صاف تنبیہ کرنے والا ہوں۔''

پھر فرمایا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝٩٤ (18)

''جس چیز کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اسے خوب صاف طریقے پر بیان کر دیجیے، اور مشرکین کی پرواہ نہ کیجیے۔''

حکمِ دعوت سورۂ شعراء کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے سورۂ شعراء میں فرمایا:

وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ ۝٢١٤ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢١٥ (19)

''اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں اور جو مومن آپ کی پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں۔''

سورۃ شعراء میں سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور قوموں کے انکار کی وجہ سے ان پر نازل ہونے والے عذابوں کا تذکرہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بھی مذکور ہے۔ اس کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے پنجۂ استبداد سے بنی اسرائیل کی نجات، قومِ فرعون کی نافرمانی و سرکشی اور ان پر اللہ تعالیٰ کی گرفت کا تذکرہ اسی سورت کا حصہ ہے۔

اس تذکرے سے مقصود رسول اللہ ﷺ کو اعلانیہ دعوت کے لیے تیار کرنا اور وقت کے فرعونوں تک پہنچانا تھا۔ مزید یہ کہ اس دعوتِ حق کی راہ میں پیش آنے والے مصائب کو خندہ پیشانی سے جھیلنا اور نوعِ انسانی کو انسانوں کی غلامی سے نجات

دلانے کے لیے رہنمائی موجود ہے۔اس کے ساتھ ساتھ منکرین حق کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا اہتمام بھی کردیا گیا ہے۔

دعوتِ عام کا پرچار

خاموش دعوت کے تین سال بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت توحید کا علانیہ پرچار شروع فرمادیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو بلا کر انھیں دعوت دین دی۔ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔کہ جب یہ آیت (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ)(20)''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔''

نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا پہاڑ پر تشریف لے گئے اور فرمایا:اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب!اے بنو عبدالمطلب!تم میرے مال میں سے جو مانگنا چاہتے ہو مانگ لو،لیکن میں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔(21)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت

(وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ (22)

''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔''نازل ہوئی تب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کرکے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللهِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ، سَلِينِي بِمَا شِئْتِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا (23)

''اے قریش کی جماعت تم اپنی جانوں کو نیک اعمال کے بدلہ میں اللہ سے خرید لو میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکتا اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکتا اے صفیہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پھوپھی! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکتا اے فاطمہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی! مجھ سے جو چاہو لے لو لیکن میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔''

ہر عام وخاص کو دعوت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت کریمہ (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ)(24) نازل ہوئی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو بلایا اور وہ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر عام وخاص کو مخاطب کرکے فرمایا:

يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي هَاشِمٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ، أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا (25)

''اے کعب بن لوی کے قبیلہ والو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اے عبد شمس کے قبیلے والو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اے عبد مناف کے قبیلہ والو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اے بنی عبد المطلب والو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اے فاطمہ (رض) اپنے آپ کو دوزخ سے بچا لے کیونکہ میں تمہارے لیے اللہ سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ میں تمہارا رشتہ دار ہوں اور بحیثیت رشتہ داری کے میں تم سے صلہ رحمی کرتا رہوں گا۔''

اس دعوت کے نتیجے میں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی دعوت کے سامنے سر تسلیم خم کیا وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہوا۔ اس کے برعکس بوجہ عصبیت نافرمانی اور مخالفت کرنے والا ذلت و خسران کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرا۔

قریبی رشتے داروں کو ڈرانے کی حکمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا یہ اُصول ہے کہ کسی بھی چیز کی ابتدا میں قرابت داروں کا خیال رکھا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فرمان ذیشان ہے:

''اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ'' (26)

''سب سے پہلے قریبی، پھر جو قرابت داری میں اس کے بعد ہو۔''

اسی طرح شریعت محمدی کا یہ بھی مسلمہ اصول ہے:

اَلْاَقْرَبُوْنَ اَوْلٰی بِالْمَعْرُوْفِ (27)

''قرابت دار دوسروں کی نسبت بھلائی کے زیادہ حق دار ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے قرابت داروں کو دعوت اس لیے دی کیونکہ حسنِ ترتیب کا یہی تقاضا ہے۔ یہ بھی گیا ہے کہ ایسا اس لیے کیا گیا کہ قرابت داروں کو اکٹھا کر کے انذار کرنا آپ کے لیے آسان تھا اور آپ ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں یہ دعوت ہر عام و خاص تک پھیل گئی۔ (28)

قریش مکہ کا آنحضرت ﷺ کے معاملے میں ابوطالب سے مذاکرہ

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علانیہ تبلیغ کے بعد کفارِ مکہ نے دعوتِ اسلام کے آگے بند باندھنے کی مختلف تدبیریں کیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک طریقہ یہ طے کیا کہ آنحضرت ﷺ کے چچا جنابِ ابوطالب کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا جائے۔ انھیں لالچ دیا جائے یا ڈرایا دھمکایا جائے، تاکہ ابوطالب اپنے بھتیجے پر دباؤ ڈالیں اور دینِ اسلام کی تبلیغ کو مذاکرات اور سمجھوتے کے دائرے میں لاکر محدود تر کردیں۔

کفارِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے چچا سے مذاکرات کے لیے قریش کے سرداروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جس میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان صخر بن حرب، ابوبختری عاص بن ہشام، اسود بن مطلب، ابوجہل عمرو بن ہشام، ولید بن مغیرہ، نُبیہ بن حجاج، مُنَبِّہ بن حجاج اور عاص بن وائل جیسے سرکردہ افراد شریک تھے۔ (29)

وفدِ مشرکین کی سردار ابوطالب سے ملاقات

مشرکین مکہ کا مذکورہ افراد پر مشتمل وفد رسول اللہ ﷺ کے چچا سردار ابوطالب کے پاس حاضر ہوا۔ وفد کے لوگوں نے سردار ابوطالب سے کہا: ابوطالب! آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کی عیب جوئی کرتا ہے۔ ہمارے دین کو برا کہتا ہے، ہمارے آباء واجداد کو گمراہ گردانتا ہے اور ہمیں بے وقوف ٹھہراتا ہے۔ یہ باتیں ہمارے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ اب آپ خود اسے اس کام سے روکیں، یا پھر ہمیں روکنے کی اجازت دیں، ہم خود اُس سے نمٹ لیں گے۔ جس طرح ہم اُس کے لائے ہوئے دین کے مخالف ہیں آپ بھی اسی طرح اس کے دین کے خلاف ہیں، لہٰذا اپنے بھتیجے کے معاملے پر غور کریں۔ سردار ابوطالب نے ان کی تمام باتیں صبر وسکون سے سنیں اور انھیں شائستگی سے جواب دے کر واپس بھیج دیا۔ (30)

مشرکین کی دھمکی

رسول اللہ ﷺ تو رب ذوالجلال کی طرف سے مامور تھے۔ آپ کا ظہور ہی اس لیے ہوا تھا کہ آپ ابنائے آدم کو کفر وشرک سے بچائیں اور انھیں گھٹیا توہماتی عقائد واعمال کی پابندیوں سے واگزار کرا کر اُن کے سر اللہ وحدہ لاشریک کی چوکھٹ پر جھکا دیں۔ اس لیے آپ تبلیغ ودعوت سے بھلا کیسے رکتے؟ چنانچہ آپ ﷺ نے قریش کی شکایت کے بعد بھی تبلیغ دین کا سلسلہ بدستور جاری رکھا، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ تبلیغ دین کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے رب تعالیٰ کی توحید کا پرچار اور مشرکین کے معبودان باطلہ کا انکار پہلے سے بھی زیادہ اہتمام سے کیا۔ یہ حالت

دیکھ کر قریش مکہ غصے میں آ گئے کہ یہ معاملہ گھٹنے کے بجائے مزید بڑھ گیا ہے۔

سردارانِ قریش ابوطالب کے پاس جا کر کہنے لگے: ابوطالب! آپ عمر اور شرف کے لحاظ سے ہم میں بڑے مقام و مرتبے کے حامل ہیں۔ ہم نے پہلے بھی آپ سے اپنے بھتیجے کو روکنے کا کہا تھا لیکن آپ نے اسے نہیں روکا۔ واللہ! اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ محمد (ﷺ) کا ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہنا ہم عقل مندوں کو بیوقوف قرار دینا اور ہمارے معبودوں پر انگلی اٹھانا، یہ سب کچھ ہم ہرگز گوارا نہیں کر سکتے۔ آپ یا تو خود اسے روک لیں یا پھر وہ اور آپ ہمارے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ یاد رکھیے! یہ جنگ فریقین میں سے کسی ایک فریق کے ہلاک ہونے تک جاری رہے گی۔ ہم ہلاک ہو جائیں گے یا آپ مٹ ہوئیں گے۔ آپ ﷺ کے چچا کو وہ یہ دھمکی دے کر چلے گئے۔ سردار ابوطالب نے آپ ﷺ کی وجہ سے اپنی قوم کی مخالفت اور دشمنی مول لینا بہت کٹھن اور صبر آزما معاملہ سمجھا، لیکن دوسری طرف انھیں یہ بھی ہرگز گوارا نہ تھا کہ وہ اسے عظیم بھتیجے کو بے یار و مددگار اور سفاک قریشیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ (31)

سردار ابوطالب کی نصیحت اور رسول اللہ ﷺ کا فوراً جواب

سرداران قریش کی سخت کلامی سن کر سردار ابوطالب پریشان ہوئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو بلایا۔ قریش کے وفد کی اطلاع دی اور آخر میں کہا: آپ مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کریں۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں جسے میں اور آپ اٹھا نہ سکیں، لہٰذا آپ اپنی قوم کو کوئی ایسی بات نہ کہیں جو انھیں بری لگے۔ (32)

اپنے چچا کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ حیران ہوئے۔ آپ کو یہ خدشہ ہوا کہ اب شفیق چچا میری معاونت سے دستبردار ہونے والے ہیں، اب یہ میرا ساتھ نہیں دیں گے اور مجھے مخالفین کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں گے۔ اس لیے آپ ﷺ نے بڑے وقار اور اطمینان سے جواب دیا:

يَاعَمِّ وَاللهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِيْنِيْ وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِيْ عَلٰى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيْهِ مَا تَرَكْتُهُ (33)

”چچا جان، اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تاکہ میں تبلیغِ دین چھوڑ دوں تب بھی میں یہ کام ہرگز ترک نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کر دے یا میں خود اس راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دوں۔“

یہ باتیں کرتے کرتے رسول اللہ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور

چل دیے۔ یہ صورتحال دیکھ کر چچا نے بے قرار ہو کر آواز دی: بھتیجے! واپس آؤ۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو چچا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی اور ڈھارس بندھاتے ہوئے پر اعتماد لہجے میں کہا:

اِذْهَبْ يَا ابْنَ أَخِي فَقُلْ مَا أَحْبَبْتَ، وَاللهِ لَا أُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ أَبَدًا (34)

میرے بھتیجے! جاؤ اور جو جی چاہے کہو، اللہ کی قسم! میں تمہاری مدد سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گا۔

اسی حوالے سے جناب عقیل بن ابی طالب سے مروی ہے کہ قریش مکہ میرے ابا جان کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ آپ کا بھتیجا ہماری مجالس میں آ کر اور بیت اللہ میں پہنچ کر ہمیں پریشان کرتا ہے۔ میرے ابا جان نے مجھ سے فرمایا: جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بلا لاؤ۔ میں گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا لایا۔

جب آپ تشریف لائے تو میرے والد آپ سے کہنے لگے: آپ کی قوم کے لوگ کہتے ہیں آپ ان کی مجالس میں اور بیت اللہ میں انھیں پریشان کرتے ہیں اور انھیں اذیت پہنچاتے ہیں۔ میرے بھتیجے! آپ انھیں تکلیف نہ دیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات سننے کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھائی، پھر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا تم یہ سورج دیکھ رہے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا أَنَا بِأَقْدَرَ عَلَى أَنْ أَدَعَ لَكُمْ ذٰلِكَ عَلَى أَنْ تَسْتَشْعِلُوا لِي مِنْهَا شُعْلَةً

''جس طرح تمہارے لیے سورج سے شعلہ لانا ممکن نہیں اس سے کہیں بڑھ کر میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ میں اس دعوت سے پیچھے ہٹوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر میرے والد نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اپنے بھتیجے کو کبھی غلط بیانی کرتے ہوئے نہیں پایا۔ اب تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔ (35)

آخری دم تک حمایت

سردار ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے معاون و مددگار تھے۔ مشرکین مکہ نے اپنی پیدا کی ہوئی الجھن کو سردار ابو طالب کی وفات تک ان کی وساطت سے سلجھانے کی کوشش کی۔ بار بار ان کے پاس آئے اور ہر بار انداز بدل بدل کر گئے کہ آپ اپنے بھتیجے کو دعوت اسلام سے روکیں لیکن ہر بار وہ اپنے مقصد میں ناکام ہی لوٹے۔ جب سردار ابو طالب پر جان کنی کا عالم طاری تھا اس وقت ان کے پاس قریش کے سردار عبداللہ بن ابی امیہ اور ابو جہل پھر دعوت دین رکوانے کے لیے گئے۔ سردار ابو طالب کے پاس جانے سے پہلے انھوں نے آپس میں یہ صلاح مشورہ کیا کہ ابو طالب کے پاس جا کر ان

کے بھتیجے کے بارے میں بات کی جائے کہ وہ ہمیں ہمارا حق دے دیں۔ ہم سے انصاف کریں اور اپنے بھتیجے کو ہمارے معبودوں کی تردید سے روکیں تو ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کے معبود کو چھوڑ دیں گے۔ ہمیں خطرہ ہے کہ ابوطالب اگر موجودہ صورت حال میں وفات پا گئے اور بعد ازاں ہم نے ان کے بھتیجے کو کچھ کہا یا کوئی سخت رویہ اختیار کیا تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا کی موجودگی میں تو اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ دکھا سکے اور ابوطالب کی وفات کے بعد اسے طرح طرح کی اذیتیں دینے لگے۔

اس مار سے بچنے کے لیے مشرکین مکہ سردار ابوطالب کے پاس ان کے مرض الوفات میں بھی جا پہنچے۔ انھوں نے ابوطالب کے پاس مطلب نامی ایک آدمی کو بھیجا۔ اس نے ابوطالب سے اندر آنے کی اجازت طلب کی، اجازت کے بعد وہ اندر گیا۔ اس نے باقی لوگوں کے لیے بھی داخل ہونے کی اجازت سے طلب کی۔ اجازت کے بعد ابوجہل اور دیگر لوگ ابوطالب کے پاس جا کر کہنے لگے ابوطالب؟ آپ ہمارے بڑے سردار ہیں۔ آپ ہمیں اپنے بھتیجے سے انصاف دلائیں۔ آپ اسے کہیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو بے وقعت قرار نہ دے، ہم بھی اسے اور اس کے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔

ان کی بات سن کر سردار ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا۔ جب آپ تشریف لائے تو انھوں نے کہا اے میرے بھتیجے! یہ آپ کی قوم کے عمر رسیدہ اور سرکردہ لوگ ہیں۔ یہ آپ سے انصاف مانگتے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں کو بے حیثیت قرار دینے سے رک جائیں، یہ بھی آپ کو اور آپ کے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔

یہ بات سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے چچا جان! کیا میں انھیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جو ان کے لیے اس سے بہتر ہے؟ سردار ابو طالب نے پوچھا کہ آپ انھیں کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں انھیں ایک کلمے کے اقرار کی دعوت دیتا ہوں، جس کی بدولت تمام عرب ان کے زیر نگیں ہو جائے گا اور تمام عجم کے یہ مالک بن جائیں گے۔''

یہ سن کر ابوجہل نے کہا: آپ کو آپ کے باپ کی قسم بتائیں وہ کلمہ کیا ہے؟ ہم آپ کے اس ایک کلمے ہی کو نہیں اس سے بھی دس گنا بڑی بات تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ کلمہ ہے: لا الہ الا اللہ۔ یہ بات سنتے ہی تمام لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ہم تو آپ سے کچھ اور چاہتے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ جِئْتُمُوْنِیْ بِالشَّمْسِ حَتّٰی تَضَعُوْهَا فِیْ یَدِیْ مَا سَأَلْتُكُمْ غَيْرَهَا

''اگر تم میرے ہاتھ پر سورج لا کر بھی رکھ دو جب بھی تم سے میرا یہی مطالبہ رہے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے صرف ایک معبود کی دعوت پر وہ کہنے لگے:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ (36)

''کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ بس ایک ہی معبود بنا ڈالا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

اسی واقعے کے بارے میں اللہ تعالی نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۖ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ (37)

''سردارانِ قوم یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں کی عبادت پر ڈٹے رہو، یہ بات تو کسی اور ہی غرض سے کہی جا رہی ہے۔ یہ بات ہم نے زمانہ قریب کی ملت میں کسی سے نہیں سنی۔ یہ کچھ نہیں، بس ایک من گھڑت بات ہے۔''

کفار کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصالحت کی پیشکش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو شدید اذیتوں میں جتلا کرنے کے باوجود کفار مکہ کو اپنے مقصد میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اب انھیں اندازہ ہو گیا کہ دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور لوگوں کا آئے دن مسلمان ہونے کا سلسلہ رکنے والا نہیں، لہٰذا انھوں نے صلح کا راستہ اختیار کیا۔ ان کا مقصد تھا کہ باہمی مصالحت کے ساتھ دونوں گروہ یعنی مشرکین اور اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں زندگی گزارتے رہیں اور امن کی آڑ میں دینِ اسلام کی اشاعت کو بھی روکا جا سکے۔ ذیل میں مصالحت کی ان کوششوں اور پیشکشوں کا ایک جائزہ پیشِ خدمت ہے:

عتبہ بن ربیعہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیشکش

ایک دن قریشی مجلس لگائے بیٹھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام میں اکیلے تشریف فرما تھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا: قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات چیت کروں اور ان کے سامنے کوئی پیش کش رکھوں، شاید وہ اس میں سے کچھ تسلیم کر لیں اور کچھ ہم قبول کر لیں، یوں وہ ہماری مخالفت سے باز آ جائیں۔ انھوں نے کہا: ہاں، ٹھیک ہے۔

عتبہ ان کی مجلس سے اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا بیٹھا اور کہنے لگا: بھتیجے! ہمارے نزدیک تمھیں عزت و وقار کا جو درجہ حاصل ہے وہ تم جانتے ہی ہو۔ حسب و نسب میں تمہارا بڑا اونچا مقام ہے۔ مگر تم اپنی قوم کے پاس ایک بہت بڑا معاملہ لائے ہو۔ اس کی وجہ سے تم نے قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے، ساری قوم کو بے وقوف قرار دے رہے ہو، ان کے دین اور

معبودوں کو عیب دار ٹھہرا رہے ہو اور ان کے فوت شدہ آباء واجداد کو کافر قرار دے رہے ہو۔ ذرا میری بات سنو اور اس پر غور کرو، شاید تم ان میں سے کسی کو قبول کرلو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتبہ کی بات سن کر فرمایا: ''کہو ابو الولید!'' وہ کہنے لگا: بھتیجے! اگر آپ اس دعوت کے ذریعے سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہیں تو ہم سب مل کر آپ کے لیے بہت سارا مال جمع کر دیتے ہیں۔ اگر آپ اس کے ذریعے سے عزت و شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ ہم کوئی فیصلہ آپ کی اجازت کے بغیر نہیں کریں گے۔ اگر آپ اس کے ذریعے سے بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کوئی جنّ آتا ہے اپنے آپ کو روکنے پر قادر نہیں تو ہم طبیب بلوا کر آپ کا علاج کراتے ہیں اور اس علاج معالجے کے لیے ہم سب مل کر اپنا مال آپ پر خرچ کریں گے، حتیٰ کہ آپ شفایاب ہو جائیں۔

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی بات سماعت فرما رہے تھے۔ جب عتبہ خاموش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: عتبہ! کیا آپ کی بات مکمل ہوگئی ہے؟'' عتبہ نے کہا جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ حٰم سجدہ کی تلاوت شروع فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ والی آیت پر سجدہ کیا۔ عتبہ مسلسل خاموشی سے تلاوت سنتا رہا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر بطور ٹیک لگا دیے اور ہمہ تن گوش ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت کی سماعت جاری رکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت ختم کی تو عتبہ سے فرمایا: ''عتبہ بس یہی میرا جواب ہے۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔'' عتبہ نے جا کر قریش کو صورتحال سے آگاہ کیا اور انہیں مشورہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے حال پر چھوڑ دو، انھیں کچھ نہ کہو۔'' (45)

عرب کے سرداروں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصالحت کی پیش کش

ایک دن عرب کے اہل حل و عقد اور سردار غروب آفتاب کے وقت بیت اللہ کے پاس جمع ہوئے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف منصوبہ بندی کی اور آپ کی دعوت حق روکنے کے لیے سوچ و بچار شروع کی۔ ان میں سے ایک نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کس شخص کے ذریعے سے بلایا جائے اور اس سے دوٹوک بات کی جائے۔ چنانچہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایک شخص کو یہ پیغام دے کر بھیجا گیا کہ آپ کو قوم کے سردار کعبے کے پاس بلا رہے ہیں۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس شخص کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔

ان سرداروں نے گفتگو شروع کی اور کہا اے محمد! ہم نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ ہم آپ سے فیصلہ کن بات کریں۔ واللہ! آپ نے ساری قوم کو بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ آپ ہمارے آباء واجداد (کے نظریات) کو برا بھلا

کہتے ہیں۔ ہمارے دین کو عیب دار، ہمارے معبودوں کو عاجز اور ہمیں بے وقوف قرار دیتے ہیں۔ آپ نے ایسے کام اور اقدام کئے ہیں جس سے ساری قوم پریشان ہے۔ اگر اس ہنگامہ آرائی سے آپ کا مقصد دولت جمع کرنا ہے تو ہم آپ کے لیے دولت کے انبار لگا دیتے ہیں۔ اگر آپ سرداری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ مان لیتے ہیں، اگر آپ پر کسی جن کا اثر ہے تو ہم آپ کا علاج بھی کرا دیتے ہیں۔ اس کام کے لیے چاہے کتنا ہی مال خرچ کرنا پڑے ہم خرچ کریں گے۔

جب وہ اپنی پیشکش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کر چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے جو چیزیں میرے سامنے رکھی ہیں میں ان میں سے ہرگز کسی چیز کا بھی طلب گار نہیں ہوں۔ مجھے نہ مال و دولت کی ضرورت ہے، نہ سیادت و قیادت کی، میری نظر میں بادشاہت کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اللہ عزوجل نے تو مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر ایک کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خوشخبری دوں اور اللہ کے عذابوں سے ڈراؤں۔ میں جو کچھ تمہارے پاس لایا ہوں اگر تم اسے قبول کر لو تو دنیا و آخرت میں تمہارا فائدہ ہے، لیکن اگر تم اسے رد کر دو تو پھر میں اللہ تعالیٰ کے حکم تک صبر کروں گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے مابین فیصلہ فرما دے۔ (38)

ایک اور وفد کی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات

ایک روز عرب کے دانشور اور سردار ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئے اور کہنے لگے اے محمد! آؤ ہم تمہارے معبود کی عبادت کرتے ہیں، تم ہمارے معبودوں کی عبادت کرو، ہم تمھیں اپنے سارے کاموں میں شریک کر لیتے ہیں۔ اگر تمہارا لایا ہوا پیغام ہمارے پاس موجود پیغام سے بہتر ہوا تو ہم اس میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں گے اور اس سے اپنا حصہ حاصل کر لیں گے، اگر وہ چیز جو ہمارے پاس ہے اس سے بہتر نکلی جو تمہارے پاس ہے تو ہم تمھیں اس میں شریک کر لیں گے اور تم اس میں سے اپنا حصہ پا لو گے۔ کفار کی اسی ناروا پیشکش پر قرآن کریم کی یہ سورت نازل ہوئی:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ۝۲ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُۚ۝۳ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْۙ۝۴ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُؕ۝۵ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ۠۝۶ (39)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے کافرو! میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس

کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔‘‘

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنے کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے آپ سے یہاں تک کہا تھا کہ آپ ہمارے معبودوں کو چھو ہی لیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام سورۃ الکافرون لے کر نازل ہوئے۔ جب کفار نے سورۃ الکافرون سنی تو وہ مایوس ہو گئے۔ پھر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ (40)

مداہنت و مفاہمت کی ایک اور بے سود کوشش

کفار کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دعوت پر مصالحت کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کو اتنا مال و دولت دیتے ہیں کہ اس قدر مال مکہ میں کسی شخص کے پاس نہیں ہوگا، آپ جس عورت کو پسند کرتے ہیں ہم اس عورت سے آپ کی شادی کر دیتے ہیں لیکن اے محمد! آپ ہمارے معبودوں کو عاجز قرار دینے سے باز آ جائیں۔

اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر ایک صورت ہے جس میں آپ کا بھی فائدہ ہے اور ہمارا بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: ’وہ کیا ہے؟‘‘ کہنے لگے کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبودوں کی عبادت کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ الکافرون نازل ہوئی۔ (41)

کفار کی طرف سے ان ساری پیشکشوں کا مقصد باطل کو حق کے ساتھ خلط ملط کرنا تھا۔ بعض باتیں مشرکین چھوڑ دیں اور بعض باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دست بردار ہو جائیں، ان کا یہی مقصود تھا، جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (42)

’’یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ آپ مداہنت کریں تو یہ بھی مداہنت کریں۔‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ (43)

(اے نبی!) ان سے کہہ دیجیے: پھر کیا اے جاہلو! تم مجھ سے اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لیے کہتے ہو۔‘‘

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لالچ کے ذریعے سے دعوت و تبلیغ سے روکنے سے ناکام رہے تو اب انہوں نے بات کا رخ بدل دیا اور آپ کو لاجواب کرنے کے لیے اپنے مطالبات آپ کے سامنے رکھ دیے۔ سرداران مکہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب سننے کے بعد کہنے لگے: آپ جانتے ہیں کہ ہمارا شہر جس وادی میں ہے بہت تنگ ہے۔ پانی بہت کم ہے۔ہم سب سے زیادہ مشکل میں ہیں۔آپ کے جس رب نے آپ کو نبی کر بھیجا ہے،اس سے دعا کریں کہ ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا کر دور کردے،تا کہ میدان وسیع ہوجائے اور شام وعراق کی طرح یہاں بھی دریا جاری کردے۔

مزید برآں ہمارے آباءواجداد میں سے چند بزرگوں کو زندہ کردے،خاص طور پر قصی بن کلاب کو، کیونکہ وہ ایک سچا انسان تھا۔ہم ان بزرگوں سے آپ کے پیغام کے بارے میں پوچھیں کہ آیا یہ حق ہے یا باطل؟ اگر انھوں نے تصدیق کردی کہ آپ سچے ہیں اور آپ نے ہمارے دوسرے مطالبات بھی پورے کردیئے تو ہم آپ کی تصدیق کردیں گے۔ پھر ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ واقعی آپ کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ومرتبہ ہے اور آپ اس رب کی طرف سے منتخب کردہ رسول ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی باتیں سننے کے بعد فرمایا: اللہ نے مجھے ان کاموں کے لیے نہیں بھیجا۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں نے وہ پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔اگر تم اسے قبول کرلو تو تمہارے لیے دنیا وآخرت کی سعادت ہے۔اگر تم نے اسے مسترد کردیا تو پھر میں اللہ کے حکم سے صبر کروں گا حتی کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔'' انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ باتیں سنیں تو کہنے لگے۔آپ ہماری بھلائی کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو نہ کریں۔ہم اصرار نہیں کرتے لیکن اللہ سے اپنے لیے ہی کچھ طلب کرلیں۔زیادہ نہیں تو کم از کم آپ کا رب آپ کے ساتھ ایک فرشتہ ہی بھیج دے، جو آپ کی ہر بات کی تصدیق کرے اور آپ کے بارے میں ہم سے بات چیت کرے۔مزید یہ کہ آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ اس ریتلے علاقے میں پھل اور ترکاریاں ہی اُگا دے، محلات تعمیر کردے اور سونے چاندی سے مالا مال کرکے آپ کو غنی کردے تا کہ آپ کو تنگدستی سے نجات مل جائے۔آپ بھی ہماری طرح کسب معاش کے لیے بازار کے چکر لگاتے ہیں اور ہماری طرح پریشانیاں جھیلتے ہیں۔اگر اللہ آپ کی یہ دعائیں قبول کرے تو پھر ہم یقین کر لیں گے کہ واقعی آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فوری جواب

ان کے یہ احمقانہ مطالبات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اللہ نے مجھے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔وہ کہنے لگے اگر آپ یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرادے۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اللہ کی مشیت ہے کہ وہ اسے تمہارے اوپر گراتا ہے یا نہیں۔''

وہ کہنے لگے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ کے رب کو علم نہیں تھا کہ عنقریب ہم آپ کے ساتھ گفتگو کرنے والے اور

آپ سے وہ سوالات پوچھنے والے ہیں، جواب پوچھ رہے ہیں اور آپ سے وہ مطالبے کرنے والے ہیں جواب کر رہے ہیں۔ اگر اسے علم ہوتا تو وہ آپ کو ہمارے سوالات اور مطالبات سے پہلے ہی آگاہ کر کرتا۔ ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، جب تک آپ ہمارے مطالبات پورے نہ کر دیں۔ ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ یمامہ کا رہنے والا ایک شخص رحمٰن ہے، وہ آپ کو تعلیم دیتا ہے، لہٰذا ہم رحمٰن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمد! ہم نے اپنا عذر آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ واللہ! یہ ہماری کشمکش جاری رہے گی۔ حتیٰ کہ ہم آپ پر غالب آجائیں یا پھر آپ ہمیں ہلاک کر دیں۔(44)

کفار مکہ کے انہی مطالبات کے حوالے سے یہ آیات نازل ہوئیں:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝٩٠ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝٩١ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاۗءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ قَبِيْلًا ۝٩٢ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاۗءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝٩٣ (45)

''انھوں نے کہا: ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کرے۔ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگور کا ایک باغ ہو، پس تو اس کے درمیان نہریں جاری کر دے، خوب جاری کرنا۔ یا آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے، جیسا کہ تو نے دعویٰ کیا ہے، یا تو اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئے۔ یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر ہو، یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے، یہاں تک کہ تو ہم پر کوئی کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔ تو کہہ میرا رب پاک ہے، میں تو ایک بشر کے سوا کچھ نہیں جو رسول ہے۔''

حجاج کو روکنے کے لیے مجلس شوریٰ

ان ہی دنوں قریش کے سامنے ایک اور مشکل آن کھڑی ہوئی، یعنی ابھی کھلم کھلا تبلیغ پر چند ہی مہینے گزرے تھے کہ موسم حج قریب آ گیا۔ قریش کو معلوم تھا کہ اب عرب کے وفود کی آمد شروع ہو گی۔ اس لیے وہ ضروری سمجھتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کوئی ایسی بات کہیں کہ جس کی وجہ سے اہل عرب کے دلوں پر آپ کی تبلیغ کا اثر نہ ہو۔ چنانچہ وہ اس بات پر گفت و شنید کے لیے ولید بن مغیرہ کے پاس اکٹھے ہوئے۔

ولید نے کہا: اس بارے میں تم سب لوگ ایک رائے اختیار کر لو تم میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے کہ خود تمہارا

ہی ایک آدمی دوسرے آدمی کی تکذیب کردے اور ایک کی بات دوسرے کی بات کاٹ دے۔لوگوں نے کہا: آپ ہی کہئے۔اس نے کہا: نہیں تم لوگ کہو، میں سنوں گا۔اس پر چندلوگوں نے کہا: ہم کہیں گے وہ کاہن ہے۔ولید نے کہا: نہیں واللہ! وہ کاہن نہیں ہے، ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔اس شخص کے اندر نہ کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے۔نہ ان کے جیسی قافیہ گوئی اور تک بندی۔اس پر لوگوں نے کہا: تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔ولید نے کہا: نہیں، وہ پاگل بھی نہیں، ہم نے پاگل بھی دیکھا ہے اور اس کی کیفیت بھی۔اس شخص کے اندر نہ پاگلوں جیسی دَم گھٹنے کی کیفیت اور الٹی سیدھی حرکتیں ہیں۔ اور نہ ان کے جیسی بہکی بہکی باتیں۔لوگوں نے کہا: تب ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔ولید نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں۔ہمیں رَجز، ہجز، قریض، مقبوض، مبسوط سارے ہی اصنافِ سخن معلوم ہیں۔اس کی بات بہر حال شعر نہیں ہے۔

لوگوں نے کہا: تب ہم کہیں کہ وہ جادوگر ہے۔ولید نے کہا یہ شخص جادوگر بھی نہیں۔ہم نے جادوگر اور ان کا جادو بھی دیکھا ہے، یہ شخص نہ تو ان کی طرح جھاڑ پھونک کرتا ہے نہ گرہ لگاتا ہے۔لوگوں نے کہا: تب ہم کیا کہیں گے؟ ولید نے کہا: اللہ کی قسم! اس کی بات بڑی شیریں ہے۔اس کی جڑ پائیدار ہے اور اس کی شاخ پھلدار۔تم جو بات بھی کہو گے لوگ اسے باطل سمجھیں گے۔البتہ اس کے بارے میں سب سے مناسب بات یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ جادوگر ہے۔اس نے ایسا کلام پیش کیا ہے جو جادو ہے۔اس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر بیوی اور کنبے قبیلے میں پھوٹ پڑ جاتی ہے بالآخر لوگ اسی تجویز پر متفق ہو کر وہاں سے رخصت ہوئے۔(46)

بعض روایات میں یہ تفصیل بھی مذکور ہے کہ جب ولید نے لوگوں کی ساری تجویزیں رد کر دیں تو لوگوں نے کہا کہ پھر آپ ہی اپنی بے داغ رائے پیش کیجیے۔اس پر ولید نے کہا: ذرا سوچ لینے دو۔اس کے بعد وہ سوچتا رہا سوچتا رہا یہاں تک کہ اپنی مذکورہ بالا رائے ظاہر کی۔(47)

اسی معاملے میں ولید کے متعلق سورۂ مدثر کی سولہ آیات (۱۱ تا ۲۶) نازل ہوئیں۔جن میں سے چند آیات کے اندر اس کے سوچنے کی کیفیت کا نقشہ بھی کھینچا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ (48)

”اس نے سوچا اور اندازہ لگایا۔وہ غارت ہو۔اس نے کیسا اندازہ لگایا۔پھر غارت ہو اس نے کیا اندازہ لگایا پھر نظر دوڑائی، پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بسورا۔پھر پلٹا اور تکبر کیا۔آخر کار کہا کہ یہ نرالا جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آرہا

ہے۔ یہ محض انسان کا کلام نہیں ہے۔''

کفار کی طرف سے مسلمانوں کو ایذارسانی

اسلام تیزی کے ساتھ پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ کفار نے آپ ﷺ کی پرتاثیر اور پرزور دعوت کے اثرات کو زائل کرنے اور کمزور کرنے کے لیے کئی حربے آزمائے لیکن ناکام رہے۔ آخر انھوں نے یہ حربہ اختیار کیا کہ اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم و جبر کر کے انھیں اس دین سے برگشتہ کیا جائے، تاکہ انھیں دیکھ کر اسلام کی طرف مائل ہونے والے دیگر افراد ڈر جائیں اور قبول اسلام سے باز رہیں۔ لیکن ان کی یہ تدبیر بھی ناکام رہی۔

کمزور اور ناتواں اہل ایمان استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے اور انھوں نے اپنے ایمان کی متاع گراں سرمایہ کے مقابلے میں اپنے جسم و جان کو حقیر اور ناقابل توجہ سمجھا۔ ان کا ایمان ان کے لیے جسم و جان سے عزیز تر ثابت ہوا۔

تکلیف و آزمائش ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کی آزمائش ضرور فرماتا ہے۔ جتنا زیادہ کوئی اس کا محبوب ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ اس کی آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ هُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾ (49)

''الم، کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا ہی کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں، اللہ کو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔''

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ آزمائش کن لوگوں کی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ، فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَمَا يَبْرَحُ البَلَاءُ بِالعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الأَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ (50)

''سب سے بڑھ کر سخت آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، پھر ان سے کم درجہ کے حاملین کی اور پھر ان سے کم ایمان

والوں کی۔ آدمی کی آزمائش اس کے دین کے مطابق کی جاتی ہے، اگر آدمی اپنے دین میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش سخت ہوتی ہے اور جو آدمی اپنے دین میں کمزور ہو تو اس کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہی ہوتی ہے۔ بندے کو مسلسل آزمائشوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے، حتی کہ اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ زمین پر چل پھر رہا ہوتا ہے، لیکن اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔‘‘

معلوم ہوا کہ بندہ رحمان اور مصائب و آلام لازم و ملزوم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ صاحبِ ایمان اور اپنے رب کے محبوب تھے اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخالفین کی طرف سے شدید ترین آزمائشوں، تکلیفوں اور دست درازیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

حوالہ جات

1۔ البقرۃ:170
2۔ ص:5
3۔ ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ،:181،183
4۔ صحیح البخاری:3861
5۔ ابن اسحاق: السیرۃ النبویہ، ص184
6۔ انساب الاشراف، ج1ص133
7۔ انساب الاشراف، ج1ص132
8۔ ابوہلال العسکر، الاوائل، ج1ص299
9۔ البلاذری، انساب الاشراف ج1، ص126
10۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ج1ص246
11۔ ابن الجوزی، المنتظم، ج2، ص18
12۔ الطبقات الکبریٰ، ج3، ص246
13۔ الاستیعاب، 1ص218،219
14۔ العراقی، الفیہ السیرۃ النبویۃ، ص49
15۔ الازرقی، اخبار مکہ، ج2، ص260
16۔ المقریزی، امتاع الاسماع، ج9ص91
17۔ الحجر:89
18۔ الحجر:94
19۔ الشعراء:214-215
20۔ الشعراء:214
21۔ صحیح مسلم:205
22۔ الشعراء:214
23۔ صحیح مسلم:206
24۔ صحیح مسلم:204
25۔ سنن ابی داؤد:5139
26۔ القلقشندی، صبح الاعشیٰ: ج14، ص356
27۔ الطبری، التفسیر، الشعراء: ص214
28۔ السیرۃ النبویۃ، ج1ص266
29۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ج3، ص253
30۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ج1ص265
31۔ البیہقی، دلائل النبوۃ ج2، ص187
32۔ السیرۃ النبویۃ، ج1ص266
33۔ السیرۃ النبویۃ، ج1ص266
34۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج1ص266
35۔ ص:5
36۔ ص:6-7
37۔ السیرۃ النبویہ، ج1ص294،293
38۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج1ص295
39۔ الکافرون:1-6
40۔ القرطبی، التفسیر، الکافرون:1-6
41۔ ابن ابی حاتم التفسیر، الکافرون:1-6
42۔ القلم:9
43۔ الزمر:64
44۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ج1ص480
45۔ بنی اسرائیل:90-93
46۔ ابن ہشام ۱/۲۷۱
47۔ المستدرک الحاکم ۲/ ۳۶۱
48۔ المدثر:۱۸-۲۴
49۔ العنکبوت:53
50۔ سنن الترمذی:2398

مشق سبق نمبر 4

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. مکہ مکرمہ میں خاموش دعوت کا کوئی طریقہ بیان کریں؟

....

....

2. دارِارقم کے قیام کا مقصد کیا تھا؟

....

....

3. اعلانیہ دعوت کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا طریقہ اختیار کیا؟

....

....

4. سردار ابوطالب کی نصیحت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا جواب دیا؟

....

....

5. عتبہ کے پیش کش کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا جواب دیا؟

....

....

6. ولید کے متعلق قرآن کریم کی کون سی آیات نازل ہوئیں؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① اے محمد! آپ ہمارے معبودوں کو قرار دینے سے باز آ جائیں۔

باطل ☐　　عاجز ☐　　ساحر ☐　　کافر ☐

② کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ بس ایک ہی بنا ڈالا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

مخلوق ☐　　مجذوب ☐　　متروک ☐　　معبود ☐

③ مشرکین کے عقائد و نظریات اور باطل رسوم و رواج کی علی الاعلان ہونے لگی تھی۔

تردید ☐　　تکذیب ☐　　تشہیر ☐　　توقیر ☐

④ خاموش دعوت کے سال بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت توحید کا علانیہ پر چار شروع فرما دیا۔

چار ☐　　پانچ ☐　　ایک ☐　　تین ☐

⑤ ... میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو پند و نصائح فرماتے تھے۔

دار ارقم ☐　　دار مطلب ☐　　دار سلمہ ☐　　دار سالم ☐

⑥ قرآن کریم نے ان کی اس کو کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے۔

حماقت ☐　　شرافت ☐　　سوچ ☐　　بہادری ☐

سبق نمبر 05

ایذا دینے والے بدبخت اور ان کا انجام

خلاصہ سبق

دعوت اسلام کی پاداش میں نبی کریم ﷺ کو مختلف انداز سے تکلیفیں پہنچائی گئیں اور طرح طرح کے تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ کبھی نفسیاتی دباؤ کبھی گلے میں چادر ڈال کر بل دینا کبھی کمر مبارک پر اونٹنی کی بدبودار بچہ دانی رکھنا۔ کبھی چہرہ مبارک پر دُھول کبھی قتل کا منصوبہ کبھی دروازے پر گوبر، مختلف انداز سے نبی ﷺ کا استہزا، نماز سے روکنے کی جسارت غرض رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کی طرف سے شدید ابتلا والم کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تکالیف وصدمات پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی، اور آپ ﷺ کو معجزے دکھا کر بھی تسلی دی گئی۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو طرح طرح کی اذیت دینے اور سب وشتم کرنے والوں میں کئی نام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت

(اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ)(1)

''تمہاری طرف ہم ان مذاق اُڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں۔''

کی تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ پانچ آدمی تھے:

ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث زہری، ابوزمعہ اسود بن مطلب، حارث بن غیطلہ سہمی بھی اور عاص بن وائل۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک دن جبرائیل امین علیہ السلام آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں استہزا کرنے والوں کے

بارے میں بتایا، اُسی وقت وہاں سے ولید بن مغیرہ کا گزر ہوا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے پاؤں کی رگ کی طرف اشارہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' جبرائیل علیہ السلام نے کہا: آپ کو اس کے شر سے بچا لیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کو اسود بن مطلب کا چہرہ دکھایا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ''کہ یہ کیا ہے؟'' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: آپ کو اس کے شر سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کو دکھایا کہ وہ شخص اسود بن عبد یغوث زہری ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' جبرائیل علیہ السلام نے کہا: آپ کو اس سے بچا لیا گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کی توجہ حارث بن غیطلہ کی طرف کرائی۔ انھوں نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پوچھنے پر جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ کو اس کے شر سے بھی بچا لیا گیا ہے۔ پھر وہاں سے عاص بن وائل گزرا تو جبرائیل علیہ السلام نے اس کے پاؤں کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں پوچھا تو وہی جواب دیا گیا کہ آپ کو اس کے شر سے بھی محفوظ کر دیا گیا۔ ہے۔ ان پانچ افراد کے جسم کے جس جس حصے کی طرف جبرائیل علیہ نے اشارہ کیا تھا انھیں اسی جگہ کوئی بیماری، زخم یا کانٹا لگا، پھر پیپ پڑی اور اس کی تکلیف سے یہ سب لقمہ اجل بن گئے۔ (2)

امام ابن حزم نے ایذا رسانی کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب ذی وقار رضی اللہ عنہم کے لیے سب سے زیادہ ضرر رساں اور مخالفت کرنے والا آپ کا چچا ابولہب اور آپ کے چچا حارث بن عبدالمطلب کا بیٹا ابوسفیان تھا۔ ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ دیگر بدبخت اذیت رساں افراد کے نام ان کے قبیلے سمیت یہاں درج کیے جاتے ہیں:

① بنوعبد شمس بن عبد مناف میں سے شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ربیعہ عقبہ بن ابی معیط، ابوسفیان صخر بن حرب، حکم بن ابی العاص بن امیہ اور معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص۔

② بنوعبدالدار بن قُصی میں سے: نظر بن حارث۔

③ بنوعبدالعزی بن قصی میں سے: اسود بن مطلب، اس کا بیٹا ربیعہ بن اسود، ابوالبختری العاصی بن ہشام۔

④ بنوزہرہ بن کلاب میں سے: اسود بن عبد یغوث۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سگا ماموں زاد تھا۔

⑤ بنومخزوم بن یقظہ بن مرہ میں سے: ابوجہل عمرو بن ہشام اور اس کا بھائی عاصی بن ہشام، ان دونوں کا چچا ولید بن

مغیرہ، یہ حضرت خالد بن ولید کا والد تھا۔ اس کا بیٹا ابوقیس بن ولید، اس کے چچا کا بیٹا قیس بن فا کہہ بن مغیرہ، دوسرے چچا کا بیٹا زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ جو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا اور اسود بن عبدالاسد بن ہلال بھی انہی ظالموں میں شامل تھا۔

٦ بنو عائذ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم میں سے صیفی بن سائب۔

٧ سہم بین ہصیص بن کعب بن لؤی میں سے: عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن ہم بن ہُصیص، یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا والد تھا۔ حجاج بن عامر کے بیٹے مُنَبِہ اور نُبیہ بھی اسی عمل بد کے مرتکب تھے۔

٨ بنو جُمح میں سے: خلف بن وہب کے دونوں بیٹے امیہ بن خلف اور ابی بن خلف، انیس بن مِعُیَر، یہ سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ حارث بن طُلاطِلہ خُزاعی اور عدی بن حمراء ثقفی بھی اسلام کے شدید ترین مخالفین اور اہل ایمان پر طعن و تشنیع کرنے والوں میں شامل تھے۔(3)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا رسانی

کفار کی ایذا رسانی کے متعلق پروفیسر عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جب قریش نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ایک خدا کا نام سنا تو بہت بگڑے۔ بتوں کی پوجا سے روکنے پر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن بن گئے۔ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچائیں اور طرح طرح سے ستایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھائے۔ پھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ غریب اور بے کس مسلمانوں کو بہت دُکھ دیے۔ رسی سے باندھ کر انھیں پیٹتے۔ دوپہر کے وقت گرم ریت پر لٹا دیتے۔ بعض مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیزے مار کر شہید کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام تکالیف و مصائب کو برداشت کرتے اور خدا کا حکم برابر سناتے رہے۔''(4)

دعوت اسلام کی پاداش میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختلف انداز سے تکلیفیں پہنچائی گئیں اور طرح طرح کے تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ ذیل میں اس تشدد کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

1۔ نفسیاتی دباؤ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے خلاف مخالفین کے پروپیگینڈے بہت بھیانک تھے۔ ان کے مکر و فریب اس قدر خطرناک اور گھناؤنے تھے کہ ان کی ہیبت سے کوہ گراں بھی لرز اٹھتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ (5)

''انھوں نے اپنی ساری ہی چالیں چل دیکھیں، مگر ان کی ہر چال کا تو اللہ کے پاس تھا، اگر چہ ان کی چالیں ایسی غضب کی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ہل جائیں۔''

انھی تکالیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ (7)

''اللہ کی راہ میں مجھے اس قدر ڈرایا دھمکایا گیا کہ اتنا کسی اور کو ڈرایا دھمکایا نہیں گیا۔ اللہ کی راہ میں مجھے اس قدر تکالیف دی گئیں کہ اس قدر تکالیف کسی اور کو نہیں دی گئیں۔''

روئے زمین پر موجود کسی بھی بشر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا:

مَا أُوذِيَ أَحَدٌ مَا أُوذِيتُ فِي اللهِ (7)

''اللہ عزوجل کی راہ میں مجھ سے بڑھ کر کسی کو اذیت نہیں دی گئی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار مکہ کی طرف سے کیسی کیسی تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا، یہ سن کر رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جن بدبختوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی خباثت ورذالت سے شدید صدمے پہنچائے، ان میں سے ایک ظالم عقبہ بن ابی معیط تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس نے ایک دن گندگی کا بھرا ہوا ٹوکرا لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے کے سامنے گرادیا۔

طُلیب بن عمر نے اسے یہ ناپاک اقدام کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ انھوں نے وہی ٹوکرا پکڑ کر عقبہ کے سر پر دے مارا اور اس کے کان بھی کھینچے۔ عقبہ نے اس بات کی شکایت طلیب کی والدہ اروی بنت عبدالمطلب سے کی اور کہا: تمھارا بیٹا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حمایت کرنے لگا ہے۔ یہ سن کر انھوں نے جواب دیا: ہم سے بڑھ کر ان کا کون عزیز ہوسکتا ہے، ہمارے تو اموال اور جانیں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر قربان ہیں۔ (8)

2۔ گلے میں چادر ڈال کر بل دینا

جناب عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک دن حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کہا کہ کہ مجھے مشرکین کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بُرے سلوک کے بارے میں کچھ بتائیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک عقبہ بن ابی معیط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ اُس نے ایک ہاتھ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کندھا پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کندھا پکڑ لیا اور اپنی چادر

ڈال کر اسے بل دینے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوڑ کر آئے۔ اسے زور سے دھکا دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور ہٹا دیا اور ساتھ ہی یہ آیت پڑھی:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ (9)

''کیا تم ایک ایسے شخص کو صرف اس لیے قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن ہدایات لے کر آیا ہے۔'' (10)

3۔ کمر مبارک پر اونٹنی کی بدبودار بچہ دانی رکھنا

مشرکین کی اس انتہائی ناروا حرکت کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ ابوجہل دیگر سرکردہ افراد کے ساتھ آپ کے قریب مجلس جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں ایک دن پہلے ہی ایک اونٹنی ذبح ہوئی تھی۔ ابوجہل کہنے لگا تم میں سے کون ہے جو فلاں قبیلے کی ذبح کردہ اونٹنی کی بچہ دانی لے کر آئے اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدہ کریں ان کے اوپر رکھ دے؟ قوم کا بدبخت ترین شخص عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور وہ گلی سڑی جھلی لے آیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں گئے تو اس نے وہ جھلی آپ کی کمر مبارک پر رکھ دی۔ یہ منظر دیکھ کر تمام لوگ ہنسنے لگے اور لوٹ پوٹ ہو کر ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

میں پاس کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اگر مجھ میں اسے ہٹانے کی طاقت ہوتی تو میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ سے ضرور ہٹا دیتا۔ اُدھر کفار لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سجدہ میں تھے، سر مبارک اُٹھایا نہیں جا رہا تھا۔ ایک آدمی نے جا کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی، وہ بھاگی بھاگی آئیں، ابھی وہ نوعمر تھیں، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ پر پڑی ہوئی جھلی کو ہٹایا اور مشرکین کو ملامت کرنے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز مکمل کرنے کے بعد بلند آواز سے ان کے خلاف بددعا کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ کہا:

''اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ''۔ ''اے اللہ! قریش کو پکڑ لے۔''

انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا سنی تو ان کی ساری ہنسی رک گئی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا سے ڈرنے لگے، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اس گھر میں کی گئی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ، وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَالوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ (11)

”اے اللہ! ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عُتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے۔“

حدیث کے راوی ابواسحاق کہتے ہیں کہ محمد بن میمون رحمۃ اللہ نے ساتویں شخص کا نام بھی لیا لیکن وہ نام مجھے بھول گیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس اللہ کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق دے کر مبعوث کیا ہے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کے نام لیے تھے میں نے انھیں بدر والے دن بدر کے کنویں میں مقتول پڑا پایا ہے۔(12)

ابولہب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذا رسانی اور زبان درازی میں پیش پیش تھا۔ عقبہ کی طرح ابولہب بھی غلاظت ونجاست کا ڈھیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر پھینک دیتا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ تھا۔ اس کے اس اذیت ناک رویے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

أَيُّ جِوَارٍ هٰذَا يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟

”اے بنو عبدالمطلب! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟“

ایک دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔ انھوں نے گندگی اٹھا کر اسی کے سر پر ڈال دی۔ ابولہب سر سے گندگی صاف کرتے ہوئے کہنے لگا: میرا ساتھی تو احمق ہے۔ اس کے بعد ابولہب بذات خود تو اس حرکت سے باز آ گیا۔ لیکن جو بدنصیب اس طرح کی حرکت کرتا، وہ اس کی تائید اور پشت پناہی کرتا تھا۔(13)

4۔ گردن روندنے کا منصوبہ

کفار مکہ کے اس عمل بد کے متعلق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمھاری موجودگی میں بھی عبادت کرتا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں! ان کا یہ جواب سن کر ابوجہل بولا: لات اور عزیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے اس طرح کرتے دیکھ لیا تو میں اس کی گردن روند ڈالوں گا، یا مٹی سے اس کا چہرہ خاک آلود کر دوں گا۔ (نعوذ باللہ) ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابوجہل آ نکلا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن روندنے کی نیت سے آگے بڑھا لیکن اچانک سراسیمہ ہو کر الٹے پاؤں پیچھے ہٹ گیا اور ساتھ ہی اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا۔ جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگا: میرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان انتہائی ہولناک بھڑکتی ہوئی آگ کی ایک خندق اور پر مارتے ہوئے فرشتے حائل ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ دَنَا مِنِّيْ لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا (14)

”اگر وہ میرے قریب آ جاتا تو فرشتے اس کے جسم کا ایک ایک عضو کھینچ لیتے۔“

5۔ چہرہ مبارک پر دُھول

ہادی عالم ﷺ سے کینہ پرور کفار کے انداز مخالفت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قریش میں سے ایک بے وقوف نے آپ ﷺ پر مٹی پھینک دی۔ آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی آپ ﷺ کے چہرے سے مٹی صاف کرنے لگی اور ساتھ ہی رونے لگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَيْ بُنَيَّةُ لَا تَبْكِيْنَ، فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ مَانِعٌ أَبَاكِ (15)

''اے میری لختِ جگر مت رو، اللہ تعالیٰ تیرے باپ کی حفاظت فرمائے گا۔''

6۔ قتل کا منصوبہ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ قریش کے سردار حطیم میں اکٹھے ہوئے۔ انھوں نے مل کر لات، منات، عزیٰ، نائلہ اور اساف کی قسمیں کھائیں اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ ہم نے محمد (ﷺ) کو دیکھ لیا تو ہم سب ان پر فوراً ٹوٹ پڑیں گے اور ان پر یک بارگی حملہ کر دیں گے، جب تک انھیں قتل نہ کر دیں، ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ یہ دل دہلا دینے والی سازش سن کر آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس حاضر ہوئیں اور آپ کو کفار کے ناپاک ارادے سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ سرداران قریش نے آپ کے خلاف عہد و پیمان کیا ہے کہ وہ آپ کو دیکھ کر یک بارگی آپ پر حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیں گے۔ ان میں سے ہر شخص آپ کے خون کا پیاسا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بات سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹی وضو کے لیے پانی لاؤ۔'' پانی لایا گیا تو آپ ﷺ نے وضو فرمایا، پھر سرداران قریش کے پاس مسجد الحرام میں گئے۔ سرداران قریش آپ ﷺ کو دیکھتے ہی کہنے لگے: ہاں ہاں! یہ وہی ہیں اور ساتھ ہی انھوں نے اپنی نظریں جھکا لیں، سر نیچے کر لیے اور دم بخود ہو کر اپنی اپنی جگہ یوں بیٹھے رہے جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ وہاں سے ہل بھی نہ سکے اور نہ آپ ﷺ کی طرف نظر اٹھا سکے۔ ان میں سے ایک آدمی بھی کھڑا نہ ہو سکا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی بھری اور ان کے سروں پر پھینک کر فرمایا: ''چہرے ذلیل و رسوا ہوں۔ ان میں سے جس آدمی کے سر پر بھی مٹی پڑی وہ بدر کے دن قتل ہو کر ذلیل و رسوا ہو گیا۔ (16)

7۔ دروازے پر گوبر

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ''میں ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط جیسے وہ

بدترین ہمسایوں کے درمیان رہتا تھا۔ یہ دونوں لید اور گوبر لا کر میرے دروازے کے سامنے پھینک دیتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گندگی کو خود ہی ہٹا دیا کرتے اور فرمایا کرتے تھے

يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، أَيُّ جِوَارٍ هٰذَا ؟ (17)

''اے بنی عبد مناف یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟''

8۔ بدکلامی

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دن قریش کے سر برآوردہ لوگ حطیم میں جمع تھے۔ میں بھی پہنچ گیا، وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ شروع ہو گیا۔ وہ کہنے لگے: اس آدمی کی باتوں پر ہم سے زیادہ صبر کرنے والا اور کوئی نہیں۔ اس نے ہمارے عقل مندوں کو بے وقوف بنایا ہے، ہمارے آباء واجداد کو بے وقعت قرار دیا ہے، ہمارے دین کو برا بھلا کہا ہے، ہمارے اتفاق واتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ہمارے معبودوں تک کو برا کہا ہے۔ ہم اس کی طرف سے کتنی بڑی بڑی باتوں پر صبر کر رہے ہیں۔ وہ ابھی اسی طرح کی باتوں میں مشغول تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف آ نکلے۔ آپ چلتے گئے حتی کہ آپ نے کعبہ کے ایک رکن کو استلام کیا، پھر بیت اللہ کے قریب بیٹھی ہوئی ان کی ایک جماعت کے قریب سے گزرے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کچھ ناروا باتیں کیں جن کے اثرات میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر دیکھے۔ آپ آگے نکل گئے۔ جب آپ دوبارہ ان کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں باتیں کیں، ان باتوں کے اثرات بھی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر دیکھے۔ جب آپ تیسری دفعہ ان کے پاس سے گزرے اور انھوں نے پھر اس طرح کی باتیں کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَتَسْمَعُوْنَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذِّبْحِ

''اے قریش کی جماعت! سن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے میں تمھارے پاس قتل کا پیغام لایا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر سب خاموش ہو گئے۔ ان سب کی حالت ایسی ہو گئی جیسے وہ بے جان ہو چکے ہوں۔ اس سے قبل ان میں سے جو شخص آپ کے متعلق سخت باتیں کر رہا تھا وہ آپ کے لیے نرم باتیں کرنے لگا اور کہنے لگا: ابو القاسم! خیر وسلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے جائیے، اللہ کی قسم! آپ تو بڑے دانا ہیں۔ ان کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے۔

اگلے دن پھر ان لوگوں نے حطیم میں اجتماع کیا، میں بھی ساتھ تھا۔ وہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے، کیا تمھیں کل کی وہ بات یاد ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تمھاری طرف سے سنی اور جو تم نے اس سے سنی حتیٰ کہ جب اس نے تم سے ایسی بات کہی جسے تم پسند نہیں کرتے تھے تو تم نے اسے چھوڑ دیا! وہ اس طرح کی گفتگو میں مشغول تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھتے ہی یہ سب لوگ ایک دم کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور پوچھنے لگے: کیا آپ ہی ہمارے معبودوں کی عیب جوئی کرتے ہیں اور ان کو مسترد کرتے ہوئے ایسی ویسی باتیں کہتے ہیں؟ ان کی تمام باتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، میں ہی یہ باتیں کہتا ہوں۔'' پھر میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک آدمی نے آپ کے گلے میں پڑی ہوئی چادر کو پکڑ لیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آپ کو چھڑایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ ناروا سلوک دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے بعد وہ سب لوگ وہاں سے چلے گئے۔

9۔ ام جمیل کی زبان درازی

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سورۂ لہب نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ام جمیل بنت حرب چیختی چلاتی اور ہاتھ میں پتھر لیے آئی اور کہنے گئی: ہم مذمم کا انکار، اس کے دین سے اعراض اور اس کے امر سے انحراف کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ام جمیل کو دیکھتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ام جمیل آ رہی ہے، مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو دیکھ لے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ مجھے بالکل نہیں دیکھ سکتی۔'' پھر ساتھ ہی آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ (18)

''جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں۔''

ام جمیل آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رک گئی۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر ہی نہیں آئے، وہ کہنے لگی مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمھارے ساتھی نے میری مذمت کی ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم انھوں نے تو تمھاری مذمت نہیں کی۔ وہ یہ کہتے ہوئے واپس چلی گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔ (19)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ام جمیل کی مذمت نہ کیے جانے کی بات اس لیے کی کیونکہ سورہ لہب تو اللہ عزوجل نے نازل فرمائی تھی۔

ام جمیل، ابولہب کی بیوی اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بہن تھی۔اس نے آپ ﷺ سے بدسلوکی کرنے اور اذیت پہچانے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کے ناپاک ارادے سے محفوظ رکھا۔یہی ام جمیل آپ کے راستے میں کانٹے اور لکڑیاں بچھایا کرتی تھی۔جس کا تذکرہ سورۂ لہب میں آیا ہے۔

10۔مخالفین کی بھیانک حرکت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بنومخزوم کے چند لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ان میں ابوجہل اور ولید بن مغیرہ بھی شامل تھے۔ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز ادا فرمارہے تھے کہ آپ ﷺ کی تلاوت کی آواز سن کر انہوں نے آپ کو قتل کرنے کے لیے ولید بن مغیرہ کو بھیجا۔وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا۔اس نے آپ کی آواز تو سن لی لیکن آپ کا جسم مبارک اسے نظر نہیں آرہا تھا۔وہ دائیں آ گیا اور اپنے ساتھیوں کو ماجرا سنایا۔اس کی بات سن کر ابوجہل، ولید اور وہاں موجود بنومخزوم کے تمام لوگ آپ ﷺ کی طرف چل دیئے۔جب وہ اس جگہ کے قریب پہنچے جہاں آپ ﷺ نماز ادا فرمارہے تھے۔انھیں بھی آپ ﷺ کی قرأت کی آواز آرہی تھی۔لیکن آپ ﷺ کا وجود اطہر نظر نہیں آرہا تھا۔وہ آپ کی آواز کی طرف بڑھتے تو آواز پیچھے سے آنے لگی۔وہ پیچھے مڑے تو آواز دوسری طرف سے آنے لگی۔آخرکار وہ ناکام و نامراد ہو کر واپس چلے گئے۔اس آیت مبارکہ میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٩﴾ (20)

''ہم نے ایک دیوار اُن کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک دیوار ان کے پیچھے، ہم نے انہیں ڈھانک دیا، انھیں کچھ سوجھتا ہی نہیں۔''

11۔سنگ زنی کا ناپاک ارادہ

ایک دن اور ابوجہل نے قسم کھائی کہ اگر میں نے محمد (ﷺ) کو نماز پڑھتے دیکھ لیا تو پتھر مار کر ان کا سر کچل دوں گا (نعوذ باللہ)۔ایک روز اس نے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔پتھر اٹھا کر مارنے ہی لگا تھا کہ پتھر ہاتھ سے گر گیا۔اور واپس اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور جو کچھ پیش آیا تھا، انھیں بتایا۔یہ سن کر ولید بن مغیرہ کہنے میں ان کا سر کچلتا ہوں۔آپ ﷺ نماز ادا فرماتے رہے۔ادھر ولید پتھر لے کر آ گیا، وہ مارنے ہی لگا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی چھین لی اور اسے اندھا کر دیا۔اسے آپ ﷺ کی تلاوت کی آواز تو آرہی تھی لیکن وہ آپ کو دیکھ نہ سکا۔

واپس اپنے ساتھیوں کی طرف گیا تو وہ بھی نظر نہ آئے، ساتھیوں نے خود اسے پکارا تو وہ بولا اللہ کی قسم! میں انھیں دیکھ

ہی نہیں سکا۔ مجھے صرف ان کی آواز سنائی دی تھی۔ اس کے بعد ان کا تیسرا ساتھی کہنے لگا اللہ کی قسم! ان کا سر میں کچلوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے پتھر پکڑا اور چل دیا۔ جاتے ہی اُلٹے پاؤں پیچھے پلٹا اور غش کھا کر پیٹھ کے بل جا گرا۔ اس سے پوچھا گیا کہ معاملہ کیا ہے؟ وہ بولا کہ بہت سنگین معاملہ ہے میں نے اس کے قریب ایک سانڈ دیکھا جو اپنی دم ہلا رہا تھا۔ میں نے آج تک اتنا بڑا سانڈ نہیں دیکھا۔ وہ سانڈ میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان حائل ہوگیا۔ لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں اس کے قریب ہی ہے تو وہ سانڈ مجھے کھا جاتا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ۝۸ (21)

''ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں جن سے وہ ٹھوڑیوں تک جکڑے گئے ہیں، اس لیے وہ سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔''

12۔ دعوت نبوی کو دھوکا قرار دینا

حارث بن قیس سہمی کوئی خوبصورت پتھر تلاش کر کے اس کی عبادت کرتا، پھر اس سے خوبصورت پتھر ملنے پر پہلے کو ترک کر دیتا۔ اس کی عقلی پسماندگی کا عالم یہ تھا۔ دوسری طرف دعوت نبوی کے بارے میں کہتا پھرتا تھا کہ محمد (ﷺ) نے اپنے رفقا کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور وہ انھیں موت کے بعد جی اٹھنے کے وعدے دے رہا ہے۔ اللہ کی قسم! ہمیں تو صرف زمانہ ہی مارتا ہے، نعوذ باللہ! اس کے بارے میں یہ آیت اتری:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (22)

''کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے خواہش ہی کو اپنا معبود بنالیا؟......''

13۔ اُخروی مقام ومرتبے کے متعلق نبی ﷺ کا استہزا

نبی ﷺ کو ایذا رسانی میں جو لوگ حد سے بڑھے ہوئے تھے ان میں عاص بن وائل بھی تھا۔ اس نے سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے تلواریں بنوائیں اور ادائیگی کے وقت کہنے لگا کہ جب تک تم محمد (ﷺ) کا انکار نہیں کرو گے تمہاری رقم نہیں لے گی۔ یہ مکمل قصہ اس باب میں آرہا ہے۔ لیکن یہاں لانے کا مقصد عاص بن وائل کی اس ہرزہ سرائی کا اظہار ہے جو اس نے اپنی گفتگو میں کی۔ وہ کہنے لگا: اے خباب! نہ تو اور نہ تیرا یہ ساتھی اللہ کے ہاں مجھ سے زیادہ ترجیح رکھتے ہو اور نہ اس میں مجھ سے زیادہ حصے دار ہو۔ (23)

14۔ اُخروی سزاؤں کا مذاق

اللہ تعالیٰ نے تکذیب کرنے والوں کے لیے بطور وعید فرمایا:

لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (24)

''(تم) تھوہر کے درخت سے ضرور کھاؤ گے۔''

اس کے نزول کا ابوجہل کو پتہ چلا تو وہ گروہ قریش سے مخاطب ہوا کیا تم ''زَقُّوْم'' نامی درخت کو جانتے ہو جس سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں ڈراتا ہے؟ مخاطبین نے عدم واقفیت کا اظہار کیا تو وہ بولا: یہ مکھن سے بھری ہوئی یثرب کی عجوہ کھجوریں ہیں۔ قسم سے اگر یہ نہیں مل جائیں تو ہم مزے لے لے کر انھیں کھائیں۔ اس موقع پر اللہ عزوجل نے یہ آیات اتاریں:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ (25)

''قوم کا درخت گنہگار کا کھانا ہوگا، تیل کی تلچھٹ جیسا، پیٹ میں وہ اس طرح جوش مارے گا جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے۔''

یعنی زقوم وہ نہیں ہے جسے ابوجہل زقوم قرار دے رہا ہے۔ (23)

15۔ مجلسوں میں استہزا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابوجہل بن ہشام کے پاس سے گزارے تو وہ بلا وجہ آوازے کسنے لگے اور استہزا کرنے لگے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت اتری:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ (27)

''آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ استہزا ان کا معمول بن چکا تھا۔ ان میں شرم وحیا تھی نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت ووقار کا کوئی پاس۔

16۔ دخل اندازی

استہزا کے طریقے بھی مختلف تھے، کبھی تو نازیبا الفاظ اور کبھی گھٹیا انداز اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاری گفتگو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹوک دینا۔ کسی کی ذات اور بات کو بے حیثیت قرار دینے کا یہ بھی ایک حربہ ہوتا ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے۔ ولید بن مغیرہ پاس بیٹھا تھا۔ نضر بن حارث آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہاں آس پاس اور قریشی بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو کا آغاز کیا ہی تھا کہ نضر بن حارث نے ٹوک دیا۔ آپ نے اس کی پروا

کئے بغیرہ جاری رکھی، اسے بولنے کے قابل ہی نہ چھوڑا۔ اور مشرکین سے بھری مجلس میں یہ آیات تلاوت فرمائیں:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ۝۹۸ (28)

''بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں۔''

مشرکین سٹپٹائے۔ اس دوران میں ابن زِبَعریٰ نے اپنے ہم خیالوں کو اس بات سے تسلی دی کہ اس کا مطلب ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ فرشتے، سیدنا عُزیر اور سیدنا مسیح علیہ السلام بھی جہنم میں جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرمایا:

اِنَّ كُلَّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُّعْبَدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عِنْدَهٗ إِنَّهُمْ إِنَّمَا يَعْبُدُوْنَ الشَّيَاطِيْنَ وَ مَنْ أَمَرَهُمْ بِعِبَادَتِهٖ (29)

''یقیناً جس کی بھی اللہ کے سوا پرستش کی جاتی ہے اور وہ اس پر خوش ہو تو وہ بھی اپنے پرستاروں کے ساتھ جہنم میں ہو گا۔ یہ تو شیطانوں کی یا جس کی پرستش کا شیطان کہتے تھے، ان کی عبادت کرتے تھے۔''

17۔ حجاج سہمی کے بدنصیب بیٹے

حجاج سہمی کے بد بخت بیٹے نبیہ اور منبہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی ٹھانی ہوئی تھی۔ ان کے خیال میں نبوت اسے ملنے چاہیے تھی جسے وہ بڑا سمجھتے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آتے اور از راہِ تمسخر کہتے: کیا اللہ کو اپنی رسالت کے لئے آپ کے سوا اور کوئی نہ ملا؟ آپ سے عمر میں بڑے اور مالی فراوانی سے بہرہ ور لوگ موجود ہیں۔ (30)

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی مخالفت میں ان کے پاس اعتراضات اور الزامات کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس لئے کبھی تو وہ رسالت ہی پر اعتراض کرتے تھے اور کبھی وہ رسالت کے لئے اللہ کے انتخاب پر اعتراض کرتے تھے اور مقصد صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رضی اللہ عنہم کی دل آزاری تھی۔

18۔ ابن طُلاطلہ کی ہرزہ سرائیاں

ابن طلاطلہ کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے حارث بن طلاطلہ لکھا ہے اور بعض نے مالک بن طُلاطلہ۔ یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے دشمنوں میں شامل تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں ایک سے بڑھ کر ایک کافر تھا۔ ان ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر جن کے خلاف رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے یا قانونی کارروائی کی، ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ایسے ہی بدبختوں میں سے ایک مالک بن طلاطلہ بھی تھا۔ یہ عقل میں پورا سورا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خلاف دستِ دعا بلند کیے تھے اور اس کے شر سے بچنے کی پناہ مانگی تھی۔ بالآخر جب یہ قدرت کے عتاب کی

لپیٹ میں آیا تو مقعد کے بجائے منہ سے اس کا پاخانہ نکلنا شروع ہوگیا اور اس طرح یہ جہنم واصل ہوا۔ کئی مؤرخین نے یہ بھی کہا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا تو اس کا سر پیپ سے بھر گیا۔(31)

19۔ اشاروں کنایوں سے گستاخیاں

جن مخالفین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دست درازی یا زبان درازی کی جرأت نہ ہوتی تھی تو وہ اشاروں کنایوں سے اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے تھے۔ انھی میں سے ایک امیہ بن خلف تھا۔ یہ اشاروں کی زبان میں طعنہ زنی کرتا۔ آنکھوں سے اشارے کرتا اور دوسروں کو اُکساتا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہمزہ میں فرمایا:

"وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١"(32)

''ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے تباہی ہے۔''

20۔ نماز سے روکنے کی جسارت

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ وہاں ابوجہل آٹپکا۔ نخوت سے ناک پھلائے بولا: کیا میں نے اس سے باز رہنے کا نہیں کہا تھا؟ کیا میں نے اس سے منع نہیں کیا تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے جھڑکتے ہوئے وہاں سے چل دیے۔ ابوجہل کہہ رہا تھا: تم بخوبی جانتے ہو کہ یہاں مجھ سے بڑھ کر کسی کے ہمنوا نہیں ہیں۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیات اتاریں:

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝١٧ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝١٨ (33)

''تو وہ اپنے ہم نواؤں کو بلا لے یقیناً ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اس روایت کے بعد فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر ابوجہل اپنے ہمنواؤں کو بلا لیتا تو عذاب کے فرشتے ان سب کو عذاب کا مزہ چکھاتے۔(34)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی انفرادی اور اجتماعی سازشیں

ان سے مراد وہ سازشیں ہیں جو مخالفین نے نبوت کے ابتدائی دور میں کیں۔ ہجرت سے قبل اور بعد قتل کی سازشیں، اسی طرح یہود کی جسارتیں علیحدہ ہیں۔ آغاز اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی تمام سازشوں کو ایک ساتھ بیان کرنے سے اختلاط والتباس نہیں رہے گا اور بحث کھل کر سامنے آجائے گی۔

1۔ ابی بن خلف کا منصوبہ قتل

اللہ تعالیٰ نے جیسے کئی بھائیوں کو ایک ساتھ اسلام سے سرفراز فرمایا جو بعد میں وہ ایک دوسرے کے دست و بازو بن گئے، ایسے ہی کئی بھائی اسلام کی حالت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر پیش پیش تھے۔ ان میں بنو جمح کے اُبی بن خلف اور اسے امیہ بن خلف بھی تھے۔ ابی بن خلف نے مکہ مکرمہ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شیخی بگھاری کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے پاس ایک تنومند گھوڑا ہے جسے میں روزانہ سات آٹھ کلو جو کا چارہ ڈالتا ہوں۔ میں اس پر سوار ہو کر تجھے قتل کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بَلْ اَنَا اَقْتُلُكَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ (35)

''بلکہ اللہ نے چاہا تو میں تجھے قتل کروں گا۔''

پھر ایسے ہی ہوا، وہ غزوۂ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں قتل ہوا۔

2۔ حکم بن ابی العاص اور دیگر کفار کے حملے کی بارہا کوشش

حکم بن ابی العاص کی پوتی اپنے دادا سے یہ اظہار کر رہی تھی: اے بنو امیہ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالمقابل عاجز آنے والی اور برا سلوک کرنے والی آپ سے بڑھ کر کوئی قوم نہیں دیکھی۔ وہ کہنے لگا میری پیاری بیٹی! تو ہمیں ملامت نہ کر۔ میں تیرے سامنے اپنی آنکھوں دیکھی صورت حال رکھتا ہوں۔ ہم قریش سے یہ بات سنتے رہتے تھے کہ اس صابی (نعوذ باللہ) کا زور مسجد الحرام میں بڑھتا جا رہا ہے، اس کے خلاف ایکا کرو تا کہ ہم اس پر قابو پا لیں۔ چنانچہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف اقدام قتل کے وعدے کیے اور پہنچ گئے۔ جب ہم نے انہیں دیکھا تو ہم نے بڑی ہولناک آواز سنی۔ ہمیں ایسے لگا کہ تہامہ کے جتنے پہاڑ ہیں وہ ہم پر ٹوٹ گریں گے۔ ہم بے ہوش ہو گئے، جب ہمیں ہوش آیا تب وہ نماز مکمل کر کے اپنے گھر کو جا چکے تھے۔

اس کے بعد ایک اور رات کا وقت بھی ہم نے منتخب کیا۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسجد آئے تو ہم ان کی طرف اٹھنے لگے تو میں نے دیکھا کہ صفا و مروہ کی پہاڑیاں ایک دوسرے سے مل کر ہمارے اور ان کے درمیان حائل ہو چکی ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم پھر نا کام ہوئے۔ (36)

3۔ ابوجہل کی ناپاک کوشش

یہ وہی واقعہ ہے جو سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا بنا۔

4۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش

جب اللہ تعالیٰ نے بلا روک ٹوک دعوت کا حکم دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کرنے لگے:

قُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

''لا الٰہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے۔''

یہ سنتے ہی کفار آپ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک شخص نے جا کر آپ کے گھر اطلاع دی تو حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان حائل ہو گئے۔ کفار نے انھیں بھی مارنا شروع کر دیا اور اتنا مارا کہ وہ نڈھال ہو کر شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ یہ اسلام کے پہلے شہید تھے۔(37)

5۔ بنو مخزوم کی مشترکہ سازش

بنو مخزوم کے کچھ افراد نے باہم یہ سازش سوچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا جائے۔ ان میں ابوجہل اور اس کا چچا ولید بن مغیرہ پیش پیش تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محو نماز تھے۔ جب انھوں نے ایک گھر سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کی آواز سنی تو ولید کو اس ناپاک ارادے کے لیے بھیجا۔ وہ متعلقہ مکان تک پہنچ گیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت تو سن رہا تھا مگر آپ کو دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ واپس چلا گیا اور یہ ماجرا سنایا۔ اب ابوجہل، ولید اور دیگر افراد اکٹھے آئے۔ وہ اس جگہ پہنچے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ سب آپ کی قراءت سن رہے تھے، لیکن جب آواز کی طرف بڑھتے تو آواز ان کے پیچھے سے آنا شروع ہو جاتی،، وہ اس کی طرف رخ کرتے تو آواز پھر عقبی جانب سے سنائی دینے لگتی۔ لہٰذا وہ اسی بے بسی میں واپس پلٹ گئے۔ اور آپ کی طرف کوئی راہ نہ پا سکے۔ یہی ہے اس آیت کا مفہوم

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۝۹ (38)

''ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے، ہم نے انھیں ڈھانک دیا ہے، انھیں اب کچھ نہیں سوجھتا۔''

6۔ نضر بن حارث کی بے سود کوشش

نضر بن حارث بھی مخالفین کی صف اوّل میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے نبی ﷺ کو حجون کی گھاٹی میں تنہا دیکھا اور دل میں کہنے لگا: اس سے زیادہ مناسب موقع کبھی نہیں پاؤں گا، لہٰذا میں محمد (ﷺ) کو دھوکے سے شہید کر دیتا ہوں۔ وہ یہ ناپاک عزم لیے آگے بڑھا تو اس نے کالا ناگ دیکھا جو اس کے سر کے اوپر اپنا جبڑا کھولے ہوئے پھنکار رہا تھا۔ یہ بری طرح خوف زدہ ہو کر واپس پلٹا تو اسے راستے میں ابوجہل ملا اور اس سے پوچھنے لگا: کہاں سے آ رہے ہو؟ نضر نے تمام قصہ کہہ سنایا اور کہا: یہ اس کے جادو کی ایک جھلک ہے۔ (نعوذ باللہ!)(39)

رسول اللہ ﷺ کو تسلی

رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کی طرف سے شدید ابتلا والم کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تکالیف و صدمات پر صبر کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ۝۱۲۷ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۝۱۲۸ (40)

''اے نبی! صبر سے کام کیے جائیں اور آپ کا صبر یہ اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کریں اور نہ ان کی چال بازیوں پر دل تنگ ہوں۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور نیکی کرنے والے ہیں۔''

اس طرح فرمایا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۝۱۰ (41)

''جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کریں اور شرافت کے ساتھ اُن سے الگ ہو جائیں۔''

سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیوں کا حوالہ دے کر آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ۝۴۳ (42)

''اے نبی! آپ کو جو کچھ کہا جا رہا ہے اس میں بات بھی ایسی نہیں جو آپ سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں کو نہ کہی جا چکی ہو۔ بے شک آپ کا رب بڑا درگزر کرنے والا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بڑی دردناک سزا دینے والا بھی ہے۔''

معجزوں کے ذریعے سے تسلی

بعض دفعہ مشکل حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معجزے دکھا کر بھی تسلی دی گئی۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمگین بیٹھے تھے کیونکہ مکہ کے کچھ لوگوں نے آپ سلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنگ باری کی تھی۔ آپ کا جسم اطہر خون سے رنگین تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک درخت کو قریب لانے کا معجزہ دکھلایا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حَسْبِيْ''، ''مجھے ہی کافی ہے۔''

اس معجزے سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا تھا۔ یہ معجزہ دیکھنے کے بعد آپ کا حزن و ملال نابود ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن مکہ کے حجون نامی مقام پر غمگین حالت میں تشریف فرما تھے۔ آپ مشرکین کے جارحانہ برتاؤ کی وجہ سے شکستہ خاطر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: اے اللہ! آج مجھے کوئی معجزہ دکھا دے، اس کے بعد میری قوم میں سے جو بھی میری تکذیب کرے گا میں اس کی پروا نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی پچھلی جانب لگے ہوئے ایک درخت کو آواز دی تو وہ زمین کو چیرتا ہوا آیا اور آپ کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا، پھر آپ نے اس درخت کو واپس جانے کا حکم دیا تو وہ اسی طرح زمین کو چیرتا ہوا واپس اپنی جگہ جا کر رک گیا۔ یہ منظر دیکھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا أُبَالِيْ مَنْ كَذَّبَنِيْ بَعْدَهَا مِنْ قَوْمِيْ (43)

''اس (درخت کی نشانی) کے بعد میری قوم میں سے جو بھی میری تکذیب کرے گا میں اسے خاطر میں نہیں لاؤں گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مظالم برداشت کیے اور جن اذیتوں کا مقابلہ کیا، ان کے بارے میں ایک معروف شاعر زین الدین عراقی نے کہا ہے۔

وَأُوْذِيَ النَّبِيُّ مَا لَمْ يُؤْذَا مَنْ قَبْلَهُ مِنَ النَّبِيِّيْنَ ، وَ ذَا
مِمَّا يَضَاعَفُ لَهُ الْأُجُوْرَا وَلَوْ يَشَآءُ دُمِّرُوْا تَدْمِيْرَا

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی ایسی تکالیف سے دو چار کیا گیا جو سابقہ انبیاء علیہم السلام پر بھی نہیں گزری تھیں اور یہ تکالیف ان اُمور میں سے ہیں جن کی وجہ سے اجر وثواب میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو مشرکوں کو تباہ و برباد کر کے ان کا نام ونشان مٹا دیا جاتا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمال صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مخالفین کے ظلم و جبر سے چشم پوشی ہی نہیں کی بلکہ اُنھیں معاف فرما دیا اور جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا اس کا کامل نمونہ پیش فرمایا۔ وہ حکم الٰہی یہ تھا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ (44)

''ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ آپ پر جو باتیں بناتے ہیں ان سے آپ کے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے (اس کا علاج یہ ہے کہ) اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں، اس کی جناب میں سجدہ ریز رہیں اور اُس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہیں جس کا آنا یقینی ہے۔''

حوالہ جات

1۔ الحجر: 95
2۔ الطبرانی، المعجم الاوسط: 4986
3۔ ابن حزم، جوامع السیرہ ص 52-54
4۔ پروفیسر عبدالقیوم، تاریخ اسلام: ص 96، 97
5۔ ابراہیم: 46
6۔ سنن الترمذی: 2472
7۔ ابونعیم الاصبہانی، حلیۃ الاولیاء: ج 6 ص 333
8۔ ابن الاثیر، الکامل: ج 2 ص 74
9۔ المومن: 28
10۔ صحیح بخاری: 815 و احمد بن حنبل، المسند 2908
11۔ صحیح البخاری: 240، صحیح مسلم: 1794
12۔ البلاذری، انساب الاشراف: ج 1 ص 148
13۔ البلاذری، انساب الاشراف: ج 1 ص 148
14۔ صحیح مسلم: 2797
15۔ البیہقی، دلائل النبوۃ، ج 2 ص 350
16۔ مسند احمد بن حنبل، 3485
17۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج 1 ص 201
18۔ بنی اسرائیل: 25
19۔ المستدرک للحاکم: 3428
20۔ یسٓ: 9
21۔ یسٓ: 8
22۔ الجاثیہ: 23
23۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ج 1 ص 357
24۔ الواقعہ: 52
25۔ الدخان: 43-46
26۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج 1 ص 362
27۔ الانعام: 10
28۔ الانبیاء: 98-100
29۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ؛ ج 1 ص 358
30۔ ابن الاثیر، الکامل، ج 2 ص 73
31۔ ابن الاثیر، الکامل: ج 2 ص 73
32۔ الہمزہ: 1
33۔ العلق: 17-18
34۔ جامع الترمذی: 3369
35۔ ابن اسحاق، السیرۃ النبویہ ص 340
36۔ الطبرانی، المعجم الکبیر: 3166
37۔ ابن حجر، الاصابہ ج 1 ص 406
38۔ یسٓ: 9
39۔ نور الدین، السیرۃ الحلبیۃ، ج 1 ص 455
40۔ النحل: 127، 128
41۔ المزمل: 10
42۔ حٰمٓ: 43
43۔ ابویعلی، المسند: 215
44۔ الحجر: 97-99

مشق سبق نمبر 1

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اُڑانے والوں کا کیا انجام ہوا؟

2. قریش نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر اطہر پر جھلی رکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے کیا بددعا کی تھی؟

3. ابوجہل جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن روندنے کے لئے آیا تو اس کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا؟

4. ام جمیل کون تھی اور کیا کرتی تھی؟

5. ابن طُلاطلہ کون تھا اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی پر کیا سزا ملی؟

6. جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ لا الہ الا اللہ کی دعوت دی تو کیا معاملہ پیش آیا؟

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین کی طرف سے شدید کا سامنا کرنا پڑا

مخالفت ☐ دباؤ ☐ ابتلا والم ☐ کوفت ☐

② اس...... سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا تھا۔

منظر ☐ موقع ☐ وصف ☐ معجزے ☐

③ تو وہ اپنے......کو بلا لے یقیناً ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے

ہم مذہب ☐ ہم نواؤں ☐ ہم مشرب ☐ ہم جماعت ☐

④ حارث بن قیس سہمی کوئی خوبصورت تلاش کر کے اس کی عبادت کرتا

پتھر ☐ ہیرا ☐ پھول ☐ ستارہ ☐

⑤ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ ناراسلوک دیکھ کر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ☐ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ☐ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ☐ حضرت علی رضی اللہ عنہ ☐

⑥ ہمارے تو اموال اور جانیں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ہیں۔

واجب ☐ امیدوار ☐ قربان ☐ فنا ☐

سبق نمبر
06

مسلمانوں پر ظلم وستم
اور
ہجرت حبشہ

خلاصۂ سبق
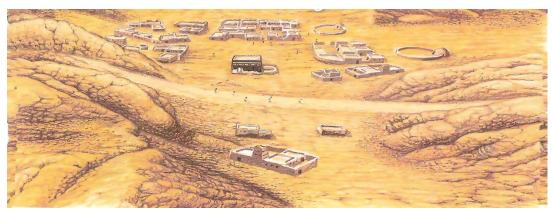
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے مسلمانوں اور بالخصوص کمزوروں پر مصائب توڑے گئے اور انہیں سخت ترین سزائیں دی گئیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تپتے ہوئے پتھروں پر لٹا دیا جاتا، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کا اس قدر مارتے کہ بیہوش ہوجاتے۔ حضرت صہیب، عمار اور ابو فائدہ اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم کو اتنی تکلیفیں پہنچاتے کہ بیخود اور بے ہوش ہوجاتے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو دہکتے ہوتے انگاروں پر چت لٹایا جاتا، زنیرہ اور نہدیہ اور ان کی صاحبزادی اور امّ عبیس رضی اللہ عنہن مشرکین کے ہاتھوں سنگین سزاؤں سے دوچار ہوئیں۔ بنابریں ملک حبش کی طرف ہجرت کی گئی۔ شاہ حبشہ نجاشی اور دیگر لوگ مسلمان ہو گئے۔ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی نجاشی کے سامنے تقریر کو اسلام کے عمومی مراحل اور بیرون عرب اسلام کی تبلیغ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم وستم

4 نبوت میں اسلامی دعوت کے منظر عام پر آنے کے بعد مشرکین نے اس کے خاتمے کے لیے سابقہ کارروائیاں رفتہ رفتہ انجام دیں۔ مہینوں اس سے آگے قدم نہیں بڑھایا اور ظلم و زیادتی شروع نہیں کی لیکن جب دیکھا کہ یہ تدبیریں اسلامی دعوت کو ناکام بنانے میں مؤثر نہیں ہورہی ہیں تو باہمی مشورے سے طے کیا کہ مسلمانوں کو سزائیں دے دے کر ان کو ان کے دین سے باز رکھا جائے۔ اس کے بعد سردار نے اپنے قبیلے کے ماتحت لوگوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے۔ سزائیں دینی

شروع کیں اور ہر مالک اپنے ایمان لانے والے غلاموں پر ٹوٹ پڑا اور یہ بات تو بالکل فطری تھی کہ دم چھلے اور اوباش اپنے سرداروں کے پیچھے دوڑیں اور ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق حرکت کریں ، چنانچہ مسلمانوں اور بالخصوص کمزوروں پر ایسے ایسے مصائب توڑے گئے اور انہیں ایسی ایسی سزائیں دی گئیں جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل پھٹ جاتا ہے۔ ذیل میں محض ایک جھلک دکھائی جارہی ہے۔ ابوجہل جب کسی معزز اور طاقتور آدمی کے مسلمان ہونے کی خبر سنتا تو اسے برا بھلا کہتا۔ ذلیل ورسوا کرتا اور مال کو سخت خسارے سے دوچار کرنے کی دھمکیاں دیتا اور اگر کوئی کمزور آدمی مسلمان ہوتا تو اسے خود بھی مارتا اور دوسروں کو بھی برانگیختہ کرتا۔(1)

تعذیب مسلمین

جس طرح اسلام پھیلتا گیا اور مسلمان زیادہ ہوتے گئے اسی طرح مشرکینِ مکہ کا غیظ وغضب زیادہ ہوتا گیا۔ جن مسلمانوں کا کوئی حامی اور مددگار تھا اس پر مشرکین کا کوئی بس نہیں چلتا تھا لیکن جس مسلمانوں کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا اور وہ جو غلام تھے اس پر مشرکین طرح طرح کے ظلم وزیادتی کرتے تھے۔

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی النسب تھے امیہ بن خلف کے غلام تھے ٹھیک دوپہر کے وقت جب دھوپ تیز ہوجاتی اور پتھر آگ کی طرح تپنے لگتے تو غلاموں کو حکم دیتے کہ بلال رضی اللہ عنہ کو تپتے ہوئے پتھروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا جائے تاکہ جنبش نہ کرسکے اور پھر کہتا تو اسی طرح مرجائے گا۔ اگر نجات چاہتا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کر اور لات وعزیٰ کی پرستش کر لیکن بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس وقت بھی احد احد نکلتا۔

کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا اور کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر تیز دھوپ میں بٹھلاتا۔ اس تکلیف کی شدت میں زبان سے احد احد نکلتا۔(2)

امیہ نے جب یہ دیکھا کہ بلال کے عزم واستقلال میں تزلزل ہی نہیں آتا۔ گلے میں رسی ڈال کر لڑکوں کے حوالے کیا کہ تمام شہر میں گھسیٹتے پھریں مگر بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے احد احد نکلتا۔ حسب معمول حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم وستم ہوتا رہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزر رہے تھے کہ بلال کو اس طرح ظلم میں دیکھ کر پایا تو دل بھر آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیہ کو ایک کافر غلام دے کر اس کے بدلے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کروایا۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اصل میں قحطانی علاقے سے ہیں ۔آپ کے والد یاسر رضی اللہ عنہ اپنے مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں یمن سے مکہ آئے ہوئے تھے۔اس کے ساتھ دو بھائی حارث اور مالک آئے ہوئے تھے۔حارث و مالک تو یمن واپس چلے گئے اور یاسر رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں رہ پڑے اور ابوحذیفہ مخزومی سے خلیفانہ تعلقات پیدا کر لئے ۔ابوخذیفہ مخزومی نے یاسر کا نکاح اپنی کنیز سمیہ بن خیاط سے کروائی جس سے عمار پیدا ہوئے ۔عمار اور یاسر ابوحذیفہ کے مرنے تک اس کے ساتھ رہے اس کے بعد اللہ نے اسلام ظاہر فرمایا یاسر، سمیہ، عمار رضی اللہ عنہم اور اس کے بھائی عبداللہ بن یاسر رضی اللہ عنہ سب کے سب مسلمان ہو گئے ۔حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا ایک اور بھائی بھی تھا جو عمر میں عمار رضی اللہ عنہ سے بڑا تھا۔

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کا چونکہ مکہ میں کوئی قبیلہ اور کنبہ نہ تھا جو اس کے ساتھ حامی اور مددگار ہوتا اس لئے قریش نے ان کو بہت سخت تکلیفیں دی ۔دوپہر کے وقت ان کو تپتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہو جاتے اور کبھی پانی میں غوطے دیتے اور کبھی انگاروں پر لٹاتے ۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنا قمیص اتارا تو لوگوں کو اس کے پشت مبارک پر سیاہ داغ نظر آئے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ قریش مکہ مجھ تو تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹایا کرتے تھے یہ داغ اس کے ہیں ۔(3)

ایک روز سامنے سے ابوجہل آ گیا اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرمگاہ میں برچھی ماری جس سے وہ شہید ہو گئی ۔

طبقات ابن سعد میں مجاہد سے منقول ہے کہ اسلام کی پہلی شہید خاتون حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا تھی ۔حضرت یاسر رضی اللہ عنہ انہی شدائد اور مصائب میں حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا سے پہلے انتقال کر گئے ۔(4)

صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

صہیب رضی اللہ عنہ اصل میں اطراف موصل کے رہنے والے تھے آپ کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے رومیوں نے اس نواح پر حملہ کر لیا حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اس وقت کم سن تھے لوٹ مار میں رومی ان کو پکڑ کر لے گئے ۔بنی کلب میں ایک شخص صہیب رضی اللہ عنہ کو رومیوں سے خرید کر مکہ لے آیا ۔مکہ میں عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا ۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام شروع کی تو دار ارقم میں حضرت صہیب اور عمار حاضر ہو کر اسلام لے آئے ۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی ۔جب ہجرت کا ارادہ فرمایا تو

قریش مکہ نے یہ کہا کہ اگر تم سارا مال ومتاع یہاں چھوڑتے ہوتو ہجرت کرسکتے ہوورنہ نہیں۔حضرت صہیب ؓ نے منظور کیا اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرلی۔

عمر بن حکم سے مروی ہے کہ قریش مکہ حضرت صہیب،عمار اور ابوفائدہ اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم کو اتنی تکلیفیں پہنچاتے کہ بیخود اور بے ہوش ہوجاتے اور بیخودی کا یہ عالم تھا کہ انہیں خبر نہ رہتی تھی کہ ہماری زبانوں سے کیا نکل رہا ہے۔

خباب بن الارت ؓ

خباب بن الارت ؓ سابقین اولین میں سے ہے کہا جاتا ہے کہ چھٹے مسلمان ہیں دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے ام انمار کے غلام تھے جب آپ اسلام لے آئے تو ام انمار نے آپ کو سخت ایذائیں پہنچائیں۔(5)

ایک مرتبہ حضرت خباب ؓ حضرت عمر ؓ سے ملنے گئے تو حضرت عمر ؓ نے آپ کو اپنی مسند پر بٹھایا اور یہ فرمایا کہ اس مسند کا تم سے زیادہ اور کوئی مستحق نہیں مگر بلال ؓ،اس پر خباب ؓ نے عرض کیا اے امیرالمومنین حضرت بلال ؓ بھی مجھ سے زیادہ مستحق نہیں اس لئے اس شائد اور مصائب میں بعض مشرکین بلال کے حامی اور مددگار تھے مگر میرا کوئی بھی حامی نہ تھا۔

ایک روز مشرکین مکہ نے خباب ؓ کو دہکتے ہوتے انگاروں پر چت لٹایا اور ایک شخص نے میرے سینے پر اپنا پیر رکھا تاکہ حرکت نہ کرسکو اور پھر کرتہ اٹھا کر پشت پر برص کے داغ دکھلائے۔(6)

خباب بن الارت ؓ فرماتے ہے کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا ایک بار عاص بن وائل کیلئے تلوار بنائی جب قیمت کے تقاضے کیلئے آیا تو عاص بن وائل نے کہا کہ میں تم کو ایک کوڑی بھی نہ دوں گا جب تک محمد ﷺ کا انکار نہ کردو۔خباب ؓ نے کہا اگر تو مر بھی جائے اور پھر زندہ ہوجائے تب بھی محمد ﷺ کا انکار نہیں کروں گا۔

عاص نے کہا کہ کیا مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا خباب ؓ نے فرمایا۔ہاں

عاص نے کہا اگر خدا مجھ کو موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا اور اسی طرح مال اور اولاد میرے ساتھ ہوگا تو اس وقت تمہارا قرض ادا کروں گا۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام ہے جن پر اسلام لانے کی وجہ سے بہت ظلم وستم کئے گئے۔

ابوفکیہ کنیت ہے یسار نام ہے کنیت ہی زیادہ مشہور ہیں۔صفوان بن امیہ کے غلام تھے امیہ بن خلف کبھی آپ کے پیر میں رسی باندھوا کر گھسٹواتا اور کبھی لوہے کی بیڑیاں ڈال کر جلتی ہوئی زمین پر الٹالٹاتا اور پشت پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھوا دیتا۔حتی کہ آپ بیہوش ہوجاتے اور کبھی آپ کا گلہ گھونٹتا۔

ایک روز امیہ بن خلف جلتی ہوئی زمین پر لٹا کر آپ کا گلا گھونٹ رہا تھا کہ سامنے سے امیہ بن خلف کا بھائی ابی بن خلف آ گیا۔بجائے اس کے وہ سنگدل کچھ رحم کھاتا کہنے لگا اس کا گلا اور زور سے گھونٹو۔چنانچہ اس زور سے گلا گھونٹا کہ لوگ یہ سمجھے کہ دم نکل گیا۔حسن اتفاق سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے اور ابوفکیہ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا۔(7)

زنیرہ اور نہدیہ اور ان کی صاحبزادی اور امّ عبیس رضی اللہ عنہن یہ سب لونڈیاں تھیں،انھوں نے اسلام قبول کیا اور مشرکین کے ہاتھوں اسی طرح کی سنگین سزاؤں سے دوچار ہوئیں جن کے چند نمونے ذکر کئے جا چکے ہیں۔قبیلہ بنی عدی کے ایک خانوادے بنی موئل کی ایک لونڈی مسلمان ہوئیں تو انہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے خود تھک جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے تجھے (کسی مروّت کی وجہ سے نہیں (بلکہ محض) تھک جانے کی وجہ سے چھوڑا ہے۔

آخر کار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی طرح ان لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔(8)

مشرکین نے سزا کی ایک شکل یہ بھی اختیار کی تھی کہ بعض صحابہ کو اونٹ اور گائے کی کچی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے۔اور بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے ہوئے پتھر پر لٹا دیتے تھے۔(9)

درحقیقت اللہ کی راہ میں ظلم وجور کا نشانہ بننے والوں کی فہرست بہت لمبی ہے اور بڑی تکلیف دہ بھی۔حالت یہ تھی کہ جس کسی کے مسلمان ہونے کا پتہ چل جاتا تھا مشرکین اس کے درپے آزار ہوجاتے تھے۔

حبشہ کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو جب مشرکین مکہ نے حد سے زیادہ ستایا۔انہیں طرح طرح کی تکالیف سے دوچار کر کے ان کی زندگی اجیرن کر دی اور ان کی عبادات میں حائل ہونے لگے تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ نمائی سے

ملک حبش کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔ اس اولین قافلۂ ہجرت کے شرکاء کی تعداد پندرہ بتائی گئی ہے۔ جن میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ اس ہجرت کا پس منظر اور واقعات درج ذیل ہیں:

ہجرت کا مفہوم

ہجرت کا لفظی مطلب ہے۔ چھوڑ دینا اور ترک کر دینا۔ اصطلاحی طور پر دین پر عمل پیرا ہونے اور اسے دینے کے لیے کسی علاقے کو چھوڑ دینا ہجرت کہلاتا ہے۔ علماء نے ہجرت کی دو صورتیں بیان کی ہیں: ہجرت ارضی اور ہجرت مرضی، یعنی ترک وطن اور اپنی مرضی اور خواہش کو چھوڑ نا۔ (10)

اسلام انسان کو بقائے دین کی خاطر اپنا ملک یا علاقہ چھوڑنے کی ترغیب دیتا ہے جہاں وہ آسانی سے دین پر عمل پیرا ہو سکے۔ اسی طرح اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ بندہ مومن اپنی ہر مرضی اور خواہش کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکموں کے تابع کر دے۔ جب دین کو تحفظ حاصل نہ ہو اور نہ دین پر عمل کیا جا سکے تو ایسے حالات میں صاحب استطاعت پر ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۟ (11)

''جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کرتے رہے، جب ان کی روحیں فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ہی ٹھکانا ہے۔''

ہجرت کی استطاعت و طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے اگر کوئی شخص ہجرت ارضی نہ کر سکے اور اسی علاقے میں رہ کر حتی المقدور ایمان و عمل کی پاسداری کرے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۟ فَاُولٰٓىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۟ (12)

''ہاں جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس اور کمزور ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے، بعید نہیں کہ اللہ انھیں معاف کر دے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔''

نیز جو شخص ہجرت کر کے اپنا دین اور ایمان بچا لے اسے شریعت نے کامیاب و کامران انسان قرار دیا۔

ہجرت حبشہ

ظلم و ستم میں مبتلا اہل ایمان مہاجرین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ؀(13)

''جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر و ثواب تو بہت بڑا ہے، کاش! وہ جان لیں۔''

اس سے مراد اصحاب رسول ہیں جن پر مشرکین مکہ نے ظلم کے پہاڑ توڑے اور انھیں اپنے ہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ان میں سے ایک جماعت نے حبشہ جا کر پناہ لی، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک مستقل دارالہجرت عطا کیا اور وہاں انھیں اہل ایمان انصار و مددگار بھی نصیب فرمائے۔(14)

جب بے بس اور کمزور مومنوں کا مکہ میں رہنا دشوار ہو گیا تو وہ اپنے دین کو بچانے اور امن حاصل کرنے کے لیے ارض حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ وہاں انھیں بہترین جائے قرار نصیب ہوئی اور حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی نے انھیں جگہ دی، نصرت و مدد بھی کی اور امن و سکون کا ماحول بہم پہنچانے سے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ اس کے بعد باقی اصحاب رسول اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔(15)

ہجرت کا حکم اور ملک کا انتخاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ہجرت حبشہ کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: زمین میں بکھر جاؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم کس طرف جائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔(16)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

إِنَّ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ مَلِكًا لَا يُظْلَمُ أَحَدٌ عِنْدَهُ فَالْحَقُوْا بِلَادَهُ حَتّٰى يَجْعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ فَرَجًا وَمَخْرَجًا مِمَّا أَنْتُمْ فِيْهِ(17)

''حبشہ کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، لہٰذا تم بھی اس کے ملک میں چلے جاؤ، تا آنکہ جن حالات سے تم دوچار ہو، ان سے نکلنے کا اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نکال دے اور کوئی آسانی پیدا فرما دے۔''

آغاز سفر

اپنا دین وایمان بچانے کی خاطر ہجرت کرنے والے کی اللہ مدد فرماتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (18)

''جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ کے لیے بہت جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا۔''

مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کا مطلوب بھی یہی تھا کہ ایسی جگہ میسر ہو جہاں اللہ رب العزت کی عبادت کرنے میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ہو اور گزر بسر کے لیے بھی کوئی مناسب جائے قرار نصیب ہو جائے۔ان دونوں مقاصد کے لیے حبشہ موزوں ترین مقام تھا جس کی تصریح خود رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمادی تھی۔اذن ہجرت ملتے ہی کئی صحابہ اور صحابیات نے رخت سفر باندھا۔یہ ہجرت رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب میں کی گئی۔(19)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر، اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ہجرت کی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا:

صَحِبَهُمَا اللّٰهُ إِنَّ عُثْمَانَ أَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ إِلَى اللّٰهِ بِأَهْلِهِ بَعْدَ لُوطٍ

''اللہ ان دونوں کا حامی و ناصر ہو! عثمان حضرت اور لوط کے بعد اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہجرت کرنے والے سب سے پہلے شخص ہیں۔''

یہ مسلمان چھپ چھپا کر پیادہ یا سواریوں کے ذریعے سے سمندر کے کنارے پہنچے، وہاں کشتی کے ملاح کو نصف دینار کرایہ دیا اور حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔(20)

یہ مہاجرین مکہ سے مغربی جانب مقام شعیبہ پہنچے تھے۔شعیبہ ''شعبہ'' کی تصغیر ہے۔جدہ سے پہلے یہ اہل حجاز کی بندرگاہ تھی۔یہ مقام آج کل جدّہ کے جنوب میں تقریباً 68 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔یہاں پر دو خلیجیں ہیں جنھیں الشعیبہ المفتوحہ (کھلی شعیبہ) اور الشعیبہ المعلقہ (بند شعیبہ) کہا جاتا ہے۔(21)

مشرکین مکہ کا بندرگاہ تک تعاقب

ہجرت حبشہ اسلام میں کی جانے والی ہجرتوں میں سے سب سے پہلی ہجرت تھی۔یہ ہجرت اصحاب رسول نے مشرکین مکہ کے ظلم سے خلاصی اور دین کے تحفظ کے لیے کی۔جب دشمنان اسلام کو ان کے جانے کا علم ہوا تو انھوں نے

انھیں گرفتار کرنے کے لیے ان کا پیچھا کیا،لیکن جب ساحل پر پہنچے تو وہاں اُن میں سے کوئی بھی نہ ملا، کیونکہ وہ سب روانہ ہو چکے تھے،اس لئے دشمن ناکام پلٹ آیا۔(22)

مہاجرین کی تعداد اور نام

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔مردوں کی تعداد دس، گیارہ یا بارہ اور عورتوں کی تعداد تین، چار یا پانچ بیان کی جاتی ہے۔(23)

حافظ ابن حجر،ابن الجوزی،اور قسطلانی نے گیارہ مرد اور چار عورتوں والے قول کو ترجیح دی ہے۔انھوں نے یہی تعداد قطعیت سے بیان کی ہے۔ان مرد و خواتین مہاجرین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سید عثمان بن عفان،عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن عوام، ابو حذیفہ بن عتبہ،مصعب بن عمیر، ابو سلمہ بن عبید،عثمان بن مظعون عامر بن ربیعہ،سہیل بن بیضاء،، ابو سبرہ بن رہم عامری اور حاطب بن عمرو عامری

صحابیات رضی اللہ عنہن

سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ، رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،سہلہ بنت سہیل (24)

اور لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہن (25)

ان خواتین کے خاوند بھی ان کے ساتھ تھے۔حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ کے خاوند ابوسلمہ، رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاوند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ،سہلہ بنت سہیل کے خاوند ابو حذیفہ بن عتبہ اور لیلیٰ بنت ابی حثمہ کے خاوند عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ہجرت حبشہ کے اسباب ومحرکات

ہجرت حبشہ کے اسباب ومحرکات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1. دین کا بچاؤ: سب سے اہم سبب اور بنیادی مقصد دین کا تحفظ تھا،جس کے لیے سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اہل ایمان نے بھی ہجرت کی، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی۔(26)

حضرت لوط علیہ السلام نے رخت سفر باندھا۔(27)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہجرت کا راستہ اختیار کیا۔(28)

اصحاب کہف نے بھی اپنا ایمان بچانے کے لیے اپنے وطن سے کوچ کیا۔(29)

اسی طرح جب اصحاب رسول کو اہل مکہ نے اذیت ناک تکالیف میں مبتلا کیا تو انھوں نے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے اور فتنے کے ڈر سے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔(30)

(2) ظلم وستم: دوسرا عامل جس کی وجہ سے اصحاب رسول نے ہجرت کی وہ اہل مکہ کی دست درازی، بدزبانی اور ہولناک مظالم تھے، جن سے بچنے کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کی گئی۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ جب آزمائش بڑھ گئی، طرح طرح کے فتنوں نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تو انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔(31)

(3) بے سروسامانی کا عالم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ایمانی قوت بہت مضبوط تھی، لیکن ایمان کو بچانے اور دشمنان اسلام سے دفاع کے لیے مطلوبہ اسباب و ذرائع اور افرادی قوت نہیں تھی، اس لیے آپ نے اپنے اصحاب کو ہجرت کی اجازت دے دی۔(32)

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت آپ کے چچا کے ذریعے سے فرمائی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے اصحاب کو کفار و مشرکین کے ظلم و ستم سے بچانے کے لیے کوئی افرادی قوت نہ تھی، لہٰذا آپ نے اپنے اصحاب کو ہجرت حبشہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔(33)

اس میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا جواب بھی دے دیا ہے کہ ایسے مشکل ترین حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت حبشہ کیوں نہ کی۔

(4) تبلیغ دین: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تبلیغ دین کا فرض عائد کیا اور حکم فرمایا:

يَآيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ (34)

"اے چادر اوڑھ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔"

اس حکم ربانی کی تعمیل کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف طریقے اختیار کیے، مثلاً: خفیہ اور علانیہ طور پر تبلیغ اور انفرادی دعوت، وعظ و نصیحت اور خطوط کے ذریعے سے دعوت اسلام اس کے علاوہ حبشہ کی طرف ہجرت میں ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ وہاں اسلام کا پیغام پہنچایا جائے۔ اس مہم کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ شاہ حبشہ نجاشی اور دیگر لوگ مسلمان ہو گئے۔(35)

یہ تمام کے تمام اسباب ہجرت حبشہ کا باعث بنے۔ان میں کوئی تعارض نہیں۔

حبشہ کے انتخاب کی وجوہ

ہجرت کے اسباب و مقاصد کے بعد یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے لیے حبشہ ہی کا انتخاب کیوں کیا اور اپنے اصحاب کو اسی طرف ہجرت کا کیوں حکم فرمایا؟ اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

1. **حبشہ پسندیدہ مقام:** ملک حبشہ کو ہجرت کے لیے منتخب کرنے کی ایک وجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدگی تھی۔ ابن شہاب زہری نے ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک مسلمانوں کی ہجرت کے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ حبشہ معلوم ہوتی ہے۔

2 نجاشی کا عدل

مکہ میں ظلم تھا، جس سے رہائی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حبشہ کا انتخاب فرمایا، کیونکہ وہاں کا بادشاہ ایک عادل حکمران تھا۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا، نہ کسی کو دوسرے پر ظلم کی اجازت دیتا تھا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ہجرت حبشہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''ارض حبشہ کی طرف چلے جاؤ، وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔(36)

3. **نجاشی کی نیکی:** ایک اور چیز جس کی وجہ سے حبشہ کا انتخاب کیا گیا وہ وہاں کے بادشاہ نجاشی کا نیک اور صالح ہوتا تھا۔ اصحاب رسول کو وہاں جا کر نیکی کے کام کرنے تھے۔ یہ جب ہی ممکن تھا جب وہاں کا بادشاہ خود صالح اور نیک ہو اور یہ صفت نجاشی میں موجود تھی۔ طبری نے لکھا ہے کہ حبشہ کا بادشاہ صالح تھا، ظلم نہیں کرتا تھا۔(37)

اصحمہ نجاشی کے قبول اسلام کے بعد نیک ہونے کی گواہی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی۔ جب نجاشی فوت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

مَاتَ الْيَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا عَلٰى أَخِيْكُمْ أَصْحَمَةَ (38)

''آج ایک نیک شخص فوت ہو گیا ہے، لہٰذا کھڑے ہو کر اپنے بھائی اصحمہ کی نماز جنازہ ادا کرو۔''

4. **جائے امن:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو جان و مال، عزت و ناموس اور دین کے تحفظ کے لیے ایک پر امن جگہ درکار تھی، اس لیے حبشہ کی سرزمین اس کے لیے موزوں ترین تھی۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم ارض حبشہ میں اترے تو وہاں نجاشی کی صورت میں ہمیں بہترین ہمسایہ ملا۔ ہم اپنے دین کے سلسلے میں پُرامن تھے اور اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ہمیں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں دی گئی، نہ کوئی ناگوار بات سننے میں آئی ہے۔(39)

5 **ارض صدق:** جائے امن کے ساتھ ساتھ حبشہ کی سرزمین جائے صدق بھی تھی ۔ یہاں سچائی وامانت اور وفا کا راج تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کہ وہ ارض صدق ہے۔اورنجاشی نے اس بھلے طرز عمل کا عملاً مظاہرہ کیا۔

6 **تجارتی مرکز:** ارض حبشہ تجارتی مرکز بھی تھا۔ اسی لیے حبشہ کا انتخاب کیا گیا تا کہ اہل ایمان کو ایمان ویقین اور عبادت وریاضت کی آزادی نصیب ہو اور وہاں گزر بسر کے اچھے مواقع میسر آسکیں۔ وہاں کیلا، انگور اور انار خوب کاشت ہوتا تھا۔ وہاں زرافے اور ہاتھی بھی پائے جاتے تھے۔ ان اشیا کے پائے جانے کی وجہ سے حبشہ ایک اچھی تجارتی منڈی بن گئی تھی۔ ابن جریر رقم کرتے ہیں کہ حبشہ قریش کی تجارتی منڈی تھی، یہاں تجارت کرنے سے انھیں بھاری منافع ملنے کے مواقع میسر آتے تھے۔(40)

7 **ریاست نصاریٰ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حبشہ کے انتخاب کی متعدد وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مکہ اور اس کے اطراف واکناف کے برعکس حبشہ کے رہنے والے دین عیسوی کے نام لیوا تھے اور خود نجاشی بھی اس دین کا پیروکار تھا اس لیے دوسرے علاقوں کی نسبت حبشہ ہی اسلام اور اہل اسلام کے لیے موزوں ترین مقام تھا، کیونکہ عیسائی اہل اسلام کے حق میں دوسرے اہل مذاہب کی نسبت نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (41)

''آپ ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاری ہیں، یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا راہب پائے جاتے ہیں اور اُن میں غرور نفس نہیں ہے۔''

اہل ایمان کی ابتدائی ہجرت کے لیے حبشہ کا انتخاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثل حکمت وبصیرت اور شاندار سیاسی حکمت عملی کا آئینہ دار ہے۔

حبشہ سے واپسی اور اس کے اسباب

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے یہی مہاجرین بعض اسباب کی بنا پر واپس مکہ تشریف لے آئے، لیکن وہ کسی کی پناہ لے کر یا چھپ کر مکہ میں داخل ہوئے۔(42)

بعض مہاجرین کی حبشہ سے واپسی کے اسباب درج ذیل ہیں:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''ارض حبشہ میں

ایک بادشاہ ہے اس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا تم اس کے ملک کو اپنا مسکن بنالو۔ یہاں تک کہ جن حالات سے تم دو چار ہو، اُن سے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے نکلنے کا کوئی راستہ اور آسانی پیدا فرمادے۔ اس لیے جونہی مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ سب اہل مکہ اسلام لے آئے ہیں تو انھوں نے یہ سنتے ہی مکہ کی طرف رخت سفر باندھا اور حبشہ سے واپس چلے آئے۔ بعد میں یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی۔(43)

اہل مکہ کے قبول اسلام کی خبر اس لیے پھیلی کہ مشرکین نے بھی ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ کو سجدہ کیا۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی۔ اُس میں مقام سجدہ آیا تو مسلمانوں نے سجدہ کیا اوران کے ساتھ تمام مشرکین اور جن وانس نے بھی سجدہ تلاوت کیا۔ اس پر مشہور کر دیا گیا کہ اہل مکہ اسلام لے آئے ہیں۔ یہ واقعہ قصہ غرانیق کہلاتا ہے۔

۲ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا بھی مہاجرین حبشہ کی واپسی کا ایک سبب قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبل از اسلام بھی صاحب عزت و وقار تھے۔ اسلام لائے تو قافلہ اسلام میں اُن کی شمولیت سے اسلام کی عزت و وقار اور مسلمانوں کے حوصلوں میں اضافہ ہوا۔

۳ مہاجرین حبشہ کی واپسی کا ایک سبب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام بھی تھا۔ ان کا عز وشرف اور بہادری بھی قریش میں معروف تھی۔

۴ مہاجرین حبشہ کی واپسی کا ایک سبب مملکت حبشہ میں شورش بپا ہونا بھی تھا، کیونکہ جب اہل حبشہ کو یہ معلوم ہوا کہ نجاشی مسلمان ہوگیا ہے تو وہ بہت بدکے اور انھوں نے شورش بپا کر دی۔ ایک دفعہ نجاشی نے ایک شورش کو بزور قوت دبا دیا تھا۔ مسلمان اس شورش کی وجہ سے خاصے پریشان تھے، لیکن جب نجاشی کو فتح ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔

۵ زین الدین عراقی نے ہجرت حبشہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے

لَمَّا فَشَا الْإِسْلَامُ وَاشْتَدَّ عَلٰى ۔۔۔ منْ أَسْلَمَ الْبَلَا هَاجَرُوا إِلَى
أَصْحَمَةٍ فِي رَجَبٍ مِنْ سَنَةٍ ۔۔۔ خَمْسٍ مَضَتْ لَهُمْ مِنَ النُّبُوَّةِ
وَخَرَجَتْ قُرَيْشٌ فِي الْآثَارِ ۔۔۔ لَم يَصِلُوا مِنْهُم لأخذِ الثَّارِ
فَجَاوَرُوهُ فِي أَتَم حَالِ ۔۔۔ ثُمَّ أَتَوا مَكَّةَ فِي شَوَّالِ
مِنْ عَامِهِمْ إِذْ قِيلَ أَهْلُ مَكَّةَ ۔۔۔ قَد أَسْلَمُوا وَلَمْ يَكُن بالثبت

''جب اسلام پھیلنے لگا تو اہل اسلام پر سختی کی جانے لگی، اس لیے انھوں نے رجب 5 نبوی کو اصحمہ نجاشی کی طرف رخت سفر باندھا۔ انھیں گرفتار کرنے کے لیے قریشی ان کے پیچھے بھاگے، مگر وہ ان میں سے کسی کو بھی پا نہ سکے اور بے نیل مرام واپس آ گئے۔ چند ماہ مسلمان اس بادشاہ کے پاس سازگار حالات میں ٹھہرے، پھر اسی سال شوال میں مکہ واپس آ گئے، کیونکہ انھیں خبر ملی تھی کہ مکہ والے مسلمان ہو گئے ہیں، لیکن ان کے اسلام کی خبر جھوٹی تھی۔'' (44)

حاکم حبشہ کے دربار میں سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تقریر

سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کو اسلام کے عمولی مراحل اور بیرون عرب اسلام کی تبلیغ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ یاد رہے! جس طرح شام اور الجزیرہ (روم) کے ہر بادشاہ کو قیصر، ایران کے ہر بادشاہ کو کسریٰ اور مصر کے ہر حکمران کو فرعون کہتے تھے، اسی طرح حبشہ کے ہر فرمانروا کا خطاب نجاشی تھا۔ (45)

مشرکین مکہ کا اقدام

مسلمان مکہ میں ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے، ان کے سامنے دو ہی راہیں تھیں یا تو ظلم وستم سہہ کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے یا پھر سرزمین مکہ کو خیر باد کہہ دیتے، جو ان پر تنگ کر دی گئی تھی۔ لہٰذا مشرکین کے ہاتھوں مجبور و بے بس مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ انھیں وہاں آرام اور سکون نصیب ہوا مگر مشرکین یہ صورتحال بھی برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے دربار نجاشی میں وفد بھیجا۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو خود مہاجرین میں سے تھیں، بیان کرتی ہیں کہ جب ہم ارض حبشہ میں گئے تو ہمیں وہاں ایک اچھا ہمسایہ نجاشی ملا۔ ہم اپنے دین کے احکام واعمال کے بارے میں پرامن تھے۔ ہم بے خوف وخطر اللہ عزوجل کی عبادت کرنے لگے۔ کوئی ناپسندیدہ بات سننے کو ملی، نہ ہمیں کوئی تکلیف دی گئی۔ جب یہ بات قریش کو معلوم ہوئی تو انھوں نے دربار نجاشی میں دو بااثر آدمی بھیجنے کے لیے مشورہ کیا تاکہ مہاجرین کو ان کے حوالے کیا جائے۔

شاہ حبشہ کے لیے تحائف

مشرکین مکہ نے دربار نجاشی میں اپنا وفد بھیجنے کے لیے دو آدمی منتخب کیے۔ ایک عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی اور دوسرا عمرو بن عاص سہمی۔ نجاشی کو تحائف پیش کرنے کے لیے بھی مکہ کی بہترین چیز کے متعلق غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نجاشی کو مکہ کا چمڑا بہت پسند ہے، اس لیے قریش نے اس کے لیے بہت سا چمڑا بطور تحفہ پیش کرنے کے لیے جمع کیا۔ نجاشی کے لیے ایک

اعلیٰ نسل کا قیمتی گھوڑا اور ایک گراں قیمت ریشمی جبہ خریدا گیا۔ حبشہ کے مذہبی پیشواؤں اور پادریوں کے لیے بھی چمڑا خریدا گیا اور سفیروں سے کہا گیا کہ نجاشی سے ملاقات سے قبل ہی تمام درباریوں اور مذہبی پیشواؤں کو فرداً فرداً تحفہ دے دینا اور انھیں کہنا کہ وہ نجاشی کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ہمارے مفرور لوگوں سے کوئی بات کیے بغیر ہی انھیں ہمارے حوالے کر دے۔

وہ دونوں آدمی تحائف لے کر دربار نجاشی میں حاضری کے لئے نکلے اور حبشہ پہنچ گئے۔ دربار نجاشی میں جانے سے قبل ہدایات کے مطابق پہلے ایک ایک کر کے مذہبی پیشواؤں سے ملے۔ ہر ایک کو بطور تحفہ چمڑا پیش کیا اور ہر ایک سے کہا گیا کہ ہمارے چند ناسمجھ لوگ آپ کے ہاں آ گئے ہیں۔

انھوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور تمھارا دین بھی اختیار نہیں کیا، بلکہ ان کا ایک نیا دین ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ تم واقف ہو۔ ہمیں ہماری قوم کے سرداروں نے بھیجا ہے تا کہ ہم انھیں واپس لے جائیں۔ جب ہم بادشاہ سے ان کے متعلق بات کریں تو تم بھی ہماری تائید کرنا اور بادشاہ کو یہی مشورہ دینا کہ وہ ان لوگوں سے کوئی بات کیے بغیر ہی انھیں ہمارے حوالے کر دے۔(47)

قریش کا وفد دربار نجاشی میں

پادریوں کو تحائف دینے کے بعد قریش مکہ کا یہ وفد دربار نجاشی میں پہنچا۔ بادشاہ کو سجدہ کیا اور کہنے لگے۔ بادشاہ سلامت! ہمارے ملک کے چند ناسمجھ افراد بے دین ہو کر آپ کے ہاں آ گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے اور آپ کا دین بھی اختیار نہیں کیا۔ یہ ایک نئے دین کے پیروکار ہیں، نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ۔ انھی کے سرکردہ لوگوں اور سرداروں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے، تا کہ آپ ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس بھیج دیں۔ بادشاہ نے قریشی وفد کی باتیں سن کر فیصلہ کیا کہ وہ مہاجرین کا موقف بھی سنے گا۔

مہاجرین کا جواب سنے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرے گا۔ اس نے وفد سے کہا: میں ان لوگوں کا موقف بھی سنوں گا تبھی کوئی فیصلہ کروں گا۔ بادشاہ کی یہ بات عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص پر بہت گراں گزری۔ دربار نجاشی میں اس گفتگو کے بعد وہاں موجود تمام مذہبی پیشوا بول پڑے، بادشاہ سلامت! ان کی قوم کے لوگ ان بھاگنے والوں کی حماقتوں اور نادانیوں کو بہتر جانتے ہیں، آپ ان بھگوڑوں کو ان کے حوالے کر دیں اسے خود انھیں اپنے ملک لے جائیں گے۔(48)

نجاشی کی برہمی

پادریوں کی بات سن کر نجاشی طیش میں آ گیا۔ اس نے کہا نہیں، اللہ کی قسم! میں انھیں ابھی ان کے حوالے نہیں کروں گا میں ایسے لوگوں کو کیسے ان کے حوالے کر سکتا ہوں جنھوں نے دوسروں کو چھوڑ کر میرے ملک کا انتخاب کیا، میری ہمسائیگی کو ترجیح دی اور میرے ملک میں آ بسے۔ میں انھیں ضرور بلاؤں گا۔ ان سے پوچھوں گا کہ یہ دو آدمی تمہارے متعلق کیا کہتے ہیں اور تم ان لوگوں کے جواب میں کیا کہتے ہو۔ اگر معاملہ ویسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو میں انھیں ان کے حوالے کر دوں گا اور انھیں ان کی قوم میں واپس بھیج دوں گا۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو میں انھیں ہرگز ان کے حوالے نہیں کروں گا، بلکہ جب تک وہ میرے پاس رہیں گے ان سے حسن سلوک کروں گا۔

مہاجرین حبشہ کی دربار میں طلبی

نجاشی نے مہاجرین حبشہ رضی اللہ عنہم کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ جب وہ آدمی مہاجرین کو بلانے کے لیے ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے باہم مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ اللہ کی قسم! ہم وہی کہیں کے جس کا ہمیں علم ہے اور جس کا ہمارے پیغمبر نے ہمیں حکم دیا ہے، چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو؟

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت جب دربار نجاشی میں پہنچی تو پادریوں نے کہا: بادشاہ کو سجدہ کرو، لیکن انھوں نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ نجاشی نے ان سے پوچھا: کیا تم بادشاہ کو سجدہ نہیں کرتے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ نجاشی نے پوچھا کیوں نہیں کرتے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ عزوجل نے ہماری طرف ایک رسول مبعوث کیا ہیں، انھوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے سے منع کیا ہے۔ (49)

نجاشی نے تمام پادریوں کو اکٹھا کر لیا۔ وہ سب اس کے گرد اپنے صحیفے کھول کر بیٹھ گئے۔ نجاشی نے مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے پوچھا کہ جس دین کے لیے تم نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے وہ دین کیا ہے؟ اس کے جواب میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے ایک جامع تقریر کی جس میں انھوں نے حق و باطل کے درمیان حد فاصل قائم کر دی۔

دربار نجاشی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر

مہاجرین رضی اللہ عنہم نے دربار نجاشی میں گفتگو کے لیے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ اس لیے نجاشی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

بادشاہ سلامت! ہم جاہلیت کے مارے لوگ تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے۔ خواہش کا ارتکاب کرتے تھے۔ قطع رحمی کرتے تھے اور بری ہمسائیگی کے عادی تھے۔ ہم میں سے جو طاقتور ہوتا، وہ کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم انھی کرتوتوں میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم ہی میں سے ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث کیا، جن کا حسب ونسب، سچائی، امانت و دیانت اور پاکدامنی سے ہم خوب باخبر تھے۔ انھوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی تاکہ ہم اس کی توحید کا اقرار کریں اور صرف اُس کی عبادت کریں۔ اس کے علاوہ جس جس حجر و شجر اور جنوں کی ہم اور ہمارے آباء و اجداد پوجا کرتے تھے۔ اُن سے کنارہ کشی کریں۔ انھوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے صلہ رحمی کرنے اور حسن ہمسائیگی کا حکم دیا، محارم کی عزت کا خیال رکھنے کی تلقین فرمائی۔ خون بہانے سے روکا۔ فحش کاموں، جھوٹی بات، مال یتیم کھانے اور پاکدامن عورت پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ انھوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے کا بھی حکم دیا ہے۔

پھر سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: چنانچہ ہم نے ان کی تصدیق کی۔ ان پر ایمان لائے اور جو دین وہ لے کر آئے اس کی پیروی کی۔ ہم نے صرف اللہ عزوجل کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا، جو انھوں نے ہم پر حرام کیا اسے ہم نے حرام جانا، جو انھوں نے ہم پر حلال کیا اسے ہم نے حلال ٹھہرایا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم سے دشمنی کی، ہمیں بدترین مظالم کی زنجیروں میں جکڑ دیا، ہمارے دین کی وجہ سے ہمیں شدید اذیتوں سے دوچار کیا تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالی کی عبادت سے ہٹا کر دوبارہ جنوں کا پرستار بنا دیں۔ جن خبائث کو ہم پہلے روا رکھتے تھے انھیں پھر سے حلال سمجھنا شروع کردیں۔ جب ان مشرکین نے ہم سے سخت وحشیانہ سلوک کیا اور ہم پر مظالم ڈھائے، ہمیں مشقت میں ڈالا، ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی طرف رخت سفر باندھا۔ دوسروں کے مقابلے میں آپ کی سرزمین کو ترجیح دی اور آپ کی پناہ کو پسند کیا۔ بادشاہ سلامت! ہمیں امید ہے کہ آپ کے ہاں ہم پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (50)

نجاشی کی مسلمانوں سے سماعت قرآن کی فرمائش

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے نجاشی بہت متاثر ہوا۔ اُس نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کے نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کلام نازل ہوا ہے، کیا اس میں سے آپ کو کچھ یاد ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جی ہاں! نجاشی نے کہا سنایئے! حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی ابتدائی چند آیات تلاوت کیں۔ قرآن سن کر نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پادری بھی رونے لگے اور کھلے ہوئے صحیفوں اور کتابوں پر اُن کے آنسو ٹپکنے لگے۔ نجاشی نے کہا:

بلا شبہ یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ لے کر آئے تھے۔ دونوں ایک ہی شمع کی کرنیں ہیں۔ (51)

اس کے بعد نجاشی نے مشرک سفیروں سے کہا: اللہ کی قسم! میں ان لوگوں کو کسی صورت تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ نجاشی نے سفیران قریش کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا کیا یہ لوگ تمہارے غلام ہیں؟ انھوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا: کیا ان لوگوں نے تمہارا کوئی قرض دینا ہے؟ وہ بولے نہیں۔ نجاشی نے کہا: تو پھر تم لوگ ان کا پیچھا چھوڑ دو۔ (52)

مشرکین کی ایک اور چال ناکام

جب مشرکین دربار نجاشی سے ناکام و نامراد ہو گئے تو انھیں ایک اور چال سوجھی۔ عمرو بن عاص نے کہا: اللہ کی قسم! میں کل نجاشی کو ان کی ایک ایسی بات بتاؤں گا جس سے انھیں شدید نقصان پہنچے گا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ قدرے رحم دل تھا۔ اس نے عمرو بن عاص سے کہا: ایسا نہ کرو۔ ہر چند انھوں نے ہماری مخالفت کی ہے، لیکن بہر حال یہ ہمارے ہی رشتہ دار اور قریبی عزیز ہیں۔ ابن عاص نے کہا: اللہ کی قسم! میں نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بشر سمجھتے ہیں۔

اگلے دن صبح یہ دو رکنی قریشی وفد پھر دربار نجاشی میں حاضر ہو گیا۔ عمرو بن عاص کہنے لگا: بادشاہ سلامت! یہ لوگ تو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق بہت بڑی بات کہتے ہیں۔ آپ انھیں بلائیں اور ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھیں، کیونکہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق آپ جو کچھ کہتے ہیں ان کا عقیدہ اس کے برعکس ہے۔ عمرو بن عاص کی بات سن کر نجاشی نے کہا: اگر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق ان کا وہی عقیدہ اور قول نہ ہوا جو میرا ہے تو میں انھیں ایک لمحہ بھی اپنی سرزمین میں نہیں رہنے دوں گا، بلکہ فوراً نکال دوں گا۔ (53)

نجاشی نے دوبارہ مہاجرین حبشہ کو طلب کیا۔ اس دوران میں انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر نجاشی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق پوچھے تو اسے ہم کیا بتائیں ہے؟ سب نے یہی کہا کہ اللہ کی قسم! ہم تو ان کے متعلق وہی کہیں گے جو اللہ عزوجل نے کہا ہے اور جو وضاحت ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ پھر اس کے نتیجے میں جو بھی ہوتا ہے ہوتا رہے۔ اس مشورے کے بعد مسلمان نجاشی کے دربار میں پہنچے تو اس نے پوچھا تم عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا موقف رکھتے ہو؟ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ان کے بارے میں بتایا ہے۔ درحقیقت وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جسے اُس نے کنواری اور پاکدامن مریم کی طرف القا کیا۔ نجاشی نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق یہ رائے سننے کے بعد زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا:

مَا عَدَا عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَا قُلْتَ هٰذَا الْعُوْدَ(54)

''جو کچھ تم نے کہا ہے اس میں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام میں اس تنکے کے برابر بھی کوئی فرق نہیں۔''

اہل اسلام کو دربارِ نجاشی سے پروانۂ امن

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق اس رائے اور نجاشی کی تائید کے بعد وہاں موجود درباری اور پادری بدک گئے اور آوازیں بلند کرنے لگے، جس پر نجاشی نے مہاجرین سے کہا جاؤ میری سرزمین میں جہاں چاہو گھومو پھرو تم میرے مہمان ہو۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر جرمانہ عائد کیا جائے گا، جو تمھیں سب وشتم کرے گا اس سے چٹی لی جائے گی، جو تمھیں بُرا بھلا کہے گا اس سے تاوان وصول کیا جائے گا۔ تم میں سے ایک آدمی کو ایذا رسانی کے عوض مجھے سونے کا ایک پہاڑ بھی دیا جائے تو میں قبول نہیں کروں گا۔

پھر اس نے اپنے درباریوں کو مشرکین کے سفیروں کے بارے حکم دیا کہ جاؤ، ان دونوں کو ان کے تحائف واپس کر دو، ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب وہ دونوں سفیر نجاشی کے پاس سے ذلیل ورسوا ہو کر چلے گئے۔ انھیں ان کے لائے ہوئے تحائف بھی واپس کر دیے گئے، جبکہ مسلمان وہاں نجاشی کے پاس اعلیٰ رہائش گاہوں میں بہترین پڑوسی کی حیثیت سے رہے۔(55)

نجاشی نے بعد میں اصحاب رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا تمھیں کوئی پریشان کرتا ہے؟ کہا گیا جی ہاں۔ نجاشی نے اس وقت منادی کرنے والے کو بلایا اور حکم دیا کہ میری مملکت میں منادی کرا دو کہ جو بھی ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائے گا اس سے چار درہم جرمانہ وصول کیا جائے گا۔ پھر ان سے پوچھا کہ اتنا جرمانہ کافی ہے؟ جواب نفی میں آیا تو جرمانہ دگنا کر دیا گیا۔(56)

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر کے فوائد وثمرات

دربار نجاشی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی اس کا نجاشی اور اس کے درباریوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ سب رونے لگے، اتنا روئے کہ ان کے بہتے ہوئے آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں بھیگ گئیں اور سامنے کھلے ہوئے صحیفے بھی تر ہو گئے۔(57)

نجاشی نے اصحاب رسول کی خوب خاطر مدارات کی۔ وہ شاہی مہمان بنے۔ قریشیوں نے تحائف دراصل بطور رشوت دیئے تھے۔ رشوت دینے کے باوجود انھیں اپنے مذموم مقصد میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور وہ ہزیمت اٹھا کر ناکام ونامراد

واپس چلے گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ نجاشی کو دعوت سلام پہنچی۔ اس نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیا۔ خود بھی دولت اسلام سے آراستہ ہوا اور اُس کے درباری بھی اسلام سے مشرف ہوئے۔ اصحاب رسول کی حبشہ سے واپسی پر انھیں شاہی انعام واکرام سے نوازا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی تحائف بھیجے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغفار کی درخواست کی گئی۔ آپ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی۔ (58)

نجاشی کے لیے دعائے نبوی

نجاشی کی وفات اسلام پر ہوئی۔ اس کی وفات کی اطلاع خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کو ان الفاظ سے دی۔ قَدْ تُوُفِّيَ الْيَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ مِنَ الْحَبَشِ فَهَلُمَّ، فَصَلُّوا عَلَيْهِ (59) ''آج ایک صالح انسان فوت ہوا ہے جس کا تعلق حبشہ سے تھا، آؤ اس کا جنازہ پڑھیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا: اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيْكُمْ (60) ''اپنے بھائی کے لیے بخشش طلب کرو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ (61)

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

جس سال پہلی ہجرت حبشہ ہوئی، اسی سال یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ میں قریش کے ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے سورۂ نجم کی تلاوت شروع کر دی۔ اور ان کے کانوں میں ایک انتہائی خوب صورت اور عظمت لیے ہوئے کلام الٰہی کی آواز پڑی تو انھیں ہوش نہ رہا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو) والی آیت تلاوت کی اور اس کے ساتھ سجدہ فرمایا تو ان کفار میں سے کسی کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔ اس واقعہ کی خبر حبشہ کے مہاجرین کو ہوئی، لیکن اس کی اصل صورت حال سے وہ بے خبر رہے اور یہ سمجھے کہ شاید قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔

چنانچہ انھوں نے شوال کے مہینے میں مکہ واپسی کی راہ لی۔ لیکن جب مکہ سے ایک دن سے بھی کم فاصلے پر پہنچے تو انھیں حقیقت کا پتا چلا۔ چنانچہ کچھ لوگ تو حبشہ واپس چلے گئے اور کچھ چھپ چھپا کر مکہ میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد مہاجرین پر خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً قریش کا ظلم وستم اور بڑھ گیا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پھر حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ اس دفعہ کل 82 یا 83 مردوں اور 18 یا 20 عورتوں نے ہجرت کی۔

حوالہ جات

1۔رحمۃ للعالمین ج1ص53
2۔طبقات ابن سعد ج3،ص26
3۔طبقات ابن سعد ج1ص177
4۔فتح الباری ج7ص17
5۔اصابہ ج1ص416
6۔ابن سعد طبقات ج1ص117
7۔الاستیعاب، ج۴،ص۱۵۷
8۔ابن ہشام، ج۱،ص۳۱۹
9۔رحمۃ للعالمین، ج۱،ص۵۸
10۔القرطبی،تفسیر النحل:41
11۔النساء:97
12۔النساء:98-99
13۔النحل:41
14۔القرطبی،تفسیر النحل:41
15۔ابن کثیر،التفسیر،العنکبوت:56
16۔عبدالرزاق،المصنف:۹۷۴۳و
17۔البیہقی،السنن الکبری:7734
18۔النساء:100
19۔ابن حجر،فتح الباری:۱۸۸/۷
20۔والبیہقی دلائل النبوہ، ج2،ص297
21۔ابن حجر فتح الباری:۷/۱۸۸
22۔تاریخ الطبری، ج۲،ص329
23۔الطبری،التاریخ ج2،ص329
24۔فتح الباری، ج7ص188
25۔فتح الباری، ج7،ص189
26۔الصافات:27/99
27۔الانبیاء:21/71
28۔القصص:28/20
29۔الکہف:18/9،22
30۔ابن ہشام،السیرۃ النبویہ، ج1ص32
31۔ابن اسحاق،السیرۃ النبویہ،ص247
32۔السجلماسی،نفائس الدرر ج1ص246
33۔ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ج3ص281
34۔المدثر:74/1-3
35۔ابن حجر،الاصابہ، ج2ص208
36۔الزہری،المغازی،ص96
37۔الطبری،التاریخ:ج2ص328
38۔صحیح البخاری:3877
39۔مسند احمد بن حنبل:1740
40۔الطبری،التاریخ:ج2ص328
41۔المائدہ:5/82
42۔ابن ہشام،السیرۃ النبویہ، ج1ص364
43۔ابن کثیر،البدایہ والنہایہ:۳/۲۹۰
44۔الفیہ السیرۃ النبویہ،ص61
45۔ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ:ج11،ص243
46۔مسند احمد بن حنبل:1740
47۔ابن اسحاق،السیرۃ النبویہ،ص248
48۔مسند احمد بن حنبل:1740
49۔ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ، ج3ص286
50۔مسند احمد بن حنبل:1740
51۔البیہقی،شعب الایمان:82
52۔مسند احمد بن حنبل:1740
53۔مسند احمد بن حنبل:1740
54۔مسند احمد بن حنبل:1740
55۔مسند احمد بن حنبل:1740
56۔مسند احمد بن حنبل:1740
57۔ابن کثیر،البدایہ والنہایہ، ج3ص289
58۔مسند احمد بن حنبل:1740
59۔صحیح البخاری:1317
60۔مسلم:951 صحیح البخاری1320
61۔صحیح بخاری:1320

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. ابوجہل کا مسلمان ہونے والوں کے بارے میں کیا طرز عمل تھا؟

....

....

2. صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کون تھے؟

....

....

3. ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو کس نے آزاد کروایا؟

....

....

4. ہجرت سے کیا مراد ہے؟

....

....

5. حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حبشہ ہجرت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟

....

....

6. نجاشی کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① اہل مکہ کے قبول اسلام کی خبر اس لیے پھیلی کہ مشرکین نے بھی ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ کو کیا

سلام ☐　　سجدہ ☐　　یاد ☐　　صدقہ ☐

② تو معلوم ہوا کہ نجاشی کو مکہ کا بہت پسند ہے

مکھن ☐　　اچار ☐　　چمڑا ☐　　پانی ☐

③ مہاجرین رضی اللہ عنہم نے دربار نجاشی میں گفتگو کے لیے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا منتخب کیا

ترجمان ☐　　وزیر ☐　　مشیر ☐　　نمائندہ ☐

④ نجاشی نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق یہ رائے سننے کے بعد زمین سے ایک اٹھایا اور کہا:

پتھر ☐　　تنکا ☐　　پھول ☐　　ڈھیلا ☐

⑤ چنانچہ کچھ لوگ تو حبشہ واپس چلے گئے اور کچھ...... مکہ میں داخل ہو گئے۔

بھیس بدل کر ☐　　امن لے کر ☐　　چھپ چھپا کر ☐　　راہ دیکھ کر ☐

⑥ اس دفعہ کل 82 یا 83 مردوں اور 18 یا 20 عورتوں نے کی۔

بیعت ☐　　ہمت ☐　　ہجرت ☐　　نصیحت ☐

سبق نمبر 07

اسلام حمزہ وعمر فاروق رضی اللہ عنہما
شعب ابی طالب کا محاصرہ
عام الحزن

خلاصۂ سبق

نبوت کے چھٹے سال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ایمان قبول کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے مسلمان کو بڑی عزت وقوت، شرف واعزاز اور مسرت وشادمانی حاصل ہوئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت دین سے تنگ آکر مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے لیے ہر طرح کی ضروریات زندگی اور سامان خورو نوش کی رسائی تک بند کردی۔کفار مکہ نے جو ظالمانہ عہدنامہ لکھ کر کعبہ کے اندر لگایا تھا اس سفاکانہ دستاویز کو دیمک نے چاٹ لیا۔تین سال کے سخت محاصرے کے بعد بنو مطلب اور بنو ہاشم کو رہائی نصیب ہوئی۔اس وقت نبوت کا دسواں سال تھا۔ ہے ۔شعب ابی طالب کا محاصرہ ختم ہوئے ابھی اٹھائیس دن بھی ہوئے تھے کہ سردار ابو طالب ہجرت مدینہ سے تین برس قبل ماہ شوال میں انتقال کر گئے ۔ابھی ابو طالب کی وفات کا غم تازہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کی جدائی کا صدمہ بھی سہنا پڑا۔ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔

یہ نبوت کے چھٹے سال کا واقعہ ہے کہ ایک دن حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا کی پہاڑی پر تشریف فرماتے تھے کہ ابوجہل کا اُدھر سے گذر ہوا، جب اس نے حضور کو دیکھا تو اس کے سینے میں بغض وعناد کا جو لاوا سلگتا رہتا تھا وہ پھٹ پڑا، اور

آپ ﷺ کو گالیاں دینا شروع کیا، مگر آپ ﷺ نے اس کی بیہودہ گوئی کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور اس کی طرف بالکل ہی توجہ نہ دی اس پر وہ اور زیادہ غصے میں آ گیا، اس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا، اس نے اس سے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا جسم اطہر خون سے لہولہان ہو گیا، مگر آپ صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ دل کا غبار نکال کر ابوجہل اِتراتا ہوا اپنے مداحوں کی اُس محفل میں جا بیٹھا جو صحن حرم میں اس کے قبیلے کے لوگوں نے منعقد کی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد حضور اکرم ﷺ بھی خاموشی کے ساتھ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچا تھے اور آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے، مگر ابھی تک وہ شرک پر قائم تھے، ان کا معمول تھا کہ وہ صبح کو تیر و کمان لے کر جنگل کی طرف نکل جاتے اور دن بھر شکار کرتے اور شکار کی تلاش میں مصروف رہتے، شام کو جب شکار کر کے واپس آتے تو سب سے پہلے حرم شریف میں جاتے، خانہ کعبہ کا طواف کرتے، پھر صحن حرم میں قریش کے سرداروں کی محفلوں میں جاتے، سب سے علیک سلیک کرتے، مزاج پُرسی کرتے پھر اپنے گھر جاتے۔

اس دن بھی آپ اپنے معمول کے مطابق شام کو شکار کر کے واپس لوٹ رہے تھے کہ عبداللہ بن جدعان کی ایک کنیز جس نے ابوجہل کے ظلم و ستم کا دلخراش منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔ اے ابوعمارہ، آج ابوجہل نے تمہارے بھتیجے کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کیا کہ پہلے گالیاں دیتا رہا، جب حضور نے خاموشی اختیار کئے رکھا تو ان کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کو خون سے لہولہان کر دیا۔

یہ سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی، غصہ سے آگ بگولہ ہو کر ابوجہل کی تلاش میں آگے بڑھے، آج ان کی کیفیت ہی نرالی تھی، نہ کسی سے خیر خیریت پوچھ رہے ہیں، نہ کسی محفل میں کھڑے ہو کر کسی کو سلام کر رہے ہیں، بس ابوجہل کی تلاش میں آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں آخر کار آپ کی نظر ابوجہل پر پڑی جو اپنے قبیلہ کی محفل میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف لوگ سراپا ادب بن کر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بڑے پہلوان، جنگ جو اور عرب کے مشہور بہادروں میں شمار کئے جاتے تھے۔

آپ اس مجمع میں گُھس گئے اور جاتے ہی ابوجہل کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ پھر آپ نے گرجتے ہوئے کہا: اے ابوجہل! تیری یہ مجال کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں دے، سُن، میں نے بھی ان کا دین قبول کر لیا ہے، اگر تجھ میں ہمت ہے تو آ، اور مجھے روک کر دیکھ۔

ابوجہل کے قبیلے کے لوگ اپنے سردار کی یہ رسوائی دیکھ کر جذبات میں آ گئے اور اٹھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے اس کا بدلہ

لیں، مگر ابوجہل بڑا مکار تھا، وہ جانتا تھا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے شیر دل انسان کا مقابلہ اِن لومڑیوں سے نہیں ہو سکے گا خواہ مخواہ کئی لوگوں کی جانیں ضائع ہوں گی، چنانچہ اس نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا کہ: ابوعمارہ (حمزہ رضی اللہ عنہ) کو کچھ نہ کہو، بخدا میری غلطی ہے کہ میں نے اس کے بھتیجے کے ساتھ بدکلامی کی ہے۔

رشتہ داری کے جوش میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے بدلہ بھی لے لیا اور اپنے ایمان لانے کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر جب وہ واپس گھر گئے تو کشمکش میں پڑ گئے، انہیں یہ بات اپنی شان کے خلاف معلوم ہوئی کہ انہوں نے ایک ایسے دین کو قبول کر لیا ہے جس کے بارے میں انہوں نے پوری طرح سے غور و فکر ہی نہیں کیا۔ ساری رات بڑے قلق واضطراب میں گذری، جب صبح ہوئی تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے عرض کی: اے میرے بھتیجے، میں ایک ایسی مشکل میں پڑ گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ میں نہیں جانتا، اور ایسی بات پر میرا قائم رہنا بڑا مشکل ہے جس کے بارے میں مجھے یہ علم نہیں کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی؟ اس لئے مجھے اس کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے اور اس سلسلے میں مجھ سے کچھ گفتگو کیجئے۔

دلوں کو کفر و شرک اور گناہوں سے پاک کرنے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اسلام کی حقانیت کو بڑے ہی دلنشیں انداز میں پیش فرمایا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت سچے دل سے اسلام قبول فرما لیا اور کہا کہ میں دل کی اتاہ گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔

آپ کے ایمان لانے سے عالم کفر پر ایک رعب طاری ہو گیا اور بے آسرا مسلمانوں کو بڑی طاقت وقوت حاصل ہوئی۔ آپ نے اسلام لانے کی خوشی میں بطور شکر و حمد کچھ اشعار کہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: میں اللہ تعالی کی حمد کرتا ہوں جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی اسلام قبول کرنے کی جو دین حنیف ہے۔ وہ دین جو اُس رب کریم کی طرف سے آیا ہے جو عزت والا ہے اور اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے ساتھ لطف و احسان فرمانے والا ہے۔

اسلام حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

نبوت کا چھٹا سال جا رہا تھا سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تین دن بعد تک، صرف انتالیس افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو کعبے میں نماز پڑھنے کی اجازت تک نہ تھی کوئی مسلمان اگر عبادت کرتے نظر آ جاتا تو اُس کی زندگی جہنم بنادی جاتی اُس پر قیامت ٹوٹ پڑتی، مکہ کی گلیاں بازار اور وادی اہل اسلام کے لیے عقوبت خانے بن چکے تھے، مشرکین ظالم اور مسلمان مظلوم تھے۔ تمام مسلمانوں کی حالت تو کیا ہو گی خود محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی بار تشدد کا نشانہ بن چکے تھے۔ غریب اور غلام مسلمانوں کے لیے مکہ شہر پھانسی گھاٹ بنا ہوا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گردنیں جھکا کر چھپ چھپ

کر زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔مسلمانوں کی حالت زار سردار الانبیاء ﷺ سے برداشت نہ ہوتی تھی اور پھر تاریخ اسلامی نہیں تاریخ انسانی کا عظیم واقع رونما ہوا، یہ ذوالحجہ کا مہینہ تھا اور بدھ کا دن سرور کائنات ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی بے بسی اور اہل مکہ کی بے حسی دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، خدایا اسلام کو عمر بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے تقویت عطا فرما، ان دونوں میں سے جو بھی تجھے محبوب ہو اسے مشرف بہ اسلام فرما اور پھر اگلے ہی دن قریش کے قبیلہ عدی کا طویل قامت سرخ چہرہ جنگجو دلیر اور بے باک شجاع انسان گھر سے اِس لیے نکلا کہ سرزمین عرب خدا کا پیغام سنانے والے کو تہہ تیغ کر کے اہل قریش کے بتوں کو سربلند رکھے گا۔اُس کے ہاتھ میں ننگی تلوار............

نعیم بن عبداللہ نے اس کے تیور کو دیکھ کر پوچھا: عمر کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا محمد ﷺ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔اس نے کہا محمد ﷺ کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بھی اپنا پچھلا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہو، اس نے کہا عمر رضی اللہ عنہ ایک عجیب بات نہ بتا دوں، تمہاری بہن اور بہنوئی بھی تمہارا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہیں۔یہ سن کر عمر غصے سے بے قابو ہو گئے اور سیدھے بہن بہنوئی کا رُخ کیا۔

وہاں انہیں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سورہ طٰہٰ پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے اور قرآن پڑھانے کے لیے وہاں آنا جانا حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا معمول تھا۔جب حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی تو گھر کے اندر چھپ گئے۔ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صحیفہ چھپا دیا۔لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے قریب پہنچ کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی قرأت سن چکے تھے چنانچہ پوچھا کہ یہ کیسی دھیمی دھیمی سی آواز تھی جو تم لوگوں کے پاس میں نے سنی تھی؟ انہوں نے کہا کچھ بھی نہیں۔بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو؟ بہنوئی نے کہا، اچھا عمر یہ بتاؤ اگر حق دین تمہارے دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اتنا سننا تھا کہ اپنے بہنوئی پر چڑھ بیٹھے اور انہیں بری طرح کچل دیا۔ان کی بہن نے لپک کر انہیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چانٹا مارا کہ چہرہ خون آلود ہو گیا۔بہن نے جوش غضب میں کہا عمر اگر تیرے دین کے بجائے دوسرا ہی دین برحق ہو تو؟ میں شہادت دیتی ہوں کہ

"اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں شہادت دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مایوسی کے بادل چھا گئے اور انہیں اپنی بہن کے چہرے پر خون دیکھ کر شرم وندامت بھی محسوس ہوئی، کہنے لگے، اچھا یہ کتاب جو تمہارے پاس ہے ذرا مجھے بھی پڑھنے کو دو، بہن نے کہا تم ناپاک ہو۔اس کتاب کو

صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، اٹھو، غسل کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر غسل کیا، پھر کتاب لی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی، کہنے لگے یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں، اس کے بعد قرات کی۔ کہنے لگے یہ تو بڑا اعمدہ اور بڑا محترم کلام ہے۔ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پتا بتاؤ۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ فقرے سن کر اندر سے باہر آ گئے۔ کہنے لگے! عمر خوش ہو جاؤ، مجھے امید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعرات کی رات تمہارے متعلق جو دعا کی تھی (کہ اللہ! عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعے اسلام کو قوت پہنچا) یہ وہی ہے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ صفا کے پاس والے مکان میں تشریف فرما ہیں۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار حمائل کی اور اس گھر کے پاس آ کر دروازے پر دستک دی، ایک آدمی نے اُٹھ کر دروازے کی دراز سے جھانکا تو دیکھا کہ عمر تلوار حمائل کئے موجود ہیں۔ لپک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی اور سارے لوگ سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا عمر رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا بس! عمر رضی اللہ عنہ ہے، دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو اسے ہم خیر عطا کر دیں گے۔ اور اگر بُرا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیں گے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ بیٹھک میں ان سے ملاقات ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکے کپڑے اور تلوار کا پرتلا سمیٹ کر پکڑا اور سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا: عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلت و رسوائی اور عبرتناک سزا نازل نہ فرمادے جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے؟

یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے، یا اللہ اسلام کو عمر بن خطاب کے ذریعے قوت و عزت عطا فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہوئے کہا۔ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور یقینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔“

یہ سن کر گھر کے اندر موجود صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام والوں کو سنائی پڑی۔ معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زور آوری کا حال یہ تھا کہ کوئی ان سے مقابلے کی جرأت نہ کرتا تھا اس لیے ان کے مسلمان ہو جانے سے مشرکین میں کہرام مچ گیا اور انہیں بڑی ذلت و رسوائی محسوس ہوئی۔ دوسری طرف ان کے اسلام لانے سے مسلمان کو بڑی عزت و قوت، شرف و اعزاز اور مسرت و شادمانی حاصل ہوئی۔

شعب ابی طالب کے محاصرے اور عہد نامے کا بیان

کفار مکہ نے دعوت اسلام روکنے کے سارے جتن کر ڈالے۔ انھوں نے ظلم وستم کر کے اہل ایمان سے زندگی تو چھین لی مگر ایمان نہ چھین سکے۔ اس لیے اب انھوں نے یہ تہیہ کیا کہ دعوت کے اس سوچتے نیا کو پاٹ دیا جائے، لہٰذا انھوں نے ایک ناپاک تدبیر سوچی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی مبارک کو ختم کر دیا جائے (نعوذ باللہ)۔ انھوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے لیے بھاری دیت کی پیشکش بھی کی لیکن بنو ہاشم اور بنو مطلب نے اس کام میں ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

کفار مکہ کا ناپاک منصوبہ

ابو طالب کو معلوم ہوا کہ کفار مکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ انھوں نے فوراً بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کر کے ان سے رائے طلب کی۔ ان سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا عہد کیا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا انھوں نے خاندانی غیرت وحمیت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا عہد کیا تھا۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا انھوں نے ایمان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا عہد باندھا تھا۔

شعب ابی طالب میں محصوری

بیت اللہ شریف سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر شمال مشرق میں شارع غزہ کے دائیں جانب شعب ابی طالب واقع ہے۔(1)

اس کھائی کو شعب ابی یوسف، شعب بنی ہاشم اور شعب علی بھی کہا جاتا ہے۔(2)

شعب ابی طالب کا محاصرہ بعثت کے ساتویں سال محرم کے مہینے میں پیش آیا۔(3)

جب بنو مطلب اور بنو ہاشم کے قبیلوں نے ابو طالب کو اپنی حمایت کا یقین دلایا تو وہ طالب اپنے بھتیجے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بنو مطلب کے ہمراہ بنو ہاشم کے ہاں اس کھائی میں چلے گئے جو شعب ابی طالب کے نام سے معروف تھی۔ ان سب نے یہ عہد کیا کہ جب تک ہم میں سے ایک فرد بھی زندہ رہے گا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہرگز قتل نہیں ہونے دے گا۔

ابولہب کی بنو ہاشم سے علیحدگی

بنو ہاشم کے سب لوگ چاہے وہ مسلمان تھے یا کافر، شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے، لیکن ابولہب نے شعب

ابی طالب میں جانے سے انکار کر دیا۔ وہ کفار قریش کے پاس چلا گیا۔ معبد کی بیٹی ہند سے جب اس کی ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگا۔ اب تیرا کیا میں نے اپنی قوم کو چھوڑ کر لات عزیٰ کی مدد نہیں کی؟ اس نے کہا ہاں اللہ تجھے اچھی جزا دے۔(4)

قریش کی بنو ہاشم اور بنو مطلب سے قطع تعلق

کفار نے جب دیکھا کہ ابو طالب اپنے بھتیجے کے تحفظ کے لیے بنو ہاشم، بنو مطلب اور دیگر مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہوئے ہیں تب قریش کے تمام سردار حیف بنی کنانہ کے مقام پر اکٹھے ہوئے تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامی خاندانوں کے خلاف کوئی ایسا منصوبہ بنائیں جس کے نتیجے میں وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک خطرناک سازش کی کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب سے ہر قسم کا بائیکاٹ کیا جائے۔

ظالمانہ تحریر

اس ستم گری کے لیے انھوں نے ایک نوشتۂ ظلم تیار کیا۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ ہم بنو ہاشم اور بنو مطلب سے رشتہ لیں گے نہ انھیں رشتہ دیں گے، نہ ان سے کچھ خریدیں گے اور نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچیں گے، نہ ان سے صلح کریں گے اور نہ ان سے کوئی نرمی اختیار کریں گے حتی کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے حوالے کر دیں۔(5)

یہ بھی طے کیا کہ ہم ان کے ساتھ بیٹھیں گے نہ ان سے خرید و فروخت کریں گے، نہ ان کے گھروں میں جائیں گے حتی کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دیں۔(6)

جب انھوں نے یہ عہد نامہ لکھ لیا تو اس پر مکمل کار بند رہنے کا عزم کیا اور اس پر اپنی مہریں لگا کر اسے کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔(7)

عہد نامہ کس نے لکھا؟

اس ظالمانہ عہد کو لکھنے والا منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نضر بن حارث تھا۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خلاف بد دعا کی تو اس کے ہاتھ کی بعض انگلیاں شل ہو گئیں۔(8)

ایک قول یہ ہے کہ بغیض بن عامر نے یہ عہد نامہ لکھا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عہد نامہ لکھنے والا ہشام بن عمرو عامری تھا۔ امام ابن کثیر کہتے ہیں معروف بات کیا ہے کہ یہ عہد نامہ لکھنے والا منصور بن عکرمہ تھا۔

شعب ابی طالب کا محاصرہ سخت

مشرکین مکہ نے صرف عہد نامے پر اکتفا نہ کیا، بلکہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے لیے ہر طرح کی ضروریات زندگی اور سامان خورد ونوش کی رسائی تک بند کر دی۔ جب بیرونی علاقوں سے مکہ میں آنے والا کوئی تجارتی قافلہ پہنچتا اور مسلمان ان سے ضروریات زندگی کی اشیاء خریدنے کے لیے وہاں جاتے تو اس موقع پر ابولہب تاجروں سے کہتا کہ اشیا کے ریٹ بڑھا دو، تاکہ یہ کوئی چیز خرید نہ سکیں۔ مزید کہتا کہ گھبراؤ نہیں، اگر تمہارا سودا کوئی نہیں خریدے گا تو میں تمھارا ہر قسم کا خسارا پورا کروں گا۔ چنانچہ شعب ابی طالب میں منتقل ہونے والے جب سامان خریدنے کے لیے تجارتی قافلے کے پاس آتے تو وہ انھیں پانچ دس گنا زیادہ نرخ بتاتے اور اور وسائل نہ ہونے کی صورت میں کوئی چیز بھی خرید نہ پاتے اور تہی دامن واپس چلے جاتے، یوں ان کے پاس انہیں کوئی چیز نہ ہوتی جو اپنے بیوی بچوں کو کھلا سکتے۔(9)

یہ محصورین کے لیے سخت آزمائش تھی۔ وہ شدید اذیت میں مبتلا تھے۔ وہ صرف حج کے موسم میں شعب ابی طالب سے باہر نکل سکتے تھے۔ ایک دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کھانے پینے کی اشیاء خریدنے کے لیے شعب ابی طالب سے نکلے تو ابو جہل نے ان پر حملہ کر دیا، لیکن اللہ نے انہیں بچا لیا۔ محصوری کے دوران میں مسلمانوں پر شدید مشکلات آن پڑی، وہ کیکر اور دوسرے درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتے تھے۔(10)

محصورین کے بچے بھوک کے مارے روتے اور بلکتے تھے۔ ان کی آوازیں شعب ابی طالب سے باہر بھی سنائی دیتی تھیں، لیکن مشرکین مکہ کو ان روتے بلکتے بچوں کی آوازیں سن کر بھی ترس نہ آتا، بلکہ وہ ان کے رونے پر خوش ہوتے تھے۔ کچھ لوگوں کی بیعت پر پی آواز میں گردن بھی گزرتی تھیں۔(11)

شعب ابی طالب میں حفاظت نبوی کا خصوصی اہتمام

شعب ابی طالب میں محصور ہونے کے بعد ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا خصوصی انتظام کیا۔ جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر چلے جاتے تو ابو طالب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے کہ آپ بھی اپنے بستر پر تشریف لے جائیں لیکن جب تمام لوگ سو جاتے تو اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک بیٹے کو یا اپنے بھائیوں میں سے کسی بھائی کو کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بستر پر جا کر سو جاؤ اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ کسی دوسرے بستر پر سلا دیتے تھے۔ وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ کوئی باغی اور سرکش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچانے پائے۔(12)

ابوجہل کی ابوالبختر ی کے ہاتھوں دھلائی

محاصرہ اس قدر سخت تھا کہ شعب ابی طالب میں کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ایک روز ابوجہل کی حکیم بن حزام سے ملاقات ہوئی۔ یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ان کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا جس نے کچھ گندم اٹھائی ہوئی تھی۔ یہ گندم وہ اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے لے کر جارہے تھے۔ابوجہل نے یہ معاملہ دیکھا تو طیش میں آ گیا۔کہنے لگا کیا تم کھانا لے کر بنو ہاشم کے پاس جاتے ہو؟ واللہ! تم اور تمہارا یہ کھانا یہاں اس مقام سے آگے نہیں جاسکتا، میں تمھیں رسوا کروں گا۔ اسی دوران میں ابوالبختر ی بن ہشام آ گیا۔اس نے ابوجہل کی یہ بات سن کر اس سے کہا: کیا تم اس کی پھوپھی کا کھانا روک رہے ہوتا؟ اسے چھوڑ دو۔ابوجہل ڈٹ گیا۔ابوالبختر ی نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی لے کر ابوجہل کو دے ماری۔اس کا سر زخمی کر دیا اور خوب ضربیں لگائیں۔حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قریب کھڑے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔(13)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زبان سے داستان ظلم کا اظہار

اس محصوری کی داستان ظلم سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی سنائی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن شدید بھوک میں مبتلا تھا۔رات کا وقت تھا، میرا پاؤں کسی گیلی چیز پر آ گیا۔میں نے اسے اٹھایا اور کھایا۔ مجھے اتنا بھی ہوش نہ تھا کہ اتنا ہی معلوم کر لیتا کہ وہ کیا چیز ہے؟ آج تک مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ میں کیا چیز کھا گیا تھا۔ایک دوسرا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے ایک خشک چاۓ کا ایک ٹکڑا میسر آیا۔میں نے اسے اٹھا کر دھویا اور اسے آگ میں جلا کر باریک کر لیا، پھر اس سفوف کو پانی کے ساتھ کھایا پھر میں تین دن تک اسی سفوف کو پانی کے ساتھ کھاتا رہا۔(14)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتی سرگرمیاں

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قید میں رہنے والے بنو ہاشم اور بنو مطلب نہایت مشکل حالات سے گزر رہے تھے، اس کے باوجود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین اسلام کی دعوت دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصائب اور انتہائی خطرناک حالات میں بھی عیاں اور نہاں طور پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے؟(15)

دیمک کا عہد نامے کو چاٹ لینا

کفار مکہ نے جو ظالمانہ عہد نامہ لکھ کر کعبہ کے اندر لگایا تھا وہ بظاہر تو محفوظ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سفا کانہ دستاویز پر دیمک مسلط کر دی۔دیمک نے اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا ساری عبارت کو چاٹ لیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے

سے اس بات کی خبر دے دی گئی۔ آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو بتایا کہ ظالمانہ عہد نامے کو دیمک نے چاٹ لیا ہے اور اس میں اب سوائے اللہ کے نام سے کوئی عبارت باقی نہیں۔ دیمک نے ظلم، قطع رحمی اور بہتان کی عبارت کا صفایا کر دیا ہے۔ ابو طالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ کو اس بات کی خبر اللہ رب العزت نے دی ہے؟ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں ابو طالب نے یہ اطلاع اپنے بھائیوں کو دی اور بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گئے، قریشیوں سے ملے اور کہنے لگے اے قریشیو میرے بھتیجے نے مجھے ایک خبر دی ہے، اس نے زندگی بھر کذب بیانی سے کام نہیں لیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس عہد نامے پر دیمک مسلط کر دی ہے اور اس دیمک نے عہد نامے میں لکھی ہوئی ظلم و زیادتی اور قطع رحمی والی تمام شقوں کو چاٹ لیا ہے، اب اس میں صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ یقیناً میرا بھتیجا سچا ہے۔ اب تم اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ تم اس عہد نامے کو نکال لاؤ۔ اگر میرے بھتیجے کی بات جھوٹی ہوئی تو پھر تمھیں اختیار ہوگا کہ تم اسے قتل کر دو یا زندہ چھوڑ دو۔ یقیناً تم ہمارے ساتھ انصاف کرو گے۔ کفار نے کہا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ انھوں نے صحیفہ لانے کے لیے ایک شخص کو بھیجا، جب وہ لے کر آیا اور اسے کھولا گیا، دیکھا تو اس کی ٹھیک وہی حالت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی تھی۔ مشرکین مکہ نے جب یہ دیکھا تو شرم کی وجہ سے ان کے سر جھک گئے۔

کفار مکہ نے اس معجزے کے بارے میں مسلمانوں سے کہا یہ تو تمہارے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جادو ہے۔

اس عہد نامے کو دیکھنے کے بعد ان کے شر اور ظالمانہ رویے میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں پر اور زیادتی شروع کر دی۔

ابو طالب قریش سے کہنے لگے ہمیں کیوں محصور کر رکھا ہے؟ پھر ابو طالب اور ان کے ساتھی کعبہ کے پردوں کی اوٹ میں کھڑے ہو کر کہنے لگے اے اللہ ان لوگوں کے خلاف ہماری مدد فرما جنھوں نے ہم پر ظلم کیا اور قطع رحمی کی، ظلم حرام تھا مگر انھوں نے اسے ہم پر حلال رکھا، پھر ابو طالب شعب ابی طالب کی طرف چلے گئے۔ (16)

ابو طالب اور قصیدہ لامیہ

جناب ابو طالب ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ انھوں نے شعب ابی طالب کی محصوری کے تناظر میں ایک زبردست قصیدہ کہا۔ اس کے شعروں کا اختتام حرف لام پر ہوتا ہے، اس لیے اسے ''قصیدۂ لامیہ'' کہا جاتا ہے۔ اس قصیدے کا ایک مشہور شعر ہے۔

وأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ اليتمٰى عصْمة للأرامل (17)

''وہ بے حد خوبصورت اور روشن چہرے والا ہے، اس کے چہرے کے ذریعے سے بارش کی دعا کی جاتی ہے اور وہ یتیموں کا محافظ اور بیواؤں کے لیے عصمت کا پیغام ہے۔''

ہشام بن عمرو کا کارنامہ

کفارِ مکہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو چاہتے تھے کہ یہ ظالمانہ معاہدہ نہ ہوں، لیکن جب یہ معاہدہ طے پا گیا اور صورت حال ان سے برداشت نہ ہوئی تو انھوں نے اس معاہدے کو توڑنے کا عزم کرلیا۔ چنانچہ اس کام کے لیے ہشام بن عمرو بن ربیعہ عامری اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ زہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس گیا۔ زہیر کی والدہ عاتکہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ ہشام کہنے لگا۔ اے زہیر! کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو، عورتوں سے نکاح کرو، جبکہ تمہارے ماموؤں کی حالت یہ ہے کہ تم ان کے ہاتھ کوئی چیز نہ بیچو نہ ان سے کچھ خریدو، نہ تم ان سے رشتہ لو اور نہ انھیں رشتہ دو؟ میں حلفاً کہتا ہوں کہ اگر کوئی تمہارے ماموں ابوالحکم بن ہشام سے تمہیں قطع تعلقی کی دعوت دیتا تو تم اسے ہرگز قبول نہ کرتے۔

اس پر زہیر کہنے لگا افسوس! میں تو اکیلا شخص ہوں۔ اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا مل جائے تو میں اس عہد نامے کو چاک کردوں۔ ہشام بولا تم نے دوسرا شخص پا لیا ہے۔ زہیر نے پوچھا: وہ کون ہے؟ ہشام نے بتایا کہ میں ہوں۔ زہیر نے کہا: پھر تو ہمیں تیسرا شخص بھی تلاش کرنا چاہیے۔

ہشام بن عمرو یہاں سے فارغ ہو کر مطعم بن عدی کی طرف چل دیا اس سے ملا اور کہنے لگا: کیا تم سے یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سامنے عبد مناف کی دو شاخیں ہلاک ہو جائیں، جبکہ تم اس معاملے میں قریش کی موافقت کر رہے ہو؟ واللہ! اگر تم نے انھیں ایسا کرنے دیا تو پھر تم دیکھو گے کہ وہ تمہارے اس بہاؤ کے سبب اور زیادہ جری ہو جائیں گے۔

مطعم کہنے لگا: افسوس میں تو اکیلا ہوں۔ ہشام نے کہا تم نے دوسرا شخص پا لیا۔ مطعم نے پوچھا: وہ کون ہے؟ ہشام بولا: میں ہوں۔ مطعم کہنے لگا پھر تو ہمیں تیسرا شخص تلاش کرنا چاہیے۔ ہشام نے کہا وہ بھی میں نے تیار کرلیا ہے۔ مطعم نے پوچھا وہ کون ہے؟ ہشام نے کیا زہیر بن ابی امیہ۔ مطعم کہنے لگا: اب ہمیں چوتھا شخص تلاش کرنا چاہیے۔

اس کے بعد ہشام بن عمرو ابوالبختر ی بن ہشام کی طرف چل دیا۔ اس سے وہی بات کی جو مطعم بن عدی سے کی تھی۔ ابوالبختر ی کہنے لگا۔ کیا اس معاملے میں کوئی اور شخص بھی ہماری مدد کرے گا؟ ہشام نے کہا ہاں! ابوالبختر ی نے پوچھا: وہ کون ہے؟ ہشام نے کہا: زہیر بن ابی امیہ مطعم بن عدی اور میں۔

ابوالبختر ی کہنے لگا: پھر ہمیں پانچواں شخص بھی تلاش کرنا چاہیے۔ ہشام بن عمرو زمعہ بن اسود کی طرف چل دیا۔ اس

سے بات کی اور اسے ان کی قرابت داری کا حق جتایا۔ زمعہ نے پوچھا کیا اس معاملے میں کوئی اور بھی ساتھ ہے؟ ہشام نے کہاہاں پھر اس نے سب کے نام بتادیے۔

معاہدہ چاک کرنے پر اتفاق

اب ان لوگوں نے طے کرلیا کہ مشورے کے لیے رات کے وقت حجون کی فلاں جگہ پر اکٹھے ہوں گے۔ چنانچہ یہ سب رات کے وقت حجون کے مقام پر اکٹھے ہو گئے۔ وہاں انھوں نے متفقہ طور پر یہ بات طے کرلی کہ چاہے کچھ بھی ہو، ہم اس ظالمانہ عہد کو ختم کر کے ہی رہیں گے۔ زہیر نے کہا اس کام کا آغاز میں کروں گا۔ میں کل صبح کے وقت بیت اللہ کے صحن میں کھڑے ہو کر اس عہد نامے کو باطل قرار دے کر اسے منسوخ کرنے کا اعلان کردوں گا۔

صبح ہوئی تو قریش کے سردار حسب عادت حرم میں اپنی مجلسیں لگا کر بیٹھ گئے۔ ادھر سے زہیر بن ابی امیہ بیت اللہ کے صحن میں داخل ہوا۔ اس نے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور بلند آواز سے کہنے لگا: مکہ کے باسیو! ہم مختلف قسم کے کھانے کھائیں اور زرق برق لباس پہنیں، ادھر بنو ہاشم ہلاک ہو رہے ہیں، نہ ان سے کوئی چیز خریدی جارہی ہے، نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز نہ بیچی جارہی ہے۔ واللہ! آج میں ہرگز چین سے نہیں بیٹھوں گا، جب تک اس ظالمانہ اور قطع رحمی پر مشتمل عہد نامے کو چاک نہ کر دیا جائے، میں اس کے خلاف ڈٹا رہوں گا۔

ابوجہل بیت اللہ کے صحن کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا زہیر بن ابی امیہ کی بات سن کر وہ کہنے لگا: تمہاری بات غلط ہے، یہ عہد نامہ چاک نہیں کیا جائے گا۔ ادھر سے زمعہ بن اسود بولا: واللہ تم سب سے بڑے جھوٹے ہو اور جب یہ عہد نامہ لکھا گیا تھا تو ہم اس وقت بھی اس پر راضی نہیں تھے۔ اس کے ساتھ بھی ابوالبختر ی نے کہا: زمعہ ٹھیک کہتا ہے۔

جب یہ عہد نامہ لکھا گیا تو ہم اس سے خوش نہیں تھے، ہم نے اس کی تصدیق نہیں کی تھی۔ دوسری طرف سے مطعم بن عدی بولا تم دونوں بھی ٹھیک کہتے ہو اور اس کے علاوہ جو بھی ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔ ہم اس عہد نامے سے بری ہوتے ہیں اور جو کچھ اس میں لکھا گیا تھا اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آخر میں ہشام بن محمد کہنے لگا جو کچھ ان لوگوں نے کہا ہے، میرا بھی وہی موقف ہے۔

معاہدہ چاک ہوگیا

ابوجہل نے ان پانچوں کی گفتگو سنی تو کہنے لگا اس بات کا فیصلہ رات کے وقت ہوا ہے اور کسی دوسری جگہ پہلے سے مشورہ

کیا گیا ہے۔ابو طالب بھی بیت اللہ کے صحن میں ایک کونے میں بیٹھے تھے۔مطعم بن عدی ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تا کہ اس عہد نامے کو پھاڑ ڈالے، دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں تو سوائے اللہ کے نام کے ساری عبارت دیمک نے چاٹ لی ہے۔(18)

عہد نامہ چاک کرنے والوں کا تعارف

اس ظالمانہ عہد نامے کو توڑنے میں سب سے پیش پیش اور بنیادی کردار ادا کرنے والا شخص ہشام بن عمرو تھا۔اس کا نام ونسب یہ ہے ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی بن غالب قرشی عامری۔یہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔تالیف قلبی کے طور پر نبی کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر انھیں سو اونٹ مرحمت فرمائے۔(19)

اس ظالمانہ صحیفے کو چاک کرنے میں دوسرا شخص زبیر بن ابی امیہ شامل تھا۔اس کا نام ونسب یہ ہے۔امیر ان اپنی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔زبیر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور نامور صحابہ میں سے تھے۔غزوہ حنین کے موقع پر جن لوگوں کی تالیف قلبی کی گئی،ان میں یہ بھی شامل تھے۔(20)

تیسرا شخص جس نے عہد نامے کو ختم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا وہ مطعم بن عدی ہے۔اس کا نسب نامہ یہ ہے مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف۔مطعم بن نوفل کا رئیس تھا اور حرب فجار میں ان کی قیادت کر رہا تھا۔اس نے طائف سے واپسی پر رسول مکرم ﷺ کو پناہ دی تھی۔عمر کے آخری حصے میں بینائی جاتی رہی۔غزوہ بدر سے پہلے ہی وفات پا گیا۔(21)

عہد نامے کو چاک کرنے میں مدد کرنے والا چوتھا شخص ابوالبختری تھا۔اس کا نسب نامہ یہ ہے۔عاص یا عاصی بن ہشام بن حارث بن اسد بن عبدالعزی۔اس کی کنیت ابوالبختری تھی اس کنیت سے معروف تھا۔یہ بھی قریش کے سرداروں میں سے تھا۔جنگ بدر کے موقع پر رسول رحمت ﷺ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ مشرکین میں سے کسی کو امان حاصل نہیں سوائے ابوالبختری کے۔اگر کسی مسلمان نے اسے گرفتار کیا ہے تو اسے چھوڑ دے، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے اسے امان دے رکھی ہے،لیکن جب اسے تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ قتل کیا جا چکا ہے۔(22)

پانچویں شخص زمعہ بن اسود بن عامر قرشی ہیں۔ان کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا۔انھیں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔انھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ اجنادین کے موقع پر امیر لشکر مقرر کیا تھا۔

عہد نامہ چاک کرنے والوں کے تعارف کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان پانچ اشخاص میں سے تین مشرف بہ اسلام ہوئے۔جن میں سے حضرت ہشام اور زبیر رضی اللہ عنہما کا ایک روایت میں ذکر ہوا اور دوسری روایت میں حضرت زمعہ رضی اللہ عنہ

کا ذکر ہوا، جبکہ مطعم بن عدی اور ابوالبختری اسلام کی دولت سے محروم رہے۔مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے موقع پر ان دونوں کے احسان کو یاد رکھا۔اس ظالمانہ عہد نامے کے خلاف آواز اٹھانے والوں میں عدی بن قیس کا بھی ذکر ملتا ہے۔

محاصرے کا خاتمہ

تین سال کے سخت محاصرے کے بعد بنومطلب اور بنو ہاشم کو رہائی نصیب ہوئی۔اس وقت نبوت کا دسواں سال تھا۔ یہ ہجرت سے تین سال قبل کی بات ہے۔(23)

ظالمانہ معاہدہ ختم کروانے والے افراد اسلحہ سے لیس ہو کر جومطلب اور بنو ہاشم کے پاس گئے اور ان سے کہا: تم اپنے گھروں میں واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ بنومطلب اور بنو ہاشم شعب ابی طالب سے نکل کر اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ قریش مکہ نے یہ منظر دیکھا تو شرمندگی سے ان کے سر جھک گئے اور انھیں کامل یقین ہو گیا کہ یہ لوگ کسی صورت حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے سپرد نہیں کریں گے۔(24)

معجزہ شق القمر

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مشرکوں کا ایک گروہ آیا جس میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبد المطلب اور نضر بن حارث بھی تھے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ واقعی سچے ہیں تو اپنی سچائی کے ثبوت میں چاند دو ٹکڑے کر کے دکھائیں، اس طرح کہ اس کا ایک ٹکڑا قبیس کی پہاڑی پر اور دوسرا ٹکڑا قعیقعان پر ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اگر ایسا ہو گیا تو کیا تم لوگ ایمان لے آؤ گے؟ کہنے لگے ہاں! وہ رات چودھویں تھی اور چاند آسمان پر پورے آب تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! ان مشرکوں کا سوال پورا فرما دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلی سے اشارہ کیا تو چاند اسی طرح دو ٹکڑے ہو گیا جس طرح کافروں نے کہا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوسلمہ اور ارقم اس پر گواہ رہنا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے ص ۲۶۱ ج ۴ میں سورہ قمر کی پہلی آیت اقترب الساعۃ وانشق القمر کے حوالہ سے اس بات پر امت کا اجماع ذکر کیا ہے کہ یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزۂ شق القمر کے بارے میں ہے۔

عام الحزن (غم کا سال)

ابو طالب کی وفات

رسول کریم ﷺ کے چچا جناب ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی کفالت اور نگہداشت کی۔ بعد از نبوت تا دمِ آخر آپ ﷺ کی نصرت، حفاظت اور حمایت ان کی زندگی کا ایک روشن باب ہے۔ ان کی موجودگی میں مشرکین آپ کو بالعموم تکالیف دینے سے گریز کرتے تھے۔ زبیر بن عبد المطلب اور سردار ابو طالب رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد جناب عبد اللہ کے حقیقی بھائی تھے۔ ابو طالب کا نام عبد مناف تھا۔ طالب نامی بیٹے کی نسبت سے ان کی کنیت ابو طالب مشہور ہوئی۔ جناب ابو طالب حمایت نبوی کے قابل قدر جذبات رکھتے تھے۔ مگر دوسری طرف نبی کریم ﷺ کی از حد خواہش کے باوجود تقدیر غالب آ کر رہی اور سردار ابو طالب کی وفات یہ پیغام دے گئی کہ رسول اللہ ﷺ کی سے نسبت اور رشتے کی محبت کے ساتھ ساتھ ایمانی محبت کی بھی ضرورت ہے۔ تاہم ابو طالب کی فطری محبت نے بھی اللہ عزوجل کے ہاں کچھ نہ کچھ مقام ضرور حاصل کیا۔ جیسا کہ قارئین زیر نظر مضمون میں پڑھیں گے۔

سردار ابو طالب کی قریش کو آنحضرت ﷺ کے متعلق وصیت

سردار ابو طالب نے وفات سے قبل قریش کو اکٹھا کر کے عرب کے رائج دستور کے مطابق انھیں یہ وصیت کی: اے قریش کی جماعت تم اللہ کی مخلوق میں سے چنے ہوئے لوگ ہو۔ تم عرب کے دل ہو، تم میں قابل اطاعت بادشاہ بہادر سپہ سالار اور شہسوار موجود ہیں۔ عرب کی کوئی قابل ذکر چیز ایسی نہیں جس کے تم حامل نہ ہو اور کوئی ایسی قابل فخر چیز نہیں جو تم سے چھوٹ گئی ہو۔ اسی وجہ سے تمھیں تمام لوگوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے اور سب اپنے معاملات میں تمھارے محتاج ہیں۔ اس لیے حریف لوگ تمھارے مخالف ہیں اور تمھارے خلاف برسرِ پیکار رہنے کے لیے متحد ہیں۔ میں تمھیں بیت اللہ کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں۔ اس میں رب تعالیٰ کی رضا ہے۔ یہی عمل معاشی حالت سدھارنے کا ذریعہ ہے اور اس عمل سے حریف کو زیر کیا جا سکتا ہے۔ صلہ رحمی کرنا اور قطع تعلقی کے مرتکب نہ ہوتا۔ صلہ رحمی سے عمر بڑھتی ہے اور دفاعی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ سرکشی اور والدین کی نافرمانی ترک کر دو، ان کاموں کی وجہ سے سابقہ اقوام تباہ ہوئیں۔ داعی کی دعوت قبول کرنا اور سائل کو کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹانا، یہ دونوں خوبیاں زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی عزت کا باعث ہیں۔ سچ بولنے اور امانت کی ادائیگی کو اپنا شعار بنانا۔ انھی خوبیوں سے خاص و عام میں مقبولیت اور ہر دلعزیزی نصیب ہوگی۔

بلاشبہ میں تمھیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ خیر خواہی اور اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ قریش کے امین اور عرب کے سچے ترین انسان ہیں۔ جن اچھی صفات کی میں نے تمھیں وصیت کی ہے وہ ان میں سب سے بڑھ کر موجود ہیں۔ وہ تمھارے پاس ایسا پیغام لے کر آئے ہیں جسے دل قبول کرتے ہیں، لیکن عار کی وجہ سے زبان انکار کرتی ہے۔ اللہ کی قسم میں محسوس کر رہا ہوں کہ عرب کے بدحال لوگ، اردگرد کے نیک مزاج اور کمزور اشخاص ان کی دعوت قبول کر رہے ہیں۔ یہ لوگ ان کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔

یہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر فیصلہ کن کشاکش میں کود پڑے ہیں، جس سے انھیں قریش کی سرداری نصیب ہوگئی ہے اور قریش کے سرداران کے سامنے بے وقعت مکھیوں کے مانند ہیں جن کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ ان کے دیار ویران ہو چکے ہیں، جبکہ قریش کے کمزور لوگ بااختیار بن چکے ہیں۔ جتنا زیادہ کوئی نادار ہے وہ ان کے ہاں اسی قدر عظیم تر ہے، جبکہ صاحب ثروت ان کے نزدیک کم اہمیت کا حامل ہے۔

عرب کے لوگ دل و جان سے ان کے مطیع ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنی قیادت و سرداری انھی کے سپرد کر دی ہے۔ اے قریش! میرے بھتیجے کے متعلق سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا، ان کے مددگار بن کر رہنا اور ان کی قوت و تعداد میں اضافے کا سبب بننا۔ تم میں سے جو ان کے راستے پر چلے گا وہ رشد و ہدایت سے بہرہ مند ہوگا۔ جو ان کی تعلیمات کو اپنائے گا وہ خوش نصیب اور سعادت مند ہوگا۔ اگر میری زندگی میرا ساتھ دیتی اور مجھے کچھ مزید سانس لینے نصیب ہوتے تو میں ضرور ان پر ہونے والے حملوں کا دفاع کرتا اور ان کی مشکلات دور کرنے کی کوشش کرتا۔ (25)

وفات سردار ابوطالب

سردار ابوطالب نے 10 نبوی بمطابق 620ء کو وفات پائی۔ علامہ صالحی کہتے ہیں:

''شعب ابی طالب کا محاصرہ ختم ہوئے ابھی اٹھائیس دن بھی ہوئے تھے کہ سردار ابوطالب ہجرت مدینہ سے تین برس قبل ماہ شوال میں انتقال کر گئے۔'' (26)

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

سردار ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے از حد محبت کرتے تھے۔ وہ آپ کی خاطر زمانے کے فرعونوں سے ٹکرا رہے تھے۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیقہ حیات خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھریلو سطح پر آپ کی ہمت بندھائی تھیں۔ اللہ کی قدر

ہے کہ یہ دونوں شخصیات یکے بعد دیگرے داغ مفارقت دے گئیں۔ ابھی ابو طالب کی وفات کا لم تازہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کی جدائی کا صدمہ بھی سہنا پڑا۔

آپ ﷺ سے ہمدردی، خیر خواہی، محبت اور راحت میں دیگر ازواج کے مقابلے میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھی مقام بڑا نمایاں ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مال و جان سے نبی کریم ﷺ کی دعوت اور مشن میں مدد فرمائی۔ اپنے قبیلے اور اہل مکہ میں ان کا اثر و رسوخ آپ ﷺ کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ جس طرح جناب ابو طالب کا رعب و دبدبہ ہے اور قبائلی اثر و رسوخ رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان حائل تھا، اسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال و دولت اور قبیلے میں ان کی عزت و احترام بھی آپ ﷺ کے لیے ایک طرح کا حصار تھا لیکن رب تعالیٰ کی حکمت سے پر دونوں حصار کے بعد دیگرے ٹوٹ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور جناب ابو طالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ پر پے در پے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی بہت ہمدرد رفیقۂ حیات تھیں۔ آپ ﷺ ان کی طرف سے ہمیشہ آرام اور راحت پاتے تھے۔ (27)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کسی اور عورت سے شادی نہیں کی۔ (28)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حالت بیماری اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے دلجوئی

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مرض الوفات میں مبتلا تھیں کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم تکلیف محسوس کر رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تکلیف میں بھی بھلائی رکھی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے انھیں جنت کے انگوروں میں سے ایک انگور کھلایا۔ (29) اس کے بعد وہ رخصت ہو گئیں۔

تدفین

حضرت حکیم بن حرام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو مقام حجون میں دفنایا گیا۔ نبی اکرم ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور ان کی میت رکھوائی۔ اس وقت تک نماز جنازہ کا حکم نہیں ہوا تھا۔ (30)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دیگر خواتین پر فضیلت

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ(31)

''حضرت مریم علیہا السلام (اپنے زمانے میں) سب سے افضل عورت تھیں اور (اب موجودہ زمانے میں) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سب سے افضل خاتون ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد وَفَاطِمَةُ بنت محمد و آسية بنت مزاحم امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ(32)

''افضل ترین جنتی خواتین یہ ہیں خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہا، فرعون کی بیوی آسیہ مانت عزائم اور مریم بنت عمران علیہا السلام''

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں

پیغمبر اسلام ﷺ کی گیارہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ایک ام المومنین سیدہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ان کا نام نسب سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس ہے۔ام اسود ان کی کنیت تھی۔نویں پشت پر ان کا نسب آنحضرت ﷺ کے نسب مبارک سے جا ملتا ہے۔انھوں نے اور ان کے خاوند سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام کے بعد دوسری ہجرت حبشہ میں شرکت کی۔ پھر یہ دونوں مکہ واپس آ گئے۔ان کے خاوند کا انتقال ہو گیا۔اس کے بعد یہ آپ ﷺ کے حبالہ عقد میں آئیں۔ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سب سے پہلے انہی کو آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔اتنا ضرور ہے کہ ان سے قبل رسول مقبول ﷺ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے ہو چکی تھی، اس لیے بعض اہل علم نے آپ ﷺ کی ازواج کی ترتیب میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتے ہیں۔لیکن یہ حتمی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سید سودہ رضی اللہ عنہا کے بعد مدینہ میں ہوئی۔رخصتی کے اعتبار سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہی آپ ﷺ کی دوسری زوجہ محترمہ ہیں 54ھ میں ان کی مدینہ میں وفات ہوئی۔(34)

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا اسلام اور ہجرت حبشہ

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔یہ آغاز بعثت ہی میں دولت اسلام سے مشرف ہو گئی تھیں۔ان کے خاوند حضرت سکران بن محمد رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ان کے خاوند کے بھائی سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بھی فتح مکہ کے بعد شرف صحابیت حاصل ہوا۔سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کی خاطر ہجرت جیسا پر مشقت سفر بھی اختیار کیا۔

اپنے خاوند کے ہمراہ دوسری ہجرت حبشہ کی ۔ بعد میں اپنے شوہر کے ساتھ ہی حبشہ سے مکہ واپس لوٹ آئیں اور یہیں ان کے خاوند نے وفات پائی ہے۔(35)

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے حبالہ عقد میں

آنحضرت ﷺ کی غمگسار رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دنیا سے رخصت ہوگئیں۔اس پر آپ ﷺ خاصے رنجیدہ تھے۔حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کی پریشانی برداشت نہ ہوئی۔ایک روز یہ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ شادی کے آرزومند نہیں؟ آپ ﷺ نے پوچھا: کسی عورت کا رشتہ آیا ہے؟ انھوں نے عرض کی: بیوہ کا رشتہ بھی ہے اور کنواری کا بھی۔آپ ﷺ نے پوچھا کہ کنواری کون ہے؟ حضرت خولہ میں نے بتایا کہ آپ کے محبوب ترین ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی لخت جگر عائشہ رضی اللہ عنہا۔آپ اللہ نے پوچھا کہ بیوہ کون ہے؟ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا۔وہ آپ ﷺ پر ایمان بھی رکھتی ہیں اور آپ کی اطاعت گزار ہیں۔آپ ﷺ نے حضرت خولہ کو ان دونوں کے گھر والوں سے بات کرنے کا فرمایا۔آپ ﷺ کی رضامندی پر حضرت خولہ میں نے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور پھر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے والدین سے بات کی۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ عزوجل نے تمھیں کس قدر خیر و برکت سے نوازدیا ہے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے استفسار پر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمھارے رشتے کے لیے بھیجا ہے۔حضرت سودہ رضی اللہ عنہم نے اپنے والد سے بات کرنے کا کہا۔ان کے والد خاصے عمر رسیدہ تھے۔حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے ان سے آنحضرت ﷺ کے لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے رشتے کی بات کی۔اس پر ان کے والد بہت خوش ہوئے اور اسی وقت اپنی بیٹی کے لیے رسول مقبول ﷺ کا رشتہ قبول کرلیا۔اپنی بیٹی سے اس بارے میں بات کی تو سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی اظہار آمادگی کیا۔ مقررہ دن پر آنحضرت ﷺ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور نکاح کے بعد انھیں اپنی رفیقہ حیات بنا کر اپنے گھر لے آئے۔(36)

یہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے نہایت پر مسرت لمحات تھے۔انھیں امام الانبیاء ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا اور انھیں ام المومنین جیسے وصف سے نوازا گیا۔سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دس نبوی میں سرور کونین ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔ بعد میں انھوں نے ہجرت مدینہ بھی کی۔(37)

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے دو خواب

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند حضرت سکران رضی اللہ عنہ کی زندگی میں خواب دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سکران رضی اللہ عنہ کی گردن روند کر آگے تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ خواب انھوں نے اپنے شوہر کو بتلایا۔ انھوں نے تعبیر یہ نکالی کہ خواب سچا ہونے کی صورت میں میری وفات ہو جائے گی اور تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس تعبیر کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آنے کو محال خیال کرتی تھیں۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو ایک اور خواب آیا کہ آسمان سے چاند ٹوٹ کر ان کے اوپر آپڑا ہے۔ ان کے خاوند نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ میں جلد ہی اس دنیا سے چلا جاؤں گا اور تم میرے بعد شادی کر لوگی۔ پھر ایسے ہی ہوا۔ ان کے خاوند انتقال کر گئے اور انھیں سرتاج رسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفیقہ حیات ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

حوالہ جات

1۔ اطلس العالم، ص16
2۔ المعالم الاثیرہ، محمد حسن شراب، ص150
3۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج1ص209
4۔ البلاذری، الانساب الاشراف: ج1ص266، 267
5۔ الصالحی، سبل الہدیٰ، ج2ص377
6۔ دلائل النبوۃ، ابونعیم، ص161
7۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ج2ص350
8۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ج2ص350
9۔ السہیلی، الروض الانف، ج2ص143
10۔ السہیلی، الروض الانف، ج2ص143
11۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج1ص209
12۔ البیہقی، دلائل النبوۃ، ج2ص312
13۔ ابن ہشام، السیرہ النبویۃ، ج1ص354
14۔ السہیلی، الروض الانف، ج2ص189
15۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ج2ص57
16۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج1ص209
17۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج1ص276
18۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج1ص375
19۔ ابن حجر، الاصابہ، ج11ص234
20۔ ابن حجر، الاصابہ، ج4ص43
21۔ البلاذری، انساب الاشرف، ج1ص173
22۔ البلاذری، انساب الاشرف، ج1ص165
23۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج1ص210
24۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج1ص210
25۔ السہیلی، الروض الانف، ج2ص252
26۔ الصالح، سبل الہدیٰ، ج2ص428
27۔ ابن اسحاق، السیرہ النبویۃ، ص271
28۔ صحیح مسلم: 2436
29۔ الزرقانی، شرح المواہب، ج2ص49
30۔ ابن حجر، الاصابہ، ج13ص321
31۔ بخاری: 3820
32۔ بخاری: 3815
33۔ بخاری: 3815
34۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج8ص54
35۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج8ص53
36۔ مسند احمد بن حنبل: 25769
37۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج8ص53

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کے ساتھ کیا معاملہ کیا جب ابو جہل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچائی؟

....

....

2. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا دعا مانگی تھی؟

....

....

3. ابولہب نے بنو ہاشم سے علیحدگی کیوں اختیار کی؟

....

....

4. ابوالبختری کون تھا اس نے ابو جہل کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

....

....

5. شعب ابی طالب کا محاصرہ کب ختم ہوا؟

....

....

6. سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بیماری میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کیسے دلجوئی فرمائی؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. . . . کے جوش میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے بدلہ بھی لے لیا

جوانی ☐ رشتہ داری ☐ نفس ☐ دوستوں ☐

2. وہاں انہیں حضرت......سورہ طٰہٰ پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے

حمزہ ☐ خباب بن ارت ☐ ابوبکر ☐ عمر ☐

3. . . . نے اسلام کی خاطر ہجرت جیسا پر مشقت سفر بھی اختیار کیا۔

سیدہ خدیجہ ☐ سیدہ سودہ ☐ سیدہ فاطمہ ☐ سیدہ ام سلمہ ☐

4. ابوطالب کا نام تھا۔

عبدود ☐ عبدہشام ☐ عبدمطلب ☐ عبدمناف ☐

5. اللہ تعالیٰ نے اس عہدنامے پر مسلط کردی ہے

جوئیں ☐ بھڑ ☐ چچڑی ☐ دیمک ☐

6. اس......کوشعب ابی یوسف، شعب بنی ہاشم اور شعب علی بھی کہا جاتا ہے۔

کنارے ☐ باغ ☐ نہر ☐ کھائی ☐

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا گھر جہاں شادی کے بعد سے ہجرت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقیم رہے

سبق نمبر 08

سفر معراج

خلاصۂ سبق

ماہ رجب کی ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے اس سفر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سمیت بے شمار فرشتے آپ کے ہم رکاب تھے۔ جاتے ہوئے بیت المقدس میں سب انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کروائی۔ پھر بیت المقدس سے آسمان پر تشریف لئے گئے جہاں ہر آسمان پر انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ اور سدرۃ المنتہی پر اللہ رب العزت سے ملاقات وہم کلام ہونے کا شرف ملتا ہے۔ جنت کے مناظر اور جہنمیوں کے سزا کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور اسی سفر میں پانچوں نمازیں فرض کی گئیں۔ سفر معراج جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک عظیم سفر تھا مشرکین مکہ کے لئے عجیب تر تھا۔ جتنے منہ اتنی باتیں......ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بلا تردد تصدیق کر کے صدیق لقب پاتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا کم وکاست تسلیم کر کے صحابیت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

معراج کی رات کس قدر پر کیف رات ہے مطلع بالکل صاف ہے فضاؤں میں عجیب سی کیفیت طاری ہے۔ رات آہستہ آہستہ کیف ونشاط کی مستی میں مست ہوتی جارہی ہے۔ ستارے پوری آب وتاب کے ساتھ جھلملا رہے ہیں۔ پوری دنیا پر سکوت وخاموشی کا عالم طاری ہے۔ نصف شب گزرنے کو ہے کہ یکا یک آسمانی دنیا کا دروازہ کھلتا ہے۔ انوار وتجلیات کے جلوے سمیٹے حضرت جبرائیل علیہ السلام نورانی مخلوق کے جھرمٹ میں جنتی براق لئے آسمان کی بلندیوں سے اتر کر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے ہیں۔ جہاں ماہ نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محو خواب ہیں۔ آنکھیں بند کئے، دل بیدار لئے آرام فرما رہے ہیں۔

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ہاتھ باندھ کر کھڑے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ اگر آواز دے کر جگایا گیا تو بے ادبی ہوجائے گی۔فکر مند ہیں کہ معراج کے دولہا کو کیسے بیدار کیا جائے؟ اسی وقت حکم ربی ہوتا ہے یا جبریل قبل قدمیہ اے جبریل! میرے محبوب کے قدموں کو چوم لے تاکہ تیرے لبوں کی ٹھنڈک سے میرے محبوب کی آنکھ کھل جائے۔اسی دن کے واسطے میں نے تجھے کافور سے پیدا کیا تھا۔حکم سنتے ہی جبرائیل امین علیہ السلام آگے بڑھے اور اپنے کافوری ہونٹ محبوب دو عالم حضرت محمد ﷺ کے پائے ناز سے مس کردیئے۔یہ منظر بھی کس قدر حسین ہوگا جب جبریل امین علیہ السلام نے فخر کائنات حضرت محمد ﷺ کے قدموں کو بوسہ دیا۔حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ہونٹوں کی ٹھنڈک پا کر حضور ﷺ بیدار ہوتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں اے جبرائیل! کیسے آنا ہوا؟ عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ! (ﷺ) خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے بلاوے کا پروانہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَاقَ اِلٰی لِقَائِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!

''یارسول اللہ (ﷺ)! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے''۔

آپ تشریف لے چلئے! زمین سے لے کر آسمانوں تک ساری گزرگاہوں پر مشتاق دید کا ہجوم ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔(1)

چنانچہ آپ ﷺ نے سفر کی تیاری شروع کی۔اس موقع پر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا اور دل کو دھویا۔حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے میرا سینہ چاک کیا۔سینہ چاک کرنے کے بعد میرا دل نکالا پھر میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان وحکمت سے لبریز تھا۔اس کے بعد میرے دل کو دھویا گیا پھر وہ ایمان وحکمت سے لبریز ہوگیا۔اس قلب کو سینہ اقدس میں اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا۔(2)

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سینہ چاک کرنے کے بعد قلب مبارک کو زم زم کے پانی سے دھویا اور سینہ مبارک میں رکھ کر سینہ بند کردیا۔(3)

حضرت جبرائیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قلب ہر قسم کی کجی سے پاک اور بے عیب ہے اور اس میں دو آنکھیں ہیں جو دیکھتی ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں۔(4)

سینہ اقدس کے شق کئے جانے میں کئی حکمتیں ہیں۔جن میں ایک حکمت یہ ہے کہ قلب اطہر میں ایسی قوت قدسیہ شامل ہوجائے جس سے آسمانوں پر تشریف لے جانے اور عالم سماوات کا مشاہدہ کرنے بالخصوص دیدار الٰہی کرنے میں کوئی

دقت اور دشواری پیش نہ آئے۔ پھر آپ ﷺ کے سرانور پر عمامہ باندھا گیا۔ علامہ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شب معراج حضرت محمد ﷺ کو جو عمامہ شریف پہنایا گیا وہ عمامہ مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے سات ہزار سال پہلے کا تیار کیا ہوا تھا۔ چالیس ہزار ملائکہ اس کی تعظیم وتکریم کے لئے اس کے ارد گرد کھڑے تھے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سرورکونین حضرت محمد ﷺ کو نور کی ایک چادر پہنائی۔ زمرد کی نعلین مبارک پاؤں میں زیب تن فرمائی، یاقوت کا کمربند باندھا۔(5)

حضور ﷺ نے براق کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: سینہ سرخ یاقوت کی مانند چمک رہا تھا، اس کی پشت پر بجلی کوندتی تھی، ٹانگیں سبز زمرد، دُم مرجان، سر اور اس کی گردن یاقوت سے بنائی گئی تھی۔ بہشتی زین اس پر کسی ہوئی تھی جس کے ساتھ سرخ یاقوت کے دو رکاب آویزاں تھے۔ اس کی پیشانی پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ وقت بھی آ گیا کہ سرور کونین حضرت محمد ﷺ براق پر تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رکاب تھام لی۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے لگام پکڑی۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے زین کو سنبھالا۔ حضرت امام کاشفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات اسی ہزار فرشتے حضور ﷺ کے دائیں طرف اور اسی ہزار بائیں طرف تھے۔(6)

فضا فرشتوں کی درود وسلام کی صداؤں سے گونج اٹھی اور آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ درود وسلام کی گونج میں سفر معراج کا آغاز فرماتے ہیں۔ اس واقعہ کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا(7)

''وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد ونواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂِ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں''۔

آپ ﷺ نہایت شان وشوکت سے ملائکہ کے جلوس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ یہ گھڑی کس قدر دلنواز تھی کہ جب مکاں سے لامکاں تک نور ہی نور پھیلا ہوا تھا، سواری بھی نور تو سوار بھی نور، باراتی بھی نور تو دولہا بھی نور، میزبان بھی نور تو مہمان بھی نور، نوریوں کی یہ نوری بارات فلک بوس پہاڑیوں، بے آب وگیاہ ریگستانوں، گھنے جنگلوں، چٹیل میدانوں، سرسبز وشاداب وادیوں، پرخطر ویرانوں پر سے سفر کرتی ہوئی وادی بطحا میں پہنچی جہاں کھجور کے بیشمار درخت ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ حضور یہاں اتر کر دو رکعت نفل ادا کیجئے یہ آپ کی ہجرت گاہ مدینہ طیبہ ہے۔نفل کی ادائیگی کے بعد پھر سفر شروع ہوتا ہے۔راستے میں ایک سرخ ٹیلا آتا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میں سرخ ٹیلے سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے اور وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے ہیں۔پھر دیکھتے ہی دیکھتے بیت المقدس بھی آ گیا جہاں قدسیوں کا جم غفیر سلامی کے لئے موجود ہے۔حور وغلماں خوش آمدید کہنے کے لئے اور تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ومرسلین استقبال کے لئے بے چین و بے قرار کھڑے تھے۔حضور ﷺ اس مقام پر تشریف فرما ہوئے جسے باب محمد (ﷺ) کہا جاتا ہے۔حضرت جبریل علیہ السلام ایک پتھر کے پاس آئے جو اس جگہ موجود تھا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس پتھر میں اپنی انگلی مار کر اس میں سوراخ کردیا اور براق کو اس میں باندھ دیا۔(8)

آفتاب نبوت حضرت محمد ﷺ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے ہیں۔صحن حرم سے فلک تک نور ہی نور چھایا ہوا ہے۔ ستارے ماند پڑ چکے ہیں،قدسی سلامی دے رہے ہیں،حضرت جبرائیل علیہ السلام اذان دے رہے ہیں،تمام انبیاء ورسل صف در صف کھڑے ہو رہے ہیں۔جب صفیں بن چکیں تو امام الانبیاء فخر دو جہاں حضرت محمد ﷺ امامت فرمانے تشریف لاتے ہیں۔تمام انبیاء ورسل امام الانبیاء کی اقتداء میں دو رکعت نماز ادا کر کے اپنی نیاز مندی کا اعلان کرتے ہیں۔ملائکہ اور انبیاء کرام سب کے سب سر تسلیم خم کئے ہوئے کھڑے ہیں۔بیت المقدس نے آج تک ایسا دلنواز منظر اور روح پرور سماں نہیں دیکھا ہوگا۔وہاں سے فارغ ہی عظمت ورفعت کے پرچم پھر بلند ہونے شروع ہوتے ہیں۔درود وسلام سے فضا ایک مرتبہ پھر گونج اٹھتی ہے۔سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ نوری مخلوق کے جھرمٹ میں آسمان کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

براق کا تعارف

''وہ سواری جس پر حضرت رسول اکرم ﷺ شب اسراء تشریف لے گئے تھے۔اپنی برق رفتاری کے باعث اسے براق کہا گیا ہے۔یہ لمبا تھا،اس کی کمر اور کان بھی لمبے تھے۔بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی معمولی رفتار یہ تھی کہ اس کا ہر قدم اس کی حد نظر تک کا فاصلہ طے کرتا تھا۔یہ بھی درج ہے ک براق کی پنڈلیوں پر پَر تھے جن کے ذریعے وہ اپنی ٹانگیں آگے بڑھاتا تھا۔ان الفاظ کا مطلب درحقیقت یہ ہے کہ براق اپنی ٹانگیں بہت سرعت سے چلا سکتا تھا۔صرف متاخر زمانے میں اسے حقیقی پروں سے مزین بتایا گیا ہے۔قلمی تصویروں (یا مرقعوں) میں اسے ہاتھوں پَر دار حیوان کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔قدیم زمانے ہی میں اسراء اور معراج دونوں کے بارے میں روایات باہم مختلط ہوگئی تھیں۔روایات

کے اس اختلاط کا اثر ''البراق'' کے تصور پر بھی پڑا جو آہستہ آہستہ ایک اڑنے والا گھوڑا بن کر رہ گیا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ، وَهُوَ دَابَّةٌ طَوِيلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُونَ الْبَغْلِ يَضَعُ مُنْتَهٰى طَرْفِهِ فَرَكِبْتُهُ حَتّٰى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ(9)

''میرے پاس براق لایا گیا، جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا جانور تھا۔ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی اس کا قدم ہوتا تھا۔ میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچا۔''

اس روایت میں اگر چہ صرف سفر اسراء براق پر کرائے جانے کا تذکرہ ہے لیکن اس سے معراج کا براق کے بغیر کروایا جانا لازم نہیں آتا، کیونکہ دیگر روایت میں ہے کہ معراج بھی اسی براق پر کرائی گئی۔ فرمان نبوی ہے۔

فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا

''مجھے اس پر سوار کیا گیا، پھر ہم چلے یہاں تک کہ آسمان دنیا تک ہی گئے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لگام ڈالا ہوا اور زین کسا ہوا براق نامی جانور لایا گیا، جو سفید رنگ کا تھا۔ جسامت کے لحاظ سے خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہوئے تو وہ بدکنے لگا جس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سرزنش کی:

أَبِمُحَمَّدٍ تَفْعَلُ هٰذَا؟ فَمَا رَكِبَكَ أَحَدٌ أَكْرَمُ عَلَى اللهِ مِنْهُ(10)

''کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح کر رہا ہے؟ تجھ پر تو اور کوئی ایسی ہستی سوار نہیں ہوئی جو ان سے بڑھ کر اللہ کے ہاں عزیز ہو۔''

یہ سن کر براق پسینے سے شرابور ہو گیا اور گھبرا کر آرام سے کھڑا ہو گیا۔

قریش پر معراج کی خبر کا اثر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو معراج کی شان ملی، وہ واقعہ حیرت انگیز تھی۔ منکرین اسلام کے لیے یہ خبر نہ صرف نا قابل قبول تھی بلکہ وہ اس خبر کو مسلمانوں کے لیے بھی آزمائش سمجھنے لگے۔ کفار مکہ دلائل کے میدان میں شکست خوردہ تھے لیکن اس واقعے سے انھوں نے کہا کہ ہم غالب آسکتے ہیں، چنانچہ وہ دل ہی دل میں خوش ہوئے کہ اب مسلمانوں کو لاجواب کرنے کا موقع آ گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس بات کا خدشہ تھا۔

ابوجہل کو اسراء کی اطلاع

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس رات مجھے اسراء کرائی گئی، اس کی صبح میں نے مکہ ہی میں کی ۔ مجھے پتہ تھا کہ اس بات پر لوگ میری تصدیق نہیں کریں گے۔ اس معاملے میں مجھ پر گھبراہٹ طاری تھی۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ ﷺ حرم میں ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ ابوجہل کا وہاں سے گزر ہوا۔ چلتے چلتے وہ بولا: کوئی نئی خبر ہے؟! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہاں ہے!" ابوجہل نے پوچھا کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔'' ابوجہل نے پوچھا: کہاں کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیت المقدس کی۔'' یہ سن کر ابوجہل نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا: پھر آپ واپس ہمارے ہاں بھی پہنچ گئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں!'' (11)

ابوجہل کا لوگوں کو اکٹھا کرنا

ابوجہل نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں آپ کی قوم کو حاضر کروں تو کیا آپ ان کے سامنے بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! ابوجہل نے وہاں مجلسیں جمائے بیٹھے لوگوں کو اونچی اونچی آواز لگائی اے کعب بن لؤی کے فرزندو جلدی آؤ۔ ابوجہل کی آواز سن کر سب لوگ جمع ہو گئے۔ ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اب بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔'' لوگوں نے پوچھا کہاں کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''بیت المقدس کی'' قوم نے کہا: تو پھر آپ واپس ہمارے بھی پہنچ گئے؟ رسول اللہ ﷺ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: ہاں۔ (12)

ابوجہل اور مطعم کا انکار

ابوجہل، مطعم بن عدی اور دیگر منکرین اسراء نے صرف عقل وعصبیت کی بنا پر نبی کریم ﷺ کے اس معجزے کا انکار کیا۔ ابوجہل نے لوگوں سے کہا۔ کیا تمھیں محمد (ﷺ) کی بات پر حیرت نہیں ہوئی؟ ان کا خیال ہے کہ یہ راتوں رات بیت المقدس جا کر صبح ہمارے پاس واپس آ گئے ہیں، جبکہ ہم میں سے کسی کو اگر وہاں جانا ہو تو جانے اور آنے میں دو مہینے لگتے ہیں۔ بھلا ایک ہی رات میں اتنی لمبی مسافت کس طرح سے کی جا سکتی ہے؟ (13)

مطعم بن عدی بھی ابوجہل کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہنے لگا، اس سے قبل جتنی بھی تمھاری باتیں تھیں، وہ سمجھ میں آتی تھیں لیکن اب کی بار تمھاری بات عقل سے بالا ہے۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم جھوٹے ہو، کیونکہ ہمیں

بیت المقدس جانے اور آنے کے لیے دو مہینے کا وقت درکار ہوتا ہے۔تم رات کے تھوڑے سے حصے ہی میں سب کچھ کر گزرنے کے دعویدار ہو؟ میں لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری بات ہرگز بھی نہیں ۔ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ تم اپنے تھوڑے سے وقت میں اتنی لمبی مسافت طے کرسکو۔(14)

واقعہ اسراء پر قریش کا ردعمل

رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے جب اس حقیقت کا اظہار کیا تو شور مچ گیا۔کوئی سیٹیاں بجانے لگا اور کوئی اس بات کو سراسر جھوٹ سمجھتے ہوئے سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور رو رو کر اظہار تعجب کرنے لگا۔(15)

سارے مشرکین کہنے لگے واللہ ! یہ تو انتہائی عجیب معاملہ ہے۔ اللہ کی قسم ! مکہ سے شام آمد و رفت میں دو ماہ لگ جاتے ہیں، جبکہ محمد (ﷺ) ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر واپس مکہ بھی آ گئے؟(16)

بیت المقدس رسول اللہ ﷺ کے روبرو

قریش کے جن لوگوں نے بیت المقدس دیکھا ہوا تھا، وہ بطور امتحان آپ ﷺ سے بیت المقدس کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بے تکے سوالات، اس پر اپنی پریشانی اور پھر اللہ عزوجل کی نصرت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ، فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ، قَالَ: " فَرَفَعَهُ اللهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، مَا يَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ.(17)

''میں حطیم میں موجود تھا اور قریش مجھ سے میرے سفر کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ وہ مجھ سے بیت المقدس کے متعلق ایسے سوال کرنے لگے جن کا مجھے علم نہ تھا۔ مجھے اتنی مشکل پیش آئی کہ اس سے قبل کبھی اس طرح کی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ سو بیت المقدس کو اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے لا کھڑا کیا، میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھ سے اس کے متعلق جس طرح کا بھی سوال کر رہے تھے، میں بیت المقدس کو دیکھ کر انھیں بتا تا جا رہا تھا۔''

آپ ﷺ نے ان کے مکمل جوابات دے دیے تو سب لوگ سُن کر کہنے لگے۔

"أَمَّا النَّعْتُ فَوَاللهِ لَقَدْ أَصَابَ".(18)

''واللہ ! آپ (ﷺ) نے نقشہ تو صحیح بتایا ہے۔''

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللَّهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ(19)

''قریش نے (اسراء کے بارے میں) میری بات تسلیم نہ کی تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے بالکل واضح کر دیا اور میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی علامات انھیں بتا تا جا رہا تھا۔''

قریش نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کے دروازوں اور دیگر اشیا کے بارے میں سوالات کیے۔(20)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور لقب صدیق

مشرکین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کے حوالے سے آزمانے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کے بعد وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کیا تمھیں اپنے ساتھی کی بھی کچھ خبر ہے؟ ان کا خیال ہے کہ راتوں رات انھیں بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کہی ہے؟ قریشی بولے: ہاں! اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، اگر محمد ﷺ نے کہا ہے تو یقیناً یہی فرمایا ہے۔ یہ سن کر قریشی بولے: کیا تم ان کی یہ بات سچ سمجھتے ہو کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے اور صبح تک ہمارے پاس واپس بھی پہنچ گئے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

نَعَمْ، إِنِّي لَأُصَدِّقُهُ فِيمَا هُوَ أَبْعَدُ مِنْ ذٰلِكَ أُصَدِّقُهُ بِخَبَرِ السَّمَاءِ فِي غَدْوَةٍ أَوْ رَوْحَةٍ

''ہاں! میں نے ان کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ تصدیق میری طرف سے یہ ہے کہ صبح وشام آپ ﷺ پر آسمان سے وحی کا نزول ہوتا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس غیر متردد تصدیق کی وجہ سے انہیں لقب صدیق سے نوازا گیا۔(21)

اب قریشی تعجب کرتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہنے لگے: ابن ابی قحافہ کی طرف دیکھو، یہ بھی سمجھتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے راتوں رات بیت المقدس کی سیر کی ہے۔(22)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لقب صدیق کی تائید مزید کے طور پر فرمایا:

يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ سَمَّاكَ الصِّدِّيقَ

''اے ابوبکر! اللہ عزوجل نے تمھارا نام صدیق رکھا ہے۔''

انھوں نے اُس وقت نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی جب تمام کافر آپ ﷺ کی بات کو جھٹلا رہے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدیق لقب کا تذکرہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہے۔ایک روز آپ ﷺ کا اپنے اصحاب حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ احد پہاڑ پر تشریف فرما تھے کہ پہاڑ فرطِ محبت سے جھومنے لگا۔آپ ﷺ نے فرمایا: احد ٹھہر جا، تجھ پر پیغمبر، صدیق اور دو شہید ہیں۔(23)

اس میں پیغمبر سے مراد نبی ﷺ خود، صدیق سے مقصود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دو شہیدوں سے مراد حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما تھے۔اسی طرح کا ایک واقعہ مکہ میں بھی پیش آیا تھا۔آپ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ہمراہ جبل حراء پر تشریف فرما تھے کہ پہاڑ جھومنے لگا۔جب بھی آپ ﷺ نے اسی طرح فرمایا تھا۔اس میں کچھ دیگر اصحاب کا بھی تذکرہ ہے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لقب ''صدیق'' کا تذکرہ اس میں بھی مذکور ہے۔(24)

امام ابن حبان نے صحیح بخاری کی اسی حدیث پر باب بھی قائم کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کے لقب سے نوازا جانا۔(25)

ایک راہ گزر قافلے کے بارے میں اطلاع

رسول اللہ ﷺ نے معراج سے واپسی پر قریش کو بطور علامت بتایا کہ میرا گزر تمھارے فلاں تجارتی علاقے پر بھی ہوا تھا۔اس پر انھوں نے پوچھا، اُس کی نشانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''شام کی طرف جاتے ہوئے اس وادی میں بنی فلاں کے قافلے کے پاس سے میرا گزر ہوا، میری سواری براق سے ڈر کر ان کا ایک اونٹ بھاگ نکلا۔اس کے متعلق میں نے ہی ان کی رہنمائی کی، پھر واپسی پر میرا گزر رعیتان نامی پہاڑ کے قریب سے ہوا۔وہاں میں بنی فلاں کے قافلے کے قریب پہنچا تو تمام قوم سوئی پڑی تھی۔وہاں ایک برتن میں پانی تھا جو اوپر سے ڈھکا ہوا تھا۔اس برتن کا پانی میں نے پی لیا اور اسے پھر اسی طرح ڈھانپ دیا۔اب وہ قافلہ بیضاء گھاٹی سے تنعیم کی طرف آرہا ہے۔اس کے آگے آگے سفید رنگ کا اونٹ ہے۔اس پر ایک سیاہ رنگ کا اور دوسرا سیاہ وسفید رنگ کا تھیلا لٹکا ہوا ہے۔وہ قافلہ فلاں وادی سے ہوتا ہوا فلاں دن تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔'' آپ کے بتائے ہوئے دن کے مطابق وہ قافلہ مکہ پہنچ گیا۔لوگوں نے اہل قافلہ سے آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی علامات اور رونما ہونے والے واقعات کے متعلق پوچھا تو ان سب نے ٹھیک ٹھیک وہی باتیں بتائیں جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی تھیں۔(26)

یہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد بھی اکثر مشرکین نے اس واقعے کا انکار کر دیا اور کہا کہ یہ بات ناقابل یقین ہے۔(27)

واقعہ اسراء اور منکرین کا انجام

اللہ تعالیٰ نے واقعہ معراج کو ایک بڑا امتحان قرار دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ؒ(28)

’’اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دکھایا ہے، اس کو ہم نے (کافر) لوگوں کے لئے ایک فتنہ بنا دیا۔ نیز اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت آئی ہے۔ اور ہم تو ان کو ڈراتے رہتے ہیں، لیکن اس سے ان کی سخت سرکشی ہی میں اضافہ ہو رہا ہے۔‘‘

عجائب سفر اور عالم مثال کی بے مثال اَمثال

① آپ براق پر سوار جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بڑھیا پر گذر ہوا۔ اس نے آپ کو آواز دی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا آگے چلئے اور اس کی طرف التفات نہ کیجیے۔ آگے چل کر ایک بوڑھا نظر آیا اس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آواز دی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا آگے چلیئے۔ آگے چل کر آپ کا ایک جماعت پر گذر ہوا۔ جنہوں نے آپ کو بایں الفاظ سلام کیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَوَّلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا آخِرُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاشِرُ

جبریل امین علیہ السلام نے کہا کہ آپ ان کے سلام کا جواب دیجئے اور بعد ازاں بتلایا کہ وہ بوڑھی عورت جو کنارے پر کھڑی تھی وہ دنیا تھی۔ دنیا کی عمر اتنی ہی قلیل باقی رہ گئی ہے جتنی اس عورت کی عمر باقی ہے اور وہ بوڑھا مرد شیطان تھا۔ دونوں کا مقصد آپ کو اپنی طرف مائل کرنا تھا اور وہ جماعت جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا وہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔(29)

② صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرا تو دیکھا کہ قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام اور دجال اور خازن نار یعنی داروغۂ جہنم کو دیکھا جس کا نام مالک ہے۔(30)

③ نیز راستہ میں آپ کا ایک ایسی قوم پر گذر ا ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان

ناخنوں سے جھیلتے تھے۔ اس حضرت نے جبریل امین علیہ السلام سے دریافت کیا تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں اوران کی آبرو پر حرف گیری کرتے ہیں۔(31)

④ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نہر میں تیر رہا ہے اور پتھر کو لقمہ بنا بنا کر رکھا رہا ہے۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا تو یہ جواب دیا کہ یہ سود خوار ہے۔(32)

⑤ نیز آپ کا ایک ایسی قوم پر گذر ا ہوا کہ جو ایک ہی دن میں تخم ریزی بھی کر لیتے ہیں اور ایک ہی دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں اور کاٹنے کے بعد کھیتی پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ جیسے پہلے تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ جبریل امین علیہ السلام نے کہا کہ یہ لوگ اللہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کی ایک نیک سات سو نیکی سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔

⑥ پھر آپ کا ایک اور قوم پر گذر ہوا۔ جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں کچلے جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے پہلے تھے۔ اسی طرح سلسلہ جاری ہے کبھی ختم نہیں ہوتا۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ فرض نماز سے کاہلی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ایک قوم پر گذر ہوا کہ جن کی شرمگاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں۔ ضریع اور زقوم یعنی کانٹوں اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

پھر آپ کا ایک ایسی قوم پر گذر ہوا کہ جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے کہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں جبریل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے کہ جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ ایک زانیہ اور فاجرہ کے ساتھ شب باشی کرتا ہے اور اور صبح تک اس کے پاس رہتا ہے یا آپ کی امت کی وہ عورت ہے کہ جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی ذاتی اور بدکار کے ساتھ رات گزارتی ہے۔

پھر آپ کا ایک ایسی لکڑی پر گذر ہوا کہ جو سر راہ واقع ہے جو کپڑا اور شئی بھی اس کے پاس سے گذرتا ہے اس کی پھاڑ ڈالتی ہے اور چاک کر دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی امت میں ان لوگوں کی مثال ہے کہ جو راستہ پر چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں اور راہ سے گذرنے والوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔

پھر آپ کا ایک قوم پر گذر ہوا کہ جس نے لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گٹھ جمع کر رکھا ہے اور اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا مگر لکڑیاں لا لا کر اس میں اور زیادہ کرتا رہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے جبریل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے کہ جس پر حقوق اور امانتوں کا بارگراں ہے کہ جس کا وہ ادا نہیں کر سکتا اور با ایں ہمہ اور بوجھ اپنے اوپر لادتا جاتا ہے۔

پھر آپ کا ایک قوم پر گذر ہوا کہ جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کائی جا رہی ہیں اور جب کٹ جاتی ہیں تو پھر پہلے کی طرح صحیح وسالم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے جبریل امین علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ ہیں (جو یقولون مالا یفعلون کا مصداق ہیں) یعنی دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔ (33)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسے مقام پر گذر ہوا جہاں نہایت ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا آ رہی تھی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ جنت کی خوشبو ہے بعد ازاں ایسے مقام پر گذرا ہوا جہاں سے بدبو محسوس ہوئی جبریل علیہ السلام نے کہا یہ جہنم کی بدبو ہے؟ (34)

بیت المقدس میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی تو سب نے اللہ کی حمد وثناء کی۔

تحمید ابراہیمی علیہ السلام

حمد ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا اور مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا اور امام اور پیشوا بنایا اور آگ کو میرے حق میں بردوسلام بنایا۔

تحمید موسوی علیہ السلام

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ سے بلا واسطہ کلام فرمایا اور قوم فرعون کی ہلاکت اور تباہی اور بنی اسرائیل کی رست گاری میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائی اور میری امت میں ایسی قوم بنائی کہ جو موجب حق، ہدایت اور انصاف کرتی ہیں۔

تحمید داؤدی علیہ السلام

حمد ہے اس ذات پاک کے جس نے مجھ کو ملک عظیم عطا کیا اور زبور سکھائی اور لوہے کو میرے لیے نرم کیا اور پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لیے مسخر کیا کہ میرے ساتھ تسبیح پڑھیں اور مجھے کو علم وحکمت اور تقریر دل پذیر مجھ کو عطا کی۔

تحمید سلیمانی علیہ السلام

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ہوا اور شیاطین اور جنات کو میرے لئے مسخر کیا، میرے حکم پر چلیں اور پرندوں کی بولی مجھ کو سکھائی اور جن اور انس چرند اور پرند کا لشکر میرے لیے مسخر کیا اور ایسی سلطنت عطا کی میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہ ہوگی اور نہ مجھ سے اس پر کوئی حساب و کتاب ہوگا۔

تحمید عیسوی علیہ السلام

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو کلمہ بنایا اور حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مجھے کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور پرندوں کے بنانے اور مُردوں کے زندہ کرے اور کوڑھی اور مادر زاد اندھے کے اچھا کرنے کا معجزہ مجھ کو دیا اور توریت اور انجیل کا علم دیا اور مجھ کو اور میری ماں کو شیطان کے اثر سے محفوظ رکھا اور مجھے کو آسمان پر اٹھایا اور کافروں کی صحبت سے پاک کیا۔

تحمید محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور تمام عالم کے لیے بشیر و نذیر بنایا اور مجھ پر قرآن کریم اتارا جس میں تمام امور دینیہ کا صراحت یا اشارہ بیان کیا ہے اور میری امت کو بہترین امت بنایا اور میری امت کو اولین اور آخرین بنایا یعنی ظہور میں آخری امت اور مرتبہ میں اول بنایا اور میرے سینہ کو کھولا اور میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا یعنی وجود نطفی اور روحانی میں سب سے اول اور بعثت اور ظہور جسمانی میں سب سے آخری نبی بنایا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ تحمید سے فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیاء کرام سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا: کہ انہی فضائل اور کمالات کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سب سے بڑھ گئے۔

چار پیالے

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے تو تین پیالے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے ایک پانی کا اور ایک دودھ کا اور ایک شراب کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کا پیالہ اختیار کیا۔ جبریل امین علیہ السلام نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین فطرت کو اختیار کیا ہے اگر آپ شراب کو اختیار کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اور اگر آپ پانی کو اختیار کرتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔ بعض روایات میں ہے کہ شہد کا پیالہ بھی پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں سے بھی کچھ پیا غرض یہ کہ تمام روایات کے جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چار پیالے پیش کیے گئے۔ (35)

مشاہدہ جنت وجہنم

جنت کیونکہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔

عِندَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ

اس لیے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ بیت معمور میں نماز پڑھنے کے بعد سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیے گئے اور سدرۃ المنتہیٰ کے بعد جنت کی طرف بلند کیے گئے اور جنت کی سیر کے بعد آپ ﷺ پر جہنم پیش کی گئی یعنی آپ کو دکھلائی گئی۔ اور صحیحین میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا جہاں عجیب وغریب الوان اور رنگتیں دیکھیں مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا تھیں۔ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا تو اس کے گنبد موتیوں کے تھے اور مٹی اس کی مشک کی تھی۔

مقام صریف الاقلام

بعدازاں پھر آپ ﷺ کو عروج ہوا اور ایسے بلند مقام پر پہنچے کہ جہاں صریف الاقلام کو سنتے تھے۔ لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کو صریف الاقلام کہتے ہیں اس مقام پر قضاء وقدر کے قلم مشغول کتابت تھے۔ فرشتے امور الٰہیہ کی کتابت اور احکام خداوندی کو لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔ (36)

دیدار اور کلام اور عطائے احکام مقام

صریف الاقلام اسے چل کر حجابات طے کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی سواری کے لیے ایک رفرف (یعنی ایک سبز مخملی مسند) آئی اس پر سوار ہوئے اور بارگاہ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی میں پہنچے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء میں فرماتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تقدیم وتاخیر ہے اصل میں اس طرح ہے و فتدلی فدنا۔ اور معنی یہ ہیں۔ کہ محمد ﷺ کی سواری کے لیے شب معراج میں ایک مسند اتری۔ آپ ﷺ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ ﷺ بلند کیے گئے یہاں تک کہ اپنے پروردگار کے قریب پہنچ گئے۔ (37)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے: ''میرے لیے آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا اور میں نے نور اعظم کو دیکھا اور پردہ میں موتیوں کی ایک مسند کو دیکھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے جو کلام کرنا چاہا وہ مجھے سے کلام فرمایا۔ (38)

حضور پرنور جب مقام دنا فتدلی اور حریم قرب میں پہنچے تو بارگاہ بے نیاز میں سجدہ نیاز بجالائے ۔ اور نور السموات والارض کے جمال بے مثال کو حجاب کبریائی کے پیچھے سے دیکھا اور بلا واسطہ کلام خداوندی اور وحی ایزدی سے مشرف وسرفراز ہوئے ۔(39)

اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین انعام دیئے گئے:

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے انسان کا رشتہ جوڑنے کا سب سے اہم ذریعہ یعنی نماز کی فرضیت کا تحفہ ملا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی اُمت کی فکر اور اللہ کے فضل وکرم کی وجہ سے پانچ نمازوں کی ادائیگی پر پچاس نمازوں کا ثواب دیا جائے گا۔

② سورۃ البقرہ کی آخری آیت ''آمَنَ الرَّسُولُ '' سے لے کر آخر تک عنایت فرمائی گئی۔

③ اس قانون کا اعلان کیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے شرک کے علاوہ تمام گناہوں کی معافی ممکن ہے، یعنی کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں نہیں رہیں گے، بلکہ توبہ سے معاف ہوجائیں گے یا عذاب بھگت کر چھٹکارا مل جائے گا، البتہ کافر اور مشرک ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

یہ خصوصی تحفے ہیں جو بارگاہِ ربّ العزت سے اس مقام پر شبِ معراج میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کے لیے عطا ہوئے۔

حوالہ جات

1۔معراج النبوۃ
2۔بخاری شریف ج1ص568
3۔مسلم شریف ج1،ص92
4۔فتح الباری ج13:ص:610
5۔معارج النبوۃ،ص:601
6۔معارج النبوۃ،ص606
7۔بنی اسرائیل،1:17
8۔تفسیر ابن کثیر جلد3،ص7
9۔دائرہ معارف اسلامیہ ج4ص269-270
10۔صحیح مسلم:162
11۔مسند احمد بن حنبل:2819
12۔المعجم الاوسط،الطبرانی،:2447
13۔دلائل النبوۃ،البیہقی،ج2ص390
14۔الصالحی،سبل الہدی:ج3ص93
15۔دلائل النبوۃ،البیہقی،ج2س363
16۔ابن ہشام،السیرہ النبویہ،ج1ص398
17۔صحیح مسلم:172
18۔مسند احمد بن حنبل:2819
19۔صحیح بخاری:4710
20۔فتح الباری،ابن حجر،ج7ص200
21۔المستدرک حاکم:4463
22۔مسند بزار؛3484
23۔المعجم ابویعلی،:10
24۔صحیح مسلم:2417
25۔صحیح ابن حبان:6865
26۔السیرۃ النبویہ للہشام،ج1ص402
27۔السیرۃ النبویہ للہشام،ج1ص398
28۔الاسراء:60
29۔ابن جریروبیہقی
30.الخصائص الکبری ج: ا ص:۱۵۵
31۔احمد وابوداؤد
32۔ابن مردویہ
33۔اخرجہ ابن جریروالبزارابویعلی والبیہقی
34۔الخصائص الکبریٰ ج1ص172
35۔زرقانی
36۔زرقانی ج1ص:88
37۔نسیم الریاض،ج2ص264
38۔الخصائص الکبری ج:1ص:157
39۔زرقانی ج2ص103

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. سینہ اقدس کے شق کئے جانے میں کیا حکمت تھی؟

....

....

2. معراج کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ کتنے فرشتے تھے؟

....

....

3. حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق لقب کیسے ملا؟

....

....

4. معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود خور کی کیا سزا دیکھی؟

....

....

5. کن لوگوں کی زبانیں قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھی؟

....

....

6. اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی نیکیاں کتنی بڑھ جاتی ہیں؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں ...... پر گزر ہوا تو دیکھا کہ قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں؟

آدم علیہ السلام ☐ نوح علیہ السلام ☐ عیسیٰ علیہ السلام ☐ موسیٰ علیہ السلام ☐

② یہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد بھی ...... مشرکین نے اس واقعے کا انکار کر دیا؟

بعض ☐ متعصب ☐ اکثر ☐ متشدد ☐

③ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند اصحاب کے ہمراہ جبل حراء پر تشریف فرما تھے کہ پہاڑ ...... لگا

سید گھومنے ☐ جھومنے ☐ جھکنے ☐ ہٹنے ☐

④ اللہ تعالیٰ نے واقعہ معراج کو ایک بڑا قرار دیا ہے۔

امتحان ☐ اکرام ☐ احسان ☐ اخلاص ☐

⑤ قریش کے جن لوگوں نے دیکھا ہوا تھا۔

بیت اللہ ☐ بیت الحمد ☐ بیت الشکر ☐ بیت المقدس ☐

⑥ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور کی ایک پہنائی۔

قباء ☐ قمیص ☐ جیکٹ ☐ چادر ☐

بحیرۂ روم (بحیرۂ متوسط)
بیروت
دمشق
شام
طیسفون (مدائن)
بصریٰ
بابل
عراق
صحرائے شام
اسکندریہ
غزہ ہاشم
القدس
اردن
معان
دومۃ الجندل
فیوم
ایلہ
عقبہ
سیناء
صحرائے اعظم
مصر
تبوک
صحرائے نفود
تیماء
اسیوط
العلا
عرب
الوجہ
خیبر
مدینہ منورہ (یثرب)
نجد
ابواء
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
سودان

اسراء : زمینی سفر

سبق نمبر 09

بیعت عقبہ اور ہجرت مدینہ

خلاصۂ سبق

بعثت نبوی کے بارہویں سال جب آپ ﷺ عمر مبارک 52 برس تھی، ماہ ذی الحجہ میں جمرہ عقبہ (Bigpillar) کے قریب مدینہ سے آئے ہوئے تقریباً بارہ افراد نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی جسے بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ اس کے ایک سال بعد جب آپ ﷺ عمر کے ترپنوے سال میں تھے تو ماہ ذی الحجہ میں مدینہ طیبہ سے ایک بڑا قافلہ مکہ معظّمہ پہنچا، جن میں ستر مرد اور دو عورتیں شامل تھیں۔ آپ ﷺ نے نصف شب (Midnight) کے وقت جمرہ عقبہ کے قریب ان سے ملاقات کی اس وقت آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے (اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

وفد انصار سے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات

انصار پہلے تو انفرادی طور پر اسلام قبول کرتے رہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب اور اپنے وعدے کو پورا کرنا چاہا اور انصار سے بھلائی کا ارادہ کیا تو اس پاک ذات نے انھیں رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں بھی دیا۔ ایک دن آپ ماہ ایام حج میں تبلیغ کے لیے نکلے۔ آپ عقبہ (گھاٹی) کے قریب پہنچے تو آپ کی ملاقات خزرج کے ایک گروہ سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: آپ کا تعلق کس قبیلے سے ہے؟ انھوں نے کہا ہم خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا یہود کے حلیف؟ انھوں نے کہا: جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ بیٹھیں گے تاکہ میں آپ سے ایک بات

کہوں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں اور بیٹھ گئے۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں دعوت اسلام دی۔ یہ سن کر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اے قوم کے لوگو! جان لو واللہ! یہ وہی نبی ہے جس کا نام لے کر تمھیں یہود ڈرایا کرتے تھے۔ دیکھنا، کہیں ایسا نہ ہو وہ تم سے سبقت لے جائیں، وہ ان کی دعوت قبول کرلیں اور ان پر ایمان لا کر تم سے آگے بڑھ جائیں۔

اس بات چیت کے بعد وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے اور انھوں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ ہم اپنی قوم کے پاس جا کر انھیں آپ کے متعلق بتائیں گے اور آپ کے جس دین کو ہم نے قبول کیا ہے، اس کی اطلاع انہیں بھی دیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ انھیں آپ کے گرد جمع کردے تو آپ کی عزت اور وقار میں مزید اضافہ ہوگا سب سے بڑھ کر آپ کی تکریم ہوگی۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ اب ہماری آپ ﷺ سے ملاقات آیندہ سال ہوگی، پھر وہ واپس یثرب چلے گئے۔ وہ آپ پر ایمان بھی لے آئے تھے اور آپ کی تصدیق بھی کر چکے تھے۔(1)

وفد میں شامل انصار کے نام

رسول اللہ ﷺ سے جس وفد انصار سے ملاقات کی تھی وہ کل چھ افراد پر مشتمل تھا اور وہ سب خزرج قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

1. ابو امامہ اسعد بن زرارہ۔ ان کا تعلق خزرج کے قبیلے بنو نجار سے تھا۔
2. عوف بن حارث بن رفاعہ۔ ان کا تعلق بھی قبیلہ بنو نجار سے تھا۔
3. رافع بن مالک بن عجلان، یہ بنو زریق سے تھے۔
4. عقبہ بن عامر بن حدیدہ
5. عقبہ بن عامر بن نابی
6. حضرت جابر بن عبداللہ بن رِئاب۔

آخری تینوں بنو سلمہ سے تھے۔(2)

تاریخ ملاقات

وفد انصار کی رسول اللہ ﷺ سے پہلی ملاقات ہجرت مدینہ کی تمہید اور بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے اسلام کے ایک نئے اور انقلابی دور کا آغاز ہوا۔ کہیں وہ موقع تھا جب رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے باہر اپنے انصار و مددگار میسر آنے

کی اُمید پیدا ہوئی ۔ یہ واقعہ 260 ، بمطابق 11 نبوی ہجرت مدینہ سے دو سال قبل ماہ رجب میں پیش آیا۔ اس طرح یہ ملاقات واقعہ فیل اور ولادت نبوی سے 51 سال بعد ہوئی ۔(3)

وفد انصار کی یثرب واپسی

انصار کے وفد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ پہلی ملاقات تھی جو اچانک ہوئی تھی ۔ انھوں نے آپ کی دعوت توجہ اور احترام سے سنی اور اسلام قبول کرلیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آئندہ سال انھی ایام میں دوبارہ آنے کا وعدہ کیا، پھر رخصت چاہی اور مدینہ کی راہ لی ۔(4)

یثرب میں اسلام کی مقبولیت

انصار کے اس وفد نے مدینہ واپس پہنچ کر حسب وعدہ اپنی قوم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر جمیل کیا، اپنے قبیلے والوں سے آپ کا تعارف کرایا اور آپ کی دعوت کا ذکر کیا۔ ان کی اس دعوت کا فائدہ یہ ہوا کہ انصار کے ہر گھرانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کا چرچا پھیل گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے خواہشمندوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔(5)

ہجرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ

جب کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر اتفاق کر کے کانفرنس ختم کر چکے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام رب العالمین کا حکم لے کر نازل ہو گئے کہ اے محبوب! آج رات کو آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جائیں ۔ چنانچہ عین دوپہر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ سب گھر والوں کو ہٹا دو کچھ مشورہ کرنا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان یہاں آپ کی اہلیہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے سوا اور کوئی نہیں ہے (اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہو چکا تھا) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت فرمادی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! مجھے بھی ہمراہی کا شرف عطا فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چار مہینے سے دو اونٹنیاں ببول کی پتی کھلا کھلا کر تیار کی تھیں کہ ہجرت کے وقت یہ سواری کے کام آئیں گی۔عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے ایک اونٹنی آپ قبول فرمالیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبول ہے مگر میں اس کی قیمت دوں گا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بادل ناخواستہ فرمان رسالت سے مجبور ہو کر اس کو قبول کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو اس وقت بہت کم عمر تھیں لیکن ان کی بڑی بہن حضرت بی بی اسماء رضی اللہ عنہا نے سامان سفر درست کیا اور توشہ دان میں کھانا رکھ کر اپنی کمر کے پٹکے کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے۔ایک سے توشہ دان کو باندھا اور دوسرے سے مشک کا منہ باندھا۔یہ وہ قابل فخر شرف ہے جس کی بنا پر ان کو "ذات النطا قین" (دو پٹکے والی) کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کافر کو جس کا نام "عبداللہ بن اُرَیقِطْ" تھا جو راستوں کا ماہر تھا راہ نمائی کے لئے اُجرت پر نوکر رکھا اور ان دونوں اونٹنیوں کو اس کے سپرد کر کے فرمایا کہ تین راتوں کے بعد وہ ان دونوں اونٹنیوں کو لے کر "غارِ ثور" کے پاس آ جائے۔یہ سارا انتظام کر لینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مکان پر تشریف لائے۔(6)

کاشانۂ نبوت کا محاصرہ

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق کاشانۂ نبوت کو گھیر لیا اور انتظار کرنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو جائیں تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔اس وقت گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔کفار مکہ اگرچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن تھے مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت و دیانت پر کفار کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے قیمتی مال و سامان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس امانت رکھتے تھے۔چنانچہ اس وقت بھی بہت سی امانتیں کاشانۂ نبوت میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو اور میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو سونپ کر مدینہ چلے آنا۔

یہ بڑا ہی خوفناک اور بڑے سخت خطرہ کا موقع تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ کفارِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں مگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے کہ تم قریش کی ساری امانتیں لوٹا کر مدینہ چلے آنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین کامل تھا کہ میں زندہ رہوں گا اور مدینہ پہنچوں گا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر جو آج کانٹوں کا بچھونا تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے پھولوں کی سیج بن گیا اور آپ رضی اللہ عنہ بستر پر صبح تک آرام کے ساتھ میٹھی میٹھی نیند سوتے رہے۔اپنے اسی کارنامے

پر فخر کرتے ہوئے شیر خدا نے اپنے اشعار میں فرمایا کہ

وَقَيْتُ بِنَفْسِيْ خَيْرَ مَنْ وَطِئَ الثَّرىٰ وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ وَبِالْحَجَرِ

میں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس ذات گرامی کی حفاظت کی جو زمین پر چلنے والوں اور خانہ کعبہ و حطیم کا طواف کرنے والوں میں سب سے زیادہ بہتر اور بلند مرتبہ ہیں۔

رَسُوْلُ اِلٰه خَافَ اَنْ يَّمْكُرُوْا بِه فَنَجَّاهُ ذُو الطَّوْلِ الْاِلٰه مِنَ الْمَكْرِ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ کفار مکہ ان کے ساتھ خفیہ چال چل جائیں گے مگر خداوند مہربان نے ان کو کافروں کی خفیہ تدبیر سے بچالیا۔(7)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بستر نبوت پر جان ولایت کو سلا کر ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لی اور سورہ یسٓ کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت فرماتے ہوئے نبوت خانہ سے باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے کافروں کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے مجمع سے صاف نکل گئے۔ نہ کسی کو نظر آئے نہ کسی کو کچھ خبر ہوئی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجمع میں موجود نہ تھا اس نے ان لوگوں کو خبر دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو یہاں سے نکل گئے اور چلتے وقت تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں۔ چنانچہ ان کور بختوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ان کے سروں پر خاک اور دھول پڑی ہوئی تھی۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دولت خانہ سے نکل کر مقام "حزورہ" کے پاس کھڑے ہو گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ "کعبہ" کو دیکھا اور فرمایا کہ اے شہر مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی قرار داد ہو چکی تھی۔ وہ بھی اسی جگہ آ گئے اور اس خیال سے کہ کفار مکہ ہمارے قدموں کے نشان سے ہمارا راستہ پہچان کر ہمارا پیچھا نہ کریں پھر یہ بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے نازک زخمی ہو گئے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور اس طرح خاردار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اسی رات "غارِ ثور" پہنچے۔(8)

غارِ ثور

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود غار میں داخل ہوئے اور اچھی طرح غار کی صفائی کی اور اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا۔ سوراخ

کے اندر سے ایک سانپ نے بار بار یارِ غار کے پاؤں میں کاٹا مگر حضرت صدیق جاں نثار رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوابِ راحت میں خلل نہ پڑ جائے مگر درد کی شدت سے یارِ غار کے آنسوؤں کی دھار کے چند قطرات سرورِ کائنات کے رخسار پر نثار ہو گئے۔ جس سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے اور اپنے یارِ غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے پوچھا ابوبکر! کیا ہوا؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی سارا درد جاتا رہا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین رات اس غار میں رونق افروز رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جوان فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روزانہ رات کو غار کے منہ پر سوتے اور صبح سویرے ہی مکہ چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا تدبیریں کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کر دیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کچھ رات گئے چراگاہ سے بکریاں لے کر غار کے پاس آ جاتے اور ان بکریوں کا دودھ دونوں عالم کے تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے یارِ غار پی لیتے تھے۔(9)

سو اونٹ کا انعام

اُدھر اہلِ مکہ نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک سو اونٹ انعام ملے گا۔ اس گراں قدر انعام کے لالچ میں بہت سے لالچی لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش شروع کر دی اور کچھ لوگ تو منزلوں دور تک تعاقب میں گئے۔

اُمِ معبد کی بکری

دوسرے روز مقامِ قدید میں اُمِ معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے مکان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا۔ اُمِ معبد ایک ضعیفہ عورت تھی جو اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھی رہا کرتی تھی اور مسافروں کو کھانا پانی دیا کرتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کچھ کھانا خریدنے کا قصد کیا مگر اس کے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ اس کے خیمہ کے ایک جانب ایک بہت ہی لاغر بکری ہے۔ دریافت فرمایا کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ اُمِ معبد نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس کا دودھ دوہ لوں۔ اُمِ معبد نے اجازت دے دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "بسم اللہ" پڑھ کر جو اس کے تھن کو ہاتھ لگایا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا اور اتنا دودھ نکلا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور اُمِ معبد کے تمام برتن دودھ سے بھر

گئے۔ یہ معجزہ دیکھ کر ام معبد اور ان کے خاوند دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (10)

روایت ہے کہ اُمِ معبد کی یہ بکری ۱۸ھ تک زندہ رہی اور برابر دودھ دیتی رہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب "عام الرماد" کا سخت قحط پڑا کہ تمام جانوروں کے تھنوں کا دودھ خشک ہو گیا اس وقت بھی یہ بکری صبح و شام برابر دودھ دیتی رہی۔ (11)

سراقہ کا گھوڑا

جب اُمِ معبد کے گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے روانہ ہوئے تو مکہ کا ایک مشہور شہسوار سراقہ بن مالک بن جعشم تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب کرتا نظر آیا۔ قریب پہنچ کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا مگر سو اونٹوں کا انعام کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ انعام کے لالچ نے اسے دوبارہ اُبھارا اور وہ حملہ کی نیت سے آگے بڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے پتھریلی زمین میں اس کے گھوڑے کا پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ یہ معجزہ دیکھ کر خوف و دہشت سے کانپنے لگا اور امان! امان! پکارنے لگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل رحم و کرم کا سمندر تھا۔ سراقہ کی لاچاری اور گریہ زاری پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا۔ دعا فرما دی تو زمین نے اس کے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد سراقہ نے عرض کیا کہ مجھ کو امن کا پروانہ لکھ دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے سراقہ کے لئے امن کی تحریر لکھ دی۔ سراقہ نے اس تحریر کو اپنے ترکش میں رکھ لیا اور واپس لوٹ گیا۔ راستہ میں جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کرتا تو سراقہ اس کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے کہ میں نے بڑی دور تک بہت زیادہ تلاش کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرف نہیں ہیں۔ واپس لوٹتے ہوئے سراقہ نے کچھ سامان سفر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور نذرانہ کے پیش کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔ (12)

بریدہ اسلمی کا جھنڈا

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو "بریدہ اسلمی" "قبیلۂ بنی سہم کے ستر سواروں کو ساتھ لے کر اس لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرفتاری کے لئے آئے کہ قریش سے ایک سو اونٹ انعام مل جائے گا۔ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آئے اور پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور خدا کا رسول ہوں۔ جمال و جلال

نبوت کا ان کے قلب پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً ہی کلمہ شہادت پڑھ کر دامن اسلام میں آ گئے اور کمال عقیدت سے یہ درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ! ﷺ میری تمنا ہے کہ مدینہ میں حضور کا داخلہ ایک جھنڈے کے ساتھ ہونا چاہیے، یہ کہا اور اپنا عمامہ سر سے اتار کر اپنے نیزہ پر باندھ لیا اور حضورِ اقدس ﷺ کے علمبردار بن کر مدینہ تک آگے آگے چلتے رہے۔ پھر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ﷺ آپ مدینہ میں کہاں اتریں گے تاجدار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے۔ یہ جہاں بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہے۔(13)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیش قیمت کپڑے

اس سفر میں حسن اتفاق سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی جو حضور اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں۔ یہ ملک شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے۔ انہوں نے حضورِ انور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چند نفیس کپڑے بطور نذرانہ کے پیش کیے جن کو تاجدار دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول فرما لیا۔(14)

شہنشاہ رسالت ﷺ مدینہ میں

حضورِ اکرم ﷺ کی آمد کی خبر چونکہ مدینہ میں پہلے سے پہنچ چکی تھی اور عورتوں بچوں تک کی زبانوں پر آپ ﷺ کی تشریف آوری کا چرچا تھا۔ اس لئے اہل مدینہ آپ کے دیدار کے لئے انتہائی مشتاق و بے قرار تھے۔ روزانہ صبح سے نکل نکل کر شہر کے باہر سراپا انتظار بن کر استقبال کے لئے تیار رہتے تھے اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے۔

ایک دن اپنے معمول کے مطابق اہل مدینہ آپ ﷺ کی راہ دیکھ کر واپس جا چکے تھے کہ ناگہاں ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے دیکھا کہ تاجدار دو عالم ﷺ کی سواری مدینہ کے قریب آن پہنچی ہے۔ اس نے بہ آواز بلند پکارا کہ اے مدینہ والو! لو تم جس کا روزانہ انتظار کرتے تھے وہ کاروانِ رحمت آ گیا۔ یہ سن کر تمام انصار بدن پر ہتھیار سجا کر اور وجد و شادمانی سے بے قرار ہو کر دونوں عالم کے تاجدار ﷺ کا استقبال کرنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑے اور نعرہ تکبیر کی آوازوں سے تمام شہر گونج اُٹھا۔(15)

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جہاں آج "مسجد قبا" بنی ہوئی ہے۔ ۱۲ ربیع الاول کو حضور ﷺ رونق افروز

ہوئے اور قبیلۂ عمرو بن عوف کے خاندان میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔ اہل خاندان نے اس فخر و شرف پر کہ دونوں عالم کے میزبان ان کے مہمان بنے اللہ اکبر کا پر جوش نعرہ مارا۔ چاروں طرف سے انصار جوشِ مسرت میں آتے اور بارگاہ رسالت میں صلاۃ وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے۔

اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ لوگ بھی اس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حکم نبوی کے مطابق قریش کی امانتیں واپس لوٹا کر تیسرے دن مکہ سے چل پڑے تھے وہ بھی مدینہ آ گئے اور اسی مکان میں قیام فرمایا اور حضرتِ کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہا اور ان کے خاندان والے ان تمام مقدس مہمانوں کی مہمان نوازی میں دن رات مصروف رہنے لگے۔ (16)

مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خطبہ اور نماز جمعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ آمد کے بعد اب یہاں اسلامی اقدار کا فروغ، اسلامی معاشرت کی تشکیل اور اسلامی سلطنت کا قیام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اوّلین ترجیح تھی۔ یہ وہ اہداف تھے جو مکہ کے ماحول میں ایک خواب معلوم ہوتے تھے۔ مدینہ یا اس کے آس پاس کی بستیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل ایمان کو شان ارشادات عالیہ سے نوازا، ان میں ان مذکورہ اہداف کے حصول کی جستجو ایک ایجنڈے کے طور پر نظر آتی ہے۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی سلطنت کا بنیادی نظریہ کیا ہے اور معاشرتی عزائم کیا ہیں۔ یہ خطبات عالیہ موجودہ دور میں نئے سربراہ مملکت کے قوم سے خطاب'' کی ایک اعلیٰ مثال تھے۔ یہ خطبات ریاست کی مقصدیت اور معاشرتی اہداف کا واضح اظہار کر رہے تھے۔

خطبات کا حاصل

مہاجرین و انصار کو سب سے زیادہ ضرورت باہمی محبت و مودت سے اور مل جل کر رہنے کی تھی جس کے لیے سلام کو پھیلانے پر زور دیا گیا۔ مہاجرین سب کچھ قربان کر کے آئے تھے، انھیں اشیائے خورد نوش کی اشد ضرورت تھی، اس لیے کھانا کھلانے کی تلقین کی گی۔ اسی طرح مہاجرین و انصار کے باہمی تعلقات کو وسعت دینے کی ضرورت تھی جس کے لیے صلہ رحمی کا درس دیا گیا۔ یہاں تک تو تھا اسلامی معاشرت کا تعلق لیکن ان سب سے بڑھ کر رب تعالیٰ سے اپنے تعلقات کو استوار رکھنا اور عبودیت میں اور زیادہ بڑھنا بھی زندگی کا تقاضا اور تسکین روح کا باعث تھا تا کہ ہر طرح کی مشکلات و مصائب اور مقابلہ و معرکہ میں اس کی نصرت و مدد حاصل کی جا سکے۔ اس کے لیے شب بیداری کی طرف رہنمائی کی گئی اور

آخر میں جنت کے حصول کی خوشخبری سنائی گئی جس کے لیے مہاجرین وانصار سب کچھ برداشت کر رہے تھے۔ انھیں یہ بتایا جا رہا تھا کہ اگرچہ یہ مشکلات ہیں مگر اس کے صلے میں جنت بھی آپ کی منتظر ہے۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خطاب

قباء میں قیام کے دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی باقاعدہ خطبے کا ذکر نہیں ملتا۔ حالات بھی کچھ ایسے تھے کہ خطبے کا موقع ہی نہیں مل سکا، کیونکہ یہ پہلی ملاقات تھی، سفر کی تھکاوٹ اور مشقتوں کی وجہ سے آرام کی ضرورت تھی۔ جب آرام اور مسجد قباء کی تعمیر کے بعد ایک جمعہ چھوڑ کر اگلے جمعہ کی صبح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو عمرو بن عوف کو خیر باد کہ کر بنو سالم کے محلے میں پہنچے تو زوال کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں قیام پذیر ہوئے اور جمعہ ادا فرمایا۔ مکہ میں چونکہ اجتماعی نماز کی ادائیگی کے مواقع نہ تھے اور نہ ہی وہاں جمعے کا اہتمام ممکن تھا، اس لیے جمعہ مشروع نہ ہوا تھا۔ جیسے ہی مدینہ پہنچ کر جمعہ کی ادائیگی کا موقع ملا آپ نے ادا فرمایا۔ بنو سالم میں جمعے کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عظیم الشان اور مفصل خطبہ ارشاد فرمایا جو مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا خطبہ شمار ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ جمعہ کے آغاز میں پہلے رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور بعد میں اصلاح احوال، تزکیہ نفس اور معاملات کی درستگی کی تلقین فرمائی۔ ذیل میں اس خطبے کو من وعن درج کیا جاتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، أَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِينُهُ، وَأَسْتَغْفِرُهُ وَأَسْتَهْدِيهِ، وَأُومِنُ بِهِ وَلا أَكْفُرُهُ، وَأُعَادِي مَنْ يَكْفُرُهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلا اللهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَالنُّورِ وَالْمَوْعِظَةِ، عَلَى فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ، وَقِلَّةٍ مِنَ الْعِلْمِ، وَضَلالَةٍ مِنَ النَّاسِ، وَانْقِطَاعٍ مِنَ الزَّمَانِ، وَدُنُوٍّ مِنَ السَّاعَةِ، وَقُرْبٍ مِنَ الأَجَلِ، مَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوَى وَفَرَّطَ، وَضَلَّ ضَلالا بَعِيدًا ا وَأُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ، فَإِنَّهُ خَيْرُ مَا أَوْصَى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ، أَنْ يَحُضَّهُ عَلَى الآخِرَةِ، وَأَنْ يَأْمُرَهُ بِتَقْوَى اللهِ، فَاحْذَرُوا مَا حَذَّرَكُمُ اللهُ مِنْ نَفْسِهِ، وَلا أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ نَصِيحَةً، وَلا أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ ذِكْرًا، وَإِنَّ تَقْوَى اللهِ لِمَنْ عَمِلَ بِهِ عَلَى وَجَلٍ وَمَخَافَةٍ مِنْ رَبِّهِ، عَوْنُ صِدْقٍ عَلَى مَا تَبْغُونَ مِنْ أَمْرِ الآخِرَةِ ا وَمَنْ يُصْلِحُ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ مِنْ أَمْرِهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلانِيَةِ، لا يَنْوِي بِذَلِكَ إِلا وَجْهَ اللهِ يَكُنْ لَهُ ذِكْرًا فِي عَاجِلِ أَمْرِهِ، وَذُخْرًا فِيمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، احِينَ يَفْتَقِرُ الْمَرْءُ إِلَى مَا قَدَّمَ، وَمَا كَانَ مِنْ

سِوَی ذَٰلِكَ يَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَداً بَعِيداً، وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ، وَاللهُ رَؤُفٌ بِالْعِبادِ وَالَّذِي صَدَقَ قَوْلُهُ، وَأَنْجَزَ وَعْدَهُ، لا خُلْفَ لِذَٰلِكَ، فَإِنَّهُ يَقُولُ عَزَّ وَجَلَّ:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَما أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ« فَاتَّقُوا اللهَ فِي عَاجِلِ أَمْرِكُمْ وَآجِلِهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلانِيَةِ، فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ اللهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ، وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا، وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا وَإِنَّ تَقْوَى اللهِ يُوقِي مَقْتَهُ، وَيُوقِي عُقُوبَتَهُ، وَيُوقِي سُخْطَهُ، وَإِنَّ تَقْوَى اللهِ يُبَيِّضُ الْوُجُوهَ، وَيُرْضِي الرَّبَّ، وَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ۔

خُذُوا بِحَظِّكُمْ، وَلا تُفَرِّطُوا فِي جَنْبِ اللهِ، قَدْ عَلَّمَكُمُ اللهُ كِتَابَهُ، وَنَهَجَ لَكُمْ سَبِيلَهُ، لِيَعْلَمَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَيَعْلَمَ الْكاذِبِينَ فَأَحْسِنُوا كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكُمْ، وَعَادُوا أَعْدَاءَهُ، وَجاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَسَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ، لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ، ويحيا من حی عن بينه، وَلا قُوَّةَ إِلا بِاللهِ [فَأَكْثِرُوا ذِكْرَ اللهِ، وَاعْمَلُوا لِمَا بَعْدَ الْيَوْمِ،] [فَإِنَّهُ مَنْ يُصْلِحْ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ يَكْفِهِ اللهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ،] ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ يَقْضِي عَلَى النَّاسِ وَلا يَقْضُونَ عَلَيْهِ، وَيَمْلِكُ مِنَ النَّاسِ وَلا يَمْلِكُونَ مِنْهُ، اللهُ أَكْبَرُ، وَلا قُوَّةَ إِلا بِاللهِ الْعَظِيمِ!(17)

”تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ میں اسی کی حمد بیان کرتا ہوں اور اسی سے مدد کا طلب گار ہوں، میں اس سے بخشش کا سوالی ہوں اور اسی سے ہدایت کا خواستگار ہوں۔ میرا اسی پر ایمان ہے۔ میں اس کا کسی صورت بھی انکار نہیں کرتا۔ اس کا کفر کرنے والے کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی الہٰ نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ مجھے اللہ نے ہدایت، نور اور نصیحت دے کر انبیاء علیہم السلام کے وقفے کے بعد ایسے دور میں بھیجا جب علم نایاب تھا، لوگ گمراہی میں سرگرداں تھے، زمانہ خاصا بیت چکا تھا، قیامت سر پر اور وقت مقرر قریب آ چکا تھا۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا ہدایت یافتہ ہے، جبکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرنے والا بہکا ہوا، راہ راست سے بھٹکا ہوا اور دور کی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ سب سے بہتر چیز جس کی مسلمانوں کو باہم نصیحت کرنی چاہیے، یہ ہے کہ اسے آخرت کی ترغیب دلائے اور اسے اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرے۔ اپنے متعلق جس چیز سے اللہ نے ڈرایا ہے، اس سے بچو۔ اس سے بڑھ کر کوئی

اور نصیحت نہیں اور نہ اس سے بڑی کوئی خیر خواہی ہے۔

جو بھی شخص اپنے رب سے خوف اور امید کرتے ہوئے تقویٰ اختیار کرتا ہے، آخرت میں کامیابی کے لیے تقویٰ اس کا بہترین معاون ثابت ہوگا۔ جو بھی آدمی اپنے اور اپنے رب کے کے درمیان معاملات کو ظاہری اور پوشیدہ طور پر صرف اللہ کی رضا کے لیے درست رکھتا ہے، اسے دنیا میں نیک نامی نصیب ہوتی ہے اور بعد از موت آخرت میں اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔ جب آدمی کو اپنے کیے ہوئے اچھے اعمال کی اشد ضرورت ہوگی اور نیک اعمال کے سوا جتنی چیزیں بھی ہوں انسان انھیں اپنے سے دور اور اچھے اعمال سے دور تر کرنے کی خواہش کرے گا۔ اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور وہی اللہ اپنے بندوں پر انتہائی زیادہ مہربان بھی ہے۔ وہی اپنے قول میں سچا اور اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے۔ اس کا کوئی جانشین نہیں۔ اس کا فرمان ہے:

(وَمَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ)(18)

''میرے ہاں بات پلٹی نہیں جاتی اور میں اپنے بندوں پر ظلم توڑنے والا نہیں ہوں۔''

اپنے موجودہ اور آئندہ کے پوشیدہ اور ظاہر تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ جو بھی اللہ سے ڈرے گا، اس کے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اس کے اجر کو بھی بڑھا دیا جائے گا۔ اللہ سے ڈرنے والے کو بہت بڑی کامیابی نصیب ہوگی۔

تقویٰ اختیار کر کے ہی اللہ کے عذاب، اس کی ناراضی اور اس کی پکڑ سے بچا جا سکتا ہے۔ اللہ کا تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے چہرے بارونق ہوتے ہیں، رب کی رضا حاصل ہوتی ہے اور درجات میں بلندی نصیب ہوتی ہے۔

تم اپنے حقوق لے لو اور اللہ کے فرائض میں کوئی کوتاہی نہ کرو۔ اللہ نے تمھیں اپنے پیغام سے آگاہ کر دیا ہے اور اپنے درست راستے کی بھی اس نے نشاندہی کر دی ہے تاکہ سچے خوش ہو جائیں اور جھوٹے جان جائیں۔ جس طرح اللہ نے تم پر احسانات کے دروازے کھول دیے ہیں، تم بھی حسن سلوک کے حامل بنو، اس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھو اور اس اللہ کے راستے میں اس طرح جہاد کرو جیسے جہاد کرنے کا حق ہے۔

اس نے تمہارا انتخاب کیا ہے اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، تاکہ ہلاک ہونے والا روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور زندہ رہنے والا روشن دلیل کے ساتھ جیے۔ تمام قوتوں کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور آئندہ کے لیے نیک عمل کرو۔ جو بھی اپنے اور اللہ کے درمیانی معاملات کو درست کر لیتا ہے اللہ اس کے دیگر لوگوں سے معاملات کو درست کر دیتا ہے، کیونکہ لوگ اللہ کے فیصلوں کے پابند ہیں وہ کسی اور کے فیصلے کا پابند نہیں۔ وہ لوگوں کا مالک

ہے،لوگ ذرہ بھر کے مالک نہیں۔وہ اللہ سب سے بڑا ہے۔وہی تمام عظمتوں اور تمام طرح کی قوتوں کا مالک ہے۔''

خطبہ جمعہ میں پنہاں اسباق

بنو سالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پہلے عظیم الشان خطبہ جمعہ میں دین کی بنیادی اور اہم ترین تعلیمات کو بیان کیا گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے رب تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر اس سے طلب مغفرت و ہدایت کا ذکر کیا، پھر اس پر ایمان کی گواہی دیتے ہوئے شہادتین کا اقرار کیا اور بات آگے بڑھاتے گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت سے پہلے کی صورت حال کو بیان کیا کہ وہ جہالت سے آئی تھی، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کو ایک عرصہ بیت چکا تھا،لوگ گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے،اجل اور قیامت سر پر منڈلا رہی تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت ہی کو کامیابی کا زینہ قرار دیا ہے اور نافرمانی کو گمراہی اور کوتاہی گردانا ہے۔

اللہ کی رضا کے لیے ظاہر و باطن کی اصلاح پر خاصی توجہ دلائی اور سب سے زیادہ تقویٰ اور اللہ سے ڈرنے کی تلقین کی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی بہتری، اصلاح احوال اور درنگی معاملات، ظاہر و باطن کی یکسانیت اور حصول جنت کے لیے تقوی کا بنیادی کردار ہے۔اس کی شہادت قرآن کریم سے بھی ملتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ (19)

''جو بھی اللہ سے ڈرے گا، وہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔''

اگلی آیت مبارکہ میں فرمایا:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ (20)

''جو بھی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دے گا۔''

ان مقامات میں تقویٰ کے عوض حاصل ہونے والے مذکورہ انعامات اسی نوعیت کے ہیں جن کی مہاجرین و انصار کو ضرورت تھی۔اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقویٰ پر بہت زور دیا اور اس کے فوائد بھی بتائے۔اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کی بھی تلقین کی، کیونکہ مکہ میں جہاد کی راہیں مسدود تھیں اور رب تعالیٰ کی طرف سے اجازت بھی نہ تھی،لیکن اب مدینہ میں وہ تمام رکاوٹیں ختم ہو چکی تھیں،اس لیے جہاد کا حکم کا نازل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے ذکر کی نصیحت کی اور لوگوں کو باہمی معاملات کی درستگی کا حکم دیا اور آخر میں حقیقی خالق و مالک کی پہچان کرائی کہ وہ اللہ ہے جو عظمتوں کا مالک اور اعلیٰ و بالا ہے۔

مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اولین خطبہ

أَمَّا بَعْدُ، أَيُّهَا النَّاسُ، فَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ. تَعَلَّمُنَّ وَاللهِ لَيُصْعَقَنَّ أَحَدُكُمْ، ثُمَّ لَيَدَعَنَّ غَنَمَهُ لَيْسَ لَهَا رَاعٍ، ثُمَّ لَيَقُولَنَّ لَهُ رَبُّهُ، وَلَيْسَ لَهُ تَرْجُمَانٌ وَلَا حَاجِبٌ يَحْجُبُهُ دُونَهُ: أَلَمْ يَأْتِكَ رَسُولِي فَبَلَّغَكَ، وَآتَيْتُكَ مَالًا وَأَفْضَلْتُ عَلَيْكَ؟ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ؟ فَلَيَنْظُرَنَّ يَمِينًا وَشِمَالًا فَلَا يَرَى شَيْئًا، ثُمَّ لَيَنْظُرَنَّ قُدَّامَهُ فَلَا يَرَى غَيْرَ جَهَنَّمَ. فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَقِيَ وَجْهَهُ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقٍّ مِنْ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ، فَإِنَّ بِهَا تُجْزَى الْحَسَنَةُ عَشْرَ أَمْثَالِهَا، إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ"(21)

''لوگو اپنے لیے کچھ آگے بھی بھیج دو اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ ایسا بھی ہوگا تم میں سے کوئی ہلاک ہوا اور وہ اپنی بکریوں کو اس حالت میں چھوڑ کر جائے کہ ان کا کوئی چرواہا بھی نہ ہو۔ اس آدمی کا نہ تو کوئی ترجمان ہوگا اور نہ کوئی دربان ہوگا جو اس کے اور مالک حقیقی کے درمیان آئے اور اس کا رب اس سے پوچھے گا: کیا تیرے پاس میرا پیغمبر نہیں آیا تھا جس نے تجھے میرا پیغام پہنچایا ہو؟ کیا میں نے تجھے مال و دولت سے نہیں نوازا تھا؟ بتا تو نے اپنے لیے آگے کیا بھیجا ہے؟ جب وہ آدمی اپنے دائیں بائیں دیکھے گا لیکن اسے کچھ نظر نہیں آئے گا، پھر وہ اپنے سامنے رکھے گا تو اسے صرف جہنم نظر آئے گی۔ جو بھی اب اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانا چاہتا ہے۔ وہ بچالے اگرچہ ایک کھجور کا کچھ حصہ صدقہ کرنا پڑے۔ جس کے پاس یہ بھی نہیں وہ اچھے کام کے ذریعے بھی سے بچاؤ کا سامان کر لے، کیونکہ ایک نیکی کے بدلے میں دس سے لے کر سات سو گنا تک اجر عطا کیا جائے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اس خطبے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر مندرجہ ذیل دوسرا خطبہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْحَمد لله، أحمده وأستعينه، نعوذ باللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أعمالنا، من يهده الله فَلا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له إن أحسن الحديث كتاب الله تبارك وتعالى قد افلح مَنْ زَيَّنَهُ اللهُ فِي قَلْبِهِ، وَأَدْخَلَهُ فِي الْإِسْلَامِ بَعْدَ الْكُفْرِ، سوَاءً مِنْ أَحَادِيثِ النَّاسِ، إِنَّهُ أَحْسَنُ الحديث وأبلغه أحبوا ما احب الله، أحبوا الله مِنْ كُلّ قلوبكم، ولا تملوا كلام الله وذكره، ولا تقس عنه قُلُوبُكُمْ، فَإِنَّهُ مِن كُلّ ما يخلق الله يختارُ ويَصْطَفِي قَدْ سَمَاهُ اللهُ خِيرَتَهُ مِنَ الْأَعْمَالِ وَمُصْطَفَاهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَالصَّالِحَ مِنَ الْحَدِيثِ وَمَن كُلِّ مَا أُوتِيَ النَّاسُ الحلال والحرام، فاعبدوا الله ولا

تشركوا به شيئا حق تقاته واصلحوا الله صَالِحَ مَا تَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ، وَتَحَابُوا بِرُوحِ اللهِ بَيْنَكُمْ، إِنَّ اللهَ يغضب أن ينكت عهدة، والسلام عليكم (22)

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں۔ ہم اپنے نفس کے شر اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جیسے اللہ ہدایت دینا چاہیے اسے کوئی بھی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہی کی طرف جانے دے اسے کوئی بھی گمراہ نہیں کر سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہی حقیقی معبود ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ سب سے بہترین بات اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب ہے۔

وہ آدمی کامیاب ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بیٹھ جائے اور جسے کفر کے بعد اللہ نے اسلام کی نعمت سے نوازا ہو اور جسے اللہ کے کلام کے سوا کسی اور کی بات اچھی نہ لگتی ہو کیونکہ اللہ کا کلام ہی تمام کاموں سے اچھا اور مؤثر و بلیغ ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو۔ اللہ سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت کرو۔ اللہ کے کلام اور اس کے ذکر سے بھی نہ اکتاؤ اور نہ دلوں کو سخت ہونے دو کیونکہ اللہ کو اپنا ذکر محبوب ترین اور انتہائی زیادہ پسندیدہ ہے۔ اسی کو اللہ نے بہترین اعمال میں سے قرار دیا ہے۔ اپنے بندوں کے لیے اسے منتخب فرمایا ہے اور اسے عمدہ حدیث گردانا ہے۔ اور اسی قرآن میں لوگوں کو ہر طرح کے حلال وحرام سے باخبر کر دیا گیا ہے۔ تم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ اس سے اتنا ڈرو جتنا ڈرنے کا حق ہے۔ جب بھی بولو، اللہ کے لیے حق سچ بولو۔ آپس میں ایک دوسرے سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ جذبہ محبت کے تحت محبت کرو۔ اللہ سے عہد شکنی کرنا، اس کے غصے اور ناراضی کا باعث ہے۔ والسلام علیکم!

ان دونوں عظیم الشان مختصر خطبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد وثنا کے بعد فکر آخرت پر زور دیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے اس دنیائے فانی میں عطا کیے ہوئے صدقات کو بنیادی اہمیت دی اور ساتھ ہی یہ بیان کیا اس دنیا میں ایک نیکی کرنے پر دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں ملیں گی، لہٰذا زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرو تا کہ کل کے پچھتاوے سے محفوظ رہو جہاں کوئی کسی کو ایک نیکی بھی نہ دے گا۔

دوسرے خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشد وہدایت کا کلی مختار صرف اور صرف ایک اللہ کو قرار دیا، پھر شہادتین کا اقرار کیا اور بتایا کہ سب سے اچھا، اعلیٰ، عمدہ اور بہترین کلام اللہ کا قرآن ہے۔ اس کی کثرت تلاوت اور ذکر کیا کرو اور اس سے اپنے قلوب واذہان کو معمور کیا کرو اور انھیں جلا بخشا کرو، کیونکہ اس جیسا اور کلام کوئی نہیں۔ اس میں دنیوی اور اخروی ہر طرح کی خیر اور بھلائی مضمر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال وحرام کی احتیاط کا درس دیا اور مزید فرمایا کہ اس ذات بابرکات کے ساتھ

کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور اس ظلم کو اسے کسی صورت میں معاف نہیں کرنا۔ سچی اور سیدھی بات کیا کرو۔ اللہ کو دل و جان سے عزیز سمجھو اور اس کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کی پاسداری کرو، اسی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

حوالہ جات

1۔ دلائل النبوۃ، البیہقی، ج2ص 433-434
2۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج1ص 219
3۔ الدیار بکری، تاریخ الخمیس، ج1ص 306
4۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج3ص 400
5۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج1ص 430
6۔ بخاری ج ا ص ۵۵۳ تا ۵۵۴
7۔ زرقانی علی المواہب ج ا ص ۳۲۲
8۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۸
9۔ زرقانی علی المواہب ج ا ص ۳۳۹
10۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۱
11۔ زرقانی علی المواہب ج ا ص ۳۴۶
12۔ بخاری، ج ا ص ۵۵۴ و زرقانی ج ا ص ۳۴۶
13۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۲
14۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۳
15۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۳
16۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۳ و بخاری ج ا ص ۵۶۰
17۔ التاریخ، الطبری، ج2ص 394-396
18۔ ق: 29
19۔ الطلاق: 2-3
20۔ الطلاق: 2
21۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج1ص 500-501
22۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج1ص 501
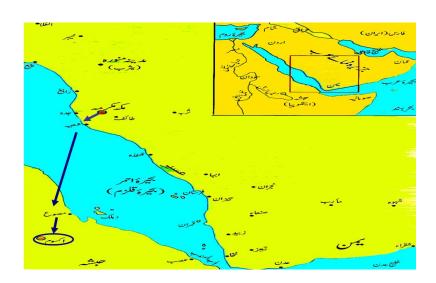
مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. مدینہ میں اسلام کیسے پھیلا؟

2. جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کیا کہا؟

3. اہل مکہ نے کیا اشتہار دیا تھا؟

4. غار ثور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو کیوں بہہ پڑے؟

5. سب سے پہلا جمعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہاں ادا فرمایا؟

6. دونوں عظیم الشان مختصر خطبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس چیز پر زور دیا؟

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. اور آپ رضی اللہ عنہ بستر پر صبح تک آرام کے ساتھ......نیند سوتے رہے۔

گہری ☐ میٹھی ☐ لمبی ☐ پیاری ☐

2. جس کی بنا ان کو......کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

ذات الرجلین ☐ ذات النطاقین ☐ ذات الیدین ☐ ذات الاذنین ☐

3. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وفد انصار سے ملاقات کی تھی وہ کل......افراد پر مشتمل تھا۔

چار ☐ پانچ ☐ چھ ☐ سات ☐

4. چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ بھیج دیا۔

مکہ معظّمہ ☐ مدینہ منورہ ☐ شام ☐ یمن ☐

5. مدینہ منورہ کا پرانا نام ہے؟

یمن ☐ یثرب ☐ بنوسلمہ ☐ عقبہ ☐

6. ان کے مسلمان ہوتے ہی ان کا قبیلہ بھی دامنِ اسلام میں آ گیا۔

شیبہ ☐ قبیصہ ☐ قریش ☐ بنواسلم ☐

دارالندوہ میں مشورہ

سبق نمبر
10

ہجرت کا پہلا سال

خلاصۂ سبق

مدینہ منورہ میں قیام کے بعد ماہ ربیع الاول میں ہی سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے گھر تعمیر کرائے۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر تقریباً مکمل ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلایا اور مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے 45 مہاجرین اور ان انصار مدینہ کے مابین مواخات (Brother lines) قائم کرتے ہوئے۔ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی سال اسلام کا پہلا مدرسہ صفہ قائم فرمایا۔اس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک منشور تیار کیا جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ ان یہود و مشرکین کو بھی شامل کیا گیا جو اس وقت مدینہ میں آباد تھے۔جس کا مقصد بلا امتیاز مذہب وقوم کے اندرونی و بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لیے ایک اتحادی عمل کی ترویج تھی، اس معاہدہ کو میثاق مدینہ کہا جاتا ہے اسی سال ماہ شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (جن کا نکاح آپ سے پہلے ہو چکا تھا) رخصتی ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسلام

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ توریت کے بڑے زبردست عالم تھے۔آپ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا اصل نام حُصَین تھا۔اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن سلام نام رکھا۔عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے

اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی آپ کے دیکھنے کے لیے حاضر ہوا۔

"فَلَمَّا رَأَيْتُ وَجْهَه عَرَفْتُ وَجْهَه لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ"(1)

''میں نے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔''

پہلا کلام جو آپ کی زبان سے سُنا وہ یہ تھا

يٰأَيُّهَا النَّاسُ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ أَفْشُوا السَّلَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (2)

''اے لوگو! کھانا کھلایا کرو، سلام کو عام کرو، صلہ رحمی کیا کرو اور لوگ سوتے ہوں تو تم نماز (تہجد) پڑھا کرو، یوں جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ گے۔''

دلائل بیہقی میں میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور آپ کی صفت اور آپ کا حلیہ پہلے ہی سے جانتا تھا مگر کسی سے ظاہر نہیں کرتا تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور میں نے آپ کی خبر سنی تو میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا میں سے خوشی میں اللہ اکبر کا نعرہ گایا۔

میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نے کہا اگر تو موسیٰ علیہ السلام کی خبر سنتا تو اس سے زیادہ خوش نہ ہوتا میں نے کہا۔ ہاں۔ خدا کی قسم! یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں وہی دین دے کر بھیجے گئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام دے کر بھیجے گئے تھے۔ میری پھوپھی نے کہا اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی ہم خبریں سنتے آئے ہیں کہ وہ قیامت کے سانس کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔ میں نے کہا ہاں یہ وہی نبی ہیں۔ میں گھر سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوا اور واپس آ کر اپنے تمام اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دی۔ سب نے اسلام قبول کیا۔ (3)

كَمَا قَالَ تَعَالٰى نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ(4)

اس کے بعد میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! قبل اس کے کہ میری قوم کو میرے اسلام کا علم ہو آپ مجھ کو کسی کوٹھری میں بٹھلا کر یہود سے میرا حال دریافت فرمائیں کیونکہ یہود بڑی بہتان باندھنے والی قوم ہے۔ چنانچہ جب

یہودی آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو ایک کوٹھری میں بٹھا کر یہود سے دریافت فرمایا اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور حق لے کر آیا ہوں۔ یہود نے کہا یہ ہم نہیں جانتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار یہی سوال فرمایا ہر بار یہود یہی کہتے رہے۔ بعد ازاں یہ فرمایا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسا شخص ہے۔ یہود نے کہا کہ ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا اور ہمارا سب سے بڑا عالم اور سب سے سے بہتر اور سب سے بہتر کا بیٹا۔

آپ نے فرمایا اگر عبداللہ بن سلام مجھ پر ایمان لے آئے پھر تو میرے نبی برحق ہونے کا یقین کرو گے۔ یہود نے کہا عبداللہ بن سلام کبھی اسلام لا ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا بالفرض وہ اسلام لے آئے یہود نے کہا عبداللہ بن سلام کبھی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا اے ابن سلام باہر نکل آؤ۔ عبداللہ بن سلام باہر آئے اور یہ کلمات زبان پر تھے أَشْهَدُ أَن لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رسول اللہ اور یہود سے مخاطب کر کہنے لگے اے گروہ یہود خدا سے ڈرو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور حق لے کر آئے ہیں یہ سنتے ہی یہود نے کیا تو جھوٹا اور کذاب ہے اور سب میں برا اور برے کا بیٹا ہے۔(5)

اسی بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝۱۰ (6)

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر

یہ باب مسجد نبوی کی جگہ کے انتخاب سے فراہمی تک، فراہمی سے تعمیر تک، تعمیر سے آبادکاری تک اور عہدِ خلفاء رضی اللہ عنہم میں اس کے مختلف تعمیری مراحل پر مشتمل ہے۔ ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تین عظیم المرتبت مساجد کا اعزاز

اللہ تعالی نے انبیائے کرام علیہم السلام کو بیت اللہ اور بیت المقدس جیسی عظیم عبادت گاہوں میں سے کسی ایک سے وابستہ رکھا ہے مگر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دونوں کی وابستگی نصیب فرمائی اور پھر مسجد نبوی کی صورت میں ایک اور عظیم عبادت گاہ کے اعزاز سے بھی نوازا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ان تینوں کا ایک ساتھ تذکرہ بھی فرمایا ہے۔(7)

مسجد نبوی کا مقام بیت المقدس سے بڑھ کر ہے جیسا کہ ان دونوں میں نماز کے ثواب سے اندازہ ہوتا ہے۔(8)

سیدنا سلیمان علیہ السلام اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبے کے فرق سے بھی کچھ نہ کچھ پتہ چلتا ہے۔

حدود مدینہ میں تعمیر کردہ اولین مسجد

ہجرت کے موقع پر حدود مدینہ میں داخل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مدینہ کی بستی قباء میں قیام کیا، جہاں مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ چودہ روز قباء میں قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رخت سفر باندھا۔ راستے میں وادی رانوناء میں زوال کا وقت ہونے پر آپ نے وہاں جمعہ ادا فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خطبہ جمعہ تھا۔ ادائے جمعہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر جاری رکھا۔ راستے میں مختلف قبائل آنکھیں فرش راہ کیے ہوئے تھے۔ وہ آپ کو اپنے ہاں قیام کی دعوت دیتے رہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی چلتی رہی اور حضرت ابوایوب انصاری کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں بعد میں دنیا کے تختے پر دوسری عظیم مسجد معرض وجود میں آئی۔ حدیث میں وضاحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی مسجد نبوی والی جگہ پر بیٹھی۔ جہاں وہ بیٹھی بعد میں وہاں مسجد نبوی تعمیر کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هٰذَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ الْمَنْزِلُ (9)

''اللہ نے چاہا تو ہماری قیام گاہ یہیں ہوگی۔''

تعمیر مسجد سے پہلے

مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے بھی یہ جگہ نماز کے لیے مستعمل تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ آمد سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اسی جگہ نماز ادا کرتے تھے اور جمعہ بھی یہیں ادا ہوتا تھا۔ نماز کی یہ جگہ چھوٹی سی چار دیواری سے گھری ہوئی تھی۔ اس پر کسی طرح کی کوئی چھت نہ تھی۔(10)

مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے لیے نہ تو کوئی جگہ مختص کی اور نہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی مقررہ جگہ کو مسجد بنایا۔ جہاں نماز کا وقت ہو جاتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما لیتے حتیٰ کہ بھیڑ بکریوں کے باڑے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا کر لیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ (11)

''جہاں نماز کا وقت ہو جاتا تھا، آپ سے اس جگہ نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ آپ بکریوں کے بارے میں بھی نماز پڑھ لیا کرتے۔''

دیگر احادیث میں یہ وضاحت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کی تعمیر سے پہلے مسلسل ایسا ہی کرتے رہے۔ یعنی آپ ﷺ نے نماز پڑھنے کے لیے کوئی جگہ مخصوص نہیں کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث میں ہے:

كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَبْلَ أَنْ يَّبْنِيَ الْمَسْجِدَ

''مسجد کی تعمیر سے قبل آپ بکریوں کے باڑے میں نماز ادا کرتے تھے۔''

کبھی کبھار نبی کریم ﷺ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نماز کے لیے مختص کی ہوئی جگہ پر بھی نماز ادا فرما لیا کرتے تھے۔(12)

مسجد نبوی کے لیے جگہ کا انتخاب اور حصول

جس جگہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی، وہاں ایک نخلستان تھا۔ ساتھ ہی کھجوریں خشک کرنے کے لیے ایک کھلیان تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے تعمیر مسجد کے لیے موزوں سمجھا اور اس کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ جگہ کس کی ہے؟ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ جگہ سہل اور سہیل دو یتیم بچوں کی ہے۔ میں یہ جگہ دینے کے لیے انھیں راضی کرلوں گا، آپ اسے مسجد بنا لیجئے گا۔(13)

جن دو یتیم بچوں کی یہ جگہ تھی، وہ چونکہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے زیر کفالت تھے، اس لیے جگہ کے مالکان معلوم ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے حضرت اسعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''آپ یہ جگہ ہمارے ہاتھ فروخت کردیں۔''

حضرت اسعد رضی اللہ عنہ ان یتیم بچوں کے پاس گئے اور بغیر مقصد بتائے زمین فروخت کرنے کی بات کی۔ بچوں نے وجہ پوچھی تو یہ خاموش ہو گئے۔ کوئی وجہ نہ بتائی۔ جب بچوں نے اصرار کیا تو انھیں اپنے مقصد سے آگاہ کرنا پڑا۔ آخر آپ ﷺ نے خود سہل اور سہیل کو بلایا اور اس جگہ کے متعلق بات چیت کی۔ ان سے فرمایا کہ اس کی قیمت بتاؤ اور یہ زمین بیچ دو۔ ان دونوں نے عرض کی:

لَا، بَلْ نَهَبُهُ لَكَ يَارَسُوْلَ اللهِ

''اللہ کے رسول! قیمتاً نہیں بلکہ ہم اسے آپ کے لیے ہبہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان یتیم بچوں کی جگہ بلا قیمت لینے سے انکار فرما دیا۔ یوں انھیں اس زمین کی قیمت ادا کر گئی۔(14)

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب آپ ﷺ نے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا تو بنونجار کے سرداروں کے پاس پیغام بھیج کر انھیں بلایا۔ ان کی آمد پر آپ ﷺ نے فرمایا:

یَا بَنِی النَّجَّارِ ثَامِنُونِی بِحَائِطِکُم ھٰذَا

''اے بنونجار! مجھ سے اپنے اس احاطے کی قیمت طے کرو۔''

انھوں نے عرض کیا:

لَا وَاللّٰہِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَہٗ إِلَّا إِلَی اللّٰہِ

''واللہ! ہرگز نہیں، ہمیں اس کا بدلہ صرف اللہ سے چاہیے۔''

ان دو طرح کی روایات میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے پہلے بنو نجار کے آدمیوں سے بات کی ہو، کیونکہ وہ بچے اسی قبیلے کے آدمی کے زیر کفالت تھے۔ پھر حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے زمین خریدنا چاہی لیکن جب بچوں نے قیمت لینے سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ نے خود ان بچوں سے بات چیت کی اب بھی ان بچوں نے قیمت لینے سے انکار کیا۔

جگہ کی قیمت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کی

دُرّ یتیم حضرت محمد ﷺ نے ان یتیموں سے جگہ ہدیتاً لینے کے بجائے انھیں قیمت ادا کی۔ یہ قیمت دس دینار تھی جو رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی مال سے ادا کی۔(15)

زمین کی صفائی اور ہمواری

جب رسول اللہ ﷺ نے جگہ حاصل کر لی تو تعمیر کا مرحلہ شروع ہونے سے قبل اس کی ہمواری اور صفائی ستھرائی کی ضرورت پیش آئی، کیونکہ کچھ خالی حصے کو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے چھوٹی سی چار دیواری بنا کر نماز کے لیے مختص کیا ہوا تھا لیکن اس کے علاوہ وہاں اور بھی کئی چیزیں تھیں جنھیں بنائے بغیر مسجد تعمیر نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہاں مشرکین کی قبریں تھیں، کھجور کے درخت تھے، کھڑے پانی کا جوہر تھا، کھنڈر بھی تھے اور کھلیان بھی۔ ان میں سے قابل اصلاح چیزوں کی اصلاح کی گئی کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے۔ مشرکین کی قبور کو اکھاڑ دیا گیا، کھڑے پانی کو نکال دیا گیا اور کھنڈر ہموار کر دیے گئے۔

تعمیراتی سامان کی فراہمی

صفائی ستھرائی اور ہموار کرنے کے بعد اس جگہ کو تعمیر کے قابل کر لیا گیا۔ اب تعمیری مراحل شروع ہوئے اور سب سے پہلے دیواروں اور بنیادوں کے لیے سامان جمع کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پتھر اور اینٹیں اُٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ

ﷺ ان کے جذبہ ایمان کو یوں گرمانے لگے۔

اَللّٰھُمَّ إِنَّہُ لَا خَیْرَ إِلَّا خَیْرُ الْآخِرَۃ فَانصُرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ

''اے اللہ! بلاشبہ حقیقی ثواب تو آخرت کا ثواب ہے، لہٰذا انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔''

رسول اللہ ﷺ انصار و مہاجرین کی حوصلہ افزائی کے لیے یہ دعا بھی فرما رہے تھے۔

اَللّٰھُم لَا خَیْرَ إِلَّا خَیْرُ الْآخِرَۃُ فَاغْفِرْ لِلْانصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃ

''اے اللہ حقیقی خیر و بھلائی (اور) ثواب تو آخرت ہی کا ہے، لہٰذا تو انصار اور مہاجرین کو معاف فرما دے۔''

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب مسجد کی تعمیر کی تیاری میں لگے ہوئے تھے کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ ﷺ کو صحابہ کا بنایا ہوا گارا اچھا نہیں لگ رہا۔ میں نے بیلچہ پکڑ کر مٹی کا گارا بنانا شروع کر دیا۔ میرے کام سے آپ ﷺ مطمئن ہوئے، اسے آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

دَعُوا الْحَنَفِيَّ وَالطِّیْنَ فَإِنَّہُ أَضْبَطُکُمْ لِلطِّیْنِ (16)

''بنو حنیفہ کے اس شخص کو گارا بنانے دو۔ یہ تم سے اچھا گارا بنانا جانتا ہے۔''

یوں مٹی کا گارا بنانے کی مستقل ذمہ داری طلق رضی اللہ عنہ ہی کو سونپ دی گئی، کیونکہ جس کام کا جو ماہر ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ ہم اس سے وہی کام لیا کرتے تھے۔

پہلی اینٹ اور آغاز تعمیر

اینٹوں، پتھروں، گارے کی دستیابی اور ہر طرح کی تیاری کے بعد اب تعمیر شروع کرنے اور مسجد نبوی کی بنیاد رکھنے کا مرحلہ آ گیا۔ سب سے پہلا پتھر خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھا، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے پتھر کے ساتھ پھر رکھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پتھر رکھا اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پتھر وہاں رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ھٰؤُلَاءِ وَلَاۃُ الْأَمْرِ مِنْ بَعْدِیْ ھٰذَا (17)

''میرے بعد یہ امر حکومت کے والی ہیں۔''

یوں اس عظیم الشان مسجد کی خشت اول سید البشر ﷺ اور آپ کے رفقائے گرامی کے ہاتھوں رکھی گئی۔ اس کے

ساتھ ہی مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ صحابہ کرام پتھر اور گارا لاتے جاتے تھے، رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے پتھروں کو ان کی جگہ پر لگاتے اور ساتھ ساتھ دعائیہ شعر پڑھتے جا رہے تھے۔

اَلَا اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰ خِرَۃِ فَاغْفِرْ لِلْاَنصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

''آگاہ ہو جاؤ حقیقی زندگانی تو آخرت ہی کی زندگی ہے۔ (اے اللہ) انصار اور مہاجرین کو معاف فرما۔'' (18)

طرز تعمیر اور دورانیہ

مسجد نبوی کی بنیاد پتھروں سے اٹھائی گئی جو تقریباً تین ہاتھ (ساڑھے چار فٹ) چوڑی تھی۔ بلندی تک پتھروں سے کچھ دیوار میں کھڑی کرنے کے بعد بقیہ چنائی اینٹوں سے ہوئی۔ دائیں بائیں اور پیچھے کی دیواریں اسی طرح سے تھیں، کہ سامنے کی دیوار کے لیے ترتیب کے ساتھ کھجور کے تنے گاڑ دیے گئے۔ چھت کے لیے درمیان میں کھجور کے ستون کھڑے کیے گئے۔ چھت ڈالنے کے لیے بطور شہتیر بھی کھجور کے تنے ڈال کر ان کے اوپر کھجور کی ٹہنیاں ڈال دی گئیں۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ اگر کوئی ہاتھ اُٹھاتا تھا تو اس کا ہاتھ چھت کو چھونے لگتا تھا۔ مسجد نبوی کی لمبائی اور چوڑائی سو سو ہاتھ تھی۔ اس کی تعمیر میں بارہ دن لگے۔ (19)

مسجد کی چھت پر لیپ نہیں کیا گیا، بلکہ اسے ایک چھپر ہی کی طرح رکھا گیا، کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی تعمیر کے متعلق فرمایا تھا:

اُبْنُوا عَرِیضًا کَعَرِیشِ مُوْسیٰ

اسے موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کی طرح چھپر ہی بنانا۔''

اور پھر اسی ارشاد گرامی پر عمل کیا گیا۔ صرف کھجور کی ٹہنیاں ہی ڈالی گئیں، اوپر مٹی نہیں ڈالی گئی۔ بارش ہوتی تو پانی اندر جمع ہو جاتا تھا۔ (20)

مسجد نبوی کی تعمیر میں رسول اللہ ﷺ کی شرکت

مسجد نبوی کی تعمیر کے آغاز سے اختتام تک رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس بھرپور شرکت کی اور مکمل نگرانی بھی فرمائی۔ جگہ کی معلومات کے لیے خود اپنے اصحاب سے استفسار فرمایا۔ مالکان سے خود زمین کی خریداری کے متعلق بات چیت کی۔ تعمیراتی مراحل میں بھی آپ ملہ مختلف مواقع پر مختلف امور انجام دیتے نظر آتے ہیں اور اس سارے منصوبے میں آپ یا کسی اختصاص کے بغیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے شانہ بشانہ مصروف محل رہے۔

اپنے شرف ومنزلت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض نگرانی ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس موقع پر بھی آپ اپنے اصحاب کے ہمراہ اینٹیں اٹھاتے ،کبھی پتھر ڈھوتے اور کبھی گارے سے مسجد کی دیوار چنتے دکھائی دیتے ہیں۔کبھی گارا بنانے والے کوضروری ہدایات دیتے نظر آتے ہیں۔یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اوراعلیٰ اخلاق کے انمٹ نقوش تھے۔

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ تقسیم مسجد کے لیے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے اور ساتھ ساتھ فرماتے جاتے تھے۔

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالَ خَيْبَرَ هٰذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَ أَطْهَرُ

''یہ بوجھ تھے ہم اٹھائے ہوئے ہیں، یہ خیبر کی کھجوروں کا بوجھ نہیں ہے۔اے ہمارے رب! یہ تو انتہائی نیکی کا اور پاکیزہ ترین کام ہے۔''

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْاَجْرَ أَجْرُ الْاٰخِرَةِ فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُهَاجِرَةِ

''اے اللہ بلاشبہ حقیقی اجر تو آخرت کا اجر ہے،لہٰذا انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔''(21)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز ترغیب

اسی تعمیر کے دوران میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کام کی غرض سے اپنی اوپر والی چادر مبارک اتار دی یہ دیکھ کر تمام مہاجرین اور انصار نے بھی اپنی اپنی چادریں اتار پھینکیں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر امور خیر انجام دینے لگے اور ساتھ ساتھ عقیدت کا اظہار کرنے لگے۔

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ لِذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضِلَّلُ

''اگر ہم بیٹھے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کام کرتے رہیں تو ہمارا طرز عمل ہلاکت خیزی پر منتج ہوگا۔''(22)

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے مکانات

مسجد نبوی کے متصل ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے حجرے بھی بنوائے۔اس وقت تک حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں تھیں اس لئے دو ہی مکان بنوائے۔جب دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آتی گئیں تو دوسرے مکانات بنتے گئے۔یہ مکانات بھی بہت ہی سادگی کے ساتھ بنائے گئے تھے۔دس دس ہاتھ لمبے چھ چھ،سات سات ہاتھ چوڑے کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کی پتیوں کی چھت وہ بھی اتنی نیچی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو

لیتا، دروازوں میں کواڑ بھی نہ تھے کمبل یا ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے۔(23)

اللہ اکبر! یہ ہے شہنشاہ دو عالم ﷺ کا وہ کاشانہ نبوت جس کی آستانہ بوسی اور دربانی جبریل علیہ السلام کے لئے سرمایہ سعادت اور باعث افتخار تھی۔ رسول خدا ﷺ کو یہ اندیشہ تھا کہ کفار مکہ ان کے ساتھ خفیہ چال چل جائیں گے مگر خداوند مہربان نے ان کو کافروں کی خفیہ تدبیر سے بچالیا۔

اللہ اللہ! وہ شہنشاہ کونین جس کو خالق کائنات نے اپنا مہمان بنا کر عرش اعظم پر مسند نشین بنایا اور جس کے سر پر اپنی محبوبیت کا تاج پہنا کر زمین کے خزانوں کی کنجیاں جس کے ہاتھوں میں عطا فرمادیں اور جس کو کائنات عالم میں قسم قسم کے تصرفات کا مختار بنا دیا، جس کی زَبان کا ہر فرمان کن کی کنجی، جس کی نگاہ کرم کے ایک اشارہ نے ان لوگوں کو جن کے ہاتھوں میں اونٹوں کی مہار رہتی تھی انہیں اقوام عالم کی قسمت کی لگام عطا فرمادی۔ اللہ اکبر! وہ تاجدار رسالت جو سلطان دارین اور شہنشاہ کونین ہے اس کی حرم سرا کا یہ عالم! اے سورج! بول، اے چاند! بتا تم دونوں نے اس زمین کے بے شمار چکر لگائے ہیں مگر کیا تمہاری آنکھوں نے ایسی سادگی کا کوئی منظر کبھی بھی اور کہیں بھی دیکھا ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ سے نکاح تو ہجرت سے قبل ہی مکہ میں ہو چکا تھا مگر ان کی رُخصتی ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں ہوئی۔ حضور ﷺ نے ایک پیالہ دودھ سے لوگوں کی دعوت ولیمہ فرمائی۔(24)

اذان کی ابتداء

مسجد نبوی کی تعمیر تو مکمل ہو گئی مگر لوگوں کو نمازوں کے وقت جمع کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے نماز با جماعت کا انتظام ہوتا، اس سلسلہ میں حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا، بعض نے نمازوں کے وقت آگ جلانے کا مشورہ دیا، بعض نے ناقوس بجانے کی رائے دی مگر حضورِ اقدس ﷺ نے غیر مسلموں کے ان طریقوں کو پسند نہیں فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہر نماز کے وقت کسی آدمی کو بھیج دیا جائے جو پوری مسلم آبادی میں نماز کا اعلان کر دے۔ حضور ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ نمازوں کے وقت لوگوں کو پکار دیا کریں۔ چنانچہ وہ ''اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ'' کہہ کر پانچوں نمازوں کے وقت اعلان کرتے تھے، اسی درمیان میں ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ اذان شرعی کے الفاظ کوئی سنا رہا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو بھی اسی قسم کے خواب نظر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم بلال کو اذان کے کلمات سکھا دو کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے شرعی اذان کا طریقہ جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا شروع ہو گیا۔ (25)

انصار و مہاجر بھائی بھائی

حضرات مہاجرین چونکہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بالکل خالی ہاتھ اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر مدینہ آئے تھے اس لئے پردیس میں مفلسی کے ساتھ وحشت وبیگانگی اور اپنے اہل وعیال کی جدائی کا صدمہ محسوس کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ انصار نے ان مہاجرین کی مہمان نوازی اور دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن مہاجرین دیر تک دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ ہمیشہ سے اپنے دست و بازو کی کمائی کھانے کے خوگر تھے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ مہاجرین کی پریشانی کو دور کرنے اور ان کے لئے مستقل ذریعۂ معاش مہیا کرنے کے لئے کوئی انتظام کیا جائے۔ اس لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار و مہاجرین میں رشتہ اخوت (بھائی چارہ) قائم کر کے ان کو بھائی بھائی بنا دیا جائے تا کہ مہاجرین کے دلوں سے اپنی تنہائی اور بے کسی کا احساس دور ہو جائے اور ایک دوسرے کے مددگار بن جانے سے مہاجرین کے ذریعۂ معاش کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔

چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع فرمایا اس وقت تک مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی۔ حضور علیہ السلام نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں پھر مہاجرین و انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد فرماتے ہی یہ رشتہ اخوت بالکل حقیقی بھائی جیسا رشتہ بن گیا۔ چنانچہ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر اپنے گھر کی ایک ایک چیز سامنے لا کر رکھ دی اور کہہ دیا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں اس لئے ان سب سامانوں میں آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ حد ہو گئی کہ حضرت سعد بن ربیع انصاری جو حضرت عبدالرحمن بن عوف مہاجر کے بھائی قرار پائے تھے ان کی دو بیویاں تھیں، حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میری ایک بیوی جسے آپ پسند کریں میں اس کو طلاق دے دوں اور آپ اس سے نکاح کر لیں۔

اللہ اکبر! اس میں شک نہیں کہ انصار کا یہ ایثار ایک ایسا بے مثال شاہکار ہے کہ اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی مگر مہاجرین نے کیا طرز عمل اختیار کیا یہ بھی ایک قابل تقلید تاریخی کارنامہ ہے۔ حضرت سعد بن ربیع

انصاری رضی اللہ عنہ کی اس مخلصانہ پیشکش کو سن کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شکریہ کے ساتھ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ یہ سب مال و متاع اور اہل وعیال آپ کو مبارک فرمائے مجھے تو آپ صرف بازار کا راستہ بتا دیجیے۔ انہوں نے مدینہ کے مشہور بازار قینقاع کا راستہ بتا دیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بازار گئے اور کچھ گھی، کچھ پنیر خرید کر شام تک بیچتے رہے۔ اسی طرح روزانہ وہ بازار جاتے رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کافی مالدار ہو گئے اور ان کے پاس اتنا سرمایہ جمع ہو گیا کہ انہوں نے شادی کر کے اپنا گھر بسا لیا۔ جب یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے بیوی کو کتنا مہر دیا؟ عرض کیا کہ پانچ درہم برابر سونا۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برکتیں عطا فرمائے تم دعوتِ ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔(26)

اور رفتہ رفتہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تجارت میں اتنی خیر و برکت اور ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول ہے کہ "میں مٹی کو چھو دیتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے" منقول ہے کہ ان کا سامان تجارت سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ میں ان کا تجارتی سامان پہنچتا تھا تو تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔(27)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرح دوسرے مہاجرین نے بھی دکانیں کھول لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ "قینقاع" کے بازار میں کھجوروں کی تجارت کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے۔ دوسرے مہاجرین نے بھی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی۔ غرض باوجودیکہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مستقل مہمان خانہ تھا مگر مہاجرین زیادہ دنوں تک انصار پر بوجھ نہیں بنے بلکہ اپنی محنت اور بے پناہ کوششوں سے بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

مشہور مؤرخِ اسلام حضرت علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ عقد مواخاۃ (بھائی چارہ کا معاہدہ) تو انصار و مہاجرین کے درمیان ہوا، اس کے علاوہ ایک خاص "عقد مواخاۃ" مہاجرین کے درمیان بھی ہوا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہاجر کو دوسرے مہاجر کا بھائی بنا دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان و حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان جب بھائی چارہ ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے اپنے صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا لیکن مجھے آپ نے کسی کا بھائی نہیں بنایا آخر میرا بھائی کون ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یعنی تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔(28)

یہود مدینہ سے معاہدہ

مدینہ منورہ میں اکثر وبیشتر آبادی اوس وخزرج کے قبائل کی تھی۔ مگر عرصہ دراز سے یہود بھی یہاں آباد تھے اور ان کی کافی تعداد تھی مدینہ منورہ اور خیبر میں اُن کے مدرسے اور علمی مراکز تھے اور خیبر میں ان کے متعدد قلعے تھے۔ یہ لوگ اہل کتاب تھے اور سرزمین حجاز میں بمقابلہ مشرکین ان کو علمی تفوق اور امتیاز حاصل تھا۔ ان لوگوں کو کتب ساویہ کے ذریعہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال واوصاف کا بخوبی علم تھا: کما قال تعالی يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ مگر طبیعت میں سلامتی نہ تھی جس سے حسد اور عناد جحود اور استکبار ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا: کما قال تعالے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ اس وقت بھی یہود قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں اکساتے رہے اور ان کو تلقین کرتے رہے کہ آپ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق دریافت کرو وغیرہ وغیرہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آتش عناد اور مشتعل ہوگئی اور سمجھ گئے کہ اب ہماری علمی برتری ختم ہوئی اور اہل ہوا وہوس نے حق کی عداوت میں اپنے پچھلوں کا اتباع کیا: وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور اصحاب سبت کی روش اختیار کی۔

علماء اور احبار یہود میں سے جو صالح اور سلیم الفطرت تھے انہوں نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئیوں کو ظاہر کیا اور آپ پر ایمان لائے مگر اکثروں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور حسد اور عناد ان کے لیے سدِّ راہ بنا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حسد اور عناد اور فتنہ وفساد کے انسداد کے لیے اُن سے ایک تحریری معاہدہ کیا تا کہ ان کی مخالفت اور عناد میں زیادتی نہ ہو اور مسلمان اُن کے فتنہ اور فساد سے محفوظ رہ سکیں۔ قرآن کریم یہود کی شرارتوں اور خفیہ پردازیوں کے بیان سے بھرا پڑا ہے۔ اس لیے آپ نے اُن سے معاہد کیا تا کہ ان کے فتنہ وفساد میں ازدیاد اور امتداد نہ ہو سکے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے پانچ سال بعد یہود مدینہ سے ایک معاہدہ فرمایا جس میں ان کو اپنے دین اور اپنے اموال و املاک پر برقرار کر رکھ کر حسب ذیل شرائط پر ان سے ایک تحریری عہد لیا گیا مفصل معاہدہ تو سیرت ابن ہشام ص ۱۷۸ ج ۱ میں اور البدایہ والنہایہ ص ۲۲۳ ج ۳ میں ہے۔ مگر اُس کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ تحریری عہد نامہ ہے محمد نبی امی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے درمیان مسلمانان قریش ویثرب کے اور یہود کے کہ جو مسلمانوں کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ الحاق چاہیں ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر درج ذیل امور کا پابند ہوگا۔

① قصاص اور خون بہا کے جو طریقے قدیم زمانہ سے چلے آ رہے ہیں وہ عدل اور انصاف کے ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔

② ہر گروہ کو عدل اور انصاف کے ساتھ اپنی جماعت کا نہ فدیہ دینا ہوگا یعنی جس قبیلہ کا جو قیدی ہوگا اس قیدی کے چھڑانے کے لیے قیدی کا فدیہ دینا اسی قبیلہ کے ذمہ ہوگا۔

③ ظلم اور اثم اور عدوان اور فساد کے مقابلہ میں سب متفق رہیں گے۔اس بارے میں کسی کی رعایت نہ کی جائے گی اگر وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

④ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کی کسی قسم کی مدد کی اجازت ہوگی۔

⑤ ایک ادنی مسلمان کو پناہ کا وہی حق ہوگا جیسا کہ ایک بڑے رتبہ کے مسلمان کو ہوگا۔

⑥ جو یہود مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ان پر نہ کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا اور نہ ان کے مقابلہ میں ان کے دشمن کی کوئی نہ کی جائے گی۔

⑦ کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی جان یا مال کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو۔

⑧ بوقت جنگ یہود کو جان و مال سے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہوگا۔مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی۔

⑨ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد لازم ہوگی۔

⑩ جو قبائل اس عہد اور حلف میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیل اس حلف اور عہد سے علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے علیحدگی اختیار کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

⑪ کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اُس کو ٹھکانہ دینے کی اجازت نہ ہوگی اور جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے گا یا اس کو اپنے پاس ٹھکانہ دے گا تو اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔

⑫ مسلمان اگر کسی سے صلح کرنا چاہیں گے تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہوگا۔

⑬ جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو اس کا قصاص لیا جائے گا الا یہ کہ ولی مقتول دیت وغیرہ پر راضی ہو جائے۔

⑭ جب بھی کوئی جھگڑا یا کوئی باہمی اختلاف پیش آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔(29)

جن قبائل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ معاہدہ کیا ان میں یہود کے تین بڑے قبیلے شامل تھے جو مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہتے تھے۔

1 بنی قینقاع 2 بنی نصیر 3 بنو قریظہ۔ ان قبائل نے چونکہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع سے گریز کیا۔ اس لیے آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے یہ عہد نامہ لکھوایا تا کہ فتنہ اور فساد نہ پھیلائیں مگر تینوں قبیلوں نے یکے بعد دیگرے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور اسلام کی دشمنی اور اس کے خلاف سازشوں میں پورا حصہ لیا اور اپنے کیے کی سزا بھگتی۔ جیسا کہ آئندہ غزوات کے بیان میں آئے گا۔

حوالہ جات

1۔ سیرت مصطفیٰ: ج1 ص399
2۔ ترمذی: 2485
3۔ فتح الباری
.4 روض الانف ج2 ص35
5۔ صحیح بخاری
6۔ الاحقاف: 10
7۔ صحیح مسلم: 8278
8۔ صحیح مسلم: 1394
9۔ صحیح البخاری: 3906
10۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج1 ص239
11۔ صحیح البخاری: 428
12۔ صحیح البخاری: 429
13۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج1 ص496
14۔ صحیح البخاری: 3906
15۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج1 ص239
16۔ الطبرانی، المعجم الکبیر: 8254
17۔ المستدرک الحاکم: 4241
18۔ الحاکم، المستدرک: 1341
19۔ سنن ابن ماجہ: 742
20۔ صحیح البخاری: 669
21۔ صحیح البخاری: 3906
22۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج1 ص496
23۔ طبقات ابن سعد
24۔ مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۷۰
25۔ زرقانی، ج ۲، ص ۳۷۶ و بخاری
26۔ بخاری، ص ۷۷۷، ج ۲
27۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۱۴
28۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۱
29۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۲ ج ۳

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا سن کر کیسے خوشی کا اظہار کیا؟

....

....

2. تین عظیم المرتبت مساجد کون سی ہیں؟

....

....

3. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد نبوی کی تعمیر میں کس کا کام زیادہ پسند آیا؟

....

....

4. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعمیر کے لئے ترغیب کے لئے کیا انداز اختیار فرمایا؟

....

....

5. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی کب ہوئی اور ولیمہ کیا تھا؟

....

....

6. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود سے معاہدہ کیوں کیا؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرماتے ہی یہ رشتہ اخوت بالکل حقیقی ...... جیسا رشتہ بن گیا۔

باپ ▢ ماموں ▢ چچا ▢ بھائی ▢

② اَنْتَ ... فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ

صدیقی ▢ اخی ▢ ابنی ▢ عبدی ▢

③ ایک ...... مسلمان کو پناہ کا وہی حق ہوگا جیسا کہ ایک بڑے رتبہ کے مسلمان کو ہوگا۔

مسافر ▢ مقیم ▢ ادنیٰ ▢ اعلیٰ ▢

④ اس آیت میں ...... کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے؟

روزے ▢ صدقے ▢ فطرانے ▢ نماز ▢

⑤ رفتہ رفتہ حضرت ...... کی تجارت میں اتنی خیر و برکت اور ترقی ہوئی

عثمان غنی رضی اللہ عنہ ▢ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ▢ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ▢ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ▢

⑥ چنانچہ وہ ...... کہہ کر پانچوں نمازوں کے وقت اعلان کرتے تھے،

قدقامت الصلوٰۃ ▢ حان وقت الصلوٰۃ ▢ الصلوٰۃ جامعۃ ▢ الصلوٰۃ حاضرۃ ▢

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام

سبق نمبر 11

ہجرت کا دوسرا سال

خلاصۂ سبق

سن 2 ہجری میں تحویل قبلہ کا عظیم الشان حکم نازل ہوا۔ ہجرت کے کم وبیش ڈیڑھ سال بعد شعبان 2ھ میں ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا، اسی سن میں پانچ غزوات ہوئے۔(1) غزوہ ابواجس کو غزوہ ودان بھی کہتے ہیں۔(2) غزوہ بواط(3) غزوہ بدر کبری(4) غزوہ بنی قینقاع(5) غزوہ سویق۔

بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کا حکم

دین اسلام کے ہر رکن اور عبادت وریاضت کے تمام طریقوں میں اتحاد واتفاق اور ہم آہنگی نمایاں نظر آتی ہے۔اور یہی اس حقیقی اور فطری دین حق کا طرہ امتیاز ہے۔نماز، روزہ، حج اور زکوۃ جیسی عبادات سمیت تمام معاملات زندگی میں یہی حکمت کارفرما ہے۔اسی باہمی اتحاد کے فروغ اور اہمیت کے پیش نظر تمام مسلمانوں کو ایک ہی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا گیا۔اس مقررہ سمت کو قبلہ کیا جاتا ہے۔پہلے قبلہ بیت المقدس تھا، بعدازاں بیت اللہ قرار پایا۔اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جہاں ہر مسلمان پر واجب ہے وہیں ہر سچے امتی کو اعمال بندگی انجام دینے میں قلبی راحت، دینی سکون، روحانی اطمینان اور باہمی اتحاد بھی نصیب ہوتا ہے۔

تحویل قبلہ سے پہلے

تحویل قبلہ سے پہلے مکہ میں قیام کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ عبادت کے لیے کعبۃ اللہ کے

جنوب میں رکن اسود اور رکن یمانی کے درمیان میں کھڑے ہوا کرتے تھے۔اس طرح آپ ﷺ کا رخ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف ہوتا تھا کیونکہ پہلے بیت المقدس ہی قبلہ تھا۔ہجرت مدینہ کے بعد کعبۃ اللہ اور بیت المقدس دونوں بالکل متضاد سمتوں میں آ گئے۔یوں ایک ہی وقت میں دونوں کی طرف رخ کرنا ممکن نہ رہا، کیونکہ بیت المقدس مدینہ سے شمال کی جانب ہے، جبکہ بیت اللہ جنوب کی سمت۔اس لیے تحویل قبلہ سے پہلے تک مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، کیونکہ تا حال مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا، تاہم آپ ﷺ بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کے از حد متمنی تھے۔یہود کی طعنہ زنی اور مشرکین مکہ کی تنقید یہودی بھی اسی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے، اسی وجہ سے بیت المقدس مسلمانوں اور یہود کا مشترکہ قبلہ شمار ہوتا تھا۔یہود بدطینت لوگ تھے۔اسی بات پر رسول اللہ ﷺ پر طعن کرتے تھے اور آپ کی بابت کہا کرتے تھے۔

يُخَالِفُنَا مُحَمَّدٌ وَيَتَّبِعُ قِبْلَتَنَا (1)

''ویسے تو محمد (ﷺ) ہماری مخالفت میں پیش پیش ہیں، لیکن رخ ہمارے قبلے ہی کی طرف کرتے ہیں۔''

یوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ اصحاب رسول کو بھی یہ طعنہ دیتے تھے کہ اگر تم کسی جداگانہ ہدایت پر ہوتے تو ہمارے قبلے کی طرف رخ نہ کرتے، اس لیے اب مذہب بھی ہمارا ہی اختیار کر لو۔مشرکین مکہ بھی اصحاب رسول پر ایسی ہی تنقید کرتے تھے۔وہ کہتے تھے کہ تم ملت ابراہیمی کے پیروکار ہونے کے دعویدار ہو، لیکن تمھارا عمل اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تو کعبہ تھا جبکہ تم یہود کے قبلے کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہو، یہ ملت ابراہیمی سے کیسی وابستگی ہے؟

رسول اللہ ﷺ کی بے قراری

یہود کی اسی طعنہ زنی کی وجہ سے بیت المقدس کی طرف رخ کرنا رسول اللہ ﷺ پر انتہائی شاق گزرتا تھا۔آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ قبلہ تبدیل کر دیا جائے، اس غرض سے آپ جبرائیل علیہ السلام سے بھی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے کعبۃ اللہ کو قبلہ متعین کرنے کی درخواست کرو۔حضرت جبرائیل علیہ السلام عرض کرتے کہ میں از خود تو اللہ عزوجل سے اس بارے میں کچھ عرض نہیں کروں گا، ہاں! اگر مجھ سے پوچھا جائے گا تو ضرور عرض کر دوں گا۔(2)

رسول اللہ ﷺ رہ رہ کر تحویل قبلہ کی تمنا کا اظہار کرتے رہے۔آپ ﷺ اسی غرض سے بار بار اپنا چہرہ پر انوار

آسمان کی طرف اُٹھاتے، جس کا تذکرہ کرتے ہوئے رب تعالیٰ نے فرمایا:

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ (3)

''اے نبی! یہ آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کی تحویل قبلہ کی خواہش کی وجہ جہاں یہود مدینہ اور مشرکین مکہ کی طعنہ زنی تھی، وہیں اس کا اہم ترین سبب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تعمیر کردہ قبلے کی بدرجہ غایت محبوبیت بہت تھی۔ مزید براں اس سے یہود کی مخالفت بھی مقصود تھی۔

قبلہ کی تبدیلی

متعدد اسباب کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی خواہش کا لحاظ رکھتے ہوئے، اپنی حکمت عالیہ کے پیش نظر اور اپنی نعمت کا اتمام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہی قبلہ عطا کر دیا جس کے آپ ﷺ شدید آرزومند تھے۔ رب تعالیٰ آپ ﷺ کی چاہت اور پسند کا بہت خیال رکھتے تھے، جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَرَى رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ (4)

''اللہ کے رسول ﷺ میں نے تو یہی مشاہدہ کیا ہے کہ آپ کا رب آپ کی خواہش بڑی جلدی پوری فرما دیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات میں اپنے حبیب ﷺ کی پسند کا خیال رکھتے ہوئے قبلے کی تبدیلی کی

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾ (5)

''آپ ﷺ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں، لو ہم اسی قبلے کی طرف آپ کو پھیر دیتے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں، لہٰذا مسجد الحرام کی طرف اپنا رخ پھیر دیں۔ اب جہاں کہیں بھی تم ہو اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔ اور بلاشبہ جنھیں کتاب دی گئی تھی، وہ خوب جانتے ہیں کہ (تحویل قبلہ کا) یہ حکم ان کے رب ہی کی طرف سے ہے اور برحق ہے، مگر اس کے باوجود جو یہ کچھ کر رہے ہیں، اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔''

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ میں شمال کے بجائے جنوب میں کعبۃ اللہ کی طرف جا کر کے نماز

ادا کرنے لگے۔اس کے بعد جہاں بھی آپ عبادت بجالاتے اس کی طرف رخ کرتے۔اب قیامت تک کے لیے یہی گھر مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا بے مثل جذبۂ اطاعت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کی روشنی میں قبلہ تبدیل کرلیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کی خبر جونہی گردونواح میں پھیلی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عین اسی لمحے کامل جذبۂ اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نماز کی حالت میں قبلہ تبدیل کردیا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قباء میں اصحاب رسول فجر کی نماز ادا کررہے تھے کہ کسی نے آکر بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تحویل قبلہ کے بارے میں قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا تم بھی کعبے کی طرف اپنا رخ پھیرلو۔ان اصحاب کے رخ شام (بیت المقدس) کی طرف تھے، چنانچہ وہ دوران نماز ہی کعبہ کی طرف پھر گئے۔(6)

اسی طرح بنو حارثہ قبیلے میں ایک آدمی نے جاکر اطلاع دی کہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کی طرف رخ کر کے نماز ادا کر کے آیا ہوں، اس صحابی کی یہ بات سنتے تمام اصحاب نے جاری نمار میں اپنا رخ تبدیل کرلیا۔مرد نماز ہی کی حالت میں عورتوں کی جگہ چلے گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ آگئیں۔(7)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک خلجان

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تشویش لاحق ہوئی کہ جو اصحاب تحویل قبلہ سے پہلے ہی اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے ہیں، ان کی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا بنے گا؟ اس پر درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں اہل ایمان کو تسلی دی گئی، اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٣﴾ (8)

''اللہ تمھارے اس ایمان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔یقین جانو کہ وہ لوگوں کے حق میں نہایت شفیق ورحیم ہے۔''

اس آیت میں نماز کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے بالکل عیاں ہے کہ بنا نماز ایمان کا وجود ہی مشکوک ہے۔

اہل حقد کی کینہ پروری کا نیا رخ

مشرکین اور یہود قبلے کی تبدیلی سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے متعلق طرح طرح کی باتیں

کرتے تھے، تحویل قبلہ کے بعد بھی وہ اسی ڈگر پر چل پڑے۔ تحویل قبلہ سے پہلے مشرکین طعنہ دیتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیروکار کہتے ہیں اور قبلہ یہود کا اپنائے ہوئے ہیں۔ یہود کا اعتراض یہ تھا کہ ویسے تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہماری مخالفت کرتے ہیں لیکن رخ ہمارے ہی قبیلے کی طرف کرتے ہیں۔ تحویل قبلہ کے بعد ان دونوں اعدائے اسلام نے اپنا انداز طعن و تشنیع بدل لیا۔

یہود کے بڑے بڑے لوگ جیسے رفاعہ بن قیس، قردم بن عمرہ کعب بن اشرف، رافع بن ابی رافع، حجاج بن عمرو، رافع بن ربیع بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے اے محمد! جس قبیلے پر تم پہلے تھے۔ اس سے تمہیں کس نے پھیر دیا، حالانکہ تمہارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ تم ملت ابراہیمی کے پیروکار ہو؟ اگر تم اپنے پہلے قبلے ہی کو اختیار کر لو تو ہم تمہاری اتباع کریں گے اور تمہاری تصدیق بھی کریں گے۔ ان باتوں سے یہود کا مقصود آپ کو ورغلانا اور آپ کو دھوکا دینا تھا ان کے اس مکروہ طرز عمل کے متعلق درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ (9)

''نادان لوگ ضرور کہیں گے کہ انھیں کیا ہوگیا کہ پہلے یہ جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس سے یکا یک پھر گئے۔ اے نبی! ان سے کہو، مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔''

ایک طرف یہود ان الفاظ سے طعنوں کے نشتر چلاتے تھے اور دوسری طرف کہتے تھے کہ آپ نے کعبے کی طرف اس لیے منہ کر لیا ہے کہ مکہ میں آپ کے باپ دادا کا گھر ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ قبلہ یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاتا کہ کبھی مکہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی جاتی اور کبھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کر لی جاتی ہے۔

یہود آپ کو اس لیے یہ طعنہ دیتے تھے کہ ان کا دعوی تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمیت سابق تمام انبیائے کرام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا، حالانکہ ایسا نہ تھا۔

دوسری طرف مشرکین مکہ نے بھی یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ وہ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قبلے کے بہانے ہماری طرف رخ کر لیا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوگیا ہے کہ ہم ہی ہدایت پر ہیں۔ امید ہے کہ عنقریب ہمارا مذہب بھی اختیار کرے گا۔ (10)

تحویل قبلہ پر یہود کا حسد

درحقیقت یہود کی فطرت ہی میں کینہ پروری، طعنہ زنی اور حسد و بغض شامل ہے۔ اہل اسلام سے یہود کا حسد و بغض ڈھکا چھپا نہیں۔ یہود کے اس رویے کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (11)

''اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمھیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں۔ اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے، مگر اپنے نفس کے حسد کی بنیاد پر وہ ایسا چاہتے ہیں۔''

اسی فاسد ارادے اور حسد کی بنا پر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سابق قبلے کی طرف رجوع کا مشورہ دیا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہود کے اس حسد و بغض کے بارے میں فرماتی ہیں کہ یہود ہم سے سب سے زیادہ حسد روز جمعہ کے بارے میں کرتے تھے، جس کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم فرمائی اور یہود اس سے غافل رہے۔ اس طرح وہ ہمیں عطا کردہ قبلے کے معاملے میں بھی ہم سے حسد کرتے ہیں، جبکہ وہ خود اس سے بیگانہ اور جاہل رہے۔ اسی طرح وہ امام کے پیچھے آمین کہنے پر بھی حسد کرتے ہیں۔ (12)

منافقین کی مذموم حرکت

تحویل قبلہ پر اہل ایمان کو نشانہ بنانے میں منافقین بھی پیچھے نہ رہے۔ یہود و مشرکین کے ساتھ ساتھ منافقین نے بھی اس موقع پر خوب پروپیگنڈا کیا۔ یہ تو ہر پل موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ تحویل قبلہ پر بھی ایسے ہی ہوا۔ منافقین کہنے لگے: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی عجیب ہیں، کبھی ہمیں کسی طرف رُخ کرنے کا کہتے ہیں اور کبھی کسی طرف۔ (13)

مگر ان شر پسند عناصر کو اس موقع پر بھی مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔ دشمنان دین اہل اسلام کو بدظن کرنے میں تو ناکام رہے، البتہ اس موقع پر اعدائے دین کا بغض خوب عیاں ہوا۔

روزوں کی فرضیت

ہجرت کو کم و بیش ڈیڑھ سال بیت چکا تھا کہ شعبان ۲ ھ میں ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم وزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ اس کی فرضیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان الفاظ سے مخاطب فرمایا:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَتَّقُوْنَ (14)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر (رمضان کا) روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، اس توقع سے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو جائے۔''

ابن سعد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہجرت مدینہ کے ڈیڑھ سال اور تحویل قبلہ کے ایک ماہ بعد شعبان میں رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی۔ (15)

امام نووی اور ابن قیم کی تحقیق بھی یہی ہے کہ 2ھ کو ماہ شعبان میں رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی۔ فرضیت صوم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات تک نو مرتبہ ماہ رمضان کے روزے رکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کے روزوں کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَيْكُمْ (16)

''بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کیے ہیں۔''

فرضیت رمضان سے قبل عاشوراء اور دیگر روزے

ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے قبل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے رکھا کرتے تھے اور آپ کے اصحاب بھی اس پر عمل پیرا تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصُومُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تَرَكَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ(17)

''دور جاہلیت میں قریش عاشوراء یعنی دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تشریف لائے تو آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی یہ روزہ رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ بعد ازاں (دو ہجری میں) رمضان کی فرضیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ روزہ ترک کر دیا۔ پھر جو شخص چاہتا یہ روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔''

ایک دوسری حدیث میں عاشوراء کے روزے کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے پایا۔ جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو وہ کہنے لگے:

هٰذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ، أَنجى اللهُ فِيهِ مُوسَى وَقَوْمَهُ، وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوسَى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُومُهُ(18)

''یہ عظیم دن ہے۔اس روز اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی تھی ،فرعون اور اس کے لشکریوں کو غرقاب کیا تھا،جس پر موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کا روزہ رکھا اور اب ہم بھی اس کا روزہ رکھتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:(فنحنُ أحقُّ وَأَوْلَى بِمُوسَى مِنكُمْ)ہم تو تم سے بڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے قریبی اور حقدار ہیں۔''اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس روزے کا حکم دیا۔(19)

مگر یہ حکم بھی استحباب اور اختیار کے لیے تھا،جیسا کہ حدیث میں وضاحت ہے کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ نہ رکھے۔(20)

مکہ میں چونکہ قریش اس دن کا روزہ رکھتے تھے،اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس دن کا روزہ رکھا۔مدینہ تشریف آوری کے بعد جب اس کی اصل وجہ معلوم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ روزہ فرض قرار دے دیا۔

بعدازاں رمضان کے فرض ہونے پر عاشوراء کا روزہ فضل قرار پایا۔فرضیت رمضان سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاشوراء کے علاوہ ہر ماہ تین روزے رکھا کرتے تھے۔(21)

صیام رمضان کی فرضیت

فرضیت صیام کی بابت قرآن کریم میں ''کتب'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی فرض قرار دینے کے ہیں۔جیسا کہ مفسرین نے صراحت کی ہے۔اسی لفظ کو دیگر احکام کی بابت بھی فرضیت کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے،جیسے فرمایا:

كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ(22)

''تم پر قتال فرض کیا گیا ہے۔''

یہاں بھی کتب فرض قرار دینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ نے رمضان کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ ؕ (23)

''تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے۔''

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی رمضان کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فرمایا

إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَيْكُمْ (24)

''بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر رمضان کا روزہ رکھنا فرض کیا ہے۔''

اسلام کے بنیادی پانچ ارکان میں رمضان کے روزے بھی شامل ہیں۔ ایک دفعہ ایک دیہاتی شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنے روزے فرض کیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ (25)

''صرف ماہ رمضان کے روزے۔''

ان دلائل سے بالکل عیاں ہے کہ نماز، زکوٰۃ اور حج کی طرح رمضان کے روزے بھی فرض ہیں۔

فرضیت صیام رمضان کے مراحل

دیگر متعدد احکام وفرائض کی طرح رمضان کے روزوں کو بھی تدریجی مراحل میں فرض کیا گیا۔ ان مراحل کے پیچھے حکمت الٰہیہ کارفرما تھی۔ ان مراحل کے بارے میں حدیث میں تین ادوار کا ذکر ملتا ہے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کی طرح روزوں کو بھی تین مراحل سے گزرنا پڑا جو درج ذیل ہیں:

پہلا مرحلہ

مدینہ آمد پر رسول اللہ ﷺ ہر مہینے تین دن اور عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر ماہ رمضان کے روزے فرض قرار دیئے گئے، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى ٱلَّذِينَ يُطِيقُونَهُۥ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ (26)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ گنتی کے چند دن ہیں۔ تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرلے اور جو اس کی طاقت نہیں رکھتے، وہ فدیے میں ایک مسکین کو کھانا دیں۔''

اس حکم الٰہی کے نزول کے بعد جو چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا اپنے روزے کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ یہ فدیہ اس کے روزے کا متبادل ہوتا۔ (ایک رمضان یوں ہی گزرا۔)

دوسرا مرحلہ

ایک سال کے بعد دوسرا مرحلہ آیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ (27)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں، لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔''

اس مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے مقیم اور تندرست آدمی پر روزوں کو فرض قرار دیا، جبکہ مریض اور مسافر کو رخصت دی کہ وہ روزہ نہ رکھے اور دوسرے ایام میں ان کی قضا دے دے۔ اور وہ انتہائی عمر رسیدہ خواتین و حضرات جو روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے، انھیں صرف فدیہ کا پابند کیا۔ دو سال تک روزوں کا معاملہ یوں ہی جاری رہا۔

تیسرا مرحلہ

تیسرے مرحلے کا تعلق روزے کے دورانیے اور اس کی پابندیوں سے تھا۔ شروع میں روزے کی صورت یوں تھی کہ سونے سے پہلے تک لوگ کھاتے پیتے اور اپنی ازواج کے ہاں جاتے۔ ایک دفعہ نیند آنے کے بعد کھا پی سکتے نہ اپنی ازواج کے قریب جا سکتے تھے۔ اس کے بعد انھیں بغیر کھائے ہی روزہ رکھنا پڑتا۔ ایک دفعہ حضرت صِرمہ رضی اللہ عنہ سارا دن روزے کی حالت میں کام کاج کرتے رہے۔ رات کو تھکے ماندے گھر لوٹے تو عشاء کی نماز پڑھ کر بغیر کچھ کھائے ہی سو گئے۔ صبح بیدار ہوئے تو اسی حالت میں بغیر کھائے پیے روزہ رکھا۔ اس وجہ سے خاصی کمزوری ہو گئی اور مشقت سے دو چار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچانک انھیں اس حالت میں دیکھا تو پوچھا:

مَا لِي أَرَاكَ قَدْ جَهَدْتَ جَهْدًا شَدِيدًا ؟

'' تم مجھے اتنے کمزور کیوں لگ رہے ہو؟''

سیدنا صِرمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سارا دن میں کام کاج کرتا رہا اور تھکاوٹ کی وجہ سے رات کو یوں ہی بغیر کھائے پیے سو گیا اور پھر بغیر کھائے پیے روزہ رکھ لیا۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی سو کر اٹھنے کے بعد اپنی لونڈی کے پاس

چلے گئے۔صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بے قراری کا تذکرہ کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ (28)

''تمھارے لیے روزوں کی راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔اللہ کو علم ہے کہ تم لوگ (چپکے چپکے) اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے،مگر اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تم سے درگزر فرمایا۔اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو لکھ دیا ہے اس کی جستجو کرو، نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے (شب کی) سیاہ دھاری سے سپیدی صبح کی دھاری نمایاں ہو جائے۔تب (یہ سب کام چھوڑ کر) رات تک اپنا روزہ پورا کرو۔"

اب اس صورت میں روزوں کی فرضیت جاری ہے۔(29)

فرضیت رمضان سے قبل رائج صیام کی صورت کو بھی اگر شمار کیا جائے تو پھر روزوں کی فرضیت کے چار تدریجی مراحل بنتے ہیں، جبکہ محض رمضان میں مختلف احکام کی تبدیلی کے اعتبار سے تین مراحل ہیں جو فطرت انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار کیے گئے ہیں، جیسا کہ فرضیت نماز اور حرمت شراب کے احکام بھی مرحلہ وار اترے۔

اب تک حضور ﷺ کو خدا کی طرف سے صرف یہ حکم تھا کہ دلائل اور موعظۂ حسنہ کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہیں اور مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں پر صبر کا حکم تھا اسی لئے کافروں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، مگر مسلمانوں نے انتقام کے لئے کبھی ہتھیار نہیں اٹھایا بلکہ ہمیشہ صبر وتحمل کے ساتھ کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے لیکن ہجرت کے بعد جب سارا عرب اور یہودی ان مٹھی بھر مسلمانوں کے جانی دشمن ہو گئے اور ان مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دینے کا عزم کر لیا تو خداوند قدوس نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ جو لوگ تم سے جنگ کی ابتدا کریں ان سے تم بھی لڑ سکتے ہو۔چنانچہ ۱۲ صفر ۲ ھ تواریخ اسلام میں وہ یادگار دن ہے جس میں خداوند کردگار نے مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور یہ آیت نازل فرمائی کہ

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ۳۹ (30)

''جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ (مسلمان) مظلوم

ہیں اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔‘‘

حضرت امام محمد بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جہاد کی اجازت کے بارے میں یہی وہ آیت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی۔ مگر تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جہاد کے بارے میں سب سے پہلے جو آیت اتری وہ یہ ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (31)

’’خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم لوگوں سے لڑتے ہیں۔‘‘

بہر حال ۲ ھ میں مسلمانوں کو خداوند تعالیٰ نے کفار سے لڑنے کی اجازت دے دی مگر ابتداء میں یہ اجازت مشروط تھی یعنی صرف انہیں کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت تھی جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔ مسلمانوں کو ابھی تک اس کی اجازت نہیں ملی تھی کہ وہ جنگ میں اپنی طرف سے پہل کریں لیکن حق واضح ہو جانے اور باطل ظاہر ہو جانے کے بعد چونکہ تبلیغ حق اور احکام الٰہی کی نشر و اشاعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض تھی اس لئے تمام اُن کفار سے جو عناد کے طور پر حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے جہاد کا حکم نازل ہو گیا خواہ وہ مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کریں یا نہ کریں کیونکہ حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد حق کو قبول کرنے کے لئے مجبور کرنا اور باطل کو جبراً ترک کرانا یہ عین حکمت اور بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کے لئے انتہائی ضروری تھا۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجرت کے بعد جتنی لڑائیاں بھی ہوئیں اگر پورے ماحول کو گہری نگاہ سے بغور دیکھا جائے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب لڑائیاں کفار کی طرف سے مسلمانوں کے سر پر مسلط کی گئیں اور غریب مسلمان بدرجۂ مجبوری تلوار اٹھانے پر مجبور ہوئے۔ مثلاً مندرجہ ذیل چند واقعات پر ذرا تنقیدی نگاہ سے نظر ڈالیے:

1. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر انتہائی بیکسی کے عالم میں مدینہ چلے آئے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اب اطمینان سے بیٹھ رہتے کہ ان کے دشمن یعنی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان ان کے شہر سے نکل گئے مگر ہوا یہ کہ ان کافروں کے غیظ و غضب کا پارہ اتنا چڑھ گیا کہ اب یہ لوگ اہل مدینہ کے بھی دشمن جان بن گئے۔ چنانچہ ہجرت کے چند روز بعد کفار مکہ نے رئیس انصار ”عبداللہ بن ابی“ کے پاس دھمکیوں سے بھرا ہوا ایک خط بھیجا۔ ”عبداللہ بن ابی“ وہ شخص ہے کہ واقعۂ ہجرت سے پہلے تمام مدینہ والوں نے اس کو اپنا بادشاہ مان کر اس کی تاج پوشی کی تیاری کر لی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہ اسکیم ختم ہو گئی۔ چنانچہ اسی غم و غصہ میں عبداللہ بن اُبی عمر بھر منافقوں کا سردار بن کر اسلام کی بیخ کنی کرتا رہا اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں مصروف رہا۔ (32)

بہر کیف کفار مکہ نے اس دشمن اسلام کے نام جو خط لکھا اس کا مضمون یہ ہے کہ تم نے ہمارے آدمی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو وہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے تمام لڑنے والے جوانوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے(33)

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار مکہ کے اس تہدید آمیز اور خوفناک خط کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے عبداللہ بن اُبی سے ملاقات فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "کیا تم اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرو گے۔" چونکہ اکثر انصار دامن اسلام میں آچکے تھے اس لئے عبداللہ بن اُبی نے اس نکتہ کو سمجھ لیا اور کفار مکہ کے حکم پر عمل نہیں کر سکا۔

2 ٹھیک اسی زمانے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ گئے اور پرانے تعلقات کی بنا پر "اُمیہ بن خلف" کے مکان پر قیام کیا۔ جب اُمیہ ٹھیک دوپہر کے وقت ان کو ساتھ لے کر طوافِ کعبہ کے لئے گیا تو اتفاق سے ابوجہل سامنے آ گیا اور ڈانٹ کر کہا کہ اے اُمیہ! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اُمیہ نے کہا کہ یہ مدینہ کے رہنے والے "سعد بن معاذ" ہیں۔ یہ سن کر ابوجہل نے تڑپ کر کہا کہ تم لوگوں نے بے دھرموں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ) کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم اُمیہ کے ساتھ میں نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی انتہائی جرأت اور دلیری کے ساتھ یہ جواب دیا کہ اگر تم لوگوں نے ہم کو کعبہ کی زیارت سے روکا تو ہم تمہاری شام کی تجارت کا راستہ روک دیں گے۔(34)

3 کفارِ مکہ نے صرف انہی دھمکیوں پر بس نہیں کیا بلکہ وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے قتل عام کا منصوبہ بنانے لگے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ کفار مکہ نے سارے عرب پر اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے تمام قبائل میں یہ آگ بھڑکا دی تھی کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ بالا تینوں وجوہات کی موجودگی میں ہر عاقل کو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ ان حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حفاظت خود اختیاری کے لئے کچھ نہ کچھ تدبیر کرنی ضروری ہی تھی تا کہ انصار و مہاجرین اور خود اپنی زندگی کی بقاء اور سلامتی کا سامان ہو جائے چنانچہ کفارِ مکہ کے خطرناک ارادوں کا علم ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اور صحابہ کی حفاظت خود اختیاری کے لئے دو تدبیروں پر عمل درآمد کا فیصلہ فرمایا۔

اوّل: یہ کہ کفار مکہ کی شامی تجارت جس پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے اس میں رکاوٹ ڈال دی جائے تا کہ وہ مدینہ

پرحملہ کا خیال چھوڑ دیں اور صلح پر مجبور ہو جائیں۔

دوم: یہ کہ مدینہ کے اطراف میں جو قبائل آباد ہیں ان سے امن وامان کا معاہدہ ہو جائے تاکہ کفار مکہ مدینہ پر حملہ کی نیت نہ کر سکیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی دو تدبیروں کے پیش نظر صحابہ کرام کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کو مدینہ کے اطراف میں بھیجنا شروع کر دیا اور بعض بعض لشکروں کے ساتھ خود بھی تشریف لے گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ چھوٹے چھوٹے لشکر کبھی کفار مکہ کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لئے جاتے تھے اور کہیں بعض قبائل سے معاہدۂ امن وامان کرنے کے لئے روانہ ہوتے تھے۔ کہیں اس مقصد سے بھی جاتے تھے کہ کفارِ مکہ کی شامی تجارت کا راستہ بند ہو جائے۔ اسی سلسلہ میں کفارِ مکہ اور ان کے حلیفوں سے مسلمانوں کا ٹکراؤ شروع ہوا اور چھوٹی بڑی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا انہی لڑائیوں کو تاریخ اسلام میں "غزوات وسرایا" کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

غزوہ وسریّہ کا فرق

یہاں مصنفین سیرت کی یہ اصطلاح یاد رکھنی ضروری ہے کہ وہ جنگی لشکر جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے گئے اس کو "غزوہ" کہتے ہیں اور وہ لشکروں کی ٹولیاں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامل نہیں ہوئے ان کو "سرِیّہ" کہتے ہیں۔(35)

سریۂ حمزہ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد جب جہاد کی آیت نازل ہوگئی تو سب سے پہلے جو ایک چھوٹا سا لشکر کفار کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا اس کا نام "سریۂ حمزہ" ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور اس جھنڈے کے نیچے صرف ۳۰ مہاجرین کو ایک لشکر کفار کے مقابلہ کے لیے بھیجا جو تین سو کی تعداد میں تھے اور ابو جہل ان کا سپہ سالار تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ "سیف البحر" تک پہنچے اور دونوں طرف سے جنگ کے لیے صف بندی بھی ہو گئی لیکن ایک شخص مجدی بن عمرو جہنی نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا بیچ میں پڑ کر لڑائی موقوف کرا دی۔(36)

سریۂ عبیدہ بن الحارث

اسی سال ساٹھ یا اسّی مہاجرین کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو سفید جھنڈے کے ساتھ امیر بنا کر "رابغ" کی طرف روانہ فرمایا۔ اس سریہ کے علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جب یہ لشکر "ثنیۂ مرہ" کے

مقام پر پہنچا تو ابوسفیان اور ابوجہل کے لڑکے عکرمہ کی کمان میں دوسو کفار قریش جمع تھے دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا یہ سب سے پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی طرف سے کفار مکہ پر چلایا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کل آٹھ تیر پھینکے اور ہر تیر نشانہ پر ٹھیک بیٹھا۔ کفار ان تیروں کی مار سے گھبرا کر فرار ہو گئے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ (37)

سریۂ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

اسی سال ماہ ذوالقعدہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقصد سے بھیجا تا کہ یہ لوگ کفار قریش کے ایک لشکر کا راستہ روکیں، اس سریہ کا جھنڈا بھی سفید رنگ کا تھا اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اس لشکر کے علمبردار تھے۔ یہ لشکر راتوں رات سفر کرتے ہوئے جب پانچویں دن مقام "خرار" پر پہنچا تو پتہ چلا کہ مکہ کے کفار ایک دن پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں اس لیے کسی تصادم کی نوبت ہی نہیں آئی۔ (38)

غزوۂ ابواء

اس غزوہ کو "غزوہ ودان" بھی کہتے ہیں۔ یہ سب سے پہلا غزوہ ہے یعنی پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد کے ارادہ سے ماہ صفر ۲ ھ میں ساٹھ مہاجرین کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا اور مقام "ابواء" تک کفار کا پیچھا کرتے ہوئے تشریف لے گئے مگر کفار مکہ فرار کر چکے تھے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ "ابواء" مدینہ سے اسّی میل دور ایک گاؤں ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار ہے۔ یہاں چند دن ٹھہر کر قبیلہ بنوضمرہ کے سردار "مخشی بن عمرو ضمری" سے امداد باہمی کا ایک تحریری معاہدہ کیا اور مدینہ واپس تشریف لائے اس غزوہ میں پندرہ دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر رہے۔ (39)

غزوۂ بواط

ہجرت کے تیرھویں مہینے ۲ ھ میں مدینہ پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حاکم بنا کر دوسو مہاجرین کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد کی نیت سے روانہ ہوئے۔ اس غزوہ کا جھنڈا بھی سفید تھا اور علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ اس غزوہ کا مقصد کفار مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنا تھا۔ اس قافلہ کا سالار "امیہ بن خلف جمحی" تھا اور اس قافلہ میں ایک سو قریشی کفار اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قافلہ کی تلاش میں مقام "بواط" تک تشریف لے گئے مگر کفار قریش کا کہیں سامنا نہیں ہوا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی جنگ کے مدینہ واپس تشریف لائے۔ (40)

امیر سریہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر ہم ان قافلہ والوں کو چھوڑ دیں تو یہ لوگ مکہ پہنچ کر ہم لوگوں کی یہاں موجودگی سے مکہ والوں کو باخبر کر دیں گے اور ہم لوگوں کو قتل یا گرفتار کرا دیں گے اور اگر ہم ان لوگوں سے جنگ کریں تو آج رجب کی آخری تاریخ ہے لہٰذا شہر حرام میں جنگ کرنے کا گناہ ہم پر لازم ہوگا۔ آخر یہی رائے قرار پائی کہ ان لوگوں سے جنگ کر کے اپنی جان کے خطرہ کو دفع کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ وہ عمرو بن الحضرمی کو لگا اور وہ اسی تیر سے قتل ہو گیا اور عثمان و حکم کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا، نوفل بھاگ نکلا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اونٹوں اور ان پر لدے ہوئے مال و اسباب کو مالِ غنیمت بنا کر مدینہ لوٹ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ پیش کیا۔

جو لوگ قتل یا گرفتار ہوئے وہ بہت ہی معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا۔ عمرو بن الحضرمی پہلا کافر تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان اور حکم، ان میں سے عثمان تو مغیرہ کا پوتا تھا جو قریش کا ایک بہت بڑا رئیس شمار کیا جاتا تھا اور حکم بن کیسان ہشام بن المغیرہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس بنا پر اس واقعہ نے تمام کفارِ قریش کو غیظ و غضب میں آگ بگولہ بنا دیا اور "خون کا بدلہ خون" لینے کا نعرہ مکہ کے ہر کوچہ و بازار میں گونجنے لگا اور درحقیقت جنگ بدر کا معرکہ اسی واقعہ کا ردعمل ہے۔ چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ بدر اور تمام لڑائیاں جو کفارِ قریش سے ہوئیں ان سب کا بنیادی سبب عمرو بن الحضرمی کا قتل ہے جس کو حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر قتل کر دیا تھا۔ (43)

غزوہ بنی قینقاع

رمضان ۲ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگِ بدر کے معرکہ سے واپس ہو کر مدینہ واپس لوٹے۔ اس کے بعد ہی ۱۵ شوال ۲ھ میں "غزوہ بنی قینقاع" کا واقعہ درپیش ہو گیا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبائل آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔ ان تینوں سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا مگر جنگِ بدر کے بعد جس قبیلہ نے سب سے پہلے معاہدہ توڑا وہ قبیلہ بنو قینقاع کے یہودی تھے جو سب سے زیادہ بہادر اور دولت مند تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک برقع پوش عرب عورت یہودیوں کے بازار میں آئی، دکانداروں نے شرارت کی اور اس عورت کو ننگا کر دیا اس پر تمام یہودی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے، عورت چلائی تو ایک عرب آیا اور دکاندار کو قتل کر دیا اس پر یہودیوں اور عربوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور یہودیوں کی اس غیر شریفانہ حرکت پر ملامت فرمانے لگے۔

غزوۂ سفوان

اسی سال "کرز بن جابر فہری" نے مدینہ کی چراگاہ میں ڈاکہ ڈالا اور کچھ اونٹوں کو ہانک کر لے گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علمبردار بنا کر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ وادی سفوان تک اس ڈاکو کا تعاقب کیا مگر وہ اس قدر تیزی کے ساتھ بھاگا کہ ہاتھ نہیں آیا اور حضور ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے۔ وادی سفوان "بدر" کے قریب ہے اسی لیے بعض مؤرخین نے اس غزوہ کا نام "غزوۂ بدرِ اولیٰ" رکھا ہے۔ اس لیے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غزوۂ سفوان اور غزوۂ بدرِ اولیٰ دونوں ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں۔ (41)

غزوۂ ذی العُشیرہ

اسی ۲ ھ میں کفار قریش کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر مکہ سے شام جا رہا تھا۔ حضور ﷺ ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین صحابہ کو ساتھ لے کر اس قافلہ کا راستہ روکنے کے لیے مقام "ذی العشیرہ" تک تشریف لے گئے جو "ینبوع" کی بندرگاہ کے قریب ہے مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اس لیے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا مگر یہی قافلہ جب شام سے واپس لوٹا اور حضور ﷺ اس کی مزاحمت کے لیے نکلے تو جنگ بدر کا معرکہ پیش آ گیا جس کا مفصل ذکر آگے آتا ہے۔ (42)

سریۂ عبداللہ بن جحش

اسی سال ماہ رجب ۲ ھ میں حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر ان کی ماتحتی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کا ایک جتھہ روانہ فرمایا، دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو لفافہ میں ایک مہر بند خط دیا اور فرمایا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اس لفافہ کو کھول کر پڑھنا اور اس میں جو ہدایات لکھی ہوئی ہیں ان پر عمل کرنا۔ جب خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ درج تھا کہ تم طائف اور مکہ کے درمیان مقام "نخلہ" میں ٹھہر کر قریش کے قافلوں پر نظر رکھو اور صورت حال کی ہمیں برابر خبر دیتے رہو۔

یہ بڑا ہی خطرناک کام تھا کیونکہ دشمنوں کے عین مرکز میں قیام کر کے جاسوسی کرنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا مگر یہ سب جاں نثار بے دھڑک مقام "نخلہ" پہنچ گئے۔ عجیب اتفاق کہ رجب کی آخری تاریخ کو یہ لوگ نخلہ میں پہنچے اور اسی دن کفار قریش کا ایک تجارتی قافلہ آیا جس میں عمرو بن الحضرمی اور عبداللہ بن مغیرہ کے دولڑکے عثمان و نوفل اور حکم بن کیسان وغیرہ تھے اور اونٹوں پر کھجور اور دوسرا مالِ تجارت لدا ہوا تھا۔

اس پر بنوقینقاع کے خبیث یہودی بگڑ گئے اور بولے کہ جنگِ بدر کی فتح سے آپ مغرور نہ ہو جائیں مکہ والے جنگ کے معاملہ میں بے ڈھنگے تھے اس لئے آپ نے ان کو مار لیا اگر ہم سے آپ کا سابقہ پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ کس چیز کا نام ہے؟ اور لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ جب یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نصف شوال ۲ھ سنیچر کے دن ان یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ یہودی جنگ کی تاب نہ لا سکے اور اپنے قلعوں کا پھاٹک بند کر کے قلعہ بند ہو گئے مگر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بالآخر یہودی مغلوب ہو گئے اور ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے ان یہودیوں کو شہر بدر کر دیا اور یہ عہد شکن، بدذات یہودی ملک شام کے مقام "اذرعات" میں جا کر آباد ہو گئے۔ (44)

غزوۂ سویق

یہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ جنگِ بدر کے بعد مکہ کے ہر گھر میں سردارانِ قریش کے قتل ہو جانے کا ماتم برپا تھا اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لئے مکہ کا بچہ بچہ مضطرب اور بے قرار تھا۔ چنانچہ غزوۂ سویق اور جنگِ اُحد وغیرہ کی لڑائیاں مکہ والوں کے اسی جوشِ انتقام کا نتیجہ ہیں۔ عتبہ اور ابوجہل کے قتل ہو جانے کے بعد اب قریش کا سردارِ اعظم ابوسفیان تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا کام غزوۂ بدر کا انتقام تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے قسم کھا لی کہ جب تک بدر کے مقتولوں کا مسلمانوں سے بدلہ نہ لوں گا نہ غسل جنابت کروں گا نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔

چنانچہ جنگِ بدر کے دو ماہ بعد ذوالحجہ ۲ھ میں ابوسفیان دو سو شتر سواروں کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ اس کو یہودیوں پر بڑا بھروسا بلکہ ناز تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ اس کی امداد کریں گے۔ اسی امید پر ابوسفیان پہلے "حیی بن اخطب" یہودی کے پاس گیا مگر اس نے دروازہ بھی نہیں کھولا۔

وہاں سے مایوس ہو کر سلام بن مشکم سے ملا جو قبیلہ بنونضیر کے یہودیوں کا سردار تھا اور یہود کے تجارتی خزانہ کا مینیجر بھی تھا اس نے ابوسفیان کا پر جوش استقبال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام جنگی رازوں سے ابوسفیان کو آگاہ کر دیا۔ صبح کو ابوسفیان نے مقام "عریض" پر حملہ کیا یہ بستی مدینہ سے تین میل کی دوری پر تھی، اس حملہ میں ابوسفیان نے ایک انصاری صحابی کو جن کا نام سعد بن عمرو رضی اللہ عنہ تھا شہید کر دیا اور کچھ درختوں کو کاٹ ڈالا اور مسلمانوں کے چند گھروں اور باغات کو آگ لگا کر پھونک دیا، ان حرکتوں سے اس کے گمان میں اس کی قسم پوری ہو گئی۔

جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کا تعاقب کیا لیکن ابوسفیان بدحواس ہو کر اس قدر تیزی

سے بھاگا کہ بھاگتے ہوئے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کی بوریاں جو وہ اپنی فوج کے راشن کے لئے لایا تھا پھینکتا چلا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔عربی زبان میں ستو کو سویق کہتے ہیں اسی لئے اس غزوہ کا نام غزوہ سویق پڑ گیا۔(45)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی

اسی سال ۲ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی خانہ آبادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ ہوئی۔یہ شادی انتہائی وقار اور سادگی کے ساتھ ہوئی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرات ابوبکر صدیق وعمر وعثمان وعبدالرحمن بن عوف اور دوسرے چند مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کو مدعو کریں۔چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور نکاح پڑھا دیا۔

شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہزادی اسلام حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں جو سامان دیا اس کی فہرست یہ ہے: ایک کملی، بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا گدا جس میں روئی کی جگہ کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے۔

حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک مکان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لئے نذر کر دیا کہ اس میں حضرت علی اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سکونت فرمائیں۔جب حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر نئے گھر میں گئیں تو عشاء کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ایک برتن میں پانی طلب فرمایا اور اس میں کلی فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان کے سر اور سینہ پر بھی پانی چھڑکا اور پھر یوں دعا فرمائی کہ یا اللہ میں علی اور فاطمہ اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں کہ یہ سب شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔(46)

حوالہ جات

1۔ابن ابی خیثمہ،التاریخ الکبیر،ج1ص384
2۔نورالدین،السیرۃ الحلبیہ،ج2ص178
3۔البقرۃ144
4۔صحیح البخاری:5113
5۔البقرۃ:144
6۔صحیح البخاری:103
7۔مجمع الزوائد:1974
8۔البقرۃ:143
9۔البقرۃ:142
10۔السیرۃ الحلبیہ ج2ص141
11۔البقرۃ:109
12۔مسند احمد بن حنبل:25029
13۔القاسمی الطبری،البقرۃ:143
14۔البقرۃ:18315
15۔الطبقات الکبریٰ:ج1ص248
16۔سنن نسائی:2210
17۔صحیح البخاری:2002
18۔صحیح مسلم:1130
19۔صحیح مسلم1139
20۔صحیح مسلم1130
21۔سنن ابی داؤد:507
22۔البقرۃ:216
23۔البقرۃ:185
24۔سنن النسائی:2210
25۔صحیح البخاری:1891
26۔البقرۃ:184-183
27۔البقرۃ:185
28۔البقرۃ187
29۔سنن ابی داؤد:507
30۔الحج:29
31۔البقرہ:190
32۔بخاری باب التسلیم فی مجلس فی اخلاط ج۲ص۹۲۴
33۔ابوداؤد ج۲ص۶۷باب فی خبر النفیر
34۔بخاری کتاب المغازی ج۲ص۵۶۳
35۔مدارج النبوۃ ج۲ص۷۶
36۔زرقانی علی المواہب ج۱ص۳۸۸
37۔مدارج جلد۲ص۷۸وزُرقانی ج۱ص۳۹۰
38۔مدارج جلد۲ص۷۸وزرقانی ج۱ص۳۹۲
39۔زرقانی علی المواہب ج۱ص۳۹۲
40۔زرقانی علی المواہب ج۱ص۳۹۲
41۔زرقانی علی المواہب ج۱ص۳۹۳
42۔مدارج جلد۲ص۷۹
43۔زرقانی ج۱ص۳۹۵
44۔زُرقانی علی المواہب ج۱ص۳۹۸
45۔تاریخ طبری ص۱۲۸۴
46۔زُرقانی ج۱ص۴۵۸

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. تحویل قبلہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے نماز پڑھتے تھے؟

....

....

2. کس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں کعبۃ اللہ منہ کر کے نماز پڑھنے لگے؟

....

....

3. فرضیت رمضان سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سے روزے رکھتے تھے؟

....

....

4. غزوہ وسریّہ کا فرق میں کیا فرق ہے؟

....

....

5. غزوہ بنی قینقاع کا نتیجہ کیا رہا؟

....

....

6. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر کیا دیا گیا؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① رمضان 2ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے معرکہ سے واپس ہو کر مدینہ واپس لوٹے۔

☐ تبوک ☐ احد ☐ بدر ☐ خندق

② جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت کا مزار ہے۔

☐ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ☐ آمنہ رضی اللہ عنہا ☐ صفیہ رضی اللہ عنہا ☐ خدیجہ رضی اللہ عنہا

③ پھر......کی فرضیت کے چار تدریجی مراحل بنتے ہیں

☐ نمازوں ☐ حج ☐ رمضان ☐ فطرانہ

④ اسلام کے بنیادی......ارکان میں رمضان کے روزے بھی شامل ہیں۔

☐ پانچ ☐ چار ☐ تین ☐ دو

⑤ ایک دوسری حدیث میں......کے روزے کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔

☐ ایام بیض ☐ رمضان ☐ جمعہ ☐ عاشوراء

⑥ اب......تک کے لیے یہی گھر مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔

☐ فتح مکہ ☐ قیامت ☐ چند سالوں ☐ ہمیشہ

سبق نمبر 12

ہجرت کا دوسرا سال
غزوۂ بدر

خلاصۂ سبق

سن 2ہجری کے غزوات میں سب سے اہم غزوہ بدر ہے۔ جو رمضان المبارک کی 18 تاریخ کو بدر کے مقام پر (جو مدینہ سے 80 میل دور ہے) وقوع پذیر ہوا۔ جس میں اللہ نے عظیم الشان فتح نصیب فرمائی اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اسّی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں زمانۂ جاہلیت میں سالانہ میلہ لگتا تھا۔ یہاں ایک کنواں بھی تھا جس کے مالک کا نام "بدر" تھا اسی کے نام پر اس جگہ کا نام بدر رکھ دیا گیا۔ اسی مقام پر جنگِ بدر کا وہ عظیم معرکہ ہوا جس میں کفارِ قریش اور مسلمانوں کے درمیان سخت خونریزی ہوئی اور مسلمانوں کو وہ عظیم الشان فتح مبین نصیب ہوئی جس کے بعد اسلام کی عزت و اقبال کا پرچم اتنا سربلند ہو گیا کہ کفار قریش کی عظمت و شوکت بالکل ہی خاک میں مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن کا نام یوم الفرقان رکھا۔ قرآن کی سورۂ انفال میں تفصیل کے ساتھ اور دوسری سورتوں میں اجمالاً بار بار اس معرکہ کا ذکر فرمایا اور اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح مبین کے بارے میں احسان جتاتے ہوئے خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ (1)

''اور یقیناً خداوند تعالیٰ نے تم لوگوں کی مدد فرمائی بدر میں جبکہ تم لوگ کمزور اور بے سروسامان تھے تو تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم لوگ شکر گزار ہو جاؤ۔''

جنگ بدر کا سبب

جنگِ بدر کا اصلی سبب تو جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں" عمرو بن الحضرمی" کے قتل سے کفار قریش میں پھیلا ہوا زبردست اشتعال تھا جس سے ہر کافر کی زبان پر یہی ایک نعرہ تھا کہ" خون کا بدلہ خون لے کر رہیں گے۔" مگر بالکل ناگہاں یہ صورت پیش آ گئی کہ قریش کا وہ قافلہ جس کی تلاش میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام" ذی العشیرہ" تک تشریف لے گئے تھے مگر وہ قافلہ ہاتھ نہیں آیا تھا بالکل اچانک مدینہ میں خبر ملی کہ اب وہی قافلہ ملک شام سے لوٹ کر مکہ جانے والا ہے اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب و مخرمہ بن نوفل و عمرو بن العاص وغیرہ کل تیس یا چالیس آدمی ہیں اور کفار قریش کا مال تجارت جو اس قافلہ میں ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کفار قریش کی ٹولیاں لوٹ مار کی نیت سے مدینہ کے اطراف میں برابر گشت لگاتی رہتی ہیں اور" کرز بن جابر فہری" مدینہ کی چراگاہوں تک آکر غارت گری اور ڈاکہ زنی کر گیا ہے لہٰذا کیوں نہ ہم بھی کفار قریش کے اس قافلہ پر حملہ کر کے اس کو لوٹ لیں تاکہ کفار قریش کی شامی تجارت بند ہو جائے اور وہ مجبور ہو کر ہم سے صلح کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سن کر انصار و مہاجرین اس کے لیے تیار ہو گئے۔ (2)

مدینہ سے روانگی

چنانچہ ۱۲ رمضان ۲ ھ کو بڑی عجلت کے ساتھ لوگ چل پڑے، جو جس حال میں تھا اسی حال میں روانہ ہو گیا۔ اس لشکر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ زیادہ ہتھیار تھے نہ فوجی راشن کی کوئی بڑی مقدار تھی کیونکہ کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ اس سفر میں کوئی بڑی جنگ ہو گی۔ مگر جب مکہ میں یہ خبر پھیلی کہ مسلمان مسلح ہو کر قریش کا قافلہ لوٹنے کے لئے مدینہ سے چل پڑے ہیں تو مکہ میں ایک جوش پھیل گیا اور ایک دم کفار قریش کی فوج کا دل بادل مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر صورتِ حال سے آگاہ کیا اور صاف صاف فرما دیا کہ ممکن ہے کہ اس سفر میں کفار قریش کے قافلہ سے ملاقات ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ کے لشکر سے جنگ کی نوبت آ جائے۔

ارشاد گرامی سن کر حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور دوسرے مہاجرین نے بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کا منہ دیکھ رہے تھے کیونکہ انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرتے وقت اس

بات کا عہد کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب کفار مدینہ پر چڑھ آئیں گے اور یہاں مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا معاملہ تھا۔ انصار میں سے قبیلۂ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا چہرۂ انور دیکھ کر بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! ﷺ کیا آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم! ہم وہ جاں نثار ہیں کہ اگر آپ کا حکم ہو تو ہم سمندر میں کود پڑیں گے۔

اسی طرح انصار کے ایک اور معزز سردار حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے جوش میں آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ﷺ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں بلکہ ہم لوگ آپ کے دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے لڑیں گے۔ انصار کے ان دونوں سرداروں کی تقریر سن کر حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔(3)

مدینہ سے ایک میل دور چل کر حضور ﷺ نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا، جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس کر دینے کا حکم دیا کیونکہ جنگ کے پر خطر موقع پر بھلا بچوں کا کیا کام؟

ننھا سپاہی

مگر انہی بچوں میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب ان سے واپس ہونے کو کہا گیا تو وہ مچل گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کسی طرح واپس ہونے پر تیار نہ ہوئے۔ ان کی بے قراری اور گریہ وزاری دیکھ کر رحمت عالم ﷺ کا قلب نازک متاثر ہو گیا اور آپ ﷺ نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس ننھے سپاہی کے گلے میں بھی ایک تلوار حمائل کر دی مدینہ سے روانہ ہونے کے وقت نمازوں کے لئے حضرت ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے مسجد نبوی کا امام مقرر فرما دیا تھا لیکن جب آپ مقام "روحا" میں پہنچے تو منافقین اور یہودیوں کی طرف سے کچھ خطرہ محسوس فرمایا اس لئے آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرما کر ان کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیا اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے چڑھائی والے گاؤں پر نگرانی رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔

ان انتظامات کے بعد حضورِ اکرم ﷺ "بدر" کی جانب چل پڑے جدھر سے کفار مکہ کے آنے کی خبر تھی۔ اب کل فوج کی تعداد تین سو تیرہ تھی جن میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ منزل بہ منزل سفر فرماتے ہوئے جب آپ مقام صفرا میں پہنچے تو دو آدمیوں کو جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا تا کہ وہ قافلہ کا پتہ چلائیں کہ وہ کدھر ہے؟ اور کہاں تک پہنچا ہے؟(4)

ادھر کفار قریش کے جاسوس بھی اپنا کام بہت مستعدی سے کر رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے تو ابوسفیان کو اس کی خبر مل گئی۔ اس نے فوراً ہی ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ بھیجا کہ وہ قریش کو اس کی خبر کر دے تا کہ وہ اپنے قافلہ کی حفاظت کا انتظام کریں اور خود راستہ بدل کر قافلہ کو سمندر کی جانب لے کر روانہ ہو گیا۔ ابوسفیان کا قاصد ضمضم بن عمرو غفاری جب مکہ پہنچا تو اس وقت کے دستور کے مطابق کہ جب کوئی خوفناک خبر سنانی ہوتی تو خبر سنانے والا اپنے کپڑے پھاڑ کر اور اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر چلا چلا کر خبر سنایا کرتا تھا۔

ضمضم بن عمرو غفاری نے اپنا کرتا پھاڑ ڈالا اور اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر زور زور سے چلانے لگا کہ اے اہل مکہ! تمہارا سارا مال تجارت ابوسفیان کے قافلہ میں ہے اور مسلمانوں نے اس قافلہ کا راستہ روک کر قافلہ کو لوٹ لینے کا عزم کر لیا ہے لہٰذا جلدی کرو اور بہت جلد اپنے اس قافلہ کو بچانے کے لئے ہتھیار لے کر دوڑ پڑو۔(5)

کفار قریش کا جوش

جب مکہ میں یہ خوفناک خبر پہنچی تو اس قدر ہل چل مچ گئی کہ مکہ کا سارا امن وسکون غارت ہو گیا، تمام قبائل قریش اپنے گھروں سے نکل پڑے، سرداران مکہ میں سے صرف ابولہب اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں نکلا، اس کے سوا تمام روساءِ قریش پوری طرح مسلح ہو کر نکل پڑے اور چونکہ مقام نخلہ کا واقعہ بالکل ہی تازہ تھا جس میں عمرو بن الحضرمی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور اس کے قافلہ کو مسلمانوں نے لوٹ لیا تھا اس لئے کفار قریش جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو رہے تھے۔

ایک ہزار کا لشکر جرار جس کا ہر سپاہی پوری طرح مسلح، دوہرے ہتھیار، فوج کی خوراک کا یہ انتظام تھا کہ قریش کے مالدار لوگ یعنی عباس بن عبدالمطلب، عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل، اُمیہ وغیرہ باری باری سے روزانہ دس دس اونٹ ذبح کرتے تھے اور پورے لشکر کو کھلاتے تھے عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے بڑا رئیس اعظم تھا اس پورے لشکر کا سپہ سالار تھا۔

ابوسفیان بچ کر نکل گیا

ابوسفیان جب عام راستہ سے مڑ کر ساحل سمندر کے راستہ پر چل پڑا اور خطرہ کے مقامات سے بہت دور پہنچ گیا اور اس کو اپنی حفاظت کا پورا پورا اطمینان ہو گیا تو اس نے قریش کو ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ خط بھیج دیا کہ تم لوگ اپنے مال اور آدمیوں کو بچانے کے لئے اپنے گھروں سے ہتھیار لے کر نکل پڑے تھے اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ کیونکہ ہم لوگ مسلمانوں کی یلغار اور لوٹ مار سے بچ گئے ہیں اور جان و مال کی سلامتی کے ساتھ ہم مکہ پہنچ رہے ہیں۔

کفار میں اختلاف

ابوسفیان کا یہ خط کفار مکہ کو اس وقت ملا جب وہ مقام "جحفہ" میں تھے۔ خط پڑھ کر قبیلۂ بنوزہرہ اور قبیلۂ بنوعدی کے سرداروں نے کہا کہ اب مسلمانوں سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لہٰذا ہم لوگوں کو واپس لوٹ جانا چاہیے۔ یہ سن کر ابوجہل بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ ہم خدا کی قسم! اسی شان کے ساتھ بدر تک جائیں گے، وہاں اونٹ ذبح کریں گے اور خوب کھائیں گے، کھلائیں گے، شراب پئیں گے، ناچ رنگ کی محفلیں جمائیں گے تاکہ تمام قبائل عرب پر ہماری عظمت اور شوکت کا سکہ بیٹھ جائے اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں۔

کفار قریش نے ابوجہل کی رائے پر عمل کیا لیکن بنوزہرہ اور بنوعدی کے دونوں قبائل واپس لوٹ گئے۔ ان دونوں قبیلوں کے سوا باقی کفار قریش کے تمام قبائل جنگ بدر میں شامل ہوئے۔ (6)

کفار قریش بدر میں

کفار قریش چونکہ مسلمانوں سے پہلے بدر میں پہنچ گئے تھے اس لئے مناسب جگہوں پر ان لوگوں نے اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بدر کے قریب پہنچے تو شام کے وقت حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بدر کی طرف بھیجا تاکہ یہ لوگ کفار قریش کے بارے میں خبر لائیں۔ ان حضرات نے قریش کے دو غلاموں کو پکڑ لیا جو لشکر کفار کے لئے پانی بھرنے پر مقرر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں غلاموں سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ اس قریشی فوج میں قریش کے سرداروں میں سے کون کون ہے؟

دونوں غلاموں نے بتایا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختر ی، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، زمعہ بن الاسود، ابوجہل بن ہشام، اُمیہ بن خلف، سہیل بن عمرو، عمرو بن عبدود، عباس بن عبدالمطلب وغیرہ سب اس لشکر میں موجود ہیں۔ یہ فہرست سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مسلمانو! سن لو! مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف ڈال دیا ہے۔ (7)

تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے میدان میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بدر میں نزول فرمایا تو ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا کہ جہاں نہ کوئی کنواں تھا نہ کوئی چشمہ اور وہاں کی زمین اتنی ریتلی تھی کہ گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنستے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے پڑاؤ کے لئے جس جگہ کو منتخب فرمایا ہے یہ وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری ہے۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر میری رائے میں جنگی تدابیر کی رو سے بہتر یہ ہے کہ ہم کچھ آگے بڑھ کر پانی کے چشموں پر قبضہ کرلیں تا کہ کفار جن کنوؤں پر قابض ہیں وہ بیکار ہو جائیں کیونکہ انہی چشموں سے ان کے کنوؤں میں پانی جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور اسی پر عمل کیا گیا۔ خدا کی شان کہ بارش بھی ہوگئی جس سے میدان کی گرد اور ریت جم گئی جس پر مسلمانوں کے لئے چلنا پھرنا آسان ہو گیا اور کفار کی زمین پر کیچڑ ہوگئی جس سے ان کو چلنے پھرنے میں دشواری ہوگئی اور مسلمانوں نے بارش کا پانی روک کر جا بجا حوض بنا لئے تا کہ یہ پانی غسل اور وضو کے کام آئے۔ اسی احسان کو خداوند عالم نے قرآن میں اس طرح بیان فرمایا کہ

وَيُنَزِّلُ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ (8)

اور خدا نے آسمان سے پانی برسا دیا تا کہ وہ تم لوگوں کو پاک کرے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب بیداری

۱۷ رمضان ۲ ھ جمعہ کی رات تھی تمام فوج تو آرام وچین کی نیند سو رہی تھی مگر ایک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تھی جو ساری رات خداوند عالم سے لو لگائے دعا میں مصروف تھی۔ صبح نمودار ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز کے لئے بیدار فرمایا پھر نماز کے بعد قرآن کی آیات جہاد سنا کر ایسا لرزہ خیز اور ولولہ انگیز وعظ فرمایا کہ مجاہدین اسلام کی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ جوش وخروش کا سمندر بن کر طوفانی موجیں مارنے لگا اور لوگ میدان جنگ کے لئے تیار ہونے لگے۔

کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟

رات ہی میں چند جاں نثاروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا، اس وقت دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ اُسی چھڑی سے زمین پر لکیر بناتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور کل یہاں فلاں کافر کی لاش پڑی ہوئی ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس جگہ جس کافر کی قتل گاہ بتائی تھی اس کافر کی لاش ٹھیک اسی جگہ پائی گئی ان میں سے کسی ایک نے لکیر سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کیا۔ (9)

اس حدیث سے صاف اور صریح طور پر یہ مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کون کب؟ اور کہاں مرے گا؟ ان دونوں غیب کی باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔

لڑائی ٹلتے ٹلتے پھر ٹھن گئی

کفار قریش لڑنے کے لئے بے تاب تھے مگران لوگوں میں کچھ سلجھے دل و دماغ کے لوگ بھی تھے جو خون ریزی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حکیم بن حزام جو بعد میں مسلمان ہو گئے بہت ہی سنجیدہ اور نرم خو تھے۔ انہوں نے اپنے لشکر کے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ سے کہا کہ آخر اس خون ریزی سے کیا فائدہ؟ میں آپ کو ایک نہایت ہی مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ عمرو بن الحضرمی کا خون ہے اور وہ آپ کا حلیف ہے آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجیے، اس طرح یہ لڑائی ٹل جائے گی اور آج کا دن آپ کی تاریخ زندگی میں آپ کی نیک نامی کی یادگار بن جائے گا کہ آپ کے تدبر سے ایک بہت ہی خوفناک اور خون ریز لڑائی ٹل گئی۔

عتبہ بذات خود بہت ہی مدبر اور نیک نفس آدمی تھا۔ اس نے بخوشی اس مخلصانہ مشورہ کو قبول کر لیا مگر اس معاملہ میں ابوجہل کی منظوری بھی ضروری تھی۔ چنانچہ حکیم بن حزام جب عتبہ بن ربیعہ کا یہ پیغام لے کر ابوجہل کے پاس گئے تو ابوجہل کی رگِ جہالت بھڑک اُٹھی اور اُس نے ایک خون کھولا دینے والا طعنہ مارا اور کہا کہ ہاں ہاں! میں خوب سمجھتا ہوں کہ عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا چونکہ اس کا بیٹا حذیفہ مسلمان ہو کر اسلامی لشکر کے ساتھ آیا ہے اس لئے وہ جنگ سے جی چراتا ہے تاکہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔

پھر ابوجہل نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ عمرو بن الحضرمی مقتول کے بھائی عامر بن الحضرمی کو بلا کر کہا کہ دیکھو تمہارے مقتول بھائی عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کی ساری اسکیم تہس نہس ہوئی جا رہی ہے کیونکہ ہمارے لشکر کا سپہ سالار عتبہ بزدلی ظاہر کر رہا ہے۔ یہ سنتے ہی عامر بن الحضرمی نے عرب کے دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے سر پر دھول ڈالتے ہوئے "واعمراہ واعمراہ" کا نعرہ مارنا شروع کر دیا۔

اس کارروائی نے کفار قریش کی تمام فوج میں آگ لگا دی اور سارا لشکر "خون کا بدلہ خون" کے نعروں سے گونجنے لگا اور ہر سپاہی جوش میں آپے سے باہر ہو کر جنگ کے لئے بے تاب و بے قرار ہو گیا۔ عتبہ نے جب ابوجہل کا طعنہ سنا تو وہ بھی غصہ میں بھر گیا اور کہا کہ ابوجہل سے کہہ دو کہ میدان جنگ بتائے گا کہ بزدل کون ہے؟ یہ کہہ کر لوہے کی ٹوپی طلب کی مگر اس کا سر اتنا بڑا تھا کہ کوئی ٹوپی اس کے سر پر ٹھیک نہیں بیٹھی تو مجبوراً اس نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹا اور ہتھیار پہن کر جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ ۱۷ رمضان ۲ ھ جمعہ کے دن حضور ﷺ نے مجاہدین اسلام کو صف بندی کا حکم دیا۔

دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اس کے اشارہ سے آپ ﷺ صفیں درست فرما رہے تھے کہ کوئی شخص آگے پیچھے

نہ رہنے پائے اور یہ بھی حکم فرمادیا کہ بجز ذکر الٰہی کے کوئی شخص کسی قسم کا کوئی شور وغل نہ مچائے۔ عین ایسے وقت میں کہ جنگ کا نقارہ بجنے والا ہی ہے دو ایسے واقعات درپیش ہو گئے جو نہایت ہی عبرت خیز اور بہت زیادہ نصیحت آموز ہیں۔

شکم مبارک کا بوسہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چھڑی کے اشارہ سے صفیں سیدھی فرما رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ حضرت سواد انصاری رضی اللہ عنہ کا پیٹ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا۔ آپ نے اپنی چھڑی سے ان کے پیٹ پر ایک کونچا دے کر فرمایا کہ اِسْتَوِ یَا سَوَادُ (اے سواد سیدھے کھڑے ہو جاؤ) حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے میرے شکم پر چھڑی ماری ہے مجھے آپ سے اس کا قصاص (بدلہ) لینا ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پیراہن شریف اٹھا کر فرمایا کہ اے سواد! لو میرا شکم حاضر ہے تم اس پر چھڑی مار کر مجھ سے اپنا قصاص لے لو۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر آپ کے شکم مبارک کو چوم لیا اور پھر نہایت ہی والہانہ انداز میں انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ کے جسم اقدس سے لپٹ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس وقت جنگ کی صف میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر کھڑا ہوں شاید موت کا وقت آ گیا ہو، اس وقت میرے دل میں اس تمنا نے جوش مارا کہ کاش! مرتے وقت میرا بدن آپ کے جسم اطہر سے چھو جائے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سواد رضی اللہ عنہ کے اس جذبۂ محبت کی قدر فرماتے ہوئے ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی اور حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں معذرت کرتے ہوئے اپنا قصاص معاف کر دیا اور تمام صحابۂ کرام حضرت سواد رضی اللہ عنہ کی اس عاشقانہ ادا کو حیرت سے دیکھتے ہوئے ان کا منہ تکتے رہ گئے۔ (10)

عہد کی پابندی

اتفاق سے حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت حسیل رضی اللہ عنہما یہ دونوں صحابی کہیں سے آ رہے تھے راستہ میں کفار نے ان دونوں کو روکا کہ تم دونوں بدر کے میدان میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کرنے کے لئے جا رہے ہو۔ ان دونوں نے انکار کیا اور جنگ میں شریک نہ ہونے کا عہد کیا چنانچہ کفار نے ان دونوں کو چھوڑ دیا۔ جب یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو لڑائی کی صفوں سے الگ کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم ہر حال میں عہد کی پابندی کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (11)

غور کیجیے! دنیا جانتی ہے کہ جنگ کے موقع پر خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ دشمنوں کے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ ہو ایک ایک سپاہی کتنا قیمتی ہوتا ہے مگر تاجدار دو عالم ﷺ نے اپنی کمزور فوج کو دو بہادر اور جانباز مجاہدوں سے محروم رکھنا پسند فرمایا مگر کوئی مسلمان کسی کافر سے بھی بدعہدی اور وعدہ خلافی کرے اس کو گوارا نہیں فرمایا۔ اللہ اکبر! اے اقوام عالم کے بادشاہو! للہ مجھے بتاؤ کہ کیا تمہاری تاریخ زندگی کے بڑے بڑے دفتروں میں کوئی ایسا چمکتا ہوا ورق بھی ہے؟ اے چاند و سورج کی دوربین نگاہو! تم خدا کے لئے بتاؤ! کیا تمہاری آنکھوں نے بھی کبھی صفحۂ ہستی پر پابندی عہد کی کوئی ایسی مثال دیکھی ہے؟ خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تم اس کے جواب میں "نہیں" کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔

مسجد العریش

حضور ﷺ مجاہدین اسلام کی صف بندی سے فارغ ہو کر مجاہدین کی قرارداد کے مطابق اپنے اس چھپر میں تشریف لے گئے جس کو صحابہ کرام نے آپ کی نشست کے لئے بنا رکھا تھا۔ اب اس چھپر کی حفاظت کا سوال بے حد اہم تھا کیونکہ کفار قریش کے حملوں کا اصل نشانہ حضور تاجدار دو عالم ﷺ ہی کی ذات تھی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس چھپر کا پہرہ دے لیکن اس موقع پر بھی آپ ﷺ کے یار غار حضرت صدیق باوقار رضی اللہ عنہ ہی کی قسمت میں یہ سعادت لکھی تھی کہ وہ ننگی تلوار لے کر اس جھونپڑی کے پاس ڈٹے رہے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی چند انصاریوں کے ساتھ اس چھپر کے گرد پہرہ دیتے رہے۔

دونوں لشکر آمنے سامنے

اب وہ وقت ہے کہ میدان بدر میں حق و باطل کی دونوں صفیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی ہیں۔ قرآن اعلان کر رہا ہے کہ

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ (12)

جو لوگ باہم لڑے ان میں تمہارے لئے عبرت کا نشان ہے ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا۔

دعائے نبوی

حضور سرورِ عالم ﷺ اس نازک گھڑی میں جناب باری سے لو لگائے گریہ و زاری کے ساتھ کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلائے یہ دعا مانگ رہے تھے کہ "خداوندا! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے آج اسے پورا فرما دے۔" آپ پر اس قدر

رقت اور محویت طاری تھی کہ جوشِ گریہ میں چادر مبارک دوش انور سے گر گر پڑتی تھی مگر آپ کو خبر نہیں ہوتی تھی، کبھی آپ سجدہ میں سر رکھ کر اس طرح دعا مانگتے کہ "الٰہی! اگر یہ چند نفوس ہلاک ہو گئے تو پھر قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والے نہ رہیں گے۔" (13)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے یار غار تھے۔ آپ کو اس طرح بے قرار دیکھ کر ان کے دل کا سکون و قرار جاتا رہا اور ان پر رقت طاری ہو گئی اور انہوں نے چادر مبارک کو اٹھا کر آپ کے مقدس کندھے پر ڈال دی اور آپ کا دست مبارک تھام کر بھرائی ہوئی آواز میں بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضور! اب بس کیجیے خدا ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔

اپنے یار غار صدیق جاں نثار کی بات مان کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا ختم کر دی اور آپ کی زبان مبارک پر اس آیت کا ورد جاری ہو گیا کہ

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ (14)

''عنقریب (کفار کی) فوج کو شکست دے دی جائیگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔''

آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے جس میں فتح مبین کی بشارت کی طرف اشارہ تھا۔

لڑائی کس طرح شروع ہوئی

جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے عامر بن الحضرمی جو اپنے مقتول بھائی عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بے قرار تھا جنگ کے لئے آگے بڑھا اس کے مقابلہ کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت مہجع رضی اللہ عنہ میدان میں نکلے اور لڑتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ پھر حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ ناگہاں ان کو کفار کا ایک تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ (15)

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب جوش جہاد کا وعظ فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانو! اس جنت کی طرف بڑھے چلو جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے تو حضرت عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا جنت کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے؟ ارشاد فرمایا کہ "ہاں" یہ سن کر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: واہ واہ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیوں اے عمیر! تم نے "واہ وا" کس لئے کہا؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقط اس امید پر کہ میں بھی جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے عمیر! تو بے شک جنتی ہے۔ حضرت عمیر

رضی اللہ عنہ اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے۔ یہ بشارت سنی تو مارے خوشی کے کھجوریں پھینک کر کھڑے ہو گئے اور ایک دم کفار کے لشکر پر تلوار لے کر ٹوٹ پڑے اور جانبازی کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (16)

کفار کا سپہ سالار مارا گیا

کفار کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ اپنے سینہ پر شتر مرغ کا پر لگائے ہوئے اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کو ساتھ لے کر غصہ میں بھرا ہوا اپنی صف سے نکل کر مقابلہ کی دعوت دینے لگا۔ اسلامی صفوں میں سے حضرت عوف و حضرت معاذ و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے ان لوگوں کا نام و نسب پوچھا، جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ انصاری ہیں تو عتبہ نے کہا کہ ہم کو تم لوگوں سے کوئی غرض نہیں۔

پھر عتبہ نے چلا کر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں اشراف قریش کو ہم سے لڑنے کے لئے میدان میں بھیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ و حضرت علی و حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ آپ لوگ ان تینوں کے مقابلہ کے لئے نکلیں۔

چنانچہ یہ تینوں بہادران اسلام میدان میں نکلے۔ چونکہ یہ تینوں حضرات سر پر خود پہنے ہوئے تھے جس سے ان کے چہرے چھپ گئے تھے اس لئے عتبہ نے ان حضرات کو نہیں پہچانا اور پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ جب ان تینوں نے اپنے اپنے نام و نسب بتائے تو عتبہ نے کہا کہ "ہاں اب ہمارا جوڑ ہے" جب ان لوگوں میں جنگ شروع ہوئی تو حضرت حمزہ و حضرت علی و حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم نے اپنی ایمانی شجاعت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ بدر کی زمین دہل گئی اور کفار کے دل تھرا گئے اور ان کی جنگ کا انجام یہ ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کا مقابلہ کیا، دونوں انتہائی بہادری کے ساتھ لڑتے رہے مگر آخر کار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے وار سے مار مار کر عتبہ کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔

ولید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی، دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر قاتلانہ حملہ کیا اور خوب لڑے لیکن اسد اللہ الغالب کی ذوالفقار نے ولید کو مار گرایا اور وہ ذلت کے ساتھ قتل ہو گیا۔ مگر عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح زخمی کر دیا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ جھپٹے اور آگے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لائے، ان کی پنڈلی ٹوٹ کر چور چور ہو گئی تھی اور نلی کا گودا بہہ رہا تھا، اس حالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں شہادت سے محروم رہا؟ ارشاد فرمایا کہ نہیں ہرگز نہیں! بلکہ تم شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آج میرے اور

آپ کے چچا ابو طالب زندہ ہوتے تو وہ مان لیتے کہ ان کے اس شعر کا مصداق میں ہوں کہ

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ   وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَ الْحَلَائِلِ

''ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ہم ان کے گرد لڑ لڑ کر پچھاڑ دیئے جائیں گے اور ہم اپنے بیٹوں اور بیوں کو۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تاریخی برچھی

اس کے بعد سعید بن العاص کا بیٹا ''عبیدہ'' سر سے پاؤں تک لوہے کے لباس اور ہتھیاروں سے چھپا ہوا صف سے باہر نکلا اور یہ کہہ کر اسلامی لشکر کو للکارنے لگا کہ ''میں ابو کرش ہوں'' اس کی یہ مغرورانہ للکار سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جوش میں بھرے ہوئے اپنی برچھی لے کر مقابلہ کے لئے نکلے مگر یہ دیکھا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے سوا اس کے بدن کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں ہے جو لوہے سے چھپا ہوا نہ ہو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تاک کر اس کی آنکھ میں اس زور سے برچھی ماری کہ وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ برچھی اس کی آنکھ کو چھیدتی ہوئی کھوپڑی کی ہڈی میں چبھ گئی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر پوری طاقت سے کھینچا تو بڑی مشکل سے برچھی نکلی لیکن اس کا سر مڑ کر خم ہو گیا۔ یہ برچھی ایک تاریخی یادگار بن کر برسوں تبرک بنی رہی۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ برچھی طلب فرما لی اور اس کو ہمیشہ اپنے پاس رکھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے پاس آئی یہاں تک کہ ۷۳ھ میں جب بنو اُمیہ کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے ان کو شہید کر دیا تو یہ برچھی بنو اُمیہ کے قبضہ میں چلی گئی پھر اس کے بعد لاپتہ ہو گئی۔ (17)

ابوجہل ذلت کے ساتھ مارا گیا

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں صف میں کھڑا تھا اور میرے دائیں بائیں دو نوعمر لڑکے کھڑے تھے۔ ایک نے چپکے سے پوچھا کہ چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے اس سے کہا کہ کیوں بھتیجے! تم کو ابوجہل سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا کہ چچا جان! میں نے خدا سے یہ عہد کیا ہے کہ میں ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا تو اس کو قتل کر دوں گا یا خود لڑتا ہوا مارا جاؤں گا کیونکہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت ہی بڑا دشمن ہے۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حیرت سے اس نوجوان کا منہ تاک رہا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ

سے یہی کہا اتنے میں ابوجہل تلوار گھماتا ہوا سامنے آ گیا اور میں نے اشارہ سے بتا دیا کہ ابوجہل یہی ہے، بس پھر کیا تھا یہ دونوں لڑکے تلواریں لے کر اس پر اس طرح جھپٹے جس طرح باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ دونوں نے اپنی تلواروں سے مار مار کر ابوجہل کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ یہ دونوں لڑکے حضرت معوذ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم تھے جو عفراء کے بیٹے تھے۔

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے اپنے باپ کے قاتل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور پیچھے سے ان کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے ان کا بازو کٹ گیا لیکن تھوڑا سا چمڑا باقی رہ گیا اور ہاتھ لٹکنے لگا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عکرمہ کا پیچھا کیا اور دور تک دوڑایا مگر عکرمہ بھاگ کر بچ نکلا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی لڑتے رہے لیکن کٹے ہوئے ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہو رہی تھی تو انہوں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں سے دبا کر اس زور سے کھینچا کہ تسمہ الگ ہو گیا اور پھر وہ آزاد ہو کر ایک ہاتھ سے لڑتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کے پاس سے گزرے، اس وقت ابوجہل میں کچھ کچھ زندگی کی رمق باقی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے روند کر فرمایا کہ "تو ہی ابوجہل ہے! بتا آج تجھے اللہ نے کیسا رسوا کیا۔" ابوجہل نے اس حالت میں بھی گھمنڈ کے ساتھ یہ کہا کہ تمہارے لئے یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے میرا قتل ہو جانا اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ایک آدمی کو اس کی قوم نے قتل کر دیا۔ ہاں! مجھے اس کا افسوس ہے کہ کاش! مجھے کسانوں کے سوا کوئی دوسرا شخص قتل کرتا۔ حضرت معوذ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم چونکہ یہ دونوں انصاری تھے اور انصار کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور قبیلۂ قریش کے لوگ کسانوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے اس لئے ابوجہل نے کسانوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کو اپنے لئے قابل افسوس بتایا۔

جنگ ختم ہو جانے کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جب ابوجہل کی لاش کے پاس سے گزرے تو لاش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ابوجہل اس زمانے کا "فرعون" ہے۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کا سر کاٹ کر تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر ڈال دیا۔ (18)

ابوالبختری کا قتل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ کچھ لوگ کفار کے لشکر میں ایسے بھی ہیں جن کو کفار مکہ دباؤ ڈال کر لائے ہیں ایسے لوگوں کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ ان لوگوں کے نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیئے تھے۔ انہی لوگوں میں سے ابوالبختری بھی تھا جو اپنی خوشی سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ کفار قریش اس پر دباؤ ڈال

کر زبردستی کر کے لائے تھے۔عین جنگ کی حالت میں حضرت مجذر بن ذیاد رضی اللہ عنہ کی نظر ابوالبختری پر پڑی جو اپنے ایک گہرے دوست جنادہ بن ملیحہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھا۔حضرت مجذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوالبختری! چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو تیرے قتل سے منع فرمایا ہے اس لئے میں تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ابوالبختری نے کہا کہ میرے ساتھی جنادہ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ تو حضرت مجذر رضی اللہ عنہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کو ہم زندہ نہیں چھوڑ سکتے۔یہ سن کر ابو البختری طیش میں آ گیا اور کہا کہ میں عرب کی عورتوں کا یہ طعنہ سننا پسند نہیں کر سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ساتھی کو تنہا چھوڑ دیا۔یہ کہہ کر ابوالبختری نے رجز کا یہ شعر پڑھا کہ

لَنْ يُّسْلِمَ ابْنُ حُرَّةٍ زَمِيْلَهٗ — حَتّٰى يَمُوْتَ اَوْ يَرٰى سَبِيْلَهٗ

''ایک شریف زادہ اپنے ساتھی کو کبھی ہرگز نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ مر نہ جائے یا اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔''

اُمیّہ کی ہلاکت

اُمیہ بن خلف بہت ہی بڑا دشمن رسول تھا۔جنگ بدر میں جب کفر و اسلام کے دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے تو اُمیہ اپنے پرانے تعلقات کی بنا پر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے چمٹ گیا کہ میری جان بچائیے۔حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو رحم آ گیا اور آپ نے چاہا کہ اُمیہ بچ کر نکل بھاگے مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اُمیہ کو دیکھ لیا۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب اُمیہ کے غلام تھے تو اُمیہ نے ان کو بہت زیادہ ستایا تھا اس لئے جوشِ انتقام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کو پکارا، انصاری لوگ دفعۃً ٹوٹ پڑے۔حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اُمیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ وہ لیٹ گیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کو بچانے کے لئے اس کے اوپر لیٹ کر اس کو چھپانے لگے لیکن حضرت بلال اور انصار رضی اللہ عنہم نے ان کی ٹانگوں کے اندر ہاتھ ڈال کر اور بغل سے تلوار گھونپ گھونپ کر اس کو قتل کر دیا۔(19)

فرشتوں کی فوج

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا لشکر اتار دیا تھا۔پہلے ایک ہزار فرشتے آئے پھر تین ہزار ہو گئے اس کے بعد پانچ ہزار ہو گئے۔(20)

جب خوب گھمسان کا رن پڑا تو فرشتے کسی کو نظر نہیں آتے تھے مگر ان کی حرب و ضرب کے اثرات صاف نظر آتے تھے۔بعض کافروں کی ناک اور منہ پر کوڑوں کی مار کا نشان پایا جاتا تھا، کہیں بغیر تلوار مارے سر کٹ کر گرتا نظر آتا تھا، یہ آسمان سے آنے والے فرشتوں کی فوج کے کارنامے تھے۔

کفار نے ہتھیار ڈال دیئے

عتبہ، شیبہ، ابوجہل وغیرہ کفارِ قریش کے سرداروں کی ہلاکت سے کفارِ مکہ کی کمر ٹوٹ گئی اوران کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ ہتھیار ڈال کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے ان لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ اس جنگ میں کفار کے ستر آدمی قتل اور ستر آدمی گرفتار ہوئے۔ باقی اپنا سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے اس جنگ میں کفارِ مکہ کو ایسی زبردست شکست ہوئی کہ ان کی عسکری طاقت ہی فنا ہو گئی۔ کفارِ قریش کے بڑے بڑے نامور سردار جو بہادری اور فنِ سپہ گری میں یکتائے روزگار تھے ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ان ناموروں میں عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ، عاص بن ہشام، اُمیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث وغیرہ قریش کے سرتاج تھے یہ سب مارے گئے۔

اسماء شہداء غزوہ بدر

جنگِ بدر میں کل چودہ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ شہداء مہاجرین کے نام یہ ہیں: (۱) حضرت عبیدہ بن الحارث (۲) حضرت عمیر بن ابی وقاص (۳) حضرت ذوالشمالین عمیر بن عبد عمرو (۴) حضرت عاقل بن ابی بکیر (۵) حضرت مہجع (۶) حضرت صفوان بن بیضاء اور انصار کے ناموں کی فہرست یہ ہے: (۷) حضرت سعد بن خیثمہ (۸) حضرت مبشر بن عبدالمنذر (۹) حضرت حارثہ بن سراقہ (۱۰) حضرت معوذ بن عفراء (۱۱) حضرت عمیر بن حمام (۱۲) حضرت رافع بن معلّٰی (۱۳) حضرت عوف بن عفراء (۱۴) حضرت یزید بن حارث رضی اللہ عنہم (21)

ان شہداء بدر میں سے تیرہ حضرات تو میدان بدر ہی میں مدفون ہوئے مگر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے چونکہ بدر سے واپسی پر منزل "صفراء" میں وفات پائی اس لئے ان کی قبر شریف منزل "صفراء" میں ہے۔ (22)

بدر کا گڑھا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ یہ طرزِ عمل رہا کہ جہاں کبھی کوئی لاش نظر آتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو دفن کروا دیتے تھے لیکن جنگِ بدر میں قتل ہونے والے کفار چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے، سب کو الگ الگ دفن کرنا ایک دشوار کام تھا اس لئے تمام لاشوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تمام لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا۔ اُمیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو گھسیٹنا چاہا تو اس کے اعضاء الگ الگ ہونے لگے اس لئے اس کی لاش وہیں مٹی میں دبا دی گئی۔ (23)

کفار کی لاشوں سے خطاب

جب کفار کی لاشیں بدر کے گڑھے میں ڈال دی گئیں تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر مقتولین کا نام لے کر اس طرح پکارا کہ اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! اے فلاں! اے فلاں! کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟ ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو بالکل ٹھیک ٹھیک سچ پایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کی لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو ان کو بڑا تعجب ہوا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ ان بے روح کے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں؟

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! قسم خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم (زندہ لوگ) میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے لیکن اتنی بات ہے کہ یہ مردے جواب نہیں دے سکتے۔

مدینہ کو واپسی

فتح کے بعد تین دن تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "بدر" میں قیام فرمایا پھر تمام اموال غنیمت اور کفار قیدیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ جب "وادی صفرا" میں پہنچے تو اموالِ غنیمت کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی تھیں جنگِ بدر کے موقع پر بیمار تھیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو صاحبزادی کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دے دیا تھا اس لئے وہ جنگ بدر میں شامل نہ ہو سکے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت میں سے ان کو مجاہدین بدر کے برابر ہی حصہ دیا اور ان کے برابر ہی اجر و ثواب کی بشارت بھی دی اسی لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی اصحاب بدر کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔

مجاہدین بدر کا استقبال

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فتح مبین کی خوشخبری سنانے کے لئے مدینہ بھیج دیا تھا۔ چنانچہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ خوشخبری لے کر جب مدینہ پہنچے تو تمام اہل مدینہ جوش مسرت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی آمد کے انتظار میں بے قرار رہنے لگے اور جب تشریف آوری کی خبر پہنچی تو اہل مدینہ نے آگے بڑھ کر مقام روحاء میں آپ کا پر جوش استقبال کیا۔(24)

قیدیوں کے ساتھ سلوک

کفار مکہ جب اسیران جنگ بن کر مدینہ میں آئے تو ان کو دیکھنے کے لئے بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا اور لوگ ان کو دیکھ کر کچھ نہ کچھ بولتے رہے۔ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہا ان قیدیوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لائیں اور یہ دیکھا کہ ان قیدیوں میں ان کے ایک قریبی رشتہ دار "سہیل" بھی ہیں تو وہ بے ساختہ بول اٹھیں کہ "اے سہیل! تم نے بھی عورتوں کی طرح بیڑیاں پہن لیں تم سے یہ نہ ہوسکا کہ بہادر مردوں کی طرح لڑتے ہوئے قتل ہو جاتے۔" (25)

ان قیدیوں کو حضور ﷺ نے صحابہ میں تقسیم فرما دیا اور یہ حکم دیا کہ ان قیدیوں کو آرام کے ساتھ رکھا جائے۔ چنانچہ دو دو، چار چار قیدی صحابہ کے گھروں میں رہنے لگے اور صحابہ نے ان لوگوں کے ساتھ یہ حسن سلوک کیا کہ ان لوگوں کو گوشت روٹی وغیرہ حسب مقدور بہترین کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ (26)

قیدیوں میں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس کے بدن پر کرتا نہیں تھا لیکن وہ اتنے لمبے قد کے آدمی تھے کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا عبداللہ بن اُبی (منافقین کا سردار) چونکہ قد میں ان کے برابر تھا اس لئے اس نے اپنا کرتا ان کو پہنا دیا۔ بخاری میں یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن اُبی کے کفن کے لئے جو اپنا پیراہن شریف عطا فرمایا تھا وہ اسی احسان کا بدلہ تھا۔ (27)

اسیرانِ جنگ کا انجام

ان قیدیوں کے بارے میں حضور ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ اِن سب دشمنانِ اسلام کو قتل کر دینا چاہیے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے قریبی رشتہ دار کو اپنی تلوار سے قتل کرے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ آخر یہ سب لوگ اپنے عزیز و اقارب ہی ہیں لہٰذا انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ ان لوگوں سے بطور فدیہ کچھ رقم لے کر ان سب کو رہا کر دیا جائے۔ اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت بہت کمزور ہے فدیہ کی رقم سے مسلمانوں کی مالی امداد کا سامان بھی ہو جائے گا اور شاید آئندہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام کی توفیق نصیب فرمائے۔

حضور رحمت عالم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنجیدہ رائے کو پسند فرمایا اور ان قیدیوں سے چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔ جو لوگ مفلسی کی وجہ سے فدیہ نہیں دے سکتے تھے وہ یوں ہی بلا فدیہ چھوڑ دیئے

گئے۔ان قیدیوں میں جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان میں سے ہر ایک کا فدیہ یہ تھا کہ وہ انصار کے دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں۔(28)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ

انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ درخواست عرض کی کہ یا رسول اللہ! حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہمارے بھانجے ہیں لہٰذا ہم ان کا فدیہ معاف کرتے ہیں۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ درخواست منظور نہیں فرمائی۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ قریش کے ان دس دولت مند رئیسوں میں سے تھے جنہوں نے لشکر کفار کے راشن کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی، اس غرض کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔چونکہ فوج کو کھانا کھلانے میں ابھی حضرت عباس کی باری نہیں آئی تھی اس لئے وہ سونا ابھی تک ان کے پاس محفوظ تھا۔اس سونے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت میں شامل فرمالیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مطالبہ فرمایا کہ وہ اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو بن جحدم چار شخصوں کا فدیہ ادا کریں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے پاس کوئی مال ہی نہیں ہے، میں کہاں سے فدیہ ادا کروں؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چچا جان! آپ کا وہ مال کہاں ہے؟ جو آپ نے جنگ بدر کے لئے روانہ ہوتے وقت اپنی بیوی "ام الفضل" کو دیا تھا اور یہ کہا تھا اگر میں اس لڑائی میں مارا جاؤں تو اس میں سے اتنا اتنا مال میرے لڑکوں کو دے دینا۔یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ یقیناً آپ اللہ عزوجل کے رسول ہیں کیونکہ اس مال کا علم میرے اور میری بیوی ام الفضل کے سوا کسی کو نہیں تھا۔چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی پھر اس کے بعد حضرت عباس اور حضرت عقیل اور حضرت نوفل رضی اللہ عنہما تینوں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔(29)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار

جنگ بدر کے قیدیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد ابوالعاص بن الربیع بھی تھے۔یہ ہالہ بنت خویلد کے لڑکے تھے اور ہالہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں اس لئے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ لے کر اپنی لڑکی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص بن الربیع سے نکاح کر دیا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو آپ

کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے تو اسلام قبول کر لیا مگر ان کے شوہر ابوالعاص مسلمان نہیں ہوئے اور نہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے سے جدا کیا۔ ابوالعاص بن الربیع نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں ایک قیمتی ہار بھی دیا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فدیہ کی رقم کے ساتھ وہ ہار بھی اپنے گلے سے اتار کر مدینہ بھیج دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اس ہار پر پڑی تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کی محبت کی یاد نے قلب مبارک پر ایسا رقت انگیز اثر ڈالا کہ آپ رو پڑے اور صحابہ سے فرمایا کہ "اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو بیٹی کو اس کی ماں کی یادگار واپس کر دو" یہ سن کر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سر تسلیم خم کر دیا اور یہ ہار حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس مکہ بھیج دیا گیا۔ (30)

ابوالعاص رہا ہو کر مدینہ سے مکہ آئے اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیا۔ ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے یہ مکہ سے اپنا سامان تجارت لے کر شام گئے اور وہاں سے خوب نفع کما کر مکہ آرہے تھے کہ مسلمان مجاہدین نے ان کے قافلہ پر حملہ کر کے ان کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا اور یہ مالِ غنیمت تمام سپاہیوں پر تقسیم بھی ہو گیا۔ ابوالعاص چھپ کر مدینہ پہنچے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دے کر اپنے گھر میں اتارا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کی خوشی ہو تو ابوالعاص کا مال و سامان واپس کر دو۔ فرمانِ رسالت کا اشارہ پاتے ہی تمام مجاہدین نے سارا مال و سامان ابوالعاص کے سامنے رکھ دیا۔ ابوالعاص اپنا سارا مال و اسباب لے کر مکہ آئے اور اپنے تمام تجارت کے شریکوں کو پائی پائی کا حساب سمجھا کر اور سب کو اس کے حصہ کی رقم ادا کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اہل مکہ سے کہہ دیا کہ میں یہاں آ کر اور سب کا پورا پورا حساب ادا کر کے مدینہ جاتا ہوں تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ابوالعاص ہمارا روپیہ لے کر تقاضا کے ڈر سے مسلمان ہو کر مدینہ بھاگ گیا۔ اس کے بعد حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ مدینہ آ کر حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔ (31)

مقتولین بدر کا ماتم

بدر میں کفارِ قریش کی شکست فاش کی خبر جب مکہ میں پہنچی تو ایسا کہرام مچ گیا کہ گھر گھر ماتم کدہ بن گیا مگر اس خیال سے کہ مسلمان ہم پر ہنسیں گے ابوسفیان نے تمام شہر میں اعلان کرا دیا کہ خبردار کوئی شخص رونے نہ پائے۔ اس لڑائی میں اسود بن المطلب کے دولڑکے "عقیل" اور "زمعہ" اور ایک پوتا "حارث بن زمعہ" قتل ہوئے تھے۔ اس صدمۂ جان کاہ سے اسود کا دل پھٹ گیا تھا وہ چاہتا تھا کہ اپنے ان مقتولوں پر خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے تا کہ دل کی بھڑاس نکل جائے لیکن قومی

غیرت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا مگر دل ہی دل میں گھٹتا اور کڑھتا رہتا تھا اور آنسو بہاتے بہاتے اندھا ہو گیا تھا۔

مجاہدین بدر کے فضائل

جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگِ بدر کے جہاد میں شریک ہو گئے وہ تمام صحابہ میں ایک خصوصی شرف کے ساتھ ممتاز ہیں اور ان خوش نصیبوں کے فضائل میں ایک بہت ہی عظیم الشان فضیلت یہ ہے کہ ان سعادت مندوں کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ

"بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر سے واقف ہے اور اس نے یہ فرما دیا ہے کہ تم اب جو عمل چاہو کرو بلا شبہ تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے یا (یہ فرمایا) کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔" (32)

ابولہب کی عبرتناک موت

ابولہب جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکا۔ جب کفارِ قریش شکست کھا کر مکہ واپس آئے تو لوگوں کی زبانی جنگِ بدر کے حالات سن کر ابولہب کو انتہائی رنج و ملال ہوا۔ اس کے بعد ہی وہ بڑی چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس سے اس کا تمام بدن سڑ گیا اور آٹھویں دن مر گیا۔ عرب کے لوگ چیچک سے بہت ڈرتے تھے اور اس بیماری میں مرنے والے کو بہت ہی منحوس سمجھتے تھے اس لیے اس کے بیٹوں نے بھی تین دن تک اس کی لاش کو ہاتھ نہیں لگایا مگر اس خیال سے کہ لوگ طعنہ ماریں گے ایک گڑھا کھود کر لکڑیوں سے دھکیلتے ہوئے لے گئے اور اس گڑھے میں لاش کو گرا کر اوپر سے مٹی ڈال دی اور بعض مورخین نے تحریر فرمایا کہ دور سے لوگوں نے اس گڑھے میں اس قدر پتھر پھینکے کہ ان پتھروں سے اس کی لاش چھپ گئی۔ (33)

حواله جات

1۔آل عمران:123
2۔مدارج جلد ۲ ص ۷۱
3۔بخاری غزوہ بدر ج ۲ ص ۵۶۴
4۔زُرقانی ج ۱ ص ۴۱۱
5۔زُرقانی ج ۱ ص ۴۱۱
6۔مسلم ج ۲ ص ۱۰۲
7۔سیرتِ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۱۸ تا ۶۱۹
8۔انفال:11
9۔ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۴
10۔سیرت ابن ہشام غزوہ بدر ج ۲ ص ۶۲۶
11۔مسلم باب الوفا بالعہد ج ۲ ص ۱۰۶
12۔آل عمران:13
13۔سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۲۷
14۔القمر:45
15۔سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۲۷
16۔مسلم ج ۲ ص ۱۳۹
17۔بخاری غزوہ بدر ج ۲ ص ۵۷۰
20۔سورہ آل عمران وانفال
21۔زُرقانی ج ۱ ص ۴۴۴ و ص ۴۴۵
22۔زُرقانی ج ۱ ص ۴۴۵
23۔بخاری ج ۲ ص ۵۶۶
24۔ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۳
25۔سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۵
26۔ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۶
27۔بخاری ج ۱ ص ۴۲۲
28۔ابن ہشام ج ۲ ص ۶۴۶
29۔مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۷
30۔تاریخ طبری ص ۱۳۴۸
31۔تاریخ طبری
32۔ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۷
33۔بخاری ج ۲ ص ۵۶۷
37۔زُرقانی ج ۱ ص ۴۵۲
18۔بخاری ج ۲ ص ۱۷۳
19۔بخاری ج ۱ ص ۳۰۸

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. بدر کو بدر کیوں کہتے ہیں؟

....

....

2. حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ روانگی سے قبل کیا کہا تھا؟

....

....

3. جنگ بدر سے قبل ابو جہل کی تاثرات کیا تھے؟

....

....

4. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان جنگ کا معائنہ کرنے کے بعد کیا ارشاد فرمایا؟

....

....

5. شکم بوسی کا کیا قصہ تھا؟

....

....

6. ابو جہل کو کس نے قتل کیا تھا؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگایئے۔

① عرب کے لوگ سے بہت ڈرتے تھے

بخار ▢ چیچک ▢ طاعون ▢ موت ▢

② بے شک اللہ تعالیٰ اہل...... سے واقف ہے اور اس نے یہ فرمادیا ہے کہ تم اب جو عمل چاہو کرو

مکہ ▢ کوفہ ▢ بصرہ ▢ بدر ▢

③ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی والدہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں ایک قیمتی بھی دیا تھا

ہار ▢ پرس ▢ کپڑا ▢ زیور ▢

④ اسی لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی اصحاب کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔

احد ▢ بدر ▢ عقبہ ▢ خندق ▢

⑤ ابوجہل اس زمانے کا ہے

دیوانہ ▢ مکار ▢ سردار ▢ فرعون ▢

⑥ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے یار تھے۔

سفر ▢ غار ▢ حضر ▢ جنگ وجدال ▢

بدر کا کنواں

سبق نمبر
13

غزوہ احد
(ہجرت کا تیسرا سال)

خلاصۂ سبق

غزوہ اُحد اس سال کا سب سے اہم غزوہ ہے جو ماہ شوال میں وقوع پہ یہ ہوا۔ اسی غزوہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے بشارت ''فِدَاہُ اَبِیْ وَ اُمِّیْ'' اس غزوہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں جاں نثاروں نے مثالی داستانیں رقم کیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر جان کی بازی لگانا، ان کے نزدیک سب سے بڑی سعادت تھی ۔ اس کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوران قتال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر موت کی بیعت کی ۔ ابن خلف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کی دھمکی دی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں اُبی بن خلف قتل ہوا۔ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس غزوہ میں زخمی ہوئے جنگِ اُحد میں مردوں کی طرح عورتوں نے بھی بہت ہی مجاہدانہ جذبات کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا۔

جنگ اُحد

''احد'' ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ چونکہ حق و باطل کا یہ عظیم معرکہ اسی پہاڑ کے دامن میں درپیش ہوا اسی لئے یہ لڑائی ''غزوۂ اُحد'' کے نام سے مشہور ہے اور قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں اس لڑائی کے واقعات کا خداوند عالم نے تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جنگِ بدر میں ستر کفار قتل اور ستر گرفتار ہوئے تھے۔ اور جو قتل ہوئے ان میں سے اکثر کفارِ قریش کے سردار بلکہ تاجدار تھے۔ اس بنا پر مکہ کا ایک ایک گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ اور

قریش کا بچہ بچہ جوشِ انتقام میں آتش غیظ وغضب کا تنور بن کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بے قرار تھا۔عرب خصوصاً قریش کا یہ طرۂ امتیاز تھا کہ وہ اپنے ایک ایک مقتول کے خون کا بدلہ لینے کو اتنا بڑا فرض سمجھتے تھے جس کو ادا کئے بغیر گویا ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ جنگِ بدر کے مقتولوں کے ماتم سے جب قریشیوں کو فرصت ملی تو انہوں نے یہ عزم کرلیا کہ جس قدر ممکن ہو جلد سے جلد مسلمانوں سے اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ لینا چاہیے۔

چنانچہ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور اُمیہ کا لڑکا صفوان اور دوسرے کفارِ قریش جن کے باپ، بھائی، بیٹے جنگِ بدر میں قتل ہو چکے تھے سب کے سب ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ مسلمانوں نے ہماری قوم کے تمام سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے۔اس کا بدلہ لینا ہمارا قومی فریضہ ہے لہٰذا ہماری خواہش ہے کہ قریش کی مشترکہ تجارت میں امسال جتنا نفع ہوا ہے وہ سب قوم کے جنگی فنڈ میں جمع ہو جانا چاہیے اور اس رقم سے بہترین ہتھیار خرید کر اپنی لشکری طاقت بہت جلد مضبوط کر لینی چاہیے اور پھر ایک عظیم فوج لے کر مدینہ پر چڑھائی کر کے بانیءِ اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے نیست ونابود کر دینا چاہیے۔

ابوسفیان نے خوشی خوشی قریش کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔لیکن قریش کو جنگِ بدر سے یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں سے لڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔آندھیوں اور طوفانوں کا مقابلہ، سمندر کی موجوں سے ٹکرانا، پہاڑوں سے ٹکر لینا بہت آسان ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشقوں سے جنگ کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔اس لئے انہوں نے اپنی جنگی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کرنا نہایت ضروری خیال کیا۔

چنانچہ ان لوگوں نے ہتھیاروں کی تیاری اور سامان جنگ کی خریداری میں پانی کی طرح روپیہ بہانے کے ساتھ ساتھ پورے عرب میں جنگ کا جوش اور لڑائی کا بخار پھیلانے کے لئے بڑے بڑے شاعروں کو منتخب کیا جو اپنی آتش بیانی سے تمام قبائل عرب میں جوشِ انتقام کی آگ لگا دیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑی فوج تیار ہو گئی۔مردوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے معزز اور مالدار گھرانوں کی عورتیں بھی جوش انتقام سے لبریز ہو کر فوج میں شامل ہو گئیں۔جن کے باپ، بھائی، بیٹے، شوہر جنگِ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ان عورتوں نے قسم کھالی تھی کہ ہم اپنے رشتہ داروں کے قاتلوں کا خون پی کر ہی دم لیں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہند کے باپ عتبہ اور جبیر بن مطعم کے چچا کو جنگِ بدر میں قتل کیا تھا۔اس بنا پر "ہند" نے "وحشی" کو جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ وعدہ کیا کہ اگر اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو وہ اس کارگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیا جائے گا۔

مدینہ پر چڑھائی

الغرض بے پناہ جوش وخروش اور انتہائی تیاری کے ساتھ لشکر کفار مکہ سے روانہ ہوا اور ابوسفیان اس لشکر جرار کا سپہ سالار بنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں رہتے تھے انہوں نے ایک خط لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفارِ قریش کی لشکر کشی سے مطلع کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خوفناک خبر ملی تو آپ نے 5 شوال 3ھ کو حضرت عدی بن فضالہ رضی اللہ عنہ کے دونوں لڑکوں حضرت انس اور حضرت مونس رضی اللہ عنہما کو جاسوس بنا کر کفارِ قریش کے لشکر کی خبر لانے کے لئے روانہ فرمایا۔ چنانچہ ان دونوں نے آ کر یہ پریشان کن خبر سنائی کہ ابوسفیان کا لشکر مدینہ کے بالکل قریب آ گیا ہے اور ان کے گھوڑے مدینہ کی چراگاہ (عریض) کی تمام گھاس چر گئے۔

مسلمانوں کی تیاری اور جوش

یہ خبر سن کر 14 شوال 3ھ جمعہ کی رات میں حضرت سعد بن معاذ و حضرت اسید بن حضیر و حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم ہتھیار لے کر چند انصاریوں کے ساتھ رات بھر کاشانہ نبوت کا پہرہ دیتے رہے اور شہر مدینہ کے اہم ناکوں پر بھی انصار کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار و مہاجرین کو جمع فرما کر مشورہ طلب فرمایا کہ شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کی فوج کا مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر میدان میں یہ جنگ لڑی جائے؟ مہاجرین نے عام طور پر اور انصار میں سے بڑے بوڑھوں نے یہ رائے دی کہ عورتوں اور بچوں کو قلعوں میں محفوظ کر دیا جائے اور شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ اس نے بھی یہی کہا کہ شہر میں پناہ گیر ہو کر کفارِ قریش کے حملوں کی مدافعت کی جائے، مگر چند کمسن نوجوان جو جنگِ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے اور جوش جہاد میں آپے سے باہر ہو رہے تھے وہ اس رائے پر اڑ گئے کہ میدان میں نکل کر ان دشمنان اسلام سے فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کی رائے سن لی۔ پھر مکان میں جا کر ہتھیار زیب تن فرمایا اور باہر تشریف لائے۔ اب تمام لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ شہر کے اندر ہی رہ کر کفارِ قریش کے حملوں کو روکا جائے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ ہتھیار پہن کر اتار دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اب تم لوگ خدا کا نام لے کر میدان میں نکل پڑو۔ اگر تم لوگ صبر کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہو گے تو ضرور تمہاری فتح ہو گی۔(1)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے قبیلۂ اوس کا جھنڈا حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور قبیلۂ خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک ہزار کی فوج لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔(2)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کی امداد کو ٹھکرا دیا

شہر سے نکلتے ہی آپ نے دیکھا کہ ایک فوج چلی آ رہی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے حلیف یہودیوں کا لشکر ہے جو آپ کی امداد کے لئے آ رہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ واپس لوٹ جائیں۔ ہم مشرکوں کے مقابلہ میں مشرکوں کی مدد نہیں لیں گے۔(3)

چنانچہ یہودیوں کا یہ لشکر واپس چلا گیا۔ پھر عبداللہ بن اُبی (منافقوں کا سردار) بھی جو تین سو آدمیوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آیا تھا یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرا مشورہ قبول نہیں کیا اور میری رائے کے خلاف میدان میں نکل پڑے، لہٰذا میں ان کا ساتھ نہیں دوں گا۔(4)

عبداللہ بن اُبی کی بات سن کر قبیلہ خزرج میں سے "بنوسلمہ" کے اور قبیلۂ اوس میں سے "بنوحارثہ" کے لوگوں نے بھی واپس لوٹ جانے کا ارادہ کر لیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں اچانک محبت اسلام کا ایسا جذبہ پیدا فرما دیا کہ ان لوگوں کے قدم جم گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان لوگوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝۱۲۲ (5)

''جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی کر جائیں اور اللہ ان کا سنبھالنے والا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا ہونا چاہیے۔''

اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر میں کل سات سو صحابہ رضی اللہ عنہم رہ گئے جن میں کل ایک سو زرہ پوش تھے اور کفار کی فوج میں تین ہزار اشرار کا لشکر تھا جن میں سات سو زرہ پوش جوان، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔ شہر سے باہر نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی فوج کا معائنہ فرمایا اور جو لوگ کم عمر تھے، ان کو واپس لوٹا دیا کہ جنگ کے ہولناک موقع پر بچوں کا کیا کام؟

بچوں کا جوشِ جہاد

مگر جب حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم بہت چھوٹے ہو، تم بھی واپس چلے جاؤ تو وہ فوراً انگوٹھوں کے بل

تن کر کھڑے ہو گئے تا کہ ان کا قد اونچا نظر آئے۔ چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ فوج میں شامل کر لئے گئے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ جو ایک کم عمر نوجوان تھے جب ان کو واپس کیا جانے لگا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اس لئے اگر وہ فوج میں لے لئے گئے ہیں تو پھر مجھ کو بھی ضرور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت ملنی چاہیے چنانچہ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور واقعی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو زمین پر دے مارا۔ اس طرح ان دونوں پر جوش نوجوانوں کو جنگِ اُحد میں شرکت کی سعادت نصیب ہو گئی۔ (6)

تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ میں

مشرکین تو 12 شوال 3 ھ بدھ کے دن ہی مدینہ کے قریب پہنچ کر کوہِ اُحد پر اپنا پڑاؤ ڈال چکے تھے مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 14 شوال 3 ھ بعد نماز جمعہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ رات کو بنی نجار میں رہے اور 15 شوال ہفتہ کے دن نماز فجر کے وقت اُحد میں پہنچے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر پڑھا کر میدان جنگ میں مورچہ بندی شروع فرمائی۔ حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کو لشکر کے میمنہ (دائیں بازو) پر اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کو میسرہ (بائیں بازو) پر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح و حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کو مقدمہ (اگلے حصہ) پر اور حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ساقہ (پچھلے حصہ) پر افسر مقرر فرمایا (رضی اللہ عنہما) اور صف بندی کے وقت اُحد پہاڑ کو پشت پر رکھا اور کوہ عینین کو جو وادی قناۃ میں ہے اپنے بائیں طرف رکھا۔

لشکر کے پیچھے پہاڑ میں ایک درہ (تنگ راستہ) تھا جس میں سے گزر کر کفارِ قریش مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے سے حملہ آور ہو سکتے تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس درہ کی حفاظت کے لئے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر فرما دیا اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس دستہ کا افسر بنا دیا اور یہ حکم دیا کہ دیکھو ہم چاہے مغلوب ہوں یا غالب مگر تم لوگ اپنی اس جگہ سے اس وقت تک نہ ہٹنا جب تک میں تمہارے پاس کسی کو نہ بھیجوں۔ (7)

مشرکین نے بھی نہایت باقاعدگی کے ساتھ اپنی صفوں کو درست کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لشکر کے میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابو جہل کو افسر بنا دیا، سواروں کا دستہ صفوان بن اُمیہ کی کمان میں تھا۔ تیر اندازوں کا ایک دستہ الگ تھا جن کا سردار عبداللہ بن ربیعہ تھا اور پورے لشکر کا علمبردار طلحہ بن ابو طلحہ تھا جو قبیلۂ بنی عبدالدار کا ایک آدمی تھا۔ (8)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ پورے لشکر کفار کا علمبردار قبیلۂ بنی عبدالدار کا ایک شخص ہے تو آپ نے بھی اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا جو قبیلۂ بنو عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔

جنگ کی ابتداء

سب سے پہلے کفارِ قریش کی عورتیں دف بجا بجا کر ایسے اشعار گاتی ہوئی آگے بڑھیں جن میں جنگِ بدر کے مقتولین کا ماتم اور انتقامِ خون کا جوش بھرا ہوا تھا۔لشکر کفار کے سپہ سالار ابوسفیان کی بیوی" ہند" آگے آگے اور کفارِ قریش کے معزز گھرانوں کی چودہ عورتیں اس کے ساتھ ساتھ تھیں اور یہ سب آواز ملا کر یہ اشعار گا رہی تھیں کہ

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقْ　　　　　　　نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِقْ

ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں

اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقْ　　　　　　　اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقْ

''اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے۔''

مشرکین کی صفوں میں سے سب سے پہلے جو شخص جنگ کے لئے نکلا وہ "ابو عامر اوسی" تھا۔جس کی عبادت اور پارسائی کی بنا پر مدینہ والے اس کو"راہب" کہا کرتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام ''فاسق'' رکھا تھا۔زمانہ جاہلیت میں یہ شخص اپنے قبیلہ اوس کا سردار تھا اور مدینہ کا مقبول عام آدمی تھا۔مگر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو یہ شخص جذبۂ حسد میں جل بھن کر خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرنے لگا اور مدینہ سے نکل کر مکہ چلا گیا اور کفارِ قریش کو آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔

اس کو بڑا بھروسا تھا کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ چنانچہ اس نے میدان میں نکل کر پکارا کہ اے انصار! کیا تم لوگ مجھے پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر راہب ہوں۔انصار نے چلا کر کہا ہاں ہاں! اے فاسق! ہم تجھ کو خوب پہچانتے ہیں۔خدا تجھے ذلیل فرمائے۔ابو عامر اپنے لئے فاسق کا لفظ سن کر تلملا گیا۔کہنے لگا کہ ہائے افسوس! میرے بعد میری قوم بالکل ہی بدل گئی۔ پھر کفارِ قریش کی ایک ٹولی جو اس کے ساتھ تھی مسلمانوں پر تیر برسانے لگی۔اس کے جواب میں انصار نے بھی اس زور کی سنگ باری کی کہ ابو عامر اور اس کے ساتھی میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔(9)

لشکر کفار کا علمبردار طلحہ بن ابوطلحہ صف سے نکل کر میدان میں آیا اور کہنے لگا کہ کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ایسا ہے کہ یا وہ مجھ کو دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھ سے وہ جنت میں پہنچ جائے۔اس کا یہ گھمنڈ سے بھرا ہوا کلام سن کر حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں" میں ہوں" یہ کہہ کر فاتح خیبر نے ذُوالفقار کے ایک ہی وار سے اُس کا سر پھاڑ دیا اور وہ زمین پر

تڑپنے لگا اور شیر خدا منہ پھیر کر وہاں سے ہٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس کا سر کیوں نہیں کاٹ لیا؟ شیر خدا نے فرمایا کہ جب وہ زمین پر گرا تو اس کی شرمگاہ کھل گئی اور وہ مجھے قسم دینے لگا کہ مجھے معاف کر دیجئے اس بے حیا کو بے ستر دیکھ کر مجھے شرم دامنگیر ہوگئی اس لئے میں نے منہ پھیر لیا۔ (10)

طلحہ کے بعد اس کا بھائی عثمان بن ابوطلحہ رجز کا یہ شعر پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا کہ

اِنَّ عَلٰی اَھْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا ! اَنْ یَّخْضِبَ اللِّوَاءَ اَوْ تَنْدَقَّا

''علمبردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔''

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لئے تلوار لے کر نکلے اور اس کے شانے پر ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ تلوار ریڑھ کی ہڈی کو کاٹتی ہوئی کمر تک پہنچ گئی اور آپ کے منہ سے یہ نعرہ نکلا کہ

اَنَا ابْنُ سَاقِی الْحَجِیْجِ (11)

''میں حاجیوں کے سیراب کرنے والے عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی اور میدان جنگ میں کشت و خون کا بازار گرم ہوگیا۔

ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں ایک تلوار تھی جس پر یہ شعر کندہ تھا کہ

فِی الْجُبْنِ عَارٌ وَّفِی الْاِقْبَالِ مَکْرُمَۃٌ وَالْمَرْءُ بِالْجُبْنِ لَا یَنْجُوْ مِنَ الْقَدَرِ

''بزدلی میں شرم ہے اور آگے بڑھ کر لڑنے میں عزت ہے اور آدمی بزدلی کر کے تقدیر سے نہیں بچ سکتا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے'' یہ سن کر بہت سے لوگ اس سعادت کے لئے لپکے مگر یہ فخر و شرف حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے نصیب میں تھا کہ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی یہ تلوار اپنے ہاتھ سے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ یہ اعزاز پا کر جوشِ مسرت میں مست و بے خود ہوگئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تلوار کا حق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ''تو اس سے کافروں کو قتل کرے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔''

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ پھر وہ اپنے سر پر ایک سرخ رنگ کا رومال باندھ کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے میدان جنگ میں نکل پڑے اور دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اور تلوار چلاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ ایک دم ان کے سامنے ابوسفیان کی بیوی ہند آ گئی۔ حضرت

ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس پر تلوار چلادیں مگر پھر اس خیال سے تلوار ہٹالی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس تلوار کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی عورت کا سر کاٹے۔(12)

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ما بھی دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور کفار کا قتل عام شروع کر دیا۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ انتہائی جوش جہاد میں دو دستی تلوار مارتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔اسی حالت میں سباع غبشانی سامنے آ گیا آپ نے تڑپ کر فرمایا کہ اے عورتوں کا ختنہ کرنے والی عورت کے بچے! ٹھہر، کہاں جاتا ہے؟ تو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے چلا آیا ہے۔یہ کہہ کر اس پر تلوار چلا دی، اور وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

"وحشی" جو ایک حبشی غلام تھا اور اس کا آقا جبیر بن مطعم اس سے وعدہ کر چکا تھا کہ تو اگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے تو میں تجھ کو آزاد کر دوں گا۔وحشی ایک چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں تھا جوں ہی آپ اس کے قریب پہنچے اس نے دور سے اپنا نیزہ پھینک کر مارا جو آپ کی ناف میں لگا۔اور پشت کے پار ہو گیا۔اس حال میں بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر اس کی طرف بڑھے مگر زخم کی تاب نہ لا کر گر پڑے اور شہادت سے سرفراز ہو گئے۔(13)

کفار کے علمبردار خود کٹ کٹ کر گرتے چلے جا رہے تھے مگر اُن کا جھنڈا گرنے نہیں پاتا تھا ایک کے قتل ہونے کے بعد دوسرا اس جھنڈے کو اٹھا لیتا تھا۔ان کافروں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ جب ایک کافر نے جس کا نام "صواب" تھا مشرکین کا جھنڈا اٹھایا تو ایک مسلمان نے اس کو اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ کر زمین پر گر پڑے مگر اس نے اپنے قومی جھنڈے کو زمین پر گرنے نہیں دیا بلکہ جھنڈے کو اپنے سینے سے دبائے ہوئے زمین پر گر پڑا۔اسی حالت میں مسلمانوں نے اس کو قتل کر دیا۔مگر وہ قتل ہوتے ہوتے یہی کہتا رہا کہ "میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔" اس کے مرتے ہی ایک بہادر عورت جس کا نام "عمرہ" تھا اس نے جھپٹ کر قومی جھنڈے کو اپنے ہاتھ میں لے کر بلند کر دیا، یہ منظر دیکھ کر قریش کو غیرت آئی اور ان کی بکھری ہوئی فوج سمٹ آئی اور ان کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔(14)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابو عامر راہب کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا مگر اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ پرچم اسلام کے نیچے جہاد کر رہے تھے۔حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیجیے میں اپنی تلوار سے

اپنے باپ ابو عامر راہب کا سر کاٹ کر لاؤں مگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بیٹے کی تلوار باپ کا سر کاٹے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر انتہائی جان بازی کے ساتھ لڑتے ہوئے قلب لشکر تک پہنچ گئے اور کفار کے سپہ سالار ابو سفیان پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی تلوار ابو سفیان کا فیصلہ کر دے کہ اچانک پیچھے سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر وار کو روکا اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

مورچہ خالی کرنے پر سیدنا ابن جبیر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ

دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔ کفار اپنے مقتولین کی لاشیں وہیں چھوڑ گئے تھے، جبکہ مسلمان مال غنیمت جمع کر رہے تھے۔ اس صورتحال کو دیکھ کر جبل عینین پر مقرر پچاس تیر اندازوں میں سے کچھ نے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ سوچا کہ ہم بھی مجاہدین کے ساتھ دشمن کا مال ومتاع اکٹھا کرتے ہیں۔ اس دستے کے سالار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں کافی سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر حالت میں یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا اس لیے جب تک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں نیچے اترنے کا حکم نہیں دے دیتے ہمیں یہیں رہنا چاہیے۔

لیکن ان کے ساتھیوں نے ان کی اس بات پر بالکل دھیان نہ دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مقصد نہ تھا۔ حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ پکڑ پکڑ کر روکتے، ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھی سناتے اور کہتے کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہی ہوئی بات تم بھول گئے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ ہر صورت یہیں ٹھہرے رہو۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی تمام تر کوشش کے باوجود ان کے ساتھی نیچے اتر گئے صرف 12 مجاہدین کے ساتھ اپنی جگہ قائم رہے۔

خالد بن ولید کا حملہ

خالد بن ولید انتہائی بیدار مغز، موقع شناس اور ماہر جنگجو تھے۔ اسی پہاڑی کے سامنے کی طرف کفار نے انھیں سو گھڑ سوار دے کر میمنہ پر مقرر کیا تھا۔ پہلے جتنی بار بھی خالد بن ولید نے حملہ کیا، وہاں موجود تیر اندازوں نے اس زور سے تیر برسائے کہ خالد بن ولید کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ لیکن مسلمانوں کی فتح کے بعد جب انھوں نے اس پہاڑی مورچے کو خالی ہوتے اور چند افراد کو وہاں باقی دیکھا تو احد پہاڑ کے اوپر سے چکر کاٹ کر پہاڑی والوں پر ناگہانی حملہ کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ اس پہاڑی پر موجود استقامت کے جتنے پہاڑ تھے، ان کے پایہ استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ انھوں نے متاع جاں کو ایک فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نچھاور کر دیا۔ حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے

پہلے تیر برسائے، تیر ختم ہونے پر نیزے سے دفاع کیا، نیزہ ٹوٹ جانے کے بعد تلوار نکال لی تلوار چلا چلا کر اس کی دستی بھی ٹوٹ گئی اور دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے بالآخر شہید ہو گئے۔ خالد بن ولید کا دستہ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے کے بعد بے خوف وخطر مال غنیمت اکٹھا کرنے والے مجاہدین اسلام پر آناً فاناً پیچھے سے حملہ آور ہوا۔ ادھر سے عکرمہ بن ابی جہل بھی اپنے گھڑسواروں کے ہمراہ خالد بن ولید کے ساتھ آملا۔(15)

ابلیس کی صدائے بازگشت

دوسری طرف بھاگے ہوئے مشرکین کو حوصلہ دینے اور انھیں واپسی کی ترغیب دینے کے لیے شیطان مردود نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر اپنے پیروکاروں کو زوردار آواز لگائی:

أَيْ عِبَادَ اللهِ أُخْرَاكُمْ (16)

''اواللہ کے بندو! واپس آؤ۔''

ابلیس لعین کی آواز سنتے ہی دائیں بائیں بھاگتے ہوئے مشرکین میدان احد کی طرف پلٹنے لگے۔

عمرہ حارثیہ کی علمبرداری

جیسے ہی شیطان نے اپنے عبادت گزاروں کو پلٹنے کی آواز دی، قریش کے خاک وخون میں لت پت جھنڈے کو عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نامی خاتون نے پکڑ کر بلند کر دیا۔ وہ زور زور سے اسے لہرانے لگی اور میدان سے فرار ہونے والوں کو ملامت کرنے لگی۔ وہ کفار مکہ کو پلٹ آنے کے لیے پکار رہی تھی۔ یوں شکست خوردہ کفار واپس میدان احد میں اکٹھے ہو گئے اور معرکہ حق و باطل دوبارہ بج گیا۔ انھوں نے آگے اور پیچھے کی طرف سے مسلمانوں کو گھیر سے لیا۔ مسلمان بے فکری کی بنا پر حلف بندی ختم کر چکے تھے، اس لیے اب ان کی کوئی ترتیب نہ تھی۔ جس کو جدھر راستہ نظر آتا وہ اس طرف بھاگے جا رہا تھا۔ ایسے پرخطر حالات میں چند ایک اصحاب اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرتے رہے۔

مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت یمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

مشرکین کے اس اچانک حملے سے مسلمانوں کی صفیں بکھر چکی تھیں۔ وہ بے فکری سے مال غنیمت جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے، اس لیے غیر متوقع حملہ ہونے پر یکدم سنبھل نہ سکے۔ کچھ میدان چھوڑ گئے، کچھ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کی صورت حال یہ تھی کہ انھیں پتہ ہی نہ چل رہا تھا کہ ہمارے مدمقابل کون ہے، وہ اپنوں ہی پر حملہ آور ہو گئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت یمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی زد میں آ گئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آوازیں لگاتے رہے کہ یہ میرے والد ہیں، انھیں قتل مت کرو لیکن مسلمانوں کو کچھ سنائی نہ دیا اور آخر سیدنا یمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے والد کے غلطی سے قتل ہونے کے باوجود اپنے ساتھیوں سے ناراض نہیں ہوئے بلکہ تقدیر پر ایمان کامل رکھتے ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے لیے ان الفاظ سے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے:

يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ(17)

''اللہ تمھیں معاف فرمائے، وہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

ہوا یوں کہ جنگ کے لیے جاتے ہوئے مدینہ میں بچوں، عورتوں اور عمر رسیدہ افراد کو بلند مقامات اور قلعوں میں پہنچا دیا گیا تھا۔ انھی میں سیدنا یمان بن جابر اور ثابت بن وقش میں بھی تھے، یہ دونوں عمر رسیدہ تھے لیکن جذبۂ جہاد اور شوق شہادت میں کسی سے کم نہ تھے۔

وہ مجاہدین کے احد کی طرف چلے جانے کے بعد خود کو کوستے رہے کہ ہماری زندگی تو ویسے ہی ختم ہونے کو ہے، ہم کیونکر جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں میں خود کو روکے ہوئے ہیں! کیوں نہ ہم بھی جہاد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا ملیں۔ انھی جذبات کو دل میں بسائے اور تلواریں تھامے میدان جہاد میں جا کودے۔ حضرت ثابت بن وقش یہ تو کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے جبکہ حضرت یمان رضی اللہ عنہ بے خبری کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھوں ہی شہادت سے سرفراز ہو گئے۔(18)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مقتول والد کے بدلے انھیں دیت دینا چاہی لیکن انھوں نے اللہ کی رضا کے لیے اپنے والد کی دیت کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔(19)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تاثرات

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اہل اسلام کی اس صورت حال کو یوں بیان کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے تو پہاڑی پر موجود اکثر تیر انداز بھی نیچے اتر آئے، وہ بھی دیگر مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ اس پر مجاہدین کی صفیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئیں اور وہ انگلیوں کی طرح ایک دوسرے سے الجھ گئے۔ تیر اندازوں کے مورچہ چھوڑنے پر مشرکین کے گھڑسواروں نے اس طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اب سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کیا جائے۔ وہ آپس میں میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ اس روز مسلمانوں کی خاصی تعداد نے جام شہادت

نوش کیا۔ پہلے جو فتح ہوئی تھی اب وہ شکست میں بدل چکی تھی۔(20)

اس پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائی:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (21)

''میں اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اُس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی اُن (کفار) کو قتل کر رہے تھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی، اپنے کام میں باہم اختلاف کیا اور جونہی وہ چیز اللہ نے تمھیں دکھائی جس سے تم محبت کر رہے تھے (یعنی مال غنیمت) تو تم اپنے نبی کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے، اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ جب اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمھیں معاف کر دیا، کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظرِ عنایت رکھتا ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے اصحاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر صفات سے متصف ہونے کے ساتھ شجاعت میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں میں سے سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تھے۔(22)

میدان احد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت و ثابت قدمی کا گواہ ہے۔ حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مخالفین نے غزوہ احد میں ہمارے ساتھیوں کو بے دریغ شہید کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی زخمی کر ڈالا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس روز ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہے، آپ دشمن کے سامنے کوہ استقامت بن کر کھڑے رہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے دفاع کے لیے اپنی جانیں قربان کرتے رہے۔(23)

ثابت قدم رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

خالد بن ولید کے حملے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ بھی ثابت قدم رہے۔ ان کی تعداد نو، بارہ، چودہ، پندرہ اور تیس تک بیان کی جاتی ہے۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن

عوف، سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم تھے، جبکہ انصار میں سے حضرت حباب بن منذر، ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہل بن حنیف، سعد بن معاذ، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور دیگر برسرِ پیکار تھے۔ ان میں سے کئی سعادت مند روحوں نے آپ کے دفاع میں لڑتے لڑتے اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ (24)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے فدائیان اسلام کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات کی وجہ مختلف اوقات بھی ہو سکتے ہیں اور مشاہدہ کرنے والے متعدد افراد بھی، اسی طرح جمع تفریق بھی سبب ہو سکتا ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی

مشرکین کے ایک حملے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے جو سب انصاری تھے۔ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر آپ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رستے میں جو ملتا اسے قتل کرتے جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کو قریب آتے دیکھ کر اپنے قریب کھڑے فدائیوں سے فرمایا: ان لوگوں کو کون روکے گا؟ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ اعلان سن کر کہا: اے اللہ کے رسول! یہ کام میں سرانجام دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم یہیں رہو۔ بعد میں ایک انصاری صحابی نے کھڑے ہو کر عرض کی یہ کام میں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، تم جا کر دفاع کرو۔ وہ جا کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر مشرکین کو آگے بڑھتے دیکھ کر پوچھا: ”ان کا مقابلہ کون کرے گا؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پھر کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! یہ سعادت میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تم جہاں ہو وہیں رہو۔“

ایک اور انصاری آدمی کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ یہ معرکہ میں سرانجام دوں گا۔ آپ نے فرمایا: ”ٹھیک ہے، جاؤ اور دشمن کا رستہ روکو۔ وہ جا کر دشمن کا سامنا کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ آپ مسلسل یوں ہی اظہار کرتے رہے کہ اب کون دشمن سے لڑے گا اور ایک ایک انصاری کھڑا ہو کر دشمن سے مقابلہ کرتا رہا حتیٰ کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے سوا آپ کے پاس موجود گیارہ کے گیارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب آخری بار فرمایا کہ دشمن کا مقابلہ کون کرے گا؟ تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ ہی ہے اب کی بار پھر کہتے ہیں کہ یہ کام میں سرانجام دوں گا۔ اب چونکہ کوئی اور صحابی موجود نہ تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، تم دشمن کا مقابلہ کرو۔ انھوں نے گیارہ مجاہدین کے برابر شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ تلوار چلا چلا کر، دشمن کے تیر اور نیزے لگ لگ کر ان کا ہاتھ شدید زخمی ہو گیا تو درد کی وجہ سے ”سی“ کی آواز نکل گئی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ قُلْتَ: بِسْمِ اللّٰهِ لَرَفَعَتْكَ الْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ يَنظُرُونَ

''اگر تم بسم اللہ کہتے تو فرشتے تمھیں بہت بلندی پر لے جاتے اور لوگ اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لیتے۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے بشارت

سیرت نبوی میں ایسی مثالیں تو بے شمار ملتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ پر اپنے والدین قربان کرنے اور وار دینے کے جذبات کا اظہار ان الفاظ سے کرتے تھے:

''فِدَاهُ أَبِي وَأُمِّي'' لیکن ایسا بہت کم نظر آتا ہے کہ کسی صحابی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو کہ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں! یہ سعادت حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کو حاصل ہوئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقع پر یہ اعزاز بخشا ہے جبکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو غزوہ احد کے موقع پر اس امتیازی وصف سے نوازا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مشرکین پر خوب تیر برسائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام تیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے بکھیر دیے۔ حضرت سعد تیر اٹھا اٹھا کر مشرکین پر برسا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے متعلق فرما رہے تھے:

اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي :(25)

''تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں تیر برساتے جاؤ۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے یہ الفاظ نبوی گراں قدر تحفے کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے دن مشرکین کا ایک آدمی اسلامی لشکر میں اودھم مچانے جا رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں! تیر برساتے جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان پر میں نے کمان میں تیر ڈال کر اس زور سے اس مشرک پر چلایا کہ پہلو پر تیر لگتے ہی وہ نیچے آ پڑا اور برہنہ ہو گیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈارھیں نظر آنے لگیں۔(26)

ابن سکن رضی اللہ عنہ کی بے مثل داد شجاعت

مسلمانوں پر دشمن کے جوابی حملہ کی صورت میں مسلمان پھر گئے۔ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی ہر ممکن کوشش میں لگے رہے۔ دوسری طرف فدائیان مصطفیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں جرات وشجاعت کی بے مثل قربانیاں پیش کیں۔ انھی پاسبان رسالت میں سے ایک صحابی سیدنا زیاد بن مسکن انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ خالد بن ولید کے حملے

کے بعد بھی ثابت قدم رہے۔ جب دشمن نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیر لیا تو آپ نے زبان نبوت سے فرمایا:

مَنْ رَجُلٌ يَشْرِي لَنَا نَفْسَهُ ''ہمارے لیے خود کو کون قربان کرے گا؟''

اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے جن میں سے ایک حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ تھے۔ چار جانباز یکے بعد دیگرے دشمن کا مقابلہ کرتے کرتے آپ کی خاطر قربان ہو گئے۔ آخر میں حضرت ابن سکن نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ آپ کی حفاظت اور بچاؤ کے لیے دشمن پر خوب شمشیر زنی کی اور پھر دیگر مجاہدین نے آ کر دشمن کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔ مخالفین نے اتنے تیر برسائے اور ایسی تلوار بازی کی کہ ابن سکن رضی اللہ عنہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ انھیں میرے قریب لایا جائے۔ انھیں آپ کے قریب لایا گیا تو ابھی ان میں زندگی کی رمق موجود تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس کھڑے دیکھ کر ان کی آخری خواہش پوری ہوئی۔ اس طرح آخری بار دیدار نبوی کے ساتھ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ (27)

ابن قابوس رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے کا پایۂ استقلال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے اصحاب ذی شان میں سے حضرت وہب بن قابوس مزنی اور ان کے بھتیجے حضرت حارث بن عقبہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد کے لیے میدان کارزار میں تشریف لے گئے تھے۔ یہ دونوں باہر سے بکریاں چرا کر مدینہ واپس آئے تو مدینہ کو بے رونق دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ سب لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟ بتایا گیا کہ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ قریشی لشکر سے جنگ کے لیے احد کی طرف چلے گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی ان کے دل کی بات زبان پر آ گئی اور جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر کہنے لگے۔

اصل چیز کے ہاتھ سے نکل جانے پر ہمیں باقی ماندہ چیز ڈھونڈنے کی کیا ضرورت! اس وقت اپنا سب کچھ چھوڑا، مال ومتاع کو وہیں خیر باد کیا اور جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر تلواریں، نیزے تھامے اور دوڑ لگا کر میدان احد میں جا پہنچے۔ دیکھا کہ دشمن بھاگ رہا ہے۔ فتح مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہے، لہٰذا وہ بھی دیگر مجاہدین کے ساتھ مال غنیمت جمع کرنے لگ گئے۔ خالد بن ولید نے جب دوبارہ مسلمانوں پر حملہ کیا تو انھوں نے کفار کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مشرکین کی ایک ٹولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف آتے دکھائی دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس گروہ کا کون مقابلہ کرے گا؟

حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ آپ کی یہ بات سن کر عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول یہ فریضہ میں سرانجام دوں گا اور ساتھ ہی کھڑے ہو کر سینہ تانے دشمن پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ اتنی تیر اندازی کی کہ ان کا رخ ہی موڑ دیا۔

یہ کام سرانجام دے کر حضرت وہب رضی اللہ عنہ واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد مشرکین کی ایک اور جماعت آتے دکھائی دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس لشکر کا کون سامنا کرے گا؟ اب کی بار پھر سیدنا ابن قابوس رضی اللہ عنہ اپنی خدمات پیش کرنے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ان کا مقابلہ میں کرتا ہوں۔ آپ کا حکم ملنے پر تلوار تھامے ان کے سامنے جا کر دیوار تان کر کھڑے ہو گئے اور انہی مہارت سے شمشیر زنی کی کہ دشمن دم دبا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ فریضہ سرانجام دے کر واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

دوبارہ ان دشمنوں کو مار بھگانے کے بعد ایک تیسری ٹولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف بڑھتی دکھائی دی تو آپ نے پھر فرمایا: اب ان لوگوں کا سامنا کون کرے گا؟ اس دفعہ بھی حضرت ابن قابوس رضی اللہ عنہ نے یہ خدمت سرانجام دینے کا جرات مندانہ اظہار کیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں جنت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

قُمْ وَأَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ ''اٹھو تمہارے لیے جنت کی بشارت ہے۔''

زبان نبوت سے جنت کی خوشخبری سن کر یہ انتہائی خوش ہوئے اور جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! اب نہ تو میں آرام کروں گا اور نہ پلٹوں گا۔ یہ کہہ کر ابن قابوس رضی اللہ عنہ تلوار لہراتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی صفوں کو چیر کر دوسری طرف جا نکلے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے بارگاہ صمدی میں رحمت کی دعا فرمائی: ''اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ'' اے اللہ اس پر رحم فرما۔ وہ دشمن کی صفوں میں آگے سے داخل ہوتے، مارتے دھاڑتے پیچھے سے نکل جاتے، پھر پیچھے سے دشمن میں داخل ہوتے، مارتے پیٹتے اور تلوار چلاتے دوسری طرف نکل جاتے اور یوں سلسلہ خاصی دیر جاری رہا۔ انھوں نے دشمن کی ناک میں دم کر دیا تھا۔ انھیں خوب ذلیل ورسوا اور زخمی کر دیا۔ آخر کار دشمن نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا اور پھر سب نے مل کر ان پر تلواروں کے وار کیے، تیر اور نیزے برسائے۔ اس طرح اسلام کا یہ شیر جنت کا مہمان ٹھہرا۔ اس روز انھیں بیس کے قریب نیزے کے گہرے زخم لگے تھے۔ ان کا بری طرح مثلہ کیا گیا۔ ان کے اعضا کاٹ دیے گئے اور چہرہ بگاڑ دیا گیا۔ ان کے بعد ان کے بھتیجے حضرت حارث بن عقبہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور وہ بھی دشمن سے دیوانہ وار لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے اور ابن قابوس کے متعلق فرمایا:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنكَ فَإِنِّي عَنكَ رَاضٍ

''اللہ تجھ سے راضی ہے اور میں بھی تجھ پر خوش ہوں۔''

سیدنا ابن قابوس رضی اللہ عنہ اسی رشک بھرے انداز شجاعت اور قابل ستائش طریقہ شہادت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے۔ ابن قابوس مزنی کی شہادت سے بڑھ کر اچھی اور کوئی حالت نہیں جس پر ہمیں اللہ سے ملاقات کرنا زیادہ عزیز ہو۔ (28)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موت پر بیعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں جاں نثاروں نے مثالی داستانیں رقم کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر جان کی بازی لگانا، ان کے نزدیک سب سے بڑی سعادت تھی۔ اس کے لیے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوران قتال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد کیا کہ روح کا ساتھ چھوڑنے تک آپ کے دفاع میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ ان خوش نصیبوں میں آٹھ اہل ایمان کا تذکرہ ملتا ہے اور وہ یہ ہیں:

سیدنا علی، سیدنا زبیر، سیدنا طلحہ، سیدنا ابودجانہ، سیدنا حارث بن احمد ابن سعد، سیدنا حباب بن منذر، سیدنا عاسم بن ثابت اور سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے پہلے تین مہاجرین جبکہ دیگر پانچ انصاری تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں خوب دادِ شجاعت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخالفین کی دست درازی سے محفوظ رکھا۔ ان میں سے ہر ایک کا اقرار تھا کہ میرا چہرہ آپ کے مبارک چہرے کے دفاع میں قربان ہے۔ میری جان آپ پر نثار ہے۔ آپ پر سلامتی ہو۔ آپ کے رب نے آپ کو بالکل نہیں چھوڑا۔ (29)

ابی ابن خلف کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کی دھمکی

ابی بن خلف اپنے بھائی امیہ بن خلف کے ہمراہ غزوہ بدر میں شریک ہوا۔ امیہ تو اس معرکے میں ذلت کی موت مارا گیا لیکن یہ قید کے بعد فدیہ دے کر آزاد ہو گیا اور واپس مکہ چلا گیا۔ اس کا عوذ نامی ایک گھوڑا تھا ہے جیسے یہ خوب کھلایا پلایا کرتا تھا۔ ہجرت مدینہ سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ ہی میں تھے، یہ آپ کو قتل کی دھمکی دیتے ہوئے کہا کرتا: اے محمد! عوذ نامی میرا ایک گھوڑا ہے جسے میں روزانہ خوب مکئی کھلایا کرتا ہوں۔ اس پر سوار ہو کر میں تجھے قتل کروں گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے: أَنَا أَقْتُلُكَ إِنْ شَاءَ اللهُ (30) ''بلکہ میں تجھے قتل کروں گا، ان شاء اللہ۔''

اپنی دیرینہ گھٹیا خواہش کی تکمیل اور سینے میں سلگتی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لیے وہ میدان احد میں مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاک میں رہا۔ دشمنان اسلام کی شکست کے بعد جب جنگ کی صورت حال تبدیل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اپنے اصحاب کے ہمراہ گھاٹی کی طرف محصور ہوگئے تو ابی بن خلف آپ ﷺ کو دیکھ کر گھوڑا دوڑائے آپ کی طرف آیا اور دور ہی سے آوازیں لگانے لگا: اے محمد! اگر آج تم بھی نکلے تو میرا جینا محال ہے۔

ابن خلف کی یہ ڈینگ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا راستہ روکنے کی اجازت مانگی، لیکن آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔ قریب آنے پر رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ((يَا كَذَّابُ أَيْنَ تَفِرُّ)) اے جھوٹے اب کہاں بھاگو گے؟

پھر آپ ﷺ نے سیدنا حارث بن صِمَّہ سے نیزہ لے کر اس کی گردن کے عین اس حصے میں مارا جو زرہ سے ڈھکا ہوا نہیں تھا۔ اسے معمولی سا زخم لگا۔ زخم لگتے ہی یہ گھوڑے سے نیچے گر ا اور جانور کی طرح زمین پر لاسکتے لڑھکتے بھاگ کر اپنی قوم کے پاس چلا گیا۔ یہ چیختا چلاتا اور ساتھ ساتھ آوازیں لگائے جا رہا تھا۔ قتلني والله محمد اللہ کی قسم! مجھے محمد (ﷺ) نے قتل کر ڈالا ہے۔ ساتھی حیرانی سے کہنے لگے کہ اتنا چلاتے کیوں ہو؟ معمولی سا زخم ہی تو ہے۔ تمہیں تو کچھ بھی نہیں ہوا تم ویسے ہی بزدل ہو گئے ہو۔ (31)

وہ لوگوں کی تمام کڑوی کسیلی باتیں سننے کے بعد کہتا ہے محمد (ﷺ) نے تو مکہ ہی میں مجھ سے کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ اللہ کی قسم! آج محمد (ﷺ) اگر مجھ پر تھوک ہی دیتا تو میں پھر بھی مر جاتا۔ مجھے لات وعزیٰ کی قسم! اس زخم کی وجہ سے مجھے جتنی تکلیف ہو رہی ہے، اگر وہ تکلیف تمام اہل حجاز میں تقسیم کر دی جائے تو اس درد کی وجہ سے سب مر جائیں۔ اس درد کی وجہ سے وہ بیل کی طرح ڈکراتا رہا۔ بالآخر مکہ واپس جاتے ہوئے رستے میں سرف کے مقام پر مر گیا۔ اسے وہیں تپتے صحرا میں گڑھا کھود کر مٹی میں دبا دیا گیا۔ (32)

ابی بن خلف خود تو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں ذلت کی موت مرا اور اس وجہ سے روز قیامت سخت ترین عذاب سے دوچار ہوگا، لیکن اس کی اولاد میں سے عبداللہ اور زمعہ دونوں مسلمان ہو کر جہنم سے بچ کر جنت کے حق دار قرار پائے۔ (33)

تاجدارِ دوعالم ﷺ زخمی

اس طرح ابن قَمِیئَہ ملعون جس نے حضور ﷺ کے رخ انور پر تلوار چلا دی تھی ایک پہاڑی بکرے کو خداوند قہار و جبار نے اس پر مسلط فرما دیا اور اس نے اس کو سینگ مار مار کر چھلنی بنا ڈالا اور پہاڑ کی بلندی سے نیچے گرا دیا جس سے اس کی لاش ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر گئی۔ (34)

صحابہ رضی اللہ عنہم کا جوش جاں نثاری

جب حضورِ اکرم ﷺ زخمی ہو گئے تو چاروں طرف سے کفار نے آپ پر تیر و تلوار کا وار شروع کر دیا اور کفار کا

بے پناہ ہجوم آپ کے ہر چہار طرف سے حملہ کرنے لگا جس سے آپ کفار کے نرغہ میں محصور ہونے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہم کا جوش جاں نثاری سے خون کھولنے لگا اور وہ اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر آپ کو بچانے کے لئے اس جنگ کی آگ میں کود پڑے اور آپ کے گرد ایک حلقہ بنالیا۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ جھک کر آپ کے لئے ڈھال بن گئے اور چاروں طرف سے جو تلواریں برس رہی تھیں ان کو وہ اپنی پشت پر لیتے رہے اور آپ تک کسی تلوار یا نیزے کی مار کو پہنچنے ہی نہیں دیتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ وہ کفار کی تلواروں کے وار کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر شل ہوگیا اور ان کے بدن پر پینتیس یا اُنتالیس زخم لگے۔

غرض جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں اپنی جانوں کی پروا نہیں کی اور ایسی بہادری اور جاں بازی سے جنگ کرتے رہے کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نشانہ بازی میں مشہور تھے، انہوں نے اس موقع پر اس قدر تیر برسائے کہ کئی کمانیں ٹوٹ گئیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بٹھالیا تھا تاکہ دشمنوں کے تیر یا تلوار کا کوئی وار آپ پر نہ آسکے۔ کبھی کبھی آپ دشمنوں کی فوج کو دیکھنے کے لئے گردن اٹھاتے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ گردن نہ اٹھائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنوں کا کوئی تیر آپ کو لگ جائے۔ یارسول اللہ! آپ میری پیٹھ کے پیچھے ہی رہیں میرا سینہ آپ کے لئے ڈھال بنا ہوا ہے۔(35)

حضرت قتادہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کو بچانے کے لئے اپنا چہرہ دشمنوں کے سامنے کئے ہوئے تھے۔ ناگہاں کافروں کا ایک تیر ان کی آنکھ میں لگا اور آنکھ بہہ کر ان کے رخسار پر آگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھ کو اٹھا کر آنکھ کے حلقہ میں رکھ دیا اور یوں دعا فرمائی کہ یااللہ! قتادہ کی آنکھ بچالے جس نے تیرے رسول کے چہرہ کو بچایا ہے۔ مشہور ہے کہ ان کی وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ روشن اور خوبصورت ہوگئی۔(36)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تیراندازی میں انتہائی باکمال تھے۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت میں جلدی جلدی تیر چلارہے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے(37)

ظالم کفار انتہائی بے دردی کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیر برسا رہے تھے مگر اس وقت بھی زبان مبارک پر یہ دعا تھی

رَبِّ اغْفِرْ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ(38)

''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔''

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دندان مبارک کے صدمہ اور چہرۂ انور کے زخموں سے نڈھال ہو رہے تھے۔ اس حالت میں

آپ ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے جو ابو عامر فاسق نے جا بجا کھود کر ان کو چھپا دیا تھا تاکہ مسلمان لاعلمی میں ان گڑھوں کے اندر گر پڑیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپکا دست مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اٹھایا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے خَود (لوہے کی ٹوپی) کی کڑی کا ایک حلقہ جو چہرۂ انور میں چبھ گیا تھا اپنے دانتوں سے پکڑ کر اس زور کے ساتھ کھینچ کر نکالا کہ ان کا ایک دانت ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ پھر دوسرا حلقہ جو دانتوں سے پکڑ کر کھینچا تو دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔

چہرۂ انور سے جو خون بہا اس کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے جوش عقیدت سے چوس چوس کر پی لیا اور ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے مالک بن سنان! کیا تو نے میرا خون پی ڈالا۔ عرض کیا کہ جی ہاں یارسول اللہ! ارشاد فرمایا کہ جس نے میرا خون پی لیا جہنم کی کیا مجال جو اس کو چھو سکے۔ (39)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں تشریف فرما تھے اور چہرۂ انور سے خون بہہ رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے خون دھو رہی تھیں مگر خون بند نہیں ہوتا تھا بالآخر کھجور کی چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم پر رکھ دی تو خون فوراً ہی تھم گیا۔ (40)

اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ پہاڑ کی بلندی پر چڑھ گئے جہاں کفار کے لئے پہنچنا دشوار تھا۔ ابوسفیان نے دیکھ لیا اور فوج لے کر وہ بھی پہاڑ پر چڑھنے لگا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے کافروں پر اس زور سے پتھر برسائے کہ ابوسفیان اس کی تاب نہ لا سکا اور پہاڑ سے اتر گیا۔

خواتین اسلام کے کارنامے

جنگِ اُحد میں مردوں کی طرح عورتوں نے بھی بہت ہی مجاہدانہ جذبات کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا۔ حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی اُمِ سلیم رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ دونوں پائینچے چڑھائے ہوئے مشک میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں اور مجاہدین خصوصاً زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ اسی طرح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت بی بی اُمِ سلیط رضی اللہ عنہا بھی برابر پانی کی مشک بھر کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔ (41)

حضرت اُمِ عمارہ رضی اللہ عنہا کی جاں نثاری بیداری

حضرت بی بی ام عمارہ رضی اللہ عنہا جن کا نام "نسیبہ" ہے جنگِ اُحد میں اپنے شوہر حضرت زید بن عاصم اور دو فرزند حضرت عمارہ

اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر آئی تھیں۔ پہلے تو یہ مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کفار کی یلغار کا ہوش ربا منظر دیکھا تو مشک کو پھینک دیا اور ایک خنجر لے کر کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو گئیں اور کفار کے تیر و تلوار کے ہر ایک وار کو روکتی رہیں۔ چنانچہ ان کے سر اور گردن پر تیرہ زخم لگے۔ ابن قمیئہ ملعون نے جب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تلوار چلا دی تو بی بی اُم عِمارہ رضی اللہ عنہا نے آگے بڑھ کر اپنے بدن پر روکا۔ چنانچہ ان کے کندھے پر اتنا گہرا زخم آیا کہ غار پڑ گیا پھر خود بڑھ کر ابن قمیئہ کے شانے پر زوردار تلوار ماری لیکن وہ ملعون دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے بچ گیا۔

حضرت بی بی ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک کافر نے زخمی کر دیا اور میرے زخم سے خون بند نہیں ہوتا تھا۔ میری والدہ حضرت اُم عِمارہ رضی اللہ عنہا نے فوراً اپنا کپڑا اپھاڑ کر زخم کو باندھ دیا اور کہا کہ بیٹا اُٹھو، کھڑے ہو جاؤ اور پھر جہاد میں مشغول ہو جاؤ۔ اتفاق سے وہی کافر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے ام عمارہ! رضی اللہ عنہا دیکھ تیرے بیٹے کو زخمی کرنے والا یہی ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت بی بی اُم عِمارہ رضی اللہ عنہا نے جھپٹ کر اس کافر کی ٹانگ پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ کافر گر پڑا اور پھر چل نہ سکا بلکہ سرین کے بل گھسٹتا ہوا بھاگا۔ یہ منظر دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا کہ اے اُم عِمارہ! رضی اللہ عنہا تو خدا کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھ کو اتنی طاقت اور ہمت عطا فرمائی کہ تو نے خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ حضرت بی بی اُم عِمارہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ ہم لوگوں کو جنت میں آپ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل ہو جائے۔ اس وقت آپ نے ان کے لئے اور ان کے شوہر اور ان کے بیٹوں کے لئے اس طرح دعا فرمائی کہا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ رُفَقَائِيْ فِي الْجَنَّةِ یا اللہ! عزوجل ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا دے۔

حضرت بی بی اُم عمارہ رضی اللہ عنہا زندگی بھر علانیہ یہ کہتی رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کے بعد دنیا میں بڑی سے بڑی مصیبت بھی مجھ پر آ جائے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ (42)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر آئیں تو آپ نے انکے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میری پھوپھی اپنے بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے اپنے بھائی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے لیکن میں اس کو خدا کی راہ میں کوئی بڑی قربانی نہیں سمجھتی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے لاش کے پاس گئیں اور یہ منظر دیکھا کہ پیارے بھائی کے کان، ناک، آنکھ سب کٹے پڑے شکم چاک، جگر چبایا ہوا پڑا ہے، یہ دیکھ کر اس شیر دل خاتون نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کے سوا کچھ بھی نہ کہا پھر ان کی مغفرت کی دعا مانگتی ہوئی چلی آئیں۔

ایک انصاری عورت کا صبر

ایک انصاری عورت جس کا شوہر، باپ، بھائی سبھی اس جنگ میں شہید ہو چکے تھے تینوں کی شہادت کی خبر باری باری سے لوگوں نے اُسے دی مگر وہ ہر بار یہی پوچھتی رہی یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں؟ جب لوگوں نے اس کو بتایا کہ الحمدللہ وہ زندہ اور سلامت ہیں۔(43)

تو بے اختیار اس کی زبان سے اس شعر کا مضمون نکل پڑا کہ

تسلی ہے پناہ بے کساں زندہ سلامت ہے　　　　کوئی پروا نہیں سارا جہاں زندہ سلامت ہے

اللہ اکبر! اس شیر دل عورت کے صبر و ایثار کا کیا کہنا؟ شوہر، باپ، بھائی، تینوں کے قتل سے دل پر صدمات کے تین تین پہاڑ گر پڑے ہیں مگر پھر بھی زبان حال سے اس کا یہی نعرہ ہے کہ

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا　　　　اے شہ دیں! ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

شہدائے کرام رضی اللہ عنہم

اس جنگ میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جامِ شہادت نوش فرمایا جن میں چار مہاجر اور چھیاسٹھ انصار تھے۔ تیس کی تعداد میں کفار بھی نہایت ذلت کے ساتھ قتل ہوئے۔(44)

مسلمانوں کی مفلسی کا یہ عالم تھا کہ ان شہداء کرام رضی اللہ عنہم کے کفن کے لئے کپڑا بھی نہیں تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ بوقت شہادت ان کے بدن پر صرف ایک اتنی بڑی کملی تھی کہ ان کی لاش کو قبر میں لٹانے کے بعد اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں کو چھپایا جاتا تھا تو سر کھل جاتا تھا بالآخر سر چھپا دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔ شہداء کرام خون میں لتھڑے ہوئے دو دو شہید ایک ایک قبر میں دفن کئے گئے۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو آگے رکھتے۔(45)

قبورِ شہداء کی زیارت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہداء اُحد کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا بھی یہی عمل رہا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ یا اللہ! تیرا رسول گواہ ہے کہ اس جماعت نے تیری رضا کی طلب میں جان دی ہے، پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت تک جو

مسلمان بھی ان شہیدوں کی قبروں پر زیارت کے لئے آئے گا اور ان کو سلام کرے گا تو یہ شہداء کرام رضی اللہ عنہم اس کے سلام کا جواب دیں گے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں ایک دن اُحد کے میدان سے گزر رہی تھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس پہنچ کر میں نے عرض کیا کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللهِ (اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا! آپ پر سلام ہو) تو میرے کان میں یہ آواز آئی کہ وَعَلَيْكِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ (46)

حیاتِ شہداء

چھیالیس برس کے بعد شہداء اُحد کی بعض قبریں کھل گئیں تو ان کے کفن سلامت اور بدن تر و تازہ تھے اور تمام اہل مدینہ اور دوسرے لوگوں نے دیکھا کہ شہداء کرام اپنے زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور جب زخم سے ہاتھ اٹھایا تو تازہ خون نکل کر بہنے لگا۔ (47)

حوالہ جات

1 مدارج ج ۲ ص ۱۱۴
2 مدارج ج ۲ ص ۱۱۴
3 مدارج جلد ۲ ص ۱۱۴
4 مدارج جلد ۲ ص ۱۱۵
5 آلِ عمران: ۱۲۲
6 مدارج جلد ۲ ص ۱۱۴
7 بخاری باب ما یکرہ من التنازع
8 مدارج جلد ۲ ص ۱۱۵
9 مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶
10 مدارج ج ۲ ص ۱۱۶
11 مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶
12 زُرقانی ج ۲ ص ۳۹ و مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶
13 بخاری باب قتل حمزۃ ج ۲ ص ۵۸۲
14 مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶ وغیرہ
15 السیرۃ النبویۃ، ج2 ص179
16 صحیح البخاری:3290
17 صحیح البخاری:4065
18 المستدرک:4961
19 مسند احمد بن حنبل:23639
20 مسند احمد بن حنبل:2309
21 النساء:152
22 صحیح مسلم:2307
23 دلائل النبوۃ، البیہقی، ج3 ص264
24 سبل الہدیٰ: ج4 ص197
25 صحیح البخاری:4055
26 صحیح مسلم
27 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج2 ص81
28 ابن سعد الطبقات الکبریٰ: ج4 ص247-248
29 المقریزی، امتاع الاسماع، ج1 ص148
30 ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص340
31 ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج2 ص84
32 ابن ہشام، السیرہ النبویہ، ج2 ص84
33 ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج3 ص170
34 زُرقانی ج ۲ ص ۳۹
35 بخاری غزوہ احد ص ۵۸۱
36 زُرقانی ج ۲ ص ۴۲
37 بخاری غزوہ احد ص ۵۸۰
38 مسلم غزوہ احد ج ۲ ص ۹۰
39 زُرقانی ج ۲ ص ۳۹
40 بخاری غزوہ احد ج ۲ ص ۵۸۴
41 زرقانی ج ۲ ص ۴۸ و بخاری غزوہ احد ج ۲ ص ۵۷۹
42 مدارج ج ۲ ص ۱۲۶
43 طبری ص ۱۴۲۵
44 مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۳۳
45 بخاری باب اذا لم یوجد الاثواب واحد ج ا ص ۱۷۰
46 مدارج النبوہ ج ۲ ص ۱۳۵
47_46 مدارج النبوہ ج ۲ ص ۱۳۵

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کی امداد کو کیوں ٹھکرایا؟

....

....

2. غزوہ احد کی ابتداء کیسے ہوئی؟

....

....

3. حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کیسے ہوئی؟

....

....

4. سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ کیسے شہید ہوئے؟

....

....

5. سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا بشارت دی تھی؟

....

....

6. ابی بن خلف کی موت کیسے ہوئی؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ وہ کفار کی تلواروں کے وار کو اپنے پر روکتے تھے

بازو ☐ سر ☐ ہاتھ ☐ پاؤں ☐

2. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر آئیں

خالہ ☐ نانی ☐ دادی ☐ پھوپھی ☐

3. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ہمراہ جبل حراء پر تشریف فرما تھے کہ پہاڑ لگا۔

گھومنے ☐ جھومنے ☐ جھکنے ☐ ہٹنے ☐

4. ہر مشرک و کافر انجام کار کے لحاظ سے ہوتا ہے

بدنام ☐ حقیر ☐ ناکام ☐ نامراد ☐

5. اسی طرح ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے

دو ☐ چار ☐ پانچ ☐ نو ☐

6. ... انتہائی بیدار مغز، موقع شناس اور ماہر جنگجو تھے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ☐ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ☐ حضرت علی رضی اللہ عنہ ☐ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ ☐

معرکہ سے پہلے

مسجد نبوی

یثرب

العالیہ

قباء

مسجد قباء

سبق نمبر 14

ہجرت کا چوتھا سال

خلاصہ سبق

4ھ میں تین غزوات پیش آئے۔(1) غزوہ بنونظیر،(2) غزوہ ذات الرقاع (3) غزوہ بدرِ صُغریٰ،اور چار سریے روانہ کیے گئے۔اس سال کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت زینب بنت خزیمہ(جو صرف چار ماہ قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آئی تھیں) انتقال فرما گئیں۔یکم ذی القعدہ بروز جمعہ کو پردے کا حکم نازل ہوا،شراب کی قطعی حرمت کا حکم بھی اسی سال دیا گیا۔نیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اسی سال ماہ جمادی الثانیہ میں آپ کے عقد میں آئیں۔

ہجرت کا چوتھا سال بھی کفار کے ساتھ چھوٹی بڑی لڑائیوں ہی میں گزرا۔جنگِ بدر کی فتح مبین سے مسلمانوں کا رعب تمام قبائل عرب پر بیٹھ گیا تھا اس لئے تمام قبیلے کچھ دنوں کے لئے خاموش بیٹھ گئے تھے لیکن جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا چرچا ہو جانے سے دوبارہ تمام قبائل دفعتہً اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے کھڑے ہو گئے اور مجبوراً مسلمانوں کو بھی اپنے دفاع کے لئے لڑائیوں میں حصہ لینا پڑا۔4ھ کی مشہور لڑائیوں میں سے چند یہ ہیں:

سریہ ابو سلمہ

یکم محرم 4ھ کو ناگہاں ایک شخص نے مدینہ میں یہ خبر پہنچائی کہ طلیحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد دونوں بھائی کفار کا لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے نکل پڑے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لشکر کے مقابلہ میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا جس میں حضرت ابو سبرہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم جیسے معزز مہاجرین و انصار بھی

تھے، لیکن کفار کو جب پتہ چلا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو وہ لوگ بہت سے اونٹ اور بکریاں چھوڑ کر بھاگ گئے جن کو مسلمان مجاہدین نے مال غنیمت بنالیا اور لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔(1)

سریہ عبداللہ بن انیس

محرم ۴ھ کو اطلاع ملی کہ "خالد بن سفیان ہزلی" مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے فوج جمع کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مقابلہ کے لئے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ آپ نے موقع پا کر خالد بن سفیان ہزلی کو قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر مدینہ لائے اور تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی بہادری اور جان بازی سے خوش ہو کر ان کو اپنا عصا (چھڑی) عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اسی عصا کو ہاتھ میں لیکر جنت میں چہل قدمی کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن یہ مبارک عصا میرے پاس نشانی کے طور پر رہے گا۔ چنانچہ انتقال کے وقت انہوں نے یہ وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔(2)

حادثۂ رجیع

عسفان و مکہ کے درمیان ایک مقام کا نام "رجیع" ہے۔ یہاں کی زمین سات مقدس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے خون سے رنگین ہوئی اس لئے یہ واقعہ سریۂ رجیع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دردناک سانحہ بھی ۴ھ میں پیش آیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ عضل وقارہ کے چند آدمی بارگاہ رسالت میں آئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب آپ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں بھیج دیں تا کہ وہ ہماری قوم کو عقائد واعمال اسلام سکھا دیں۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس منتخب صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں بھیج دیا۔ جب یہ مقدس قافلہ مقام رجیع پر پہنچا تو غدار کفار نے بدعہدی کی اور قبیلۂ بنولحیان کے کافروں نے دوسو کی تعداد میں جمع ہو کر ان دس مسلمانوں پر حملہ کر دیا مسلمان اپنے بچاؤ کے لئے ایک اونچے ٹیلہ پر چڑھ گئے۔

کافروں نے تیر چلانا شروع کیے اور مسلمانوں نے ٹیلے کی بلندی سے سنگ باری کی۔ کفار نے سمجھ لیا کہ ہم ہتھیاروں سے ان مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکتے تو ان لوگوں نے دھوکہ دیا اور کہا کہ اے مسلمانو! ہم تم لوگوں کو امان دیتے ہیں اور اپنی پناہ میں لیتے ہیں اس لئے تم لوگ ٹیلے سے اتر آؤ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی کافر کی پناہ میں آنا گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر خدا سے دعا مانگی کہ "یااللہ! تو اپنے رسول کو ہمارے حال سے مطلع فرما دے۔" پھر وہ جوش

جہاد میں بھرے ہوئے ٹیلے سے اترے اور کفار سے دست بدست لڑتے ہوئے اپنے چھ ساتھوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ چونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے دن بڑے بڑے کفار قریش کو قتل کیا تھا اس لئے جب کفار مکہ کو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پتہ چلا تو کفار مکہ نے چند آدمیوں کو مقام رجیع میں بھیجا تا کہ ان کے بدن کا کوئی ایسا حصہ کاٹ کر لائیں جس سے شناخت ہو جائے کہ واقعی حضرت عاصم رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے ہیں لیکن جب کفار آپ کی لاش کی تلاش میں اس مقام پر پہنچے تو اس شہید کی یہ کرامت دیکھی کہ لاکھوں کی تعداد میں شہد کی مکھیوں نے ان کی لاش کے پاس اس طرح گھیرا ڈال رکھا ہے جس سے وہاں تک پہنچنا ہی ناممکن ہو گیا ہے اس لئے کفارِ مکہ نا کام واپس چلے گئے۔(3)

باقی تین اشخاص حضرت خبیب و حضرت زید بن دثنہ و حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم کفار کی پناہ پر اعتماد کر کے نیچے اترے تو کفار نے بدعہدی کی اور اپنی کمان کی تانتوں سے ان لوگوں کو باندھنا شروع کر دیا، یہ منظر دیکھ کر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تم لوگوں کی پہلی بدعہدی ہے اور میرے لئے اپنے ساتھیوں کی طرح شہید ہو جانا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ ان کافروں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔(4)

لیکن حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہم کو کافروں نے باندھ دیا تھا اس لئے یہ دونوں مجبور ہو گئے تھے۔ ان دونوں کو کفار نے مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جنگِ اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لئے اس کے لڑکوں نے ان کو خرید لیا تا کہ ان کو قتل کر کے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو اُمیہ کے بیٹے صفوان نے قتل کرنے کے ارادہ سے خریدا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو کافروں نے چند دن قید میں رکھا پھر حدودِ حرم کے باہر لے جا کر سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قاتلوں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی، قاتلوں نے اجازت دے دی۔ آپ نے بہت مختصر طور پر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور فرمایا کہ اے گروہ کفار! میرا دل تو یہی چاہتا تھا کہ دیر تک نماز پڑھتا رہوں کیونکہ یہ میری زندگی کی آخری نماز تھی مگر مجھ کو یہ خیال آ گیا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھ لو کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں۔ کفار نے آپ کو سولی پر چڑھا دیا اس وقت آپ نے یہ اشعار پڑھے

وَذَالِكَ فِيْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ يَّشَأْ — يُبَارِكْ عَلٰى اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

''یہ سب کچھ خدا کے لئے ہے اگر وہ چاہے گا تو میرے کٹے پٹے جسم کے ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔''

حارث بن عامر کے لڑکے ''ابوسروعہ'' نے آپ کو قتل کیا مگر خدا کی شان کہ یہی ابوسروعہ اور ان کے دونوں بھائی ''عقبہ'' اور ''حجیر'' پھر بعد میں مشرف بہ اسلام ہو کر صحابیت کے شرف و اعزاز سے سرفراز ہو گئے۔(5)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی قبر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مطلع فرمایا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جو شخص خبیب کی لاش کو سولی سے اتار لائے اس کے لئے جنت ہے۔ یہ بشارت سن کر حضرت زبیر بن العوام و حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہم راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپتے ہوئے مقام "تنعیم" میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی سولی کے پاس پہنچے۔ چالیس کفار سولی کے پہرہ دار بن کر سو رہے تھے ان دونوں حضرات نے سولی سے لاش کو اُتارا اور گھوڑے پر رکھ کر چل دیئے۔ چالیس دن گزر جانے کے باوجود لاش تر و تازہ تھی اور زخموں سے تازہ خون ٹپک رہا تھا۔ صبح کو قریش کے ستر سوار تیز رفتار گھوڑوں پر تعاقب میں چل پڑے اور ان دونوں حضرات کے پاس پہنچ گئے، ان حضرات نے جب دیکھا کہ قریش کے سوار ہم کو گرفتار کر لیں گے تو انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ خدا کی شان کہ ایک دم زمین پھٹ گئی اور لاش مبارک کو نگل گئی اور پھر زمین اس طرح برابر ہو گئی کہ پھٹنے کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا لقب "بلیع الارض" (جن کو زمین نگل گئی) ہے۔

اس کے بعد ان حضرات رضی اللہ عنہما نے کفار سے کہا کہ ہم دو شیر ہیں جو اپنے جنگل میں جا رہے ہیں اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو ہمارا راستہ روک کر دیکھو ورنہ اپنا راستہ لو۔ کفار نے ان حضرات کے پاس لاش نہیں دیکھی اس لئے مکہ واپس چلے گئے۔ جب دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ رسالت میں سارا ماجرا عرض کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام بھی حاضر دربار تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے ان دونوں یاروں کے اس کارنامہ پر ہم فرشتوں کی جماعت کو بھی فخر ہے۔ (6)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا تماشہ دیکھنے کے لئے کفار قریش کثیر تعداد میں جمع ہو گئے جن میں ابوسفیان بھی تھے۔ جب ان کو سولی پر چڑھا کر قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے کہا کہ کیوں؟ اے زید! سچ کہنا، اگر اس وقت تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس طرح قتل کئے جاتے تو کیا تم اس کو پسند کرتے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ ابوسفیان کی اس طعنہ زنی کو سن کر تڑپ گئے اور جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ اے ابوسفیان! خدا کی قسم! میں اپنی جان کو قربان کر دینا عزیز سمجھتا ہوں مگر میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ مجھے کبھی بھی یہ گوارا نہیں ہو سکتا۔

مجھے ہو ناز قسمت پر اگر نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر　　یہ سر کٹ جائے اور تیرا کف پا اس کو ٹھکرائے
یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا　　کہ انکے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے بڑے بڑے محبت کرنے والوں کو دیکھا ہے۔مگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عاشقوں کی مثال نہیں مل سکتی۔صفوان کے غلام "نسطاس" نے تلوار سے ان کی گردن ماری۔(7)

واقعہ بیر معونہ

ماہ صفر ۴ھ میں "بیر معونہ" کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ابو براء عامر بن مالک جو اپنی بہادری کی وجہ سے "ملاعب الاسنہ" (برچھیوں سے کھیلنے والا) کہلاتا تھا، بارگاہ رسالت میں آیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے نہ تو اسلام قبول کیا نہ اس سے کوئی نفرت ظاہر کی بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ اپنے چند منتخب صحابہ کو ہمارے دیار میں بھیج دیجئے مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کرلیں گے۔آپ نے فرمایا کہ مجھے نجد کے کفار کی طرف سے خطرہ ہے۔ابو براء نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن ہوں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ میں سے ستر منتخب صالحین کو جو "قراء" کہلاتے تھے بھیج دیا۔یہ حضرات جب مقام "بیر معونہ" پر پہنچے تو ٹھہر گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قافلہ سالار حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس اکیلے تشریف لے گئے جو قبیلہ کا رئیس اور ابو براء کا بھتیجا تھا۔اس نے خط کو پڑھا بھی نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا جس نے پیچھے سے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا اور آس پاس کے قبائل یعنی رعل و ذکوان اور عصیہ و بنولحیان وغیرہ کو جمع کر کے ایک لشکر تیار کرلیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کے لئے روانہ ہوگیا۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیر معونہ کے پاس بہت دیر تک حضرت حرام رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انتظار کرتے رہے مگر جب بہت زیادہ دیر ہوگئی تو یہ لوگ آگے بڑھے راستہ میں عامر بن طفیل کی فوج کا سامنا ہوا اور جنگ شروع ہوگئی کفار نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا، انہی شہداء کرام میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔جن کے بارے میں عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قتل ہونے کے بعد ان کی لاش بلند ہو کر آسمان تک پہنچی پھر زمین پر آگئی، اس کے بعد ان کی لاش تلاش کرنے پر بھی نہیں ملی کیونکہ فرشتوں نے انہیں دفن کر دیا۔(7)

حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی اس لئے میں تم کو آزاد کرتا ہوں یہ کہا اور ان کی چوٹی کا بال کاٹ کر ان کو چھوڑ دیا۔حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ

وہاں سے چل کر جب مقامِ" قرقرہ" میں آئے تو ایک درخت کے سائے میں ٹھہرے وہیں قبیلۂ بنوکلاب کے دو آدمی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب وہ دونوں سو گئے تو حضرت عامر بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کافروں کو قتل کر دیا اور یہ سوچ کر دل میں خوش ہو رہے تھے کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لے لیا ہے مگر ان دونوں شخصوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امان دے چکے تھے جس کا حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو علم نہ تھا۔ جب مدینہ پہنچ کر انہوں نے سارا حال دربارِ رسالت میں بیان کیا تو اصحاب بیر معونہ کی شہادت کی خبر سن کر سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا عظیم صدمہ پہنچا کہ تمام عمر شریف میں کبھی بھی اتنا رنج وصدمہ نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہینہ بھر تک قبائل رعل وذکوان اور عصیہ و بنولحیان پر نماز فجر میں لعنت بھیجتے رہے اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔(8)

غزوۂ بنونضیر

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ بنوکلاب کے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کا خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرما دیا تھا اسی معاملہ کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلۂ بنونضیر کے یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے کیونکہ ان یہودیوں سے آپ کا معاہدہ تھا مگر یہودی درحقیقت بہت ہی بد باطن ذہنیت والی قوم ہیں معاہدہ کر لینے کے باوجود ان خبیثوں کے دلوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی اور عناد کی آگ بھری ہوئی تھی۔ ہر چند حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان بد باطنوں سے اہل کتاب ہونے کی بنا پر اچھا سلوک فرماتے تھے مگر یہ لوگ ہمیشہ اسلام کی بیخ کنی اور بانیٔ اسلام کی دشمنی میں مصروف رہے۔ مسلمانوں سے بغض وعناد اور کفار ومنافقین سے ساز باز اور اتحاد یہی ہمیشہ ان غداروں کا طرزِ عمل رہا۔

چنانچہ اس موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے بظاہر تو بڑے اخلاق کا مظاہرہ کیا مگر اندرونی طور پر بڑی ہی خوفناک سازش اور انتہائی خطرناک اسکیم کا منصوبہ بنالیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے یہودیوں نے ان سب حضرات کو ایک دیوار کے نیچے بڑے احترام کے ساتھ بٹھایا اور آپس میں یہ مشورہ کیا کہ چھت پر سے ایک بہت ہی بڑا اور وزنی پتھر ان حضرات پر گرا دیں تا کہ یہ سب لوگ دب کر ہلاک ہو جائیں۔ چنانچہ عمرو بن جحش اس مقصد کے لئے چھت کے اوپر چڑھ گیا، محافظِ حقیقی پروردگار عالم عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودیوں کی اس ناپاک سازش سے بذریعہ وحی مطلع فرما دیا اس لئے فوراً ہی آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اٹھ کر چپ چاپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چلے آئے اور مدینہ تشریف لا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہودیوں کی اس سازش سے آگاہ فرمایا اور انصار و مہاجرین سے مشورہ کے بعد ان یہودیوں کے پاس قاصد بھیج دیا کہ چونکہ تم لوگوں نے اپنی اس دسیسہ کاری اور قاتلانہ سازش سے معاہدہ توڑ دیا اس لئے اب تم لوگوں کو دس دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ تم اس مدت میں مدینہ سے نکل جاؤ، اس کے بعد جو شخص بھی تم میں کا یہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔

شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سن کر بنو نضیر کے یہودی جلاوطن ہونے کے لئے تیار ہو گئے تھے مگر منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی ان یہودیوں کا حامی بن گیا اور اس نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ ہرگز ہرگز مدینہ سے نہ نکلو ہم دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں اس کے علاوہ بنو قریظہ اور بنو غطفان یہودیوں کے دو طاقتور قبیلے بھی تمہاری مدد کریں گے۔ بنو نضیر کے یہودیوں کو جب اتنا بڑا سہارا مل گیا تو وہ شیر ہو گئے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے آپ کے جو دل میں آئے کر لیجیے۔(9)

یہودیوں کے اس جواب کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کی امامت حضرت ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما کر خود بنو نضیر کا قصد فرمایا اور ان یہودیوں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ پندرہ دن تک قائم رہا قلعہ میں باہر سے ہر قسم کے سامانوں کا آنا جانا بند ہو گیا اور یہودی بالکل ہی محصور و مجبور ہو کر رہ گئے مگر اس موقع پر نہ تو منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی یہودیوں کی مدد کے لئے آیا نہ بنو قریظہ اور بنو غطفان نے کوئی مدد کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دغابازوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ (10)

”ان لوگوں کی مثال شیطان جیسی ہے جب اس نے آدمی سے کہا کہ تو کفر کر پھر جب اس نے کفر کیا تو بولا کہ میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔“

یعنی جس طرح شیطان آدمی کو کفر پر ابھارتا ہے لیکن جب آدمی شیطان کے ورغلانے سے کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو شیطان چپکے سے کھسک کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اسی طرح منافقوں نے بنو نضیر کے یہودیوں کو شہ دے کر دلیر بنا دیا اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑا دیا لیکن جب بنو نضیر کے یہودیوں کو جنگ کا سامنا ہوا تو منافق چھپ کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلعہ کے محاصرہ کے ساتھ قلعہ کے آس پاس کھجوروں کے کچھ درختوں کو بھی کٹوا دیا کیونکہ ممکن تھا کہ

درختوں کے جھنڈ میں یہودی چھپ کر اسلامی لشکر پر چھاپا مارتے اور جنگ میں مسلمانوں کو دشواری ہو جاتی۔ان درختوں کو کاٹنے کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے، کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ درخت نہ کاٹے جائیں کیونکہ فتح کے بعد یہ سب درخت مالِ غنیمت بن جائیں گے اور مسلمان ان سے نفع اٹھائیں گے اور کچھ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ درختوں کے جھنڈ کو کاٹ کر صاف کر دینے سے یہودیوں کی کمین گاہوں کو برباد کرنا اور ان کو نقصان پہنچا کر غیظ وغضب میں ڈالنا مقصود ہے، لہٰذا ان درختوں کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے اس موقع پر سورۂ حشر کی یہ آیت اتری:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝ (11)

جو درخت تم نے کاٹے یا جن کو انکی جڑوں پر قائم چھوڑ دیے یہ سب اللہ کے حکم سے تھا تا کہ خدا فاسقوں کو رسوا کرے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو درخت کاٹنے والے ہیں ان کا عمل بھی درست ہے اور جو کاٹنا نہیں چاہتے وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں کیونکہ کچھ درختوں کو کاٹنا اور کچھ کو چھوڑ دینا یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے ہیں۔

بہر حال آخر کار محاصرہ سے تنگ آ کر بنو نضیر کے یہودی اس بات پر تیار ہو گئے کہ وہ اپنا اپنا مکان اور قلعہ چھوڑ کر اس شرط پر مدینہ سے باہر چلے جائیں گے کہ جس قدر مال و اسباب وہ اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کی اس شرط کو منظور فرما لیا اور بنو نضیر کے سب یہودی چھ سو اونٹوں پر اپنا مال و سامان لاد کر ایک جلوس کی شکل میں گاتے بجاتے ہوئے مدینہ سے نکلے کچھ تو "خیبر" چلے گئے اور زیادہ تعداد میں ملک شام جا کر "اذرعات" اور "اریحاء" میں آباد ہو گئے۔ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد ان کے گھروں کی مسلمانوں نے جب تلاشی لی تو پچاس لوہے کی ٹوپیاں، پچاس زرہیں، تین سو چالیس تلواریں نکلیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں آئیں۔(12)

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۝ (13)

''اللہ وہی ہے جس نے کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کیلئے (اے مسلمانو!) تمہیں یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ انکے قلعے انہیں اللہ سے بچا لیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس آ گیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور اس نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ویران کرتے ہیں تو عبرت پکڑو اے نگاہ والو۔''

شراب کی حرمت

عرب کے جاہلی معاشرے میں شراب کو غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔شراب پینے پلانے کے لیے مخصوص مے کدے بنائے گئے تھے۔شراب نوشی کو امارت وریاست کے لوازمات میں شمار کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ شراب کو پانی کی طرح استعمال کرتے تھے۔شراب ان کی گھٹی میں شامل اوران کے خون میں سرایت کر چکی تھی۔ یہ ان کے دلدادہ تھے۔اب اگر انھیں فوراًاس سے اجتناب کا کہا جاتا تو ان کے لیے ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہوتا۔اور کئی مشکلات کھڑی ہو جائیں۔اس حکمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کو بتدریج نازل فرمایا تا کہ لوگ آہستہ آہستہ اس سے کنارہ کشی کے عادی بنتے جائیں اوراس میں پوشیدہ شروفساد کو پہچان کر اس فعل کے تاب سے اپنے دامن کو کلیتاً بچالیں۔اس کی حرمت کے چند مراحل ہیں جو آئندہ سطور میں ذکر کیے جائیں گے:

حرمت شراب کے مراحل

شریعت اسلامیہ کے نفاذ میں ہمیشہ اس حکمت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ لوگوں پر مشقت نہ ہو۔اس حکمت کے پیش نظر حرمت شراب تین مراحل میں ہوئی۔

پہلا مرحلہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کے نقصانات کی طرف توجہ مبذول کرائی، تا کہ سلیم الطبع لوگ ازخود اس مضر چیز سے اجتناب کریں۔اس سلسلے میں یہ وحی نازل کی گئی۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۚ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ (15)

’’لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ فرما دیجیے کہ ان دونوں چیزوں میں ہی خرابی ہے۔ اگر چہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے،مگر ان کا گناہ اُن کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔‘‘

اس حکم میں شریعت نے آسانی اور گنجائش کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ نفاذ شریعت میں اس چیز کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ لوگوں کو مشقت اور پریشانی سے بچایا جائے۔اس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ انھیں چھوڑنے اور ترک کرنے

ہی میں خیر اور بھلائی ہے۔ یادر ہے کہ رسم ورواج اور عادات کے متعلق یہی اصول ہے لیکن عقائد کے باب میں تدریج جیسی کوئی گنجائش نہیں۔

دوسرا مرحلہ

شراب کی حرمت کا پہلا حکم نازل ہونے کے بعد بھی کچھ لوگ یہ سمجھ کر شراب نوشی کرتے رہے کہ ہم پر شراب حرام نہیں کی گئی بلکہ اس میں گناہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دن ایک مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی۔نماز مغرب میں امامت کراتے ہوئے ان کی قراءت خلط ملط ہوگی۔اس پر اللہ تعالیٰ نے سابقہ حکم سے زیادہ سخت حکم نازل کیا،اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (16)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔نماز اُس وقت پڑھو جب تم جانو کہ کیا کہ رہے ہو۔''

اس حکم میں یہ بتایا گیا ہے کہ نماز کے اوقات میں شراب نوشی سے اجتناب کرو۔اس پر لوگ نماز اور اس کے آگے پیچھے کے اوقات میں شراب سے پرہیز کرنے لگے جس سے ان کی عادات میں خاصا فرق پڑا۔لیکن چند لوگ اس کے بعد بھی شراب پیتے تھے،جس پر تیسرا اور آخری حکم نازل کر دیا گیا۔

تیسرا مرحلہ

یکے بعد دیگرے صادر ہونے والے سابقہ حکموں پر اکثر لوگوں نے شراب نوشی چھوڑ دی۔ چند لوگ پھر بھی اس کا ارتکاب کرتے رہے تو اللہ تعالی نے شراب اور جوئے کی قطعی حرمت نازل فرمادی۔چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (17)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہ شراب، جوا، آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ان سے پرہیز کرو،امید ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہوگی۔''

اس حکم ربانی پر لوگ پکار اٹھے۔اے ہمارے رب! اب ہم باز آ گئے اور رک گئے ہیں۔(18)

قطعی حکم کب نازل ہوا؟

شراب کے متعلق قطعی حرمت 4ھ میں نازل ہوئی۔ اس وقت غزوہ بنونضیر کا موقع تھا اوران لوگوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے جب سورۃ البقرہ اورسورۃ النساء میں شراب کے متعلق مذکورہ آیات پڑھی گئیں تو انھوں نے دعا کی: اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا (19)

''اے اللہ شراب کے بارے میں ہم پر صاف صاف حکم نازل فرما۔''

چنانچہ اس کے بعد سورہ مائدہ کی مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں شراب کی قطعی حرمت کا ذکر ہے۔ اوراگلی آیت کے آخر میں سوالیہ انداز میں کہا گیا:

فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ

''کیا تم باز آتے ہو؟''

تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم باز آ گئے، ہم رک گئے۔ (20)

غزوہ ذات الرقاع

غزوہ بنونضیر کے بعد ربیع الاول سے لے کر شروع جمادی الاولی تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ شروع جمادی الاولیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ بنی محارب اور بنی ثعلبہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چارسو صحابہ رضی اللہ عنہم کی جمعیت ہمراہ لے کر نجد کی طرف روانہ ہوئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجد پہنچے تو کچھ لوگ قبیلہ غطفان کے ملے مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو صلاۃ الخوف پڑھائی۔ (21)

ابوسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ کو ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ رقاع کے معنی چندیوں اور چیتھڑوں کے ہیں اس غزوہ میں چلتے چلتے پیر پھٹ گئے تھے اس لئے ہم نے پیروں کو کپڑے لپیٹ لئے تھے اس لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہنے لگے یعنی چیتھڑوں والا غزوہ (22)

ابن سعد کہتے ہیں کہ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ میں نزول فرمایا تھا اس میں سیاہ اور سفید اور سرخ نشانات تھے۔ (23)

واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے قیلولہ فرمایا اور تلوار درخت سے لٹکا دی ایک مشرک آیا اور تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ بتلاؤ اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے نہایت اطمینان سے یہ فرمایا، اللہ۔ یہ بخاری کی روایت ہے ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے اس کے سینہ پر ایک گھونسہ رسید کیا۔ فوراً تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھائی اور فرمایا بتلا میرے ہاتھ سے تجھ کو کون بچائے گا اس نے کہا کوئی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا جاؤ میں نے تم کو معاف کیا۔

واقدی کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان ہوگیا اور اپنے قبیلہ میں پہنچ کر اسلام کی دعوت دی بہت سے لوگ اس کی دعوت سے مسلمان ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس شخص کا نام غورث بن حارث تھا۔

یہاں سے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گھاٹی پر ٹھہرے۔ عمار بن یاسر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کو درہ کی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا۔ آپس میں ان دونوں نے یہ طے کیا کہ اوّل نصف شب میں عباد اور آخر نصف شب میں عمار جاگیں۔ اس قرارداد کے مطابق عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تو سو گئے اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ عبادت کے لئے کھڑے ہو گئے اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ایک کافر نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ مسلمانوں کے پاسبان ہیں ایک تیر مارا جو ٹھیک نشانہ پر پہنچا، مگر عباد بن بشر رضی اللہ عنہ جن کے رگ و ریشہ میں معبود حقیقی کی عبودیت اور بندگی سرایت کر چکی تھی اور سرتاپا مولائے حقیقی کی محبت میں سرشار تھے اور ایمان و احسان کی حلاوت ان کے دل میں اتر چکی تھی۔ تیر و سنان کب ان کی عبادت میں مخل ہو سکتا تھا۔

برابر اسی طرح نماز میں مشغول رہے اور تیر نکال کر پھینک دیا۔ اس کافر نے ایک دوسرا تیر مارا انھوں نے اس کو بھی نکال کر پھینک دیا اور نماز جاری رکھی۔ اُس نے تیسرا تیر امارا اب یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن کمین گاہ سے حملہ نہ کر دے اور جس غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو یہاں متعین کیا ہے وہ غرض نہ فوت ہو جائے۔ اس لئے نماز کو پورا کیا اور نماز پوری کرنے کے بعد ساتھی کو جگایا کہ اٹھو میں زخمی ہو گیا ہوں دشمن ان کو جگاتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور دیکھ کر کہ جسم سے خون جاری ہے کہا سبحان اللہ! تم نے مجھ کو پہلے ہی تیر میں کیوں نہ جگایا، کہا میں ایک سورت پڑھ رہا تھا، اس کو قطع کرنا اچھا نہ معلوم ہوا۔ جب پے در پے تیر لگے تب میں نے نماز پوری کی اور تم کو جگایا۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا خیال نہ ہوتا تو نماز ختم ہونے سے پہلے میری جان ختم ہو جاتی۔ (24)

غزوہ بدر صغریٰ

غزوہ ذات الرقاع سے واپسی کے بعد آخر رجب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں مقیم رہے۔ احد سے واپسی کے وقت چونکہ ابوسفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ سال آئندہ بدر میں لڑائی ہوگی اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پندرہ سو صحابہ کو اپنے ہمراہ لے کر ماہ شعبان میں بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ بدر پہنچ کر آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار فرمایا۔ ابوسفیان بھی اہل مکہ کو لے کر مر

الظہر ان تک پہنچا لیکن مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور یہ کہہ کر واپس ہوا کہ یہ سال قحط اور گرانی کا ہے، جنگ وجدال کا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ روز کے انتظار کے بعد جب مقابلہ سے نااُمید ہوئے تو بلا جدال وقتال مدینہ واپس ہوئے۔ ابوسفیان اگرچہ اُحد سے واپسی کے وقت یہ کہہ گیا تھا کہ سال آئندہ پھر بدر پر لڑائی ہوگی۔ مگر اندر سے ابوسفیان کا دل مرعوب تھا، دل سے یہ چاہتا تھا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر پر نہ آئیں تا کہ مجھے ندامت اور شرمندگی نہ ہو۔ اور الزام مسلمانوں پر رہے۔

نعیم بن مسعود نامی ایک شخص مدینہ جارہا تھا اس کو مال دینا منظور کیا کہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں میں یہ مشہور کرے کہ اہل مکہ نے مسلمانوں کے استیصال کے لئے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے لٰہذا تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ قریش کے مقابلہ کے لئے نہ نکلو۔ ابوسفیان کا مقصد یہ تھا کہ جب اس قسم کی خبریں مشہور ہونگی تو مسلمان خوف زدہ ہو جائیں گے اور جنگ کے لئے نہیں نکلیں گے (جس کو آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا کہتے ہیں) سنتے ہی مسلمانوں کے جوش ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور حسبنا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ پڑھتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہو گئے اور حسب وعدہ بدر پہنچے، وہاں ایک بڑا بازار لگتا تھا تین روز رہ کر تجارت کی اور اٹھایا اور خوب نفع اٹھایا اور خیر و برکت کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ‌ ۛؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۚ‏ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَـكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ‏ ﴿۱۷۳﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ‏ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۱۷۵﴾ (25)

''وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر بھی خوشی مناتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرمانبرداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے۔ وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی، اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا اگر تم مومن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس

میرا خوف رکھو۔''

(فائدہ)اس آیت میں جھوٹی خبریں مشہور کرنے والے کوحق تعالیٰ نے شیطان فرمایا ہے۔

قال تعالیٰ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَ،

اورحق تعالیٰ نے پروپیگنڈا کا علاج اور جواب یہ بتلادیا ہے کہ تم اپنی قدرت کے مطابق جہاد وقتال کی تیاری کرو اور

حسبنا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ

پڑھو یعنی بھروسہ اللہ پر رکھو۔معاذ اللہ یہ نہ کرنا کہ شیطان کی طرح تم بھی اس جھوٹ کے جواب میں جھوٹ بولو تو پھر فائدہ ہی کیا ہوا اسلام اپنے دشمنوں کے متعلق بھی جھوٹ بولنے کی اجازنہیں دیتا۔

اہم واقعات

① اسی سال غزوۂ بنونضیر کے بعد جب انصار نے کہا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنونضیر کے جو اموال غنیمت میں ملے ہیں وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے مہاجر بھائیوں کو دے دیجیے ہم اس میں سے کسی چیز کے طلب گار نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خوش ہوکر یہ دعا فرمائی کہ

اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَآءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَآءَ اَبْنَآءِ الْاَنْصَارِ

''اے اللہ! عزوجل انصار پر، اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔''(26)

② اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے حضرت عبداللہ بن عثمان غنی رضی اللہ عنہما کی آنکھ میں ایک مرغ نے چونچ ماردی جس کے صدمے سے وہ دورات تڑپ کر وفات پاگئے۔(27)

③ اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا عنہا کی وفات ہوئی۔(28)

④ اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ام المؤمنین بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔(29)

⑤ اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا مقدس پیراہن ان کے کفن کیلئے عطا فرمایا اور ان کی قبر میں اتر کر ان کی میت کو اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا اور فرمایا کہ فاطمہ بنت اسد کے سوا کوئی شخص بھی قبر کے دبوچنے سے نہیں بچا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صرف پانچ ہی میت ایسی خوش نصیب ہوئی ہیں جن کی قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود اترے: اوّل: حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا، دوم: حضرت بی بی خدیجہ کا ایک لڑکا، سوم: عبداللہ مزنی جن کا لقب

ذوالبجادین ہے، چہارم: حضرت بی بی عائشہ کی ماں حضرت اُمِ رومان، پنجم: حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علی کی والدہ۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)(30)

⑥ اسی سال ۴ شعبان ۴ھ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی۔(31)

⑦ اسی سال ایک یہودی نے ایک یہودی کی عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہودیوں نے یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تورات و قرآن دونوں کتابوں کے فرمان سے اس کو سنگسار کرنے کا فیصلہ فرمایا۔(32)

⑧ اسی سال طعمہ بن ابیرق نے جو مسلمان تھا چوری کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا، اس پر وہ بھاگ نکلا اور مکہ چلا گیا۔ وہاں بھی اس نے چوری کی اہل مکہ نے اس کو قتل کر ڈالا یا اس پر دیوار گر پڑی اور مر گیا یا دریا میں پھینک دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔(33)

⑨ بعض مؤرخین کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا اور بعض کے نزدیک ھ میں اور بعض نے کہا کہ ۸ھ میں شراب حرام کی گئی۔(34)

حوالہ جات

1۔زرقانی ج ۲ ص ۶۲
2۔زرقانی ج ۲ ص ۶۴
3۔بخاری ج ۲ ص ۵۶۹
4۔بخاری ج ۲ ص ۵۶۸
5۔بخاری ج ۲ ص ۵۶۹
6۔مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۴۱
7۔بخاری ج ۲ ص ۵۸۷ باب غزوۃ الرجیع
8۔بخاری ج ا ص ۱۳۶ وزُرقانی ج ۲ ص ۷۴ تا ۷۸
9۔مدارج جلد ۲ ص ۱۴۷
10۔الحشر:۱۶
11۔الحشر:۵
12۔زرقانی ج ۲ ص ۷۹ تا ۸۵
13۔الحشر:۲
14۔مدارج جلد ۲ ص ۱۵۱
15۔البقرۃ:219
16۔النساء:43
17۔المائدہ:90
18۔مسند احمد بن حنبل:8620
19۔ابن ہشام،السیرۃ النبویۃ،ج2ص192
20۔سنن ابی داؤد:3670
21۔عیون الاثر،ج2،ص52
22۔بخاری شریف
23۔طبقات ابن سعد،ج ۲ ص ۴۳۰
24۔تاریخ طبری،ج3ص40
25۔آل عمران:۱۷۱-۱۷۵
26۔مدارج جلد ۲ ص ۱۴۸
27۔مدارج جلد ۲ ص ۱۵۰
28۔مدارج جلد ۲ ص ۱۵۰
29۔مدارج جلد ۲ ص ۱۵۰
30۔مدارج جلد ۲ ص ۱۵۰
31۔مدارج جلد ۲ ص ۱۵۱
32۔مدارج جلد ۲ ص ۱۵۲
33۔مدارج جلد ۲ ص ۱۵۳
34۔مدارج جلد ۲ ص ۱۵۳

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. سریہ ابوسلمہ میں کتنے مجاہدین تھے اور جنگ کا کیا نتیجہ نکلا؟

....

....
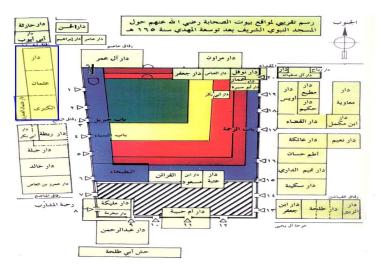
2. ت زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو کیا جواب دیا تھا؟

....

....

3. حضرت ابوعاصم رضی اللہ عنہ کی نعش کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟

....

....

4. یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کیا سازش کی تھی؟

....

....

5. بنونظیر کے درختوں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاٹنے کا حکم کیوں دیا؟

....

....

6. بدر صغریٰ کب برپا ہوا؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① کیونکہ فتح کے بعد یہ سب مالِ غنیمت بن جائیں گے

باغ ☐	درخت ☐	کھیت ☐	پھل ☐

② یہودیوں نے ان سب حضرات کو ایک کے نیچے بڑے احترام کے ساتھ بٹھایا

دیوار ☐	چھت ☐	پتھر ☐	چبوترہ ☐

③ حضرت کا لقب ”بلیع الارض“ (جن کو زمین نگل گئی) ہے۔

عاصم ☐	زید ☐	ابوہریرہ ☐	خبیب ☐

④ تم اسی عصا کو ہاتھ میں لیکر میں چہل قدمی کرو گے

گھر ☐	بازار ☐	مسجد ☐	جنت ☐

⑤ چالیس کفار کے پہرہ دار بن کر سو رہے تھے

قیدی ☐	سولی ☐	سامان ☐	مکانات ☐

⑥ میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس پاؤں کے تلوے میں ایک بھی چبھ جائے

تنکا ☐	پتھر ☐	کانٹا ☐	چھلکا ☐

سبق نمبر
15

ہجرت کا پانچواں سال

خلاصۂ سبق

غزوہ ذات الرقاع، غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ مریسیع جس کو غزوہ بنوالمصطلق بھی کہا جاتا ہے اور غزوہ خندق جو زیادہ مشہور اور اہم ہے۔ غزوہ بنوالمصطلق سے واپسی پر تیمم کا حکم نازل ہوا، اسی سال ماہ شعبان میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آئیں اور اسی سال حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی آپ کی منکوحہ بنیں۔

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا چرچا ہو جانے اور کفار قریش اور یہودیوں کی مشترکہ سازشوں سے تمام قبائل کفار کا حوصلہ اتنا بلند ہو گیا کہ سب کو مدینہ پر حملہ کرنے کا جنون ہو گیا۔ چنانچہ 5ھ بھی کفر و اسلام کے بہت سے معرکوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ ہم یہاں چند مشہور غزوات و سرایا کا ذکر کرتے ہیں۔

سب سے پہلے قبائل "انمار و ثعلبہ" نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر اپنے ساتھ لیا اور ۱۰ محرم ۵ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر مقامِ "ذات الرقاع" تک تشریف لے گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا حال سن کر یہ کفار پہاڑوں میں بھاگ کر چھپ گئے اس لئے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ مشرکین کی چند عورتیں ملیں جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گرفتار کر لیا۔ اس وقت مسلمان بہت ہی مفلس اور تنگ دستی کی حالت میں تھے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سواریوں کی اتنی کمی تھی کہ چھ چھ آدمیوں کی سواری کے لئے ایک ایک اونٹ تھا جس پر ہم لوگ باری باری سوار ہو کر سفر کرتے تھے پہاڑی زمین میں پیدل چلنے سے ہمارے قدم

زخمی اور پاؤں کے ناخن جھڑ گئے تھے اس لئے ہم لوگوں نے اپنے پاؤں پر کپڑوں کے چیتھڑے لپیٹ لئے تھے یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ کا نام "غزوہ ذات الرقاع" (پیوندوں والا غزوہ) ہو گیا۔(1)

بعض مؤرخین نے کہا کہ چونکہ وہاں کی زمین کے پتھر سفید و سیاہ رنگ کے تھے اور زمین ایسی نظر آتی تھی گویا سفید اور کالے پیوند ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے ہیں، لہٰذا اس غزوہ کو "غزوہ ذات الرقاع'' کہا جانے لگا اور بعض کا قول ہے کہ یہاں پر ایک درخت کا نام "ذات الرقاع" تھا اس لئے لوگ اس کو غزوہ ذات الرقاع کہنے لگے، ہو سکتا ہے کہ یہ ساری باتیں ہوں۔(2)

مشہور امام سیرت ابن سعد کا قول ہے کہ سب سے پہلے اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "صلوٰۃ الخوف" پڑھی۔(3)

غزوہ دُومۃ الجندل

ربیع الاول ۵ ھ میں پتا چلا کہ مقام "دومۃ الجندل" میں جو مدینہ اور شہر دمشق کے درمیان ایک قلعہ کا نام ہے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج جمع ہو رہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے مدینہ سے نکلے، جب مشرکین کو یہ معلوم ہوا تو وہ لوگ اپنے مویشیوں اور چرواہوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان تمام جانوروں کو مال غنیمت بنا لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن وہاں قیام فرما کر مختلف مقامات پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے لشکروں کو روانہ فرمایا۔ اس غزوہ میں بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی اس سفر میں ایک مہینہ سے زائد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر رہے۔(4)

غزوۂ مُریسیع

اس کا دوسرا نام "غزوہ بنی المصطلق" بھی ہے "مریسیع" ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے آٹھ منزل دور ہے۔ قبیلۂ خزاعہ کا ایک خاندان "بنو المصطلق" یہاں آباد تھا اور اس قبیلہ کا سردار حارث بن ضرار تھا اس نے بھی مدینہ پر فوج کشی کے لئے لشکر جمع کیا تھا، جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو ۲ شعبان ۵ ھ کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔

اس غزوۂ میں حضرت بی بی عائشہ اور حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں، جب حارث بن ضرار کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر ہو گئی تو اس پر ایسی دہشت سوار ہو گئی کہ وہ اور اس کی فوج بھاگ کر منتشر ہو گئی مگر خود مریسیع کے باشندوں نے لشکر اسلام کا سامنا کیا اور جم کر مسلمانوں پر تیر برسانے لگے لیکن جب مسلمانوں نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا تو دس کفار مارے گئے اور ایک مسلمان بھی شہادت سے سرفراز ہوئے، باقی سب کفار گرفتار ہو گئے جن

کی تعداد سات سو سے زائد تھی، دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ آئیں۔(5)

غزوہ مریسیع جنگ کے اعتبار سے تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا مگر اس جنگ میں بعض ایسے اہم واقعات درپیش ہو گئے کہ یہ غزوہ تاریخ نبوی کا ایک بہت ہی اہم اور شاندار عنوان بن گیا ہے، ان مشہور واقعات میں سے چند یہ ہیں:

منافقین کی شرارت

اس جنگ میں مال غنیمت کے لالچ میں بہت سے منافقین بھی شریک ہو گئے تھے ایک دن پانی لینے پر ایک مہاجر اور ایک انصاری میں کچھ تکرار ہو گئی مہاجر نے بلند آواز سے یاللمہاجرین (اے مہاجرو! فریاد ہے) اور انصاری نے یاللانصار (اے انصاریو! فریاد ہے) کا نعرہ مارا، یہ نعرہ سنتے ہی انصار و مہاجرین دوڑ پڑے اور اسقدر بات بڑھ گئی کہ آپس میں جنگ کی نوبت آ گئی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کو شرارت کا ایک موقعہ مل گیا اس نے اشتعال دلانے کے لئے انصاریوں سے کہا کہ "لو! یہ تو وہی مثل ہوئی کہ سَمِّنْ کَلْبَكَ لِيَأْكُلَكَ (تم اپنے کتے کو فربہ کرو تا کہ وہ تمہیں کو کھا ڈالے) تم انصاریوں ہی نے ان مہاجرین کا حوصلہ بڑھا دیا ہے لہٰذا اب ان مہاجرین کی مالی امداد و مدد بالکل بند کر دو یہ لوگ ذلیل و خوار ہیں اور ہم انصار عزت دار ہیں اگر ہم مدینہ پہنچے تو یقیناً ہم ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کر دیں گے۔(6)

حضورِ اکرم ﷺ نے جب اس ہنگامہ کا شور و غوغا سنا تو انصار و مہاجرین سے فرمایا کہ کیا تم لوگ زمانہ جاہلیت کی نعرہ بازی کر رہے ہو؟ جمالِ نبوت دیکھتے ہی انصار و مہاجرین برف کی طرح ٹھنڈے پڑ گئے اور رحمت عالم ﷺ کے چند فقروں نے محبت کا ایسا دریا بہا دیا کہ پھر انصار و مہاجرین شیر و شکر کی طرح گھل مل گئے۔

جب عبداللہ بن اُبی کی بیہودہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں پڑی تو وہ اس قدر طیش میں آ گئے کہ ننگی تلوار لے کر آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے نہایت نرمی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اے عمر! رضی اللہ عنہ خبردار ایسا نہ کرو، ورنہ کفار میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرنے لگے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالکل ہی خاموش ہو گئے مگر اس خبر کا پورے لشکر میں چرچا ہو گیا، یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ ابن اُبی جتنا بڑا اسلام اور بانی اسلام ﷺ کا دشمن تھا اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر اس کے بیٹے اسلام کے سچے شیدائی اور حضور ﷺ کے جان نثار صحابی تھے ان کا نام بھی عبداللہ تھا جب اپنے باپ کی بکواس کا پتا چلا تو وہ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ میرے باپ کے قتل کو پسند فرماتے ہوں تو میری تمنا ہے کہ کسی دوسرے کے بجائے میں خود اپنی تلوار سے اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ڈال دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہرگز نہیں میں تمہارے باپ کے ساتھ کبھی بھی کوئی براسلوک نہیں کروں گا۔ (7)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ مدینہ کے قریب وادی عقیق میں وہ اپنے باپ عبداللہ بن ابی کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ تم نے مہاجرین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذلیل کہا ہے خدا کی قسم! میں اس وقت تک تم کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت عطا نہ فرمائیں اور جب تک تم اپنی زبان سے یہ نہ کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اولاد آدم میں سب سے زیادہ عزت والے ہیں اور تم سارے جہان والوں میں سب سے زیادہ ذلیل ہو، تمام لوگ انتہائی حیرت اور تعجب کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پہنچے اور یہ دیکھا کہ بیٹا باپ کا راستہ روکے ہوئے کھڑا ہے اور عبداللہ بن ابی زور زور سے کہہ رہا ہے کہ "میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ عزت دار ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھتے ہی حکم دیا کہ اس کا راستہ چھوڑ دو تا کہ یہ مدینہ میں داخل ہو جائے۔ (8)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

غزوہ مریسیع کی جنگ میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے ان میں سردار قوم حارث بن ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جب تمام قیدی لونڈی غلام بنا کر مجاہدین اسلام میں تقسیم کر دیئے گئے تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں انہوں نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہہ دیا کہ تم مجھے اتنی اتنی رقم دے دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی رقم نہیں تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے قبیلے کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں اور میں مسلمان ہو چکی ہوں حضرت ثابت بن قیس نے اتنی اتنی رقم لے کر مجھے آزاد کر دینے کا وعدہ کر لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری مدد فرمائیں تا کہ میں یہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کروں تو کیا تم منظور کر لو گی؟ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں خود تنہا تمہاری طرف سے ساری رقم ادا کر دوں اور تم کو آزاد کر کے میں تم سے نکاح کر لوں تا کہ تمہارا خاندانی اعزاز و وقار برقرار رہ جائے، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے خوشی خوشی اس کو منظور کر لیا۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری رقم اپنے پاس سے ادا فرما کر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا جب یہ خبر لشکر میں

پھیل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا تو مجاہدین اسلام کے لشکر میں اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام تھے مجاہدین نے سب کو فوراً ہی آزاد کر کے رہا کر دیا اور لشکر اسلام کا ہر سپاہی یہ کہنے لگا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کر لی اس خاندان کا کوئی آدمی لونڈی غلام نہیں رہ سکتا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ ہم نے کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے بڑھ کر خیر و برکت والا نہیں دیکھا کہ اس کی وجہ سے تمام خاندان بنی المصطلق کو غلامی سے آزادی نصیب ہو گئی۔ (9)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ کا اصلی نام "برہ" تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نام کو بدل کر "جویریہ" نام رکھا۔ (10)

واقعہ افک

اسی غزوہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس آنے لگے تو ایک منزل پر رات میں پڑاؤ کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بند ہودج میں سوار ہو کر سفر کرتی تھیں اور چند مخصوص آدمی اس ہودج کو اونٹ پر لادنے اور اتارنے کے لئے مقرر تھے، حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا لشکر کی روانگی سے کچھ پہلے لشکر سے باہر رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئیں جب واپس ہوئیں تو دیکھا کہ ان کے گلے کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے وہ دوبارہ اس ہار کی تلاش میں لشکر سے باہر چلی گئیں اس مرتبہ واپسی میں کچھ دیر لگ گئی اور لشکر روانہ ہو گیا آپ کا ہودج لادنے والوں نے یہ خیال کر کے کہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور پورا قافلہ منزل سے روانہ ہو گیا۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا منزل پر واپس آئیں تو یہاں کوئی آدمی موجود نہیں تھا تنہائی سے سخت گھبرائیں اندھیری رات میں اکیلے چلنا بھی خطرناک تھا اس لئے وہ یہ سوچ کر وہیں لیٹ گئیں کہ جب اگلی منزل پر لوگ مجھے نہ پائیں گے تو ضرور ہی میری تلاش میں یہاں آئیں گے، وہ لیٹی لیٹی سو گئیں ایک صحابی جن کا نام حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ تھا وہ ہمیشہ لشکر کے پیچھے پیچھے اس خیال سے چلا کرتے تھے تا کہ لشکر کا گرا پڑا سامان اٹھاتے چلیں وہ جب اس منزل پر پہنچے تو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور چونکہ پردہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے وہ بارہا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو دیکھ چکے تھے اس لئے دیکھتے ہی پہچان لیا اور انہیں مردہ سمجھ کر "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ" پڑھا اس آواز سے وہ جاگ اٹھیں حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی ان کو اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور خود اونٹ کی مہار تھام کر پیدل چلتے ہوئے اگلی منزل پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔

منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی نے اس واقعہ کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا ذریعہ بنا لیا اور خوب

خوب اس تہمت کا چرچا کیا یہاں تک کہ مدینہ میں اس منافق نے اس شرمناک تہمت کو اس قدر اچھالا اور اتنا شور و غل مچایا کہ مدینہ میں ہر طرف اس افتراء اور تہمت کا چرچا ہونے لگا اور بعض مسلمان مثلاً حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم نے بھی اس تہمت کو پھیلانے میں کچھ حصہ لیا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شر انگیز تہمت سے بے حد رنج و صدمہ پہنچا اور مخلص مسلمانوں کو بھی انتہائی رنج و غم ہوا حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچتے ہی سخت بیمار ہوگئیں، پردہ نشین تو تھیں ہی صاحب فراش ہوگئیں اور انہیں اس تہمت تراشی کی بالکل خبر ہی نہیں ہوئی گو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا پورا پورا علم و یقین تھا مگر چونکہ اپنی بیوی کا معاملہ تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف سے اپنی بیوی کی براءت اور پاکدامنی کا اعلان کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وحی الٰہی کا انتظار فرمانے لگے اس درمیان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مخلص اصحاب سے اس معاملہ میں مشورہ فرماتے رہے تاکہ ان لوگوں کے خیالات کا پتا چل سکے۔(11)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تہمت کے بارے میں گفتگو فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر پر ایک مکھی بھی بیٹھ جائے کیونکہ مکھی نجاستوں پر بیٹھتی ہے تو بھلا جو عورت ایسی برائی کی مرتکب ہو خداوند قدوس کب اور کیسے برداشت فرمائے گا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں رہ سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سایہ کو زمین پر نہیں پڑنے دیا تاکہ اس پر کسی کا پاؤں نہ پڑ سکے تو بھلا اس معبود برحق کی غیرت کب یہ گوارا کرے گی کہ کوئی انسان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ کے ساتھ ایسی قباحت کا مرتکب ہو سکے؟۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک مرتبہ آپ کی نعلین اقدس میں نجاست لگ گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیج کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی کہ آپ اپنی نعلین اقدس کو اتار دیں اس لئے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا معاذ اللہ اگر ایسی ہوتیں تو ضرور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل فرما دیتا کہ " آپ ان کو اپنی زوجیت سے نکال دیں۔"

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جب اس تہمت کی خبر سنی تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اے بیوی! تو سچ بتا! اگر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو کیا تو یہ گمان کر سکتی ہے کہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرم پاک کے ساتھ ایسا کر سکتا تھا؟ تو ان کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی ہوتی تو خدا کی

قسم! میں کبھی ایسی خیانت نہیں کرسکتی تھی تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو مجھ سے لاکھوں درجے بہتر ہے اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو بدر جہا تم سے بہتر ہیں بھلا کیونکر ممکن ہے کہ یہ دونوں ایسی خیانت کرسکتے ہیں؟ (12)

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملہ میں حضرت علی اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے جب مشورہ طلب فرمایا تو حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے برجستہ کہا کہ اَهْلُكَ وَلَا نَعْلَمُ اِلَّا خَيْرًا کہ یارسول اللہ! وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم انہیں اچھی ہی جانتے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں ڈالی ہے عورتیں ان کے سوا بہت ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں ان کی لونڈی (حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا) سے پوچھ لیں وہ آپ سے سچ سچ کہہ دے گی۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ نے سوال فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ !اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے کہ میں نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا میں کوئی عیب نہیں دیکھا، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ابھی کمسن لڑکی ہیں وہ گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آکر کھا ڈالتی ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا جو حسن و جمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مثل تھیں تو انہوں نے قسم کھا کر یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَحْمِيْ سَمْعِيْ وَ بَصَرِيْ وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَيْرًا میں اپنے کان اور آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں خدا کی قسم! میں تو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو اچھی ہی جانتی ہوں۔ (13)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے فرمایا کہ اس شخص کی طرف سے مجھے کون معذور سمجھے گا، یا میری مدد کرے گا جس نے میری بیوی پر بہتان تراشی کر کے میری دل آزاری کی ہے، وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا خدا کی قسم! میں اپنی بیوی کو ہر طرح کی اچھی ہی جانتا ہوں۔ وَلَقَدْ ذَكَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ اِلَّا خَيْرًا اور ان لوگوں (منافقوں) نے (اس بہتان میں) ایک ایسے مرد (صفوان بن معطل) کا ذکر کیا ہے جس کو میں بالکل اچھا ہی جانتا ہوں۔ (14)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برسر منبر اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما دونوں کی براءت وطہارت اور عفت و پاک دامنی کا پورا پورا علم اور یقین تھا اور وحی نازل ہونے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ منافق جھوٹے اور اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا پاک دامن ہیں ورنہ آپ برسر منبر قسم کھا کر ان دونوں کی اچھائی کا مجمع عام میں ہرگز اعلان نہ فرماتے مگر پہلے ہی اعلان عام نہ فرمانے کی وجہ یہی تھی کہ اپنی بیوی کی پاکدامنی کا اپنی زبان سے

اعلان کرنا حضور ﷺ مناسب نہیں سمجھتے تھے، جب حد سے زیادہ منافقین نے شور وغوغا شروع کر دیا تو حضور ﷺ نے منبر پر اپنے خیال اقدس کا اظہار فرما دیا مگر اب بھی اعلان عام کے لئے آپ کو وحی الٰہی کا انتظار ہی رہا۔

یہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر سے آتے ہی بیمار ہو کر صاحب فراش ہو گئی تھیں اس لئے وہ اس بہتان کے طوفان سے بالکل ہی بے خبر تھیں جب انہیں مرض سے کچھ صحت حاصل ہوئی اور وہ ایک رات حضرت اُم مسطح صحابیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رفع حاجت کے لئے صحرا میں تشریف لے گئیں تو انکی زبانی انہوں نے اس دلخراش اور روح فرسا خبر کو سنا۔ جس سے انہیں بڑا دھچکا لگا اور وہ شدت رنج وغم سے نڈھال ہو گئیں چنانچہ ان کی بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا اور وہ دن رات بلک بلک کر روتی رہیں آخر جب ان سے یہ صدمہ جاں کاہ برداشت نہ ہو سکا تو وہ حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئیں اور اس منحوس خبر کا تذکرہ اپنی والدہ سے کیا، ماں نے کافی تسلی وتشفی دی مگر یہ برابر لگا تار روتی ہی رہیں۔

اسی حالت میں ناگہاں حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ! رضی اللہ عنہا تمہارے بارے میں ایسی ایسی خبر اڑائی گئی ہے اگر تم پاک دامن ہو اور یہ خبر جھوٹی ہے تو عنقریب خداوند تعالیٰ تمہاری براءت کا بذریعہ وحی اعلان فرما دے گا۔ ورنہ تم توبہ واستغفار کر لو کیونکہ جب کوئی بندہ خدا سے توبہ کرتا ہے اور بخشش مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ حضور ﷺ کی یہ گفتگو سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنسو بالکل تھم گئے اور انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کا جواب دیجیے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ کو کیا جواب دوں؟ پھر انہوں نے ماں سے جواب دینے کی درخواست کی تو ان کی ماں نے بھی یہی کہا پھر خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو یہ جواب دیا کہ لوگوں نے جو ایک بے بنیاد بات اڑائی ہے اور یہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ چکی ہے اور کچھ لوگ اس کو سچ سمجھ چکے ہیں اس صورت میں اگر میں یہ کہوں کہ میں پاک دامن ہوں تو لوگ اس کی تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں اس برائی کا اقرار کر لوں تو سب مان لیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بری اور پاک دامن ہوں اس وقت میری مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) جیسی ہے لہٰذا میں بھی وہی کہتی ہوں جو انہوں نے کہا تھا یعنی فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ط وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ

یہ کہتی ہوئی انہوں نے کروٹ بدل کر منہ پھیر لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس تہمت سے بری اور پاک دامن ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت کو ظاہر فرما دے گا۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب سن کر ابھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ناگہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی اور آپ پر نزول وحی کے وقت کی بے چینی شروع ہوگئی اور باوجودیکہ شدید سردی کا وقت تھا مگر پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بدن سے ٹپکنے لگے جب وحی اتر چکی تو ہنستے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! رضی اللہ عنہا تم خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی حمد کرو کہ اس نے تمہاری براءت اور پاکدامنی کا اعلان فرمادیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن کی سورۂ نور میں سے دس آیتوں کی تلاوت فرمائی جو اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ سے شروع ہوکر وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ پر ختم ہوتی ہیں۔

ان آیات کے نازل ہوجانے کے بعد منافقوں کا منہ کالا ہوگیا اور حضرت ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا آفتاب اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ اس طرح چمک اٹھا کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے دلوں کی دنیا میں نور ایمان سے اجالا ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت مسطح بن اثاثہ پر بڑا غصہ آیا یہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے اور بچپن ہی میں ان کے والد وفات پا گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی پرورش بھی کی تھی اور ان کی مفلسی کی وجہ سے ہمیشہ آپ ان کی مالی امداد فرماتے رہتے تھے مگر اس کے باوجود حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس تہمت تراشی اور اس کا چرچا کرنے میں کچھ حصہ لیا تھا اس وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غصہ میں بھر کر یہ قسم کھالی کہ اب میں مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کی کبھی بھی کوئی مالی مدد نہیں کروں گا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ:

وَلَا يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَالسَّعَةِ اَنۡ يُّؤۡتُوۡۤا اُولِى الۡقُرۡبٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ وَلۡيَـعۡفُوۡا وَلۡيَـصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۞۲۲ (15)

اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

اس آیت کو سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی قسم توڑ ڈالی اور پھر حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کا خرچ بدستور سابق عطا فرمانے لگے۔ (16)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک خطبہ پڑھا اور سورۂ نور کی آیتیں تلاوت فرما کر مجمع عام میں سنا دیں اور تہمت لگانے والوں میں سے حضرت حسان بن ثابت وحضرت مسطح بن اثاثہ وحضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم اور رئیس المنافقین عبداللہ

بن ابی ان چاروں کو حد قذف کی سزا میں اسّی اسّی درے مارے گئے۔(17)

شارح بخاری علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور پاک دامنی قطعی و یقینی ہے جو قرآن سے ثابت ہے اگر کوئی اس میں ذرا بھی شک کرے تو وہ کافر ہے۔ دوسرے تمام فقہاء امت کا بھی یہی مسلک ہے۔(18)

غزوہ خندق

بنونظیر مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی۔ ان رؤساء میں سے سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظّمہ گئے اور قریش سے مل کر کہا۔ اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کیا جاسکتا ہے۔ قریش اس کے لئے ہمیشہ تیار تھے قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور ان کو لالچ دیا کہ خیبر کا نصف محاصل ان کو ہمیشہ دیا کریں گے، بنو اسد غطفان کے حلیف تھے، غطفان نے اُن کو لکھ بھیجا کہ تم بھی فوجیں لے کر آؤ، قبیلہ بنو سلیم سے قریش کی قرابت تھی اس تعلق سے انھوں نے بھی ساتھ دیا، بنو سعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا اس بنا پر یہود نے ان کو بھی آمادہ کیا۔ غرض تمام قبائل عرب لشکر گراں تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا ان کی تعداد 24 ہزار سے زائد تھی۔(19)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبریں سنیں تو صحابہ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریق سے واقف تھے انھوں رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہیں ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھود لی جائے۔ تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے۔

مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا صرف شامی رخ کھلا ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 3 ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکل کر اسی مقام میں خندق کی تیاریاں شروع کیں، یہ ذیقعدہ 5 ہجری کی 8 تاریخ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نشانات خود قائم کئے، داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دو دن گز زمین تقسیم کی۔ خندق کا عمق 5 گز رکھا گیا 4 دن من تین ہزار متبرک ہاتھوں یہ کام انجام پایا۔(20)

جب مسجد نبوی بن رہی تھی تو سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزدوروں کی صورت میں تھے آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے، جاڑے کی راتیں ہیں تین تین دن کا فاقہ ہے مہاجرین اور انصار اپنی پیٹوں پر مٹی لا دلا دکر پھینکتے ہیں اور جوش محبت میں ہم آواز ہو کر کہتے ہیں

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا ‏ عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

''ہم وہ ہیں جنھوں نے ہمیشہ کیلئے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔'' (21)

سرور دو عالم ﷺ بھی مٹی پھینک رہے ہیں شکم مبارک پر گرد اٹ گئی ہے اس حالت میں یہ رجز زبان پر ہے۔

وَاللهِ لَوْلَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا — وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا — وَثَبِّتْ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّ الْأُولَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا — إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

أَبَيْنَا کا لفظ جب آتا تھا تو آواز بلند ہو جاتی تھی اور مکرر کہتے تھے۔ اس کے ساتھ انصار کے حق میں دعا بھی دیتے جاتے تھے اور یہ موزوں الفاظ زبان پر (22)

اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ — فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آ گئی کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا، آپ نے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تو وہ خاک تھی۔ (23)

سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں اور چونکہ بنوقریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لئے سلمہ بن اسلم 200 آدمیوں کے ساتھ متعین کئے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے۔ (34)

بنوقریظہ کے یہود اب تک الگ تھے لیکن بنونضیر نے ان کو ملا لینے کی کوشش کی۔ حیی بن اخطب (حضرت صفیہ کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن سعد کے پاس گیا اس نے ملنے سے انکار کیا۔ حیی نے کہا۔ میں فوجوں کا دریائے بیکراں لایا ہوں، قریش اور تمام عرب اُمنڈ آیا ہے اور ایک محمد (ﷺ) کے خون کا پیاسا ہے یہ موقع ہاتھ سے دینے کے قابل نہیں اب اسلام کا خاتمہ ہے۔ کعب اب بھی راضی نہ تھا اس نے کہا میں نے محمد ﷺ کو ہمیشہ صادق الوعد پایا ان سے عہد شکنی کرنا خلاف مروت ہے لیکن حیی کا جادو رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کو یہ حال معلوم ہوا تو تحقیق اور اتمام حجت کیلئے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو بھیجا اور فرما دیا کہ اگر درحقیقت بنوقریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے وہاں سے اگر اس خبر کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا کہ لوگوں میں بیدلی نہ پھیلنے پائے۔ دونوں صاحبوں نے بنوقریظہ کو معاہدہ یاد دلایا تو انھوں نے کہا۔ ہم نہیں جانتے محمد (ﷺ) کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے؟ (25)

غرض بنوقریظہ نے اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کر دیا قریش اور یہود اور قبائل عرب کی دس ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور شور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین ہل گئی۔

اس معرکہ کی تصویر خود خدا نے کھینچی ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ (26)

''جب کہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب طرف سے آپڑے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور کلیجے منھ میں آ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آ گیا اور وہ زور سے لرزنے لگے۔''

فوج اسلام میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے راتوں کی بے خوابی، بیشمار فوجوں کا ہجوم ایسے واقعات تھے جنھوں نے ان کا پردہ فاش کر دیا، آ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے۔ (27)

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ (28)

''کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں بلکہ ان کو بھاگنا مقصود ہے۔''

لیکن جان نثاران اسلام کا طلائے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا۔ (29)

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ (30)

''جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اٹھے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا، خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں سچے تھے اور اس بات نے ان کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔''

محاصرہ کی شدت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزیمت

تقریباً ایک مہینہ محاصرہ کی اس سختی سے محاصرہ قائم رہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر تین تین فاقے گذر گئے ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیتاب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں لیکن جب آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے۔ (31)

محاصرہ اس قدر شدید اور پُرخطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے، تین دفعہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی صدا نہیں آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی موقع پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حواری کا لقب دیا۔ (32)

محاصرین خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے اس لئے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے آنحضرت ﷺ نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دیں تھیں جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں ایک حصہ خود آپ کے اہتمام میں تھا۔(33)

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو انصار ہمت ہار جائیں اس لئے آپ ﷺ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دیدیا جائے، سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کو روسائے انصار نے بلاکر مشورہ کیا، دونوں نے عرض کیا کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں، لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حال میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے یہ استقلال دیکھ کر آپ کو اطمینان ہوا۔ سعد نے معاہدہ کا کاغذ ہاتھ میں لیکر تمام عبارت مٹادی اور کہا ان لوگوں سے جو بن آئے کر دکھائیں۔(34)

اب مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب، ہُبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج کو لے کر لڑتا تھا۔ خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا اس لئے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے یہ چونکہ اس طریق میں کامیابی نہیں ہوئی اس لئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے، تمام فوجیں یکجا ہوئیں قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے۔ خندق ایک جگہ سے اتفاق کم عریض تھی یہ موقع حملہ کیلئے انتخاب کیا گیا عرب کے مشہور بہادروں یعنی ضرا ہبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدِ وُ د نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو مہمیز کیا تو اس پار تھے ان میں سے زیادہ مشہور بہادر عمر بن عبدِ وُ دوہ ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا جنگ بدر میں زخمی ہو کر چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا اس وقت اس کی عمر 90 برس کی تھی۔

سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابل کو کون آتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا میں لیکن آنحضرت ﷺ نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدوُ د ہے!! حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا، عمر نے دوبارہ پکارا اور پھر وہی ایک صدا جواب میں تھی تیسری دفعہ جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے، غرض آپ نے اجازت دی خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی، سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے، پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ: میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا

عمرو: یہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: لڑائی سے واپس چلا جا

عمرو: میں خاتونانِ عرب کا طعنہ نہیں سن سکتا

حضرت علی رضی اللہ عنہ: مجھ سے معرکہ آرا ہو

عمرو: ہنسا اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پیادہ تھے عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا، گھوڑے سے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں، پھر پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے نام بتایا اس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا، آپ نے فرمایا'' ہاں! لیکن میں چاہتا ہوں۔'' عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا پر تلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا، حضرت علی نے سر پر روکا لیکن سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی گو زخم کاری نہ تھا تاہم طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا، قاموس نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے ایک عمرہ کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔

دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علی نے وار کیا ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی، ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہوگیا۔(35)

عمرو کے بعد ضرار اور ہبیرہ نے حملہ کیا لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا حضرت عمر فاروق نے ضرار کا تعاقب کیا ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔(36)

نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا صحابہ نے تیر مارنے شروع کئے اس نے کہا۔ مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی درخواست منظور کی اور خندق میں اتر کر تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایاں تھا۔(37)

یہ حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا تمام دن لڑائی رہی کفار ہر طرف سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لئے یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متصل چار نمازیں قضا ہوئیں متصل تیراندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا دلیرانہ اقدام

مستورات جس قلعہ میں تھیں بنو قریظہ کی آبادی کے متصل تھا۔ یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کیا ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت صفیہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپی) نے دیکھ لیا مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسان (شاعر) متعین کر دے گئے تھے حضرت صفیہ نے ان سے کہا کہ اتر کر اس کو قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ کریگا، حضرت حسان کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر کٹ گیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا چلی آئیں اور حسان سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ حسان نے کہا جانے دیجئے مجھ کو اس کی ضرورت نہیں؟

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلع کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائیں لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہی کو انجام دینی پڑی۔ یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے اس خیال سے پھر انھوں نے حملہ کی جرات نہ کی۔

نصرت غیبی اور محاصرہ کا خاتمہ

محاصرہ جس قدر طول ہوتا جاتا تھا محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے 24 ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا، اتفاق یہ کہ باوجود سردی کے موسم کے اس زوری کی ہوا چلی کہ طوفان آ گیا خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں۔ کھانے کے دیگچے چولہو پر الٹ الٹ جاتے تھے، اس اتفاقی واقعہ نے فوجوں سے بڑھ کر کام دیا اسی بنا پر قرآن مجید نے اس بادِ صرصر کو عسکرِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔ (38)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ (39)

''مسلمانو! خدا کے اس احسان کی یاد کرو کہ جب تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔''

نعیم بن مسعود ثقفی ایک غطفانی رئیس تھے، قریش اور یہود دونوں ان کو جانتے تھے وہ اسلام لا چکے تھے لیکن کفار کو ابھی

اس کا علم نہ تھا انہوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتیں کیں جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔(40)

موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت یہود کی علیحدگی یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ ابوسفیان نے فوج سے کہا رسد ہو چکی، موسم کا یہ حال ہے یہود نے ساتھ چھوڑ دیا، اب محاصرہ بیکار ہے۔ یہ کہہ کر طبل بجنے کا حکم دیا۔(41)

غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے، بنوقریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور مدینہ کا افق 20، 22 دن تک غبار آلود رہ کر صاف ہو گیا۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ (42)

''اور خدا نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا کہ ان کے کچھ ہاتھ نہ آیا اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آئی۔''

اس معرکہ میں فوج اسلام کا جانی نقصان کم ہوا لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے سب سے بڑے سردار تھے زخمی ہوئے اور پھر جاں بر نہ ہو سکے ان کے زخم کھانے کا واقعہ موثر اور عبرت انگیز ہے۔

ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کو جہاد اور شہادت پر آمادہ کرتی ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس قلعہ میں پناہ گزیں تھیں، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ماں بھی وہیں ان کے ساتھ تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے باہر نکل کر پھر رہی تھی عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی، مڑ کر دیکھا تو سعد ہاتھ میں تلوار لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے۔

لَبِّثْ قَلِيلًا يُدْرِكِ الهَيجَا جَمَل　　　لَا بَأسَ بِالْمَوتِ إذا الموتُ نَزَلْ

''ذرا ٹھہر جانا کہ لڑائی میں ایک شخص اور پہنچ جائے، جب وقت آ گیا تو موت سے ڈر ہے۔''

حضرت سعد کی ماں نے سنا: تو آواز دی بیٹا دوڑ کر جا تو نے دیر لگا دی، سعد کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سعد کی ماں سے کہا کاش سعد کی زرہ لمبی ہوتی، اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہوئے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی۔(43)

خندق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک خیمہ کھڑا کرایا اور ان کی تیمارداری شروع کی اس لڑائی میں رفیدہ ایک خاتون شریک تھیں جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں اور زخموں کی مرہم پٹی کرتی تھیں یہ خیمہ

انہی کا تھا اور وہ علاج کی نگران تھیں، آنحضرت ﷺ نے خود دوست مبارک میں مشقص سے کر داغا لیکن وہ پھر ورم کر آیا، دوبارہ داغا، لیکن پھر فائدہ نہ ہوا کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انھوں نے وفات پائی۔(44)

غزوہ بن قریظہ

آنحضرت ﷺ نے آغاز قیام میں یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور ان کو جان و مال و مذہب ہر چیز میں امن و آزادی بخشی لیکن جب قریش نے ان کو تحریص و تہدید کا خط لکھا تو وہ آمادہ بغاوت ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے تجدید معاہدہ کرنی بنو نظیر نے انکار کر دیا اور جلاوطن کر دیے گئے لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا چنانچہ ان کو امن دے دیا گیا۔ صحیح مسلم میں ان واقعات کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔(45)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، «أَنَّ يَهُودَ بَنِي النَّضِيرِ، وَقُرَيْظَةَ، حَارَبُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَجْلَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي النَّضِيرِ، وَأَقَرَّ قُرَيْظَةَ وَمَنَّ عَلَيْهِمْ، (46)

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کہ بنو نضیر اور قریظہ کے یہود نے آنحضرت ﷺ سے لڑائی کی تو آپ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا اور قریظہ کو رہنے دیا اور احسان کیا۔''

بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے تو ان کے رئیس الاعظم حیی بن اخطب، ابو رافع، سلام ابن ابی الحقیق خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں ریاست عام حاصل کر لی۔ جنگ احزاب انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ قبائل عرب میں دورہ کر کے تمام ملک میں آگ لگا دی اور قریش کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے اس وقت تک قریظہ معاہدہ پر قائم تھے لیکن حیی ابن اخطب نے ان کو بہکا کر توڑ لیا اور ان سے وعدہ کیا کہ خدانخواستہ اگر قریش دست بردار ہو کر چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر یہیں رہوں گا۔ چنانچہ اس نے وعدہ وفا کیا، قریظہ نے احزاب میں علانیہ شرکت کی اور شکست کھا کر ہٹ آئے تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیی ابن اخطب کو ساتھ لائے۔(47)

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا کوئی آخری فیصلہ کیا جائے، آنحضرت ﷺ نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں۔(48)

قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آئے تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد ان کو امن ہو جاتا لیکن وہ مقابلے کا فیصلہ کر چکے تھے فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان قلعوں کے پاس پہونچے تو انھوں نے علانیہ آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیں غرض انکا محاصرہ کر لیا گیا اور تقریباً ایک مہینہ محاصرہ رہا بالآخر انھوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو

فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے۔حضرت سعد بن معاذ اوران کا قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھااورعرب میں تعلق ہم نسبی سے بڑھ کرتھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کی۔(49)

قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توراہ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے، چنانچہ اکثر مسائل قبلہ،نماز،رجم،قصاص بالمثل وغیرہ وغیرہ میں جب تک خاص وحی نہیں آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تورات ہی کی پابندی فرمائی،سعد رضی اللہ عنہ نے جوفیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں،عورتیں بچے قید ہوں،مال واسباب غنیمت قرار دیا جائے۔(50)

تورات کے مطابق تھا۔تورات کتاب تثنیہ اصحاح 20،آیت 10 میں ہے:

''جب کسی شہر پر حملہ کرنے کیلئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر،اور جب تیرا خدا تجھ کوان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کوقتل کردے،باقی بچے عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مالِ غنیمت ہوں گی۔(51)

احادیث میں مذکور ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے جب یہ فیصلہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے آسمانی فیصلہ کیا۔(52)

یہ اسی تورات کے حکم کی طرف اشارہ تھا یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے ان کی زبان سے نکلے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس فیصلہ کوحکم الٰہی کے موافق سمجھتے تھے۔حیی بن اخطب جوان تمام فتن کا بانی تھامقتل میں لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے:

أما والله ما لمتُ نَفْسِي فِي عداوتك ولكنه من يخذ الله يخذلُ

''ہاں خدا کی قسم مجھ کواس کاافسوس نہیں کہ میں نے تیری (آپ کی) عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جوشخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔'' پھرلوگوں کی طرف مخاطب ہوکر کہا:

أيها الناس انه لابَاَسَ بِاَمرِ اللهِ كتاب وقدر وملحمة كتبها الله على بني اسرائِيْلَ(53)

''لوگو!خدا کے حکم کی تعمیل میں مضائقہ نہیں یہ ایک حکم الٰہی تھا یہ لکھا تھا،ایک سزا تھی جوخدا نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی۔''

حیی ابن اخطب کی یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جب وہ جلاوطن ہوکر خیبر جارہا تھا تو اس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دیگا،اس معاہدہ پراس نے خدا کو ضامن کیا تھا لیکن احزاب میں اُس نے اس معاہدہ کی جس طرح کے تعمیل کی اس کا حال ابھی گذر چکا۔

حوالہ جات

1۔ بخاری، ج2ص592

2۔ زرقانی جلد2ص88

3۔ بخاری، ج2ص592

4۔ زرقانی ج2ص94 تا95

5۔ زُرقانی ج۲ص97 تا98

6۔ سورۃ منافقون

7۔ ابن سعد وطبری

8۔ مدارج النبوۃ ج2ص157

9۔ ابوداود، ج2ص548

10۔ مدارج جلد2ص155

11۔ بخاری ج2ص594

12۔ مدارک التنزیل مصری ج2ص134 تا135

13۔ بخاری، ج2ص592

14۔ بخاری، ج2ص595

15۔ النور:22

16۔ بخاری، ج2ص595

17۔ مدارج ج2ص163

18۔ بخاری، ج2ص595

19۔ فتح الباری، ج7،ص393

20. فتح الباری: ج7ص393

21۔ صحیح البخاری کتاب المغازي عزوۃ الخندق

22۔ صحیح البخاری:1404

23۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق

24۔ سیرت النبی شبلی نعمانی ج1ص422

25۔ سیرۃ ابن ہشام، ج2ص220

26۔ الاحزاب:10-11

27۔ زادالمعاد:3ص272

28۔ الاحزاب:13

29۔ تفسیر قرطبی:12ص157

30۔ الاحزاب:22

31۔ شمائل ترمذی، باب ماجاء فی عیش النبی ﷺ

32۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق

33۔ سیرت النبی ﷺ، ج1ص425

34۔ کشف الاستار للبزار، ج1ص332

35۔ مستدرک حاکم، ج3ص34

36۔ سیرۃ حلبیہ، ج2ص644

37۔ دلائل النبوۃ ج3ص438

38۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، ج3ص448

39۔ الاحزاب:9

40۔ سیرت ابن ہشام، ج2ص229

41۔ سیرت ابن ہشام، ج2ص232

42۔ الاحزاب:25

43۔ صحیح البخاری، باب رجع النبی ﷺ من الاحزاب، سیرہ ابن ہشام، ج2ص266

44۔ صحیح البخاری، فتح الباری، ج7ص412

45۔ سیرۃ النبی ﷺ، ج1ص433

46۔ صحیح مسلم:1766

47۔ سیرۃ النبی، ج1ص343

48۔ صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب رجع النبی ﷺ من الاحزاب

49۔ صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب رجع النبی ﷺ من الاحزاب

50۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب جواز قتال فی نقض العہد

51۔ سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی، ج1ص435

52۔ صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب رجع النبی ﷺ من الاحزاب

53۔ سیرۃ ابن ہشام، ج2ص241

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے لئے کون سی آیات نازل ہوئی تھیں؟

....

....

2. عبداللہ بن ابی منافق کی شرارت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ردعمل ظاہر فرمایا؟

....

....

3. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جن لوگوں نے تہمت لگائی ان کے نام کیا تھے؟

....

....

4. حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال فرمایا تو انہوں نے کیا جواب دیا؟

....

....

5. مدینہ کی کس جانب خندق کھودی گئی؟

....

....

6. تیمم کا آغاز کیسے ہوا؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگایئے۔

1. تمام اصحاب رضی اللہ عنہم نے تیمم کیا اور نماز......ادا کی

تہجد ☐ ظہر ☐ فجر ☐ عصر ☐

2. ان چاروں کو......کی سزا میں اسّی اسّی درے مارے گئے۔

حدشراب ☐ حدسرقہ ☐ حدقذف ☐ حدزنا ☐

3. اس وقت میری مثال حضرت......کے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) جیسی ہے

سلیمان علیہ السلام ☐ موسیٰ علیہ السلام ☐ دانیال علیہ السلام ☐ یوسف علیہ السلام ☐

4. اور انہیں اس......کی بالکل خبر ہی نہیں ہوئی

تہمت تراشی ☐ واقعہ ☐ بدتمیزی ☐ بُری خبر ☐

5. حضرت......کا اصلی نام برہ تھا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا ☐ جویریہ رضی اللہ عنہا ☐ عائشہ رضی اللہ عنہا ☐ زینب رضی اللہ عنہا ☐

6. حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور ان کا قبیلہ () قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا

بنوہاشم ☐ بنوتغلب ☐ اوس ☐ قریش ☐

ہجرت کا چھٹا سال
صلح حدیبیہ
اور سلاطین و امراء کو دعوت اسلام

سبق نمبر
16

خلاصۂ سبق

غزوہ بنی لحیان، غزوہ غابہ جس کو ذی قرہ بھی کہا جاتا ہے، غزوہ حدیبیہ جس کو صلح حدیبیہ بھی کہا جاتا ہے اور گیارہ سریے بھی روانہ کیے گئے۔ اسی سال کے وسط میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آئیں اور اسی سال کے اواخر میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی اسی سال مسلمان ہوئے۔

عمرۃ الحدیبیہ

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جس کے متصل ایک گاؤں آباد ہے جو اسی نام سے مشہور ہے یہ گاؤں مکہ معظّمہ سے 9 میل کے فاصلہ پر ہے، محب طبری فرماتے ہیں کہ اس کا اکثر حصہ حرم میں ہے اور باقی حل میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے کچھ اصحاب مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے بعض اصحاب نے سر منڈایا اور بعض نے کترایا۔(1)

یہ خواب سنتے ہی دلوں میں جو بیت اللہ کی محبت اور شوق کی چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی۔ اور زیارت بیت اللہ کے شوق نے سب کو بے چین اور بے تاب بنا دیا۔ یوم دوشنبہ یکم ذی القعدہ الحرام 6 ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بقصد عمرہ

مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کا قصد فرمایا تقریباً پندرہ سو مہاجرین اور انصار آپ کے ہمراہ تھے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر ہدی کے قلادہ ڈالا اور اشعار کیا اور عمرہ کا احرام باندھا اور بُسر بن سفیان کو جاسوس بنا کر قریش کی خبر معلوم کرنے کے لئے آگے روانہ فرمایا چونکہ ارادہ جنگ کا نہ تھا اس لئے کسی قسم کا سامان حرب اور سلاح جنگ ساتھ نہیں لیا۔ صرف اتنے ہتھیار ساتھ رکھے جتنا کہ مسافر کو ضروری اور لازمی ہے اور وہ بھی نیام میں (2)

جب آپ غدیر اشطاط پر پہنچے تو آپ کے جاسوس نے آکر آپ کو یہ اطلاع دی کہ قریش نے آپ کو خبر پاتے ہی لشکر جمع کیا ہے اور آپ کے مقابلہ کے لئے نکل گئے ہیں اور یہ عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خالد بن الولید بطور مقدمتہ الجیش کے دوسو سواروں کو لے کر مقام عمیم میں پہنچ گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر پاتے ہی وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے نکل کر مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے۔ اس مقام سے جب آپ نے اپنے ناقہ کو مکہ کی طرف موڑنا چاہا تو وہ ناقہ بیٹھ گیا۔ لوگوں نے ناقہ کو اٹھانے کی غرض سے حَل حَل کہا، ہر چند ناقہ کو اٹھانا چاہا مگر ناقہ اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ (3)

لوگوں نے کہا خَلَاتِ القصواء خلات القصواء اونٹنی بیٹھ گئی۔ آپ نے فرمایا یہ اس کی عادت نہیں لیکن اللہ عزوجل نے اس کو روکا ہے۔ اور بعد ازاں یہ فرمایا تم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قریش مجھ سے جس ایسے امر کی درخواست کریں گے کہ جس میں شعائر اللہ کی تعظ ہوتی ہو میں ضرور اس کو منظور کروں گا۔ یہ کہہ کر اونٹنی کو اٹھایا۔ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی، وہاں سے ہٹ کر آپ نے حدیبیہ پر آکر قیام فرمایا۔

گرمی کا موسم تھا پیاس کی شدت اور پانی کی قلت تھی، گڑھے میں جو تھوڑا بہت پانی تھا وہ کھینچ لیا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! پانی نہیں رہا۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر دیا کہ اس گڑھے میں گاڑ دیا جائے، اسی وقت پانی اس قدر جوش مارنے لگا کہ تمام لشکر سیراب ہوگیا۔ حدیبیہ میں قیام کرنے کے بعد آپ نے خراش بن امیہ خزاعی کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اہل مکہ کے پاس بھیجا کہ ان کو خبر کر دیں کہ ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے، جنگ کے لئے نہیں آئے۔ اہل مکہ نے اُن کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ارادہ کیا کہ ان کو بھی قتل کر ڈالیں۔ مگر آپس ہی کے بعض لوگوں نے درمیان میں پڑ کر بچا دیا۔ حضرت خراش اپنی جان بچا کر واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔

تب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیام دے کر اہل مکہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم ہیں اور کس درجہ میرے دشمن ہیں، مکہ میں میرے

قبیلہ کا کوئی شخص نہیں جو مجھے بچا سکے اگر آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں جن کی مکہ میں قرابتیں ہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ حکم دیا کہ ابوسفیان اور رؤسائے مکہ کو ہمارا پیام پہنچا دو اور جو مسلمان مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان و اظہار نہیں کر سکتے اُن کو یہ بشارت سنا دو، کہ گھبرائیں نہیں عنقریب اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائے گا اور اپنے دین کو ظاہر اور غالب کرے گا۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام پہنچایا اور ضعفاء مسلمین کو بشارت سنائی۔ سب نے بالاتفاق یہ جواب دیا کہ اس سال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تم اگر چاہو تو تنہا طواف کر سکتے ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی طواف نہ کروں گا قریش یہ سن کر خاموش ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں روک لئے گئے اور ادھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ عثمان سخی رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔

بیعۃ الرضوان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اور یہ فرمایا کہ جب تک میں اُن سے بدلہ نہ لے لوں گا یہاں سے حرکت نہ کروں گا اور وہیں کیکر کے درخت کے نیچے جس کے سایہ میں فروکش تھے بیعت لینی شروع کر دی کہ جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد و قتال کریں گے مر جائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں۔

سب سے پہلے ابوسنان اسدی نے بیعت کی۔ معجم طبرانی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جب بیعت کے لئے بلایا تو سب سے پہلے ابوسنان آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کس چیز پر بیعت کرتا ہے؟ ابوسنان نے کہا اُس چیز پر جو میرے دل میں ہے، آپ نے فرمایا تیرے دل میں کیا ہے؟ ابوسنان نے کہا یا رسول اللہ! میرے دل میں یہ ہے کہ اس وقت تک تلوار چلاتا رہوں جب تک اللہ عز و جل آپ کو غلبہ نصیب فرمائے یا اس راہ میں مارا جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو بیعت فرمایا اور اسی پر سب نے بیعت کی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی۔ ابتداء میں اور درمیان میں اور اخیر میں اور جب بیعت سے فارغ ہوئے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر یہ فرمایا کہ یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے۔ داہنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تھا اور بایاں ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو ذکر کے

فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔(4)

اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں ذکر فرمایا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ (5)

''تحقیق اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جس وقت کہ وہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اخلاص جو کچھ بھرا ہوا ہے وہ اللہ کو خوب معلوم ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی خاص سکینت اور طمانیت کو اتار دیا اور انعام میں ان کو قریبی فتح عطا فرمائی اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی غنیمتوں کو لیں گے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔''

لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے قتل کی خبر غلط تھی قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے اور صلح کے لئے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔(6)

قبیلہ خزاعہ اگرچہ ہنوز مشرف باسلام نہ ہوا تھا لیکن ہمیشہ سے آپ کا حلیف اور خیر خواہ اور راز دار تھا۔ مشرکین مکہ آپ کے خلاف جو سازشیں کرتے اس سے آپ کو مطلع کیا کرتا تھا۔ اس قبیلہ کے سردار بدیل بن ورقاء قبیلہ خزاعہ کے چند آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قریش نے نواحی حدیبیہ میں پانی کے بڑے بڑے چشموں پر آپ کے مقابلہ کے لئے لشکر عظیم جمع کیا ہے کہ آپ کو کسی طرح مکہ میں داخل نہ ہونے دیں اور دودھ والی اونٹنیاں ان کے ساتھ ہیں (یعنی طویل قیام کا ارادہ ہے، کھاتے پیتے رہیں اور مقابلہ کے لئے ڈٹے رہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے ہم فقط عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لڑائی نے قریش کو نہایت کمزور کر دیا ہے اگر وہ چاہیں تو میں ان کے لئے ایک مدت صلح کی مقرر کر دوں اس مدت میں ایک دوسرے سے کوئی تعرض نہ کرے اور مجھ کو اور عرب کو چھوڑ دیں۔ اگر اللہ کے فضل سے غالب ہوا تو وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں اور فی الحال چند روز کے لئے تم کو آرام ملے اور اگر بالفرض عرب غالب آئے تو تمہاری تمنا پوری ہو گی لیکن میں تم سے یہ کہے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اپنے اس دین کو غالب کر کے رہے گا۔ اور اس دین کے ظہور اور غلبہ، فتح اور نصرت کا جو وعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور اگر وہ اس بات کو نہ مانیں تو قسم اُس

ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ضرور ان سے جہاد وقتال کروں گا، یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے۔ بدیل آپ کے پاس سے اٹھ کر قریش کے پاس گئے اور یہ کہا کہ میں اس شخص کے پاس سے ایک بات سُن کر آیا ہوں اگر چاہو تو تم پر پیش کروں جو احمق اور نادان تھے انھوں نے یہ کہا ہمیں ضرورت نہیں ہم ان کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے مگر جو ان میں ذی رائے اور سمجھدار تھے انھوں نے کہا ہاں بیان کرو۔

بدیل نے کہا تم لوگ جلد باز ہو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لڑائی کے لئے نہیں آئے بلکہ عمرہ کرنے کیلئے آئے ہیں تم سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ قریش نے کہا بے شک وہ لڑائی کے ارادہ سے نہیں آئے لیکن مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

عروہ بن مسعود نے اٹھ کر کہا۔ اے قوم کیا میں تمھارے لئے بمنزلہ باپ کے اور تم میرے لئے بمنزلہ اولاد کے نہیں۔ لوگوں نے کہا بے شک کیوں نہیں۔ عروہ نے کہا کیا تم میرے ساتھ کسی قسم کی بدگمانی رکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں، عروہ نے کہا اس شخص نے (یعنی رسول اللہ میں نے تمھاری بھلائی اور بہتری کی بات کہی ہے۔ میرے نزدیک اس کو ضرور قبول کر لینا چاہیے اور مجھ کو اجازت دو کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مل کر اس بارے میں گفتگو کروں۔ لوگوں نے کہا بہتر ہے۔

عروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی فرمایا کہ جو بدیل سے فرما چکے تھے۔ عروہ نے کہا اے محمد! تم نے سنا بھی ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود ہلاک اور برباد کیا ہو علاوہ ازیں اگر دوسری صورت پیش آئی (یعنی قریش کو غلبہ ہوا) تو میں دیکھتا ہوں کہ مختلف قوموں کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ اس وقت آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے عروہ کو گالی دے کر یہ فرمایا کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

عروہ نے کہا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ عروہ نے کہا خدا کی قسم اگر مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا اب تک میں بدلہ نہیں دے سکا تو ضرور جواب دیتا۔ یہ کہہ کر رسول اللہ یو گفتگو شروع کر دی اور جب کوئی بات کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے۔ مغیرہ بن شعبہ (یعنی عروہ کے بھتیجے) مسلح تلوار لئے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر کھڑے ہوئے تھے۔

بارگاہ نبوی میں اپنے چچا کی یہ جرات گوارا نہ ہوئی اور فوراً عروہ سے کہا۔ اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی سے بنائے، ایک مشرک کے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مس کر سکے۔ مغیرہ چونکہ خود وغیرہ پہنے ہوئے تھے اس لئے عروہ نے ان کو پہچانا نہیں اور غصہ ہو کر آپ سے دریافت کیا یہ کون ہے آپ نے فرمایا تمھارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔

اب عروہ نے مغیرہ کو پہچانا اور کہا۔ او غدار۔ کیا میں نے تیری غداری اور فتنہ پردازی کو رفع نہیں کیا۔ مغیرہ مسلمان ہونے سے پہلے چند رفقاء کے ساتھ سفر کر کے مقوقس شاہ مصر کے پاس گئے بادشاہ نے بہ نسبت مغیرہ کے دوسرے رفقاء کو زیادہ انعامات دیئے جس سے مغیرہ کو بہت رنج ہوا اور راستہ میں ایک مقام پر پہرے اور شراب پی کر خوب غفلت کی نیند سوئے مغیرہ نے موقع پا کر ان سب کو قتل کر ڈالا اور ان کا مال لے کر بھاگ آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے آپ نے فرمایا۔ اسلام تو قبول کرتا ہوں مگر مال سے مجھ کو کوئی تعلق نہیں کیونکہ وہ دھوکہ اور دنیا سے لیا گیا ہے عروہ نے ان آدمیوں کی دیت دے کر قصہ کو رفع دفع کیا۔

بعد ازاں عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حسن عقیدت اور صدق اخلاص کا ایسا عجیب و غریب منظر دیکھا کہ جو اس سے پیشتر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ یہ کہ جب آپ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ سب سے پہلے میں اس حکم کو بجالاؤں جب بھی آپ کے دہن مبارک سے تھوک یا بلغم رکھتا ہے تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا ہاتھوں ہاتھ اس کو لے لیتے ہیں اور اپنے چہروں سے مل لیتے ہیں۔ جب آپ وضو فرماتے ہیں تو آپ کے غسالہ وضو پر بھی لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے، قریب ہے کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ آپ کے جسم سے کوئی بال گرنے نہیں پاتا تھا کہ فوراً اس کو لے لیتے ہیں۔ جب آپ کلام فرماتے ہیں تو ایک سناٹا ہو جاتا ہے، گویا کہ ہر شخص سراپا گوش بنا ہوا ہے کسی کی مجال نہیں کر نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔

گویا کہ بزبان حال یہ عروہ کی اس بدگمانی کا جواب تھا جو اس نے ابتداء میں آپ کے جان نثاروں کے متعلق ظاہر کی تھی کہ اگر قریش کو غلبہ ہوا تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، یہ اخلاص و عقیدت محبت و عظمت کا حیرت انگیز منظر عروہ کی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدگمانی کا شافی اور کافی جواب تھا کہ جن کی شیفتگی اور وارفتگی اور محبت و عقیدت کا یہ حال ہو بھلا وہ آپ کو چھوڑ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں۔

عروہ جب آپ کے پاس سے واپس ہوئے تو قریش سے جا کر کہا اے قوم! واللہ! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں مگر خدا کی قسم عقیدت و محبت تعظیم و جلال کا یہ عجیب و غریب منظر کہیں نہیں دیکھا۔ یہ منظر نہ آپ سے پہلے دیکھا گیا اور نہ آپ کے بعد ممکن ہے (آپ خاتم الانبیاء تھے عقیدت و محبت کا یہ حیرت انگیز منظر آپ پر ختم ہو گیا)

ایک روایت میں ہے کہ عروہ نے یہ کہا کہ اے قوم میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا مگر محمد جیسا کسی کو نہیں دیکھا وہ بادشاہ نہیں معلوم ہوتے۔(7)

عروہ نے صاف طور سے تو نہیں کہا کہ آپ نبی ہیں مگر اشارہ یہ بتلا دیا کہ یہ شان بادشاہوں کی نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ کے پیغمبروں کی ہوتی ہے۔ عروہ کی یہ گفتگو سن کر حبشیوں کے سردار حلیس بن علقمہ کنانی نے کہا مجھ کو اجازت دو کہ میں آپ سے مل کر آؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلیس کو دور سے آتے دیکھ کر یہ فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کو کھڑا کردو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں۔ حلیس قربانی کے اونٹوں کو کھڑا دیکھ کر راستہ ہی سے واپس ہو گیا اور جا کر قریش سے یہ کہا قسم ہے رب کعبہ کی! یہ لوگ تو فقط عمرہ کرنے آئے ہیں ان لوگوں کو بیت اللہ سے ہرگز نہیں روکا جاسکتا۔

قریش نے کہا بیٹھ جا تو تو جنگلی آدمی ہے سمجھتا بوجھتا نہیں حلیس کو غصہ آ گیا اور کہا اے گروہ قریش خدا کی قسم ہم نے تم سے اس کا عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ جو شخص محض بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے اس کو بیت اللہ سے روکا جائے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں حلیس کی جان ہے۔ اگر تم محمد کو بیت اللہ کی زیارت سے روکو گے تو میں تمام حبشیوں کو لے کر تم سے یکلخت علیحدہ ہو جاؤں گا۔ قریش نے کہا اچھا آپ خفا نہ ہوں بیٹھے ذرا ہم غور کرلیں بعد ازاں مجمع میں سے مکرز بن حفص اٹھا اور کہا کہ میں آپ کے پاس ہو کر آتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکرز کو آتے دیکھ کر فرمایا۔ یہ آدمی بُرا ہے حدیبیہ کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ مکرز نے پچاس آدمیوں کو لے کر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو گرفتار کرلیا۔ اور مکرز فرار ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا۔

مکرز آپ سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو صلح کرنے کے لئے پہنچ گئے رسول اللہ بانی ہیں نے سہیل کو آتے دیکھ کر صحابہ سے فرمایا:

قد سَهُلَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ

"البتہ تمھارا معاملہ کچھ سہل ہو گیا۔" (8)

اور یہ فرمایا کہ قریش اب صلح کی طرف مائل ہو گئے ہیں اس شخص کو صلح کے لئے بھیجا ہے سہیل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح اور شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی۔ جب شرائط صلح طے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تحریر معاہدہ کا حکم دیا اور سب سے پہلے بسم اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم لکھنے کا حکم دیا۔

عرب کا قدیم دستور یہ تھا کہ سرنامہ پر باسمك اللهم لکھا کرتے تھے، اس بناء پر سہیل نے کہا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں جانتا قدیم دستور کے مطابق باسمك اللهم لکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا یہی لکھوا اور

پھر فرمایا کہ دیکھو۔

هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

''وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح کی ہے۔''

سہیل نے کہا، اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے تو پھر نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے لڑتے۔ بجائے محمد رسول اللہ کے محمد بن عبداللہ لکھیئے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگر چہ تم میری تکذیب کرو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ الفاظ مٹا کر، اُن کی خواہش کے مطابق خالی میرا نام لکھدو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تھا وہ جگہ دکھلاو جہاں تم نے لفظ رسُول اللہ لکھا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انگلی رکھ کر وہ جگہ بتلائی آپ نے خود اپنے ہاتھ سے اُس لفظ کو مٹایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا۔

شرائط صلح حسب ذیل تھے۔

شرائط صلح

(۱) دس سال تک آپس میں لڑائی موقوف رہے گی۔

(۲) قریش میں جو شخص بغیر اپنے ولی اور آقا کی اجازت کے مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا اگر چہ وہ مسلمان ہو کر جائے۔

(۳) اور جو شخص مسلمانوں میں سے مدینہ سے مکہ آ جائے تو اس کو واپس نہ دیا جائے گا۔

(۴) اس درمیان میں کوئی ایک دوسرے پر تلوار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

(۵) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امسال بغیر عمرہ کئے مدینہ واپس ہو جائیں مکہ میں داخل نہ ہوں سال آئندہ صرف تین دن مکہ میں رہ کر عمرہ کر کے واپس ہو جائیں سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہوں اور تلوار میں بھی نیام یا غلاف میں ہوں۔

(۶) قبائل متحدہ کو اختیار ہے کہ جس کے معاہدہ اور صلح میں شریک ہونا چاہیں شریک ہو جائیں۔

چنانچہ بنوخزاعہ آپ کے عہد میں اور بنوبکر قریش کے عہد میں شریک ہو گئے۔ آپ کے حلیف اور ہم عہد ہو گئے اور بنوبکر قریش کے حلیف اور ہم عہد ہو گئے۔

صلح نامہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ پابز نجیر قید سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے

جو پہلے سے مشرف باسلام ہو چکے تھے اور کفار مکہ طرح طرح سے ان کو ایذائیں پہنچا رہے تھے۔ سہیل نے کہا یہ پہلا شخص ہے کہ جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابھی تو صلح نامہ پورا لکھا نہیں گیا یعنی لکھے جانے اور دستخط ہو جانے کے بعد سے اُس پر عمل شروع ہونا چاہئے، آپ نے بار بار سہیل سے کہا کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ ان کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے مگر سہیل نے نہیں مانا۔ بالآخر آپ نے ابوجندل کو سہیل کے حوالہ کر دیا۔

مشرکین مکہ نے ابو جندل کو طرح طرح سے ستایا تھا اس لئے ابو جندل نے نہایت حسرت بھرے الفاظ میں مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا افسوس اسے گروہ اسلام میں کافروں کے حوالہ کیا جا رہا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے یہ سن کر ابو جندل کو تسلی دی اور یہ فرمایا:

یَا اَبَا جُنْدَلٍ اِصْبِرْ وَاحْتَسِبْ فَاِنَّا لَا نَغْدِرُ وَاِنَّ اللّٰہَ جَاعِلٌ لَکَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا

''اے ابوجندل صبر کرو اور اللہ سے امید رکھو ہم خلاف عہد کرنا پسند نہیں کرتے اور یقین رکھو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری نجات کی کوئی صورت نکالے گا۔''

مگر عام مسلمانوں کو ان کی واپسی شاق گزری۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں آپ نے فرمایا کیوں نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں آپ نے فرمایا بے شک، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر یہ ذلت کیوں گوارا کریں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین اور مددگار ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے آپ نے فرمایا یہ میں نے کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔

بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور جا کہ اُن سے بھی یہی گفتگو کی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لفظ بلفظ وہی جواب دیا جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعد میں اپنی اس گستاخی پر بہت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے اور صدقہ اور خیرات کی اور بہت سے غلام آزاد کیے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس شرط پر کیسے صلح کی جائے کہ ہم میں سے جو ان کی طرف چلا جائے تو اس کو واپس نہ کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں جو شخص ہم میں کا ان سے جا ملے ہمیں اس کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان میں کا جو شخص مسلمان ہو کر ہماری

طرف آئے گا تو اگر چہ از روئے معاہدہ وہ واپس کر دیا جائے لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ قریب ہی اس کے لئے نجات کی کوئی صورت ضرور پیدا فرمائے گا۔ (علاوہ ازیں بحمد اللہ ایسی صورت پیش بھی نہیں آئی کہ کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکہ گیا ہو)

الغرض ان شرائط کے ساتھ صلح نامہ مکمل ہو گیا اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔(9)

تکمیل صلح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا صحابہ کرام ان شرائط صلح سے اس قدر مغموم اور شکستہ خاطر تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار حکم دیا مگر ایک شخص بھی نہ اٹھا۔

جب آپ نے یہ دیکھا تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور بطور شکایت یہ واقعہ بیان فرمایا ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری جس کی وجہ سے افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہیں اس وجہ سے تعمیل ارشاد نہیں کر سکے آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ باہر تشریف لے جایئے اور قربانی کر کے سر منڈایئے یہ خود بخود آپ کی اتباع کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے قربانی کرتے ہی سب نے قربانی شروع کر دی۔

حق تعالیٰ شانہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جزائے خیر دے جن کی صائب رائے نے یہ عقد حل کیا اور نبی اکرم ﷺ کے خاطر عاطر سے اس تکدر کو دور فرمایا جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کا مشورہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صائب اور نہایت صحیح تھا اسی طرح ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ مشورہ بھی نہایت صائب اور موجب خیر و برکت ہوا۔

یہ تمام واقعات ہم نے بخاری اور فتح الباری سے لئے ہیں جو بحمد اللہ تعالیٰ نہایت مستند اور معتبر ہیں تطویل کی وجہ سے حوالہ روایات کو ترک کر دیا، چونکہ یہ تمام واقعات ایک ہی باب میں مذکور ہیں اس لئے صرف فتح الباری کا حوالہ کافی سمجھتے ہیں تفصیل اور حوالہ اگر درکار ہے تو فتح الباری کتاب الشروط از ص ۲۴۵ ج ۵ تا ص ۲۵۶ ج ۵ کی مراجعت کریں۔ یہ تمام واقعات مع شئ زائد زرقانی شرح مواہب میں بھی مذکور ہیں مگر ان کی ترتیب فتح الباری کی ترتیب سے مغایر ہے۔ ہم نے ان واقعات میں فتح الباری کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اس لئے فتح الباری کا حوالہ دیا۔

تقریباً دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس ہوئے جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مابین پہنچے تو سورہ فتح نازل ہوئی۔ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِينًا الی آخر السورۃ

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِينًا إلی آخر السورۃ سنائی صحابہ رضی اللہ عنہم اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین فرمایا سن کر از راہ تعجب آپ سے دریافت کیا یا رسول کیا یہ

فتح ہے۔آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔(10)

امام زہری فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح نصیب نہیں ہوئی، آپس کی لڑائی کی وجہ سے ایک دوسرے سے مل جل نہیں سکتے ہیں صلح کی وجہ سے لڑائی ختم ہوئی اور امن قائم ہوا۔اور جو لوگ اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے وہ علانیہ طور پر احکام اسلام بجالانے لگے،آپس کی منافرت اور کشیدگی دور ہوئی۔بات چیت کا موقع ملا۔مسائل اسلامیہ پر گفتگو اور مناظرہ کی نوبت آئی۔قرآن کریم کو سُنا جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ ابتداء بعثت سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے۔(11)

اسلام تو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا معدن اور سرچشمہ اور تمام خوبیوں اور بھلائیوں کا مجموعہ تھا ہی لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی فضائل وفواصل محاسن وشمائل کے زندہ تصویر تھے۔اب تک عناد اور منافرت اور بغض اور عداوت کی آنکھیں ان کے ادراک سے مانع بنیں۔اب صلح کی وجہ سے عناد اور منافرت کا پردہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹا تو اسلام کی دلفریب تصویروں نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

صلح سے پیشتر کفار مکہ **ولکن لا یشعرون** کا مصداق تھے اس لئے اسلام اور مسلمان کا نور ان سے پوشیدہ اور چھپا ہوا تھا۔صلح کی وجہ سے جب عداوت اور منافرت دلوں سے دُور ہوئی تو اب ذی شعور بنے اور حقانی لوگوں کی پیشانی کا نور ان کو نظر آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ پہنچ گئے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ مشرکین کی قید و بند سے بھاگ کر مدینہ پہنچے قریش نے فوراً دو آدمی ان کے لینے کیلئے پیچھے روانہ کئے آپ نے از روئے معاہدہ ابوابصیر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا اور ابوبصیر سے فرمایا کہ میں خلاف عہد نہیں کر سکتا بہتر ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھ کو مشرکین کی طرف واپس کئے دیتے ہیں جو مجھ کو دین سے پھیرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح سے مجھ کو ستاتے ہیں۔آپ نے فرمایا صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھو عنقریب اللہ تعالیٰ نجات کی صورت پیدا فرمائے گا۔

یہ دونوں آدمی ابوبصیر کو لے کر روانہ ہوئے جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو دم لینے کے لئے وہاں ٹھہر گئے اور جو کھجوریں ساتھ تھیں وہ کھانے لگے۔ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک سے کہا کہ تمہاری تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے اُس نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا ہاں خدا کی قسم یہ نہایت عمدہ تلوار ہے،بار ہا میں اس کو آزما چکا ہوں۔

ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے کہا ذرا مجھ کو بھی دکھلاؤ۔ اس شخص نے تلوار ابوبصیر کو دے دی ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی اس پر ایک وار کیا جس سے وہ تو ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرا شخص یہ واقعہ دیکھتے ہی فوراً بھاگا اور سیدھا مدینہ پہنچا، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا ساتھی تو مارا گیا اور میں بھی اب مارا جانے والا ہوں۔

اس کے بعد ابوبصیر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے عہد کو پورا کیا، آپ تو مجھ کو ان کے حوالہ فرما چکے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اُن سے نجات دی۔

یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ اگر میں مکہ واپس چلا جاؤں تو یہ لوگ مجھ کو دین اسلام سے پھر جانے پر مجبور کریں گے یہ جو کچھ میں نے کیا وہ فقط اس لئے کیا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

بڑا ہی لڑائی کا بھڑکانے والا ہے اگر کوئی اس کا ساتھی ہو، ابوبصیر سمجھ گئے کہ اگر میں یہاں رہا تو آپ مجھ کو پھر کفار کے حوالہ کر دیں گے اس لئے مدینہ سے نکل کر ساحل بحر پر جا کر ٹھہر گئے جس راستے سے قریش کے کاروان تجارت شام کو آتے تھے۔ مکہ کے بیکس اور بے بس مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا۔ تو چھپ چھپ کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے لگے اور سہیل بن عمرو کے بیٹے ابوجندل بھی وہیں پہنچ گئے اس طرح ستر آدمیوں کا ایک جتھا وہاں جمع ہو گیا قریش کا جو قافلہ وہاں سے گزرتا اس سے تعرض کرتے اور جو مال غنیمت ان سے حاصل ہوتا اس سے گزر اوقات کرتے۔

قریش نے مجبور ہو کر آپ کی خدمت میں آدمی بھیجے کہ ہم آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ لے کر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ابوبصیر اور ان کی اور جماعت کو مدینہ بلا لیں۔ اور جو شخص ہم میں سے مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا ہم اس سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔

آپ نے ایک والا نامہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو لکھوا کر روانہ کیا جس وقت آپ کا والا نامہ پہنچا اس وقت ابوبصیر اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ آپ کا والا نامہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا گیا پڑھتے جاتے اور خوش ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ جان بحق تسلیم ہوئے اور والا نامہ اُن کے سینہ پر تھا۔ (12)

اور ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ میں تھا۔ (13)

ابوجندل بن سہیل نے ابوبصیر کی تجہیز و تکفین کی اور اسی جگہ اُن کو دفن کیا اور قریب میں ایک مسجد بنائی اور بعد ازاں ابو جندل اپنے تمام رفقاء کو لے کر مدینہ حاضر ہوئے۔ سہیل بن عمرو کو جب اُس شخص کے قتل کی خبر پہنچی جس کو ابوبصیر نے قتل کیا تھا۔ وہ شخص سہیل کے قبیلہ کا تھا سہیل نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی دیت کا مطالبہ کرے۔ ابوسفیان نے کہا محمد

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کی دیت کا مطالبہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ آپ نے اپنا عہد پورا کیا اور ابوبصیر کو تمہارے قاصد کے حوالہ کر دیا۔ اور ابوبصیر نے آپ کے حکم سے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ از خود قتل کیا۔ اور اس دیت کا مطالبہ ابوبصیر کے خاندان اور قبیلہ سے بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ ابوبصیر ان کے دین پر نہیں (14)

معاہدہ کے بعد جو مسلمان مرد مکہ سے بھاگ کر مدینہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو از روئے معاہدہ واپس کر دیا بعد چندے کچھ مسلمان عورتیں ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچیں۔ اہل مکہ نے از روئے معاہدہ ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے اُن کی واپسی سے منع فرمایا اور یہ ظاہر کر دیا کہ واپسی کی شرط مردوں کے ساتھ مخصوص تھی عورتیں اس شرط میں داخل نہ تھیں۔ چنانچہ بعض روایتوں میں یہ لفظ ہیں۔ لا یاتیہ رجل الخ نہیں آئے گا آپ کے پاس کوئی مرد مگر آپ اس کو واپس فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ رجل کا لفظ جس کے معنی مرد کے ہیں وہ عورتوں کو کیسے شامل ہوسکتا ہے، مشرکین مکہ عورتوں کو بھی اس میں شامل کرنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا اور خاص اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ (15)

''اے ایمان والو جب مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کا امتحان کرلو کہ کس لئے ہجرت کر کے آئی پس اگر امتحان کر کے تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ واقعہ میں مؤمن ہیں تو پھر ان کو کافروں کی طرف واپس مت کرو یہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ کافر ان کے لئے حلال ہیں اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ ان کو ادا کرو اور تمھارے لئے کوئی حرج نہیں کہ ان مہاجر عورتوں کو مہر دے کر ان سے نکاح کرلو اور اے مسلمانو تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو اور طلب کرلو کافروں سے جو تم نے خرچ کیا ہے اور کافر مانگ لیں جو انھوں نے خرچ کیا ہے یہ اللہ کا حکم ہے جو تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت کافروں کی طرف چلی جائے پھر تمہاری نوبت آئے تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئی ہیں تو جتنا مہر انھوں نے اپنی بیبیوں پر خرچ کیا تھا اس کی برابر ان کو دے دو اور ڈرو اس خدا سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔''

اس کے بعد کفار بھی خاموش ہو گئے اور عورتوں کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا۔

سلاطین کے نام دعوت اسلام

6ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد جب جنگ وجدال کے خطرات ٹل گئے اور ہر طرف امن وسکون کی فضا پیدا ہوگئی تو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کا دائرہ صرف خطۂ عرب ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روم کے بادشاہ "قیصر" فارس کے بادشاہ "کسریٰ" حبشہ کے بادشاہ "نجاشی'' مصر کے بادشاہ "عزیز'' اور دوسرے سلاطین عرب وعجم کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کون کون حضرات ان خطوط کو لے کر کن کن بادشاہوں کے دربار میں گئے؟ ان کی فہرست کافی طویل ہے مگر ایک ہی دن چھ خطوط لکھوا کر اور اپنی مہر لگا کر جن چھ قاصدوں کو جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمایا وہ یہ ہیں۔

① حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ہرقل قیصر روم کے دربار میں
② حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مقوقس عزیز مصر
③ حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ ہوذہ بادشاہ یمامہ
④ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ خسرو پرویز شاہ ایران
⑤ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نجاشی بادشاہ حبشہ
⑥ حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ حارث غسانی والی غسان

نامہ مبارک اور قیصر

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقدس خط لے کر "بصریٰ" تشریف لے گئے اور وہاں قیصر روم کے گورنر شام حارث غسانی کو دیا۔ اس نے اس نامہ مبارک کو "بیت المقدس" بھیج دیا۔ کیونکہ قیصر روم "ہرقل" ان دنوں بیت المقدس کے دورہ پر آیا ہوا تھا۔ قیصر کو جب یہ مبارک خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ قریش کا کوئی آدمی ملے تو اس کو ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ قیصر کے حکام نے تلاش کیا تو اتفاق سے ابوسفیان اور عرب کے کچھ دوسرے تاجر مل گئے۔ یہ سب لوگ قیصر کے دربار میں لائے گئے۔ قیصر نے بڑے طمطراق کے ساتھ دربار منعقد کیا اور تاج شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا۔ اور تخت کے گرد اراکین سلطنت، بطارقہ اور احبار ورہبان وغیرہ صف باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ اسی حالت میں عرب کے تاجروں کا گروہ دربار میں حاضر کیا گیا اور شاہی محل کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔ پھر قیصر نے ترجمان کو بلایا اور اس کے ذریعہ گفتگو شروع کی۔ سب سے پہلے قیصر نے یہ سوال کیا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے ان کا سب سے

قریبی رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ "میں" قیصر نے ان کو سب سے آگے کیا اور دوسرے عربوں کو ان کے پیچھے کھڑا کیا اور کہا کہ دیکھو! اگر ابوسفیان کوئی غلط بات کہے تو تم لوگ اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔ پھر قیصر اور ابوسفیان میں جو مکالمہ ہوا وہ یہ ہے:

قیصر — مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان — ان کا خاندان شریف ہے۔

قیصر — کیا اس خاندان میں ان سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان — نہیں۔

قیصر — کیا ان کے باپ داداؤں میں کوئی بادشاہ تھا؟

ابوسفیان — نہیں۔

قیصر — جن لوگوں نے ان کا دین قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان — کمزور لوگ ہیں۔

قیصر — ان کے متبعین بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں؟

ابوسفیان — بڑھتے جا رہے ہیں۔

قیصر — کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہو کر پھر اس کو ناپسند کر کے پلٹ بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان — نہیں۔

قیصر — کیا نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے تم لوگ انہیں جھوٹا سمجھتے تھے؟

ابوسفیان — نہیں۔

قیصر — کیا وہ کبھی عہد شکنی اور وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں؟

ابوسفیان — ابھی تک تو نہیں کی ہے لیکن اب ہمارے اور ان کے درمیان (حدیبیہ) میں جو ایک نیا معاہدہ ہوا ہے معلوم نہیں اس میں وہ کیا کریں گے؟

قیصر — کیا کبھی تم لوگوں نے ان سے جنگ بھی کی؟

ابوسفیان — ہاں۔

قیصر   نتیجہ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان   کبھی ہم جیتے، کبھی وہ۔

قیصر   وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتے ہیں؟

ابوسفیان   وہ کہتے ہیں کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ، بتوں کو چھوڑو، نماز پڑھو، سچ بولو، پاک دامنی اختیار کرو، رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اس سوال و جواب کے بعد قیصر نے کہا کہ تم نے ان کو خاندانی شریف بتایا اور تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے کہ ہمیشہ پیغمبر اچھے خاندانوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ ان کے خاندان میں کبھی کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ شخص اوروں کی نقل اتار رہا ہے۔ تم نے اقرار کیا ہے کہ ان کے خاندان میں کبھی کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو میں سمجھ لیتا کہ یہ شخص اپنے آباء واجداد کی بادشاہی کا طلبگار ہے۔ تم مانتے ہو کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے وہ کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولے تو جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا بھلا وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے؟ تم کہتے ہو کہ کمزور لوگوں نے ان کے دین کو قبول کیا ہے۔ تو سن لو ہمیشہ ابتداء میں پیغمبروں کے متبعین مفلس اور کمزور ہی لوگ ہوتے رہے ہیں۔ تم نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کی پیروی کرنے والے بڑھتے ہی جا رہے ہیں تو ایمان کا معاملہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے کہ اس کے ماننے والوں کی تعداد ہمیشہ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ تم کو یہ تسلیم ہے کہ کوئی ان کے دین سے پھر کر مرتد نہیں ہو رہا ہے۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایمان کی شان ایسی ہی ہوا کرتی ہے کہ جب اس کی لذت کسی کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر وہ کبھی نکل نہیں سکتی۔ تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی غداری اور بدعہدی نہیں کی ہے۔ تو رسولوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ کبھی کوئی دغا فریب کا کام کرتے ہی نہیں۔ تم نے ہمیں بتایا کہ وہ خدائے واحد کی عبادت، شرک سے پرہیز، بت پرستی سے ممانعت، پاک دامنی، صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ تو سن لو کہ تم نے جو کچھ کہا ہے اگر یہ صحیح ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کے مالک ہو جائیں گے جہاں اس وقت میرے قدم ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ایک رسول کا ظہور ہونے والا ہے مگر میرا یہ گمان نہیں تھا کہ وہ رسول تم عربوں میں سے ہوگا۔ اگر میں یہ جان لیتا کہ میں ان کی بارگاہ میں پہنچ سکوں گا تو میں تکلیف اٹھا کر وہاں تک پہنچتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو میں ان کا پاؤں دھوتا۔ قیصر نے اپنی اس تقریر کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا جائے۔ نامہ مبارک کی عبارت یہ تھی:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِيمِ، مِنۡ مُحَمَّدٍ عَبۡدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقۡلَ عَظِيمِ الرُّومِ: سَلَامٌ عَلَى

مَنِ اتَّبَعَ الهُدَى، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الإِسْلاَمِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الأَرِيسِيِّينَ " وَ {يَا أَهْلَ الكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لاَ نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

''شروع کرتا ہوں میں خدا کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے یہ خط ''ہرقل'' کے نام ہے جو روم کا بادشاہ ہے۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دو گنا ثواب دے گا۔ اور اگر تو نے روگردانی کی تو تیری تمام رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو خدا نہ بنائیں اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں۔''

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی اس سے اس کے درباری پہلے ہی انتہائی برہم اور بیزار ہو چکے تھے۔ اب یہ خط سنا۔ پھر جب قیصر نے ان لوگوں سے یہ کہا کہ اے جماعت روم! اگر تم اپنی فلاح اور اپنی بادشاہی کی بقا چاہتے ہو تو اس نبی کی بیعت کرلو۔ تو درباریوں میں اس قدر ناراضگی اور بیزاری پھیل گئی کہ وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح بدک بدک کر دربار سے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ مگر چونکہ تمام دروازے بند تھے اس لئے وہ لوگ باہر نہ نکل سکے۔ جب قیصر نے اپنے درباریوں کی نفرت کا یہ منظر دیکھا تو وہ ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا اور اس نے کہا کہ ان درباریوں کو بلاؤ۔ جب سب آ گئے تو قیصر نے کہا کہ ابھی ابھی میں نے تمہارے سامنے جو کچھ کہا۔

اس سے میرا مقصد تمہارے دین کی پختگی کا امتحان لینا تھا تو میں نے دیکھ لیا کہ تم لوگ اپنے دین میں بہت پکے ہو۔ یہ سن کر تمام درباری قیصر کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور ابوسفیان وغیرہ دربار سے نکال دیئے گئے اور دربار برخواست ہو گیا۔ چلتے وقت ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب یقیناً ابو کبشہ کے بیٹے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا معاملہ بہت بڑھ گیا۔ دیکھ لو! رومیوں کا بادشاہ ان سے ڈر رہا ہے۔ (16)

قیصر چونکہ توراۃ و انجیل کا ماہر اور علم نجوم سے واقف تھا اس لئے وہ نبی آخر الزماں کے ظہور سے باخبر تھا اور ابوسفیان کی زبان سے حالات سن کر اس کے دل میں ہدایت کا چراغ روشن ہو گیا تھا۔ مگر سلطنت کی حرص و ہوس کی آندھیوں نے اس چراغ ہدایت کو بجھا دیا اور وہ اسلام کی دولت سے محروم رہ گیا۔

خسرو پرویز کی بددماغی

تقریباً اسی مضمون کے خطوط دوسرے بادشاہوں کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمائے۔شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے دربار میں جب نامہ مبارک پہنچا تو صرف اتنی سی بات پر اس کے غرور اور گھمنڈ کا پارہ اتنا چڑھ گیا کہ اس نے کہا کہ اس خط میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے نام سے پہلے اپنا نام کیوں لکھا ؟ یہ کہہ کر اس نے فرمان رسالت کو پھاڑ ڈالا اور پرزے پرزے کر کے خط کو زمین پر پھینک دیا۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ

مَزَّقَ كِتَابِيْ مَزَّقَ اللهُ مُلْكَهٗ

''اس نے میرے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا خدا اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔''

چنانچہ اس کے بعد ہی خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے رات میں سوتے ہوئے اس کا شکم پھاڑ کر اس کو قتل کر دیا۔اور اس کی بادشاہی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔یہاں تک کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ حکومت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔(17)

نجاشی کا کردار

نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس جب فرمان رسالت پہنچا تو اس نے کوئی بے ادبی نہیں کی۔اس معاملہ میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ اس نجاشی نے اسلام قبول کیا یا نہیں؟ مگر مواہب لدنیہ میں لکھا ہوا ہے کہ یہ نجاشی جس کے پاس اعلان نبوت کے پانچویں سال مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے گئے تھے اور ۶ ھ میں جس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خط بھیجا اور ۹ ھ میں جس کا انتقال ہوا اور مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اس کا نام "اصحمہ" تھا اور یہ بلاشبہ مسلمان ہو گیا تھا۔لیکن اس کے بعد جو نجاشی تخت پر بیٹھا اس کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا۔مگر اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نجاشی کا نام کیا تھا؟ اور اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں؟ مشہور ہے کہ یہ دونوں مقدس خطوط اب تک سلاطین حبشہ کے پاس موجود ہیں اور وہ لوگ اس کا بے حد ادب واحترام کرتے ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(18)

شاہ مصر کا برتاؤ

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "مقوقس" مصر واسکندریہ کے بادشاہ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔یہ نہایت ہی اخلاق کے ساتھ قاصد سے ملا اور فرمانِ نبوی کو بہت ہی تعظیم وتکریم کے ساتھ پڑھا۔مگر مسلمان نہیں ہوا۔ہاں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چند چیزوں کا تحفہ بھیجا۔ دو لونڈیاں ایک حضرت "ماریہ قبطیہ" رضی اللہ عنہا تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں داخل ہوئیں اور انہیں کے شکم مبارک سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ دوسری حضرت "سیرین" رضی اللہ عنہا تھیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔ ان کے بطن سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ان دونوں لونڈیوں کے علاوہ ایک سفید گدھا جس کا نام "یعفور" تھا اور ایک سفید خچر جو دُلدل کہلاتا تھا، ایک ہزار مثقال سونا، ایک غلام، کچھ شہد، کچھ کپڑے بھی تھے۔

بادشاہ یمامہ کا جواب

حضرت سلیط رضی اللہ عنہ جب "ہوذہ" بادشاہ یمامہ کے پاس خط لے کر پہنچے تو اس نے بھی قاصد کا احترام کیا۔ لیکن اسلام قبول نہیں کیا اور جواب میں یہ لکھا کہ آپ جو باتیں کہتے ہیں وہ نہایت اچھی ہیں۔ اگر آپ اپنی حکومت میں سے کچھ مجھے بھی حصہ دیں تو میں آپ کی پیروی کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا کہ اسلام ملک گیری کی ہوس کے لئے نہیں آیا ہے اگر زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا۔ (19)

حارث غسانی کا گھمنڈ

حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے جب حارث غسانی والی غسان کے سامنے نامۂ اقدس کو پیش کیا تو وہ مغرور خط کو پڑھ کر برہم ہو گیا اور اپنی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مدینہ کے مسلمان ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہنے لگے۔ اور بالآخر "غزوہ موتہ" اور "غزوہ تبوک" کے واقعات درپیش ہوئے جن کا مفصل تذکرہ ہم آگے تحریر کریں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بادشاہوں کے علاوہ اور بھی بہت سے سلاطین و امراء کو دعوت اسلام کے خطوط تحریر فرمائے جن میں سے کچھ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کچھ خوش نصیبوں نے اسلام قبول کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں نیاز مندیوں سے بھرے ہوئے خطوط بھی بھیجے۔ مثلاً یمن کے شاہان حمیر میں سے جن جن بادشاہوں نے مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں عرضیاں بھیجیں جو غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں ان بادشاہوں کے نام یہ ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بادشاہوں کے علاوہ اور بھی بہت سے سلاطین و امراء کو دعوت اسلام کے خطوط تحریر فرمائے جن میں سے کچھ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کچھ خوش نصیبوں نے اسلام قبول کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

خدمت اقدس میں نیاز مندیوں سے بھرے ہوئے خطوط بھی بھیجے۔ مثلاً یمن کے شاہان حمیر میں سے جن جن بادشاہوں نے مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں عرضیاں بھیجیں جو غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں ان بادشاہوں کے نام یہ ہیں:

① حارث بن عبد کلال
② نعیم بن عبد کلال
③ نعمان حاکم ذو رعین ومعافر وہمدان
④ زرعہ

یہ سب یمن کے بادشاہ ہیں۔

ان کے علاوہ "فروہ بن عمرو" جو کہ سلطنت روم کی جانب سے گورنر تھا۔ اپنے اسلام لانے کی خبر قاصد کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں بھیجی۔ اس طرح "باذان" جو بادشاہ ایران کسریٰ کی طرف سے صوبہ یمن کا صوبہ دار تھا اپنے دو بیٹوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور ایک عرضی تحریر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اسلام کی خبر دی۔ ان سب کا مفصل تذکرہ "سیرت ابن ہشام و زرقانی و مدارج النبوۃ" وغیرہ میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ "فروہ بن عمرو" جو کہ سلطنت روم کی جانب سے گورنر تھا۔ اپنے اسلام لانے کی خبر قاصد کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں بھیجی۔ اس طرح باذان جو بادشاہ ایران کسریٰ کی طرف سے صوبہ یمن کا صوبہ دار تھا اپنے دو بیٹوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور ایک عرضی تحریر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اسلام کی خبر دی۔

سریۂ نجد

6ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر نجد کی جانب روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اُثال کو گرفتار کر لیا اور مدینہ لائے۔ جب لوگوں نے ان کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو مسجد نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیا جائے۔ چنانچہ یہ ستون میں باندھ دیئے گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ اے ثمامہ! تمہارا کیا حال ہے؟ اور تم اپنے بارے میں کیا گمان رکھتے ہو؟ ثمامہ نے جواب دیا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا حال اور خیال تو اچھا ہی ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک خونی آدمی کو قتل کریں گے اور اگر مجھے اپنے انعام سے نواز کر چھوڑ دیں گے تو ایک شکر گزار کو چھوڑیں گے اور اگر آپ مجھ سے کچھ مال کے طلبگار ہوں تو بتا دیجئے۔ آپ کو مال دیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ گفتگو کر کے چلے آئے۔ پھر دوسرے روز بھی

یہی سوال و جواب ہوا۔ پھر تیسرے روز بھی یہی ہوا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ چنانچہ لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔

ثمامہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کے باغ میں چلے گئے جو مسجد نبوی کے قریب ہی میں تھا۔ وہاں انہوں نے غسل کیا۔ پھر مسجد نبوی میں واپس آئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم! مجھے جس قدر آپ کے چہرہ سے نفرت تھی اتنی روئے زمین پر کسی کے چہرہ سے نہ تھی۔ مگر آج آپ کے چہرہ سے مجھے اس قدر محبت ہو گئی ہے کہ اتنی محبت کسی کے چہرہ سے نہیں ہے۔ کوئی دین میری نظر میں اتنا ناپسند نہ تھا جتنا آپ کا دین لیکن آج کوئی دین میری نظر میں اتنا محبوب نہیں ہے جتنا آپ کا دین۔ کوئی شہر میری نگاہ میں اتنا برا نہ تھا جتنا آپ کا شہر اور اب میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ آپ کے شہر سے زیادہ مجھے کوئی شہر محبوب نہیں ہے۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عمرہ ادا کرنے کے ارادہ سے مکہ جا رہا تھا کہ آپ کے لشکر نے مجھے گرفتار کر لیا۔ اب آپ میرے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا مژدہ سنایا اور پھر حکم دیا کہ تم مکہ جا کر عمرہ ادا کر لو!

جب یہ مکہ پہنچے اور طواف کرنے لگے تو قریش کے کسی کافر نے ان کو دیکھ کر کہا کہ اے ثمامہ! تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت جرأت کے ساتھ جواب دیا کہ میں بے دین نہیں ہوا ہوں بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور اے اہل مکہ! سن لو! اب جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت نہ دیں گے تم لوگوں کو ہمارے وطن سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں مل سکے گا۔ مکہ والوں کے لئے ان کے وطن "یمامہ" ہی سے غلہ آیا کرتا تھا۔ (20)

ابو رافع قتل کر دیا گیا

٦ ھ کے واقعات میں سے ابو رافع یہودی کا قتل بھی ہے۔ ابو رافع یہودی کا نام عبداللہ بن ابی الحقیق یا سلام بن الحقیق تھا۔ یہ بہت ہی دولت مند تاجر تھا لیکن اسلام کا زبردست دشمن اور بارگاہ نبوت کی شان میں نہایت ہی بدترین گستاخ اور بے ادب تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو حیی بن اخطب یہودی کے ساتھ مکہ گیا اور کفار قریش اور دوسرے قبائل کو جوش دلا کر غزوۂ خندق میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے دس ہزار کی فوج لے کر آیا تھا اور ابو سفیان کو اُبھار کر اسی نے اس فوج کا سپہ سالار بنایا تھا۔ حیی بن اخطب تو جنگ خندق کے بعد غزوہ بنی قریظہ میں مارا گیا تھا مگر یہ بچ نکلا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں تن، من، دھن سے لگا ہوا تھا۔ انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج میں ہمیشہ مقابلہ رہتا تھا اور یہ دونوں اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

چونکہ قبیلہ اوس کے لوگوں حضرت محمد بن مسلمہ وغیرہ نے ۳ھ میں بڑے خطرہ میں پڑ کر ایک دشمن رسول "کعب بن اشرف یہودی" کو قتل کیا تھا۔ اس لئے قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن "ابورافع" رہ گیا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو چاہئے کہ اس کو قتل کر ڈالیں تا کہ ہم لوگ بھی قبیلہ اوس کی طرح ایک دشمن رسول کو قتل کرنے کا اجر وثواب حاصل کر لیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عتیک وعبداللہ بن انیس و ابوقتادہ و حارث بن ربعی ومسعود بن سنان وخزاعی بن اسود رضی اللہ عنہم اس کے لئے مستعد اور تیار ہوئے۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو اس جماعت کا امیر مقرر فرما دیا اور ان لوگوں کو منع کر دیا کہ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔(21)

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ ابورافع کے محل کے پاس پہنچے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم لوگ یہاں بیٹھ کر میری آمد کا انتظار کرتے رہو اور خود بہت ہی خفیہ تدبیروں سے رات میں اس کے محل کے اندر داخل ہو گئے اور اس کے بستر پر پہنچ کر اندھیرے میں اس کو قتل کر دیا۔ جب محل سے نکلنے لگے تو سیڑھی سے گر پڑے جس سے ان کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مگر انہوں نے فوراً ہی اپنی پگڑی سے اپنے ٹوٹے ہوئے پاؤں کو باندھ دیا اور کسی طرح محل سے باہر آ گئے۔ پھر اپنے ساتھیوں کی مدد سے مدینہ پہنچے۔ جب دربار رسالت میں حاضر ہو کر ابورافع کے قتل کا سارا ماجرا بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "پاؤں پھیلاؤ" انہوں نے پاؤں پھیلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے پاؤں پر پھرا دیا۔ فوراً ہی ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ گئی اور ان کا پاؤں بالکل صحیح وسالم ہو گیا۔(22)

۶ھ میں صلح حدیبیہ سے قبل چند چھوٹے چھوٹے لشکروں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اطراف میں روانہ فرمایا تا کہ وہ کفار کے حملوں کی مدافعت کرتے رہیں۔ ان لڑائیوں کا مفصل تذکرہ زرقانی علی المواہب اور مدارج النبوۃ وغیرہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ مگر ان لڑائیوں کی ترتیب اور ان کی تاریخوں میں مؤرخین کا بڑا اختلاف ہے۔ اس لئے ٹھیک طور پر ان کی تاریخوں کی تعیین بہت مشکل ہے۔ ان واقعات کا چیدہ چیدہ بیان حدیثوں میں موجود ہے مگر حدیثوں میں بھی ان کی تاریخیں مذکور نہیں ہیں۔ البتہ بعض قرائن وشواہد سے اتنا پتا چلتا ہے کہ یہ سب صلح حدیبیہ سے قبل کے واقعات ہیں۔ ان لڑائیوں میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(۱) سریۂ قرطاء (۲) غزوۂ بنی لحیان (۳) سریۃ الغمر (۴) سریۂ زید بجانب جموم (۵) سریۂ زید بجانب عیص (۶) سریۂ زید بجانب ودی القریٰ (۷) سریۂ علی بجانب بنی سعد (۸) سریۂ زید بجانب ام قرفہ (۹) سریۂ ابن رواحہ

(۱۰) سریہ ابن مسلمہ (۱۱) سریہ زید بجانب طرف (۱۲) سریہ عکل وعرینہ (۱۳) بعث ضمری۔ ان لڑائیوں کے ناموں میں بھی اختلاف ہے۔ ہم نے یہاں ان لڑائیوں کے مذکورہ بالا نام زرقانی علی المواہب کی فہرست سے نقل کئے ہیں۔ (23)

حوالہ جات

1۔ رواہ البیہقی فی الدلائل

2 فتح الباری کتاب الشروط وطبقات ابن سعد ۲ ص ۶۹ ج ۲

3۔ فتح الباری ج ۵ ص ۲۴۲-۲۴۵

4۔ زرقانی، ج 2، ص 207، 208

5۔ الفتح: 19

6۔ فتح الباری ص ۳۴۵ ج ۷

7۔ زرقانی ج ۲ ص ۱۹۲

8۔ زرقانی، ج ۲، ص ۱۹۳

9۔ طبقات ابن سعد ج 2 ص 71

10۔ رواہ احمد وابوداؤد، والحاکم

11۔ فتح الباری ج ۵ ص ۲۴۲۔ زرقانی ج ۲ ص 21

12۔ کما رواہ السہیلی ص ۲۳۳ ج ۲

13 کما ذکرہ الحافظ فی الفتح

14. فتح الباری کتاب الشروط

15۔ الممتحنہ: 10-11

16۔ بخاری ج ۱ ص ۴ تا ۵، مدارج ج ۲ ص ۲۲۱

17۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۵

18۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۰

19۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۹

20۔ بخاری ج ۲ ص ۶۲۷

21۔ زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۱۶۳

22۔ بخاری ج ۱ ص ۲۲۴

23۔ زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۳۵۰

نجاشی شاہ حبشہ سفیر عمرو بن امیہ ضمری نتیجہ: قبول اسلام

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ کا کونسا معجزہ ظاہر ہوا۔

....

....

2. سہیل بن عمرو کے دیکھ آپ ﷺ نے کیا فرمایا تھا؟

....

....

3. حضور ﷺ نے جب بسم اللہ لکھوائی تو سہیل نے کیا کہا تھا؟

....

....

4. حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو کیا مشورہ دیا تھا؟

....

....

5. کیا قیصر ایمان لے آیا تھا؟

....

....

6. ابورافع اور کعب بن اشرف کو کس نے قتل کیا تھا؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. یہ سب یمن کے ہیں۔

گورنر ☐ ‏ وزیر ☐ ‏ مشیر ☐ ‏ بادشاہ ☐

2. ایک سفید جس کا نام یعفور تھا

گھوڑا ☐ ‏ خچر ☐ ‏ گدھا ☐ ‏ ہاتھی ☐

3. یہ سن کر تمام درباری کے سامنے سجدہ میں گر پڑے

کسریٰ ☐ ‏ خسرو ☐ ‏ قیصر ☐ ‏ پرویز ☐

4. سہیل آ گیا، لو! اب تمہارا معاملہ ہو گیا

صعب ☐ ‏ سہل ☐ ‏ گھمبیر ☐ ‏ الجھ ☐

5. لہٰذا تم لوگ قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دو اور سب لوگ پڑھنا شروع کر دو۔

مرثیہ ☐ ‏ لبیک ☐ ‏ کلمہ ☐ ‏ درود شریف ☐

6. فریقین کے درمیان سال تک لڑائی بالکل موقوف رہے گی۔

بیس ☐ ‏ دس ☐ ‏ پانچ ☐ ‏ دو ☐

مقوقس شاہ مصر سفیر حاطب بن بلتعہ نتیجہ: اکرام اورارسال ہدایا

المنذر ابن ساوی والی بحرین سفیر علاء بن حضرمی نتیجہ: قبول اسلام

سبق نمبر
17

ہجرت کا ساتواں سال
غزوہ خیبر اور عمرۃ القضاء

خلاصۂ سبق

7 ہجری میں صرف ایک غزوہ خیبر ہوا اور پانی سرایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمائے۔ اور خیبر کے بعد اس سال کے اوائل (Early in the Ear) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اور اس سال کے آخر میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آئیں، اس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمرہ کی جو صلح حدیبیہ میں چھوڑ دیا گیا تھا، قضاء فرمائی۔

غزوۂ ذات القرد

مدینہ کے قریب "ذات القرد" ایک چراگاہ کا نام ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنیاں چرتی تھیں۔ عبدالرحمٰن بن عیینہ فزاری نے جو قبیلہ غطفان سے تعلق رکھتا تھا اپنے چند آدمیوں کے ساتھ ناگہاں اس چراگاہ پر چھاپہ مارا اور یہ لوگ بیس اونٹنیوں کو پکڑ کر لے بھاگے۔ مشہور تیرانداز صحابی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے اس کی خبر معلوم ہوئی۔ انہوں نے اس خطرہ کا اعلان کرنے کے لئے بلند آواز سے یہ نعرہ مارا کہ **یا صباحاہ** پھر اکیلے ہی ان ڈاکوؤں کے تعاقب میں دوڑ پڑے اور ان ڈاکوؤں کو تیر مار مار کر تمام اونٹنیوں کو بھی چھین لیا اور ڈاکو بھاگتے ہوئے جو تیس چادریں پھینکتے گئے تھے ان چادروں پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر لے کر پہنچے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ!

میں نے ان چھاپہ ماروں کوابھی تک پانی نہیں پینے دیا ہے۔ یہ سب پیاسے ہیں۔ان لوگوں کے تعاقب میں لشکر بھیج دیجئے تو یہ سب گرفتار ہوجائیں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی اونٹنیوں کے مالک ہو چکے ہو۔اب ان لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو اپنے اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور مدینہ واپس تشریف لائے۔حضرت امام بخاری کا بیان ہے کہ یہ غزوہ جنگ خیبر کے لئے روانہ ہونے سے تین دن قبل ہوا۔(1)

جنگ خیبر

"خیبر" مدینہ سے آٹھ منزل کی دوری پر ایک شہر ہے۔ایک انگریز سیاح نے لکھا ہے کہ خیبر مدینہ سے تین سو بیس کیلومیٹر دور ہے۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ تھا اور یہاں عمدہ کھجوریں بکثرت پیدا ہوتی تھیں۔عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز یہی خیبر تھا۔ یہاں کے یہودی عرب میں سب سے زیادہ مالدار اور جنگجو تھے اور ان کو اپنی مالی اور جنگی طاقتوں پر بڑا ناز اور گھمنڈ بھی تھا۔ یہ لوگ اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن تھے۔ یہاں یہودیوں نے بہت سے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جن میں سے بعض کے آثار اب تک موجود ہیں۔ان میں سے آٹھ قلعے بہت مشہور ہیں۔جن کے نام یہ ہیں:

① کتیبہ ② ناعم ③ شق ④ قموص ⑤ نطارہ ⑥ صعب ⑦ سطیخ ⑧ سلالم۔

درحقیقت یہ آٹھوں قلعے آٹھ محلوں کے مثل تھے اور انہی آٹھوں قلعوں کا مجموعہ "خیبر" کہلاتا تھا۔(2)

غزوۂ خیبر کب ہوا؟

تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ خیبر محرم کے مہینے میں ہوئی۔لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ۶ ھ تھا یا ۷ ھ۔غالباً اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ سن ہجری کی ابتدا محرم سے کرتے ہیں۔اس لئے ان کے نزدیک محرم میں ۷ ھ شروع ہوگیا اور بعض لوگ سن ہجری کی ابتدا ربیع الاوّل سے کرتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت ربیع الاول میں ہوئی۔لہٰذا ان لوگوں کے نزدیک یہ محرم وصفر ۶ ھ کے تھے۔واللہ اعلم۔

جنگ خیبر کا سبب

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جنگِ خندق میں جن جن کفار عرب نے مدینہ پر حملہ کیا تھا ان میں خیبر کے یہودی بھی تھے۔ بلکہ درحقیقت وہی اس حملہ کے بانی اور سب سے بڑے محرک تھے۔ چنانچہ "بنونضیر" کے یہودی جب مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تو یہودیوں کے جو رؤسا خیبر چلے گئے تھے ان میں سے حیی بن اخطب اور ابورافع سلام بن ابی الحقیق نے تو مکہ جا کر

کفارِ قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا اور تمام قبائل کا دورہ کر کے کفارِ عرب کو جوش دلا کر برانگیختہ کیا اور حملہ آوروں کی مالی امداد کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ اور خیبر کے تمام یہودیوں کو ساتھ لے کر یہودیوں کے یہ دونوں سردار حملہ کرنے والوں میں شامل رہے۔ حیی بن اخطب تو جنگ قریظہ میں قتل ہو گیا اور ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کو ۶ ھ میں حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کے محل میں داخل ہو کر قتل کر دیا۔ لیکن ان سب واقعات کے بعد بھی خیبر کے یہودی بیٹھ نہیں رہے بلکہ اور زیادہ انتقام کی آگ ان کے سینوں میں بھڑکنے لگی۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ پر پھر ایک دوسرا حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے اور اس مقصد کے لئے قبیلہ غطفان کو بھی آمادہ کر لیا۔ قبیلہ غطفان عرب کا ایک بہت ہی طاقتور اور جنگجو قبیلہ تھا اور اس کی آبادی خیبر سے بالکل ہی متصل تھی اور خیبر کے یہودی خود بھی عرب کے سب سے بڑے سرمایہ دار ہونے کے ساتھ بہت ہی جنگ باز اور تلوار کے دھنی تھے۔ ان دونوں کے گٹھ جوڑ سے ایک بڑی طاقتور فوج تیار ہو گئی اور ان لوگوں نے مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو تہس نہس کر دینے کا پلان بنا لیا۔

مسلمان خیبر چلے

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ خیبر کے یہودی قبیلۂ غطفان کو ساتھ لے کر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو ان کی اس چڑھائی کو روکنے کے لئے سولہ سو صحابہ کرام کا لشکر ساتھ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر روانہ ہوئے۔ مدینہ پر حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو افسر مقرر فرمایا اور تین جھنڈے تیار کرائے۔ ایک جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک جھنڈے کا علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بنایا اور خاص علم نبوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک میں عنایت فرمایا اور ازواجِ مطہرات میں سے حضرت بی بی اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت حدودِ خیبر میں اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ پہنچ گئے اور نماز فجر کے بعد شہر میں داخل ہوئے تو خیبر کے یہودی اپنے اپنے ہنسیا اور ٹوکری لے کر کھیتوں اور باغوں میں کام کاج کے لئے قلعہ سے نکلے۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو شور مچانے لگے اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ "خدا کی قسم! لشکر کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔" اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خیبر برباد ہو گیا۔ بلاشبہ ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو کفار کی صبح بری ہو جاتی ہے۔ (3)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت ہی بلند آوازوں سے نعرۂ تکبیر لگانے لگے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اوپر نرمی برتو۔ تم لوگ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس (اللہ) کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے پیچھے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ

اِلَّا بِاللّٰہِ کا وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو مجھ کو پکارا اور فرمایا کہ کیا میں تم کو ایک ایسا کلمہ نہ بتا دوں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ "کیوں نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان!" تو فرمایا کہ وہ کلمہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ہے(4)

یہودیوں کی تیاری

یہودیوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ قلعہ میں پہنچادیا اور راشن کا ذخیرہ قلعہ "ناعم" میں جمع کر دیا اور فوجوں کو "نطاۃ" اور "قموص" کے قلعوں میں اکٹھا کیا۔ ان میں سب سے زیادہ مضبوط اور محفوظ قلعہ "قموص" تھا اور "مرحب یہودی" جو عرب کے پہلوانوں میں ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ سلام بن مشکم یہودی گو بیمار تھا مگر وہ بھی قلعہ "نطاۃ" میں فوجیں لے کر ڈٹا ہوا تھا۔ یہودیوں کے پاس تقریباً بیس ہزار فوج تھی جو مختلف قلعوں کی حفاظت کے لئے مورچہ بندی کئے ہوئے تھی۔:

محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے

سب سے پہلے قلعہ "ناعم" پر معرکہ آرائی اور جم کر لڑائی ہوئی۔ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بہادری اور جاں نثاری کے ساتھ جنگ کی مگر سخت گرمی اور لو کے تھپیڑوں کی وجہ سے ان پر پیاس کا غلبہ ہو گیا۔ وہ قلعہ ناعم کی دیوار کے نیچے سو گئے۔ کنانہ بن ابی الحقیق یہودی نے ان کو دیکھ لیا اور چھت سے ایک بہت بڑا پتھر ان کے اوپر گرا دیا جس سے ان کا سر کچل گیا اور یہ شہید ہو گئے۔ اس قلعہ کو فتح کرنے میں پچاس مسلمان زخمی ہو گئے، لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔

اسود راعی کی شہادت

حضرت اسود راعی رضی اللہ عنہ اسی قلعہ کی جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کا واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک حبشی تھے جو خیبر کے کسی یہودی کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جب یہودی جنگ کی تیاریاں کرنے لگے تو انہوں نے پوچھا کہ آخر تم لوگ کس سے جنگ کے لئے تیاریاں کر رہے ہو؟ یہودیوں نے کہا کہ آج ہم اس شخص سے جنگ کریں گے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ سن کر ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کا جذبہ پیدا ہوا۔ چنانچہ یہ بکریاں لئے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام پیش فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے خداوند تعالیٰ کی طرف سے کیا اجر و ثواب ملے گا؟ آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو جنت اور اس کی نعمتیں ملیں گی۔ انہوں نے فوراً ہی کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ﷺ یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں۔ اب میں ان کو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان بکریوں کو قلعہ کی طرف ہانک دو اور ان کو کنکریوں سے مارو۔ یہ سب خود بخود اپنے مالک کے گھر پہنچ جائیں گی۔ چنانچہ یہ حضور ﷺ کا معجزہ تھا کہ انہوں نے بکریوں کو کنکریاں مار کر ہانک دیا اور وہ سب اپنے مالک کے گھر پہنچ گئیں۔

اس کے بعد یہ خوش نصیب حبشی ہتھیار پہن کر مجاہدین اسلام کی صف میں کھڑا ہو گیا اور انتہائی جوش و خروش کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ جب حضور ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ عَمِلَ قَلِيلاً وَ أُجِرَ كَثِيرًا۔ یعنی اس شخص نے بہت ہی کم عمل کیا اور بہت زیادہ اجر دیا گیا۔ پھر حضور ﷺ نے ان کی لاش کو خیمہ میں لانے کا حکم دیا اور ان کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے یہ بشارت سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کالے چہرہ کو حسین بنا دیا، اس کے بدن کو خوشبودار بنا دیا اور دو حوریں اس کو جنت میں ملیں۔ اس شخص نے ایمان اور جہاد کے سوا کوئی دوسرا عمل خیر نہیں کیا، نہ ایک وقت کی نماز پڑھی، نہ ایک روزہ رکھا، نہ حج و زکوٰۃ کا موقعہ ملا مگر ایمان اور جہاد کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ (5)

اسلامی لشکر کا ہیڈ کوارٹر

حضور ﷺ کو پہلے ہی سے یہ علم تھا کہ قبیلہ غطفان والے ضرور ہی خیبر والوں کی مدد کو آئیں گے۔ اس لئے آپ ﷺ نے خیبر اور غطفان کے درمیان مقام "رجیع" میں اپنی فوجوں کا ہیڈ کوارٹر بنایا اور خیموں، بار برداری کے سامانوں اور عورتوں کو بھی یہیں رکھا تھا اور یہیں سے نکل نکل کر یہودیوں کے قلعوں پر حملہ کرتے تھے۔ (6)

قلعہ ناعم کے بعد دوسرے قلعے بھی بہ آسانی اور بہت جلد فتح ہو گئے لیکن قلعہ "قموص" چونکہ بہت ہی مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا اور یہاں یہودیوں کی فوجیں بھی بہت زیادہ تھیں اور یہودیوں کا سب سے بڑا بہادر "مرحب" خود اس قلعہ کی حفاظت کرتا تھا اس لئے اس قلعہ کو فتح کرنے میں بڑی دشواری ہوئی۔ کئی روز تک یہ مہم سر نہ ہو سکی۔ حضور ﷺ نے اس قلعہ پر پہلے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمان میں اسلامی فوجوں کو چڑھائی کے لئے بھیجا اور انہوں نے بہت ہی شجاعت اور جاں بازی کے ساتھ حملہ فرمایا مگر یہودیوں نے قلعہ کی فصیل پر سے اس زور کی تیر اندازی اور سنگ باری کی کہ مسلمان قلعہ کے پھاٹک تک نہ پہنچ سکے اور رات ہو گئی۔ دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زبردست حملہ کیا اور مسلمان بڑی گرم جوشی کے ساتھ بڑھ بڑھ کر دن بھر قلعہ پر حملہ کرتے رہے مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ اور کیونکر فتح ہوتا؟ فاتح خیبر ہونا تو علی حیدر رضی اللہ عنہ کے مقدر

میں لکھا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلاً یَفْتَحُ اللہُ عَلٰی یَدَیْہِ یُحِبُّ اللہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یُحِبُّہُ اللہُ وَ رَسُوْلُہٗ قَالَ فَبَاتَ النَّاسُ یَدُوْکُوْنَ لَیْلَتَھُمْ اَیُّھُمْ یُعْطَاھَا(7)

کل میں اس آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا وہ اللہ و رسول کا محب بھی ہے اور محبوب بھی۔

راوی نے کہا کہ لوگوں نے یہ رات بڑے اضطراب میں گزاری کہ دیکھئے کل کس کو جھنڈا دیا جاتا ہے؟ صبح ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خدمت اقدس میں بڑے اشتیاق کے ساتھ یہ تمنا لے کر حاضر ہوئے کہ یہ اعزاز و شرف ہمیں مل جائے۔ اس لئے کہ جس کو جھنڈا ملے گا اس کے لئے تین بشارتیں ہیں:

1. وہ اللہ و رسول کا محب ہے۔
2. وہ اللہ و رسول کا محبوب ہے۔
3. خیبر اس کے ہاتھ سے فتح ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس روز مجھے بڑی تمنا تھی کہ کاش! آج مجھے جھنڈا عنایت ہوتا۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس موقع کے سوا مجھے کبھی بھی فوج کی سرداری اور افسری کی تمنا نہ تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس نعمت عظمٰی کے لئے ترس رہے تھے۔ (8)

لیکن صبح کو اچانک یہ صدا لوگوں کے کان میں آئی کہ علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور ان کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور دعا فرمائی تو فوراً ہی انہیں ایسی شفا حاصل ہوگئی کہ گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنا علم نبوی جو حضرت اُمُّ المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیاہ چادر سے تیار کیا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں عطا فرمایا۔ (9)

اور ارشاد فرمایا کہ تم بڑے سکون کے ساتھ جاؤ اور ان یہودیوں کو اسلام کی دعوت دو اور بتاؤ کہ مسلمان ہو جانے کے بعد تم پر فلاں فلاں اللہ کے حقوق واجب ہیں۔ خدا کی قسم! اگر ایک آدمی نے بھی تمہاری بدولت اسلام قبول کرلیا تو یہ دولت تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ (10)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مرحب کی جنگ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "قلعہ قموص" کے پاس پہنچ کر یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن انہوں نے اس دعوت کا جواب اینٹ اور پتھر اور تیر و تلوار سے دیا۔ اور قلعہ کا رئیس اعظم "مرحب" خود بڑے طنطنہ کے ساتھ نکلا۔ سر پر یمنی زرد رنگ کا ڈھاٹا باندھے ہوئے اور اس کے اوپر پتھر کا خود پہنے ہوئے رجز کا یہ شعر پڑھتے ہوئے حملہ کے لئے آگے بڑھا کہ

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّيْ مُرَحَّبٌ شَاكِيْ السَّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبٌ

خیبر خوب جانتا ہے کہ میں "مرحب" ہوں، اسلحہ پوش ہوں، بہت ہی بہادر اور تجربہ کار ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں رجز کا یہ شعر پڑھا

اَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ اُمِّيْ حَيْدَرَهْ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ میں کچھار کے شیر کی طرح ہیبت ناک ہوں۔

مرحب نے بڑے طمطراق کے ساتھ آگے بڑھ کر حضرت شیر خدا پر اپنی تلوار سے وار کیا مگر آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا پینترا بدلا کہ مرحب کا وار خالی گیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اس کے سر پر اس زور کی تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب سے خود کٹا، مغفر کٹا اور ذوالفقار حیدری سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور تلوار کی مار کا تڑاکہ فوج تک پہنچا اور مرحب زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔ (11)

مرحب کی لاش کو زمین پر تڑپتے ہوئے دیکھ کر اس کی تمام فوج حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑی۔ لیکن ذوالفقار حیدری بجلی کی طرح چمک چمک کر گرتی تھی جس سے صفوں کی صفیں اُلٹ گئیں۔ اور یہودیوں کے مایہ ناز بہادر مرحب، حارث، اسیر، عامر وغیرہ کٹ گئے۔ اسی گھمسان کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال کٹ کر گر پڑی تو آپ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر قلعہ قموص کا پھاٹک اکھاڑ دیا اور کواڑ کو ڈھال بنا کر اس پر دشمنوں کی تلواریں روکتے رہے۔ یہ کواڑ اتنا بڑا اور وزنی تھا کہ بعد کو چالیس آدمی اس کو نہ اٹھا سکے۔ (12)

بے شک حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محب بھی ہیں اور محبوب بھی ہیں۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے خیبر کی فتح عطا فرمائی اور قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو فاتح خیبر کے معزز لقب سے سرفراز فرما دیا اور یہ وہ فتح عظیم ہے جس نے پورے "جزیرۃ العرب" میں یہودیوں کی جنگی طاقت کا جنازہ نکال دیا۔ فتح خیبر سے قبل اسلام یہودیوں اور مشرکین کے گٹھ جوڑ سے نزع کی حالت میں تھا لیکن خیبر فتح ہو جانے کے بعد

اسلام اس خوفناک نزع سے نکل گیا اور آگے اسلامی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی مکہ بھی فتح ہو گیا۔ اس لئے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فاتح خیبر کی ذات سے تمام اسلامی فتوحات کا سلسلہ وابستہ ہے۔ بہر حال خیبر کا قلعہ قموص بیس دن کے محاصرہ اور زبردست معرکہ آرائی کے بعد فتح ہو گیا۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہودی قتل ہوئے اور ۱۵ مسلمان جام شہادت سے سیراب ہوئے۔(13)

خیبر کا انتظام

فتح کے بعد خیبر کی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ بنونضیر کی طرح اہل خیبر کو بھی جلاوطن کر دیں۔ لیکن یہودیوں نے یہ درخواست کی کہ ہم کو خیبر سے نہ نکالا جائے اور زمین ہمارے ہی قبضہ میں رہنے دی جائے۔ ہم یہاں کی پیداوار کا آدھا حصہ آپ کو دیتے رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرما لی۔ چنانچہ جب کھجوریں پک جاتیں اور غلہ تیار ہو جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خیبر بھیج دیتے وہ کھجوروں اور اناجوں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیتے اور یہودیوں سے فرماتے کہ اس میں سے جو حصہ تم کو پسند ہو وہ لے لو۔ یہودی اس عدل پر حیران ہو کر کہتے تھے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔(14)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ خیبر فتح ہو جانے کے بعد یہودیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طور پر صلح فرمائی کہ یہودی اپنا سونا چاندی ہتھیار سب مسلمانوں کے سپرد کر دیں اور جانوروں پر جو کچھ لدا ہوا ہے وہ یہودی اپنے پاس ہی رکھیں مگر شرط یہ ہے کہ یہودی کوئی چیز مسلمانوں سے نہ چھپائیں مگر اس شرط کو قبول کر لینے کے باوجود حیی بن اخطب کا وہ چرمی تھیلا یہودیوں نے غائب کر دیا جس میں بنونضیر سے جلاوطنی کے وقت وہ سونا چاندی بھر کر لایا تھا۔

جب یہودیوں سے پوچھ گچھ کی گئی تو وہ جھوٹ بولے اور کہا کہ وہ ساری رقم لڑائیوں میں خرچ ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا کہ وہ تھیلا کہاں ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس تھیلے کو برآمد کر لیا۔ اس کے بعد (چونکہ کنانہ بن ابی الحقیق نے حضرت محمود بن مسلمہ کو چھت سے پتھر گرا کر قتل کر دیا تھا اس لئے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قصاص میں قتل کرا دیا اور اس کی عورتوں کو قیدی بنا لیا۔(15)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

قیدیوں میں حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ بنونضیر کے رئیس اعظم حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور ان کا شوہر

کنانہ بن ابی الحقیق بھی بنونضیر کا رئیس اعظم تھا۔ جب سب قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے ایک لونڈی مجھ کو عنایت فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اختیار دے دیا کہ خود جا کر کوئی لونڈی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر گزارش کی کہ یارسول اللہ!

اَعْطَیْتَ دِحْیَۃَ صَفِیَّۃَ بِنْتَ حُیَیٍّ سَیِّدَۃَ قُرَیْظَۃَ وَالنَّضِیْرِ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لَکَ(16)

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے صفیہ کو دحیہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا۔ وہ قریظہ اور بنونضیر کی رئیسہ ہے وہ آپ کے سوا کسی اور کے لائق نہیں ہے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اس کے سوا کوئی دوسری لونڈی لے لو۔ اس کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرما لیا اور تین دن تک منزل صہبا میں ان کو اپنے خیمہ میں سرفراز فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت ولیمہ میں کھجور، گھی، پنیر کا مالیدہ کھلایا۔(17)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دیا گیا

فتح کے بعد چند روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر میں ٹھہرے۔ یہودیوں کو مکمل امن و امان عطا فرمایا اور قسم قسم کی نوازشوں سے نوازا مگر اس بد باطن قوم کی فطرت میں اس قدر خباثت بھری ہوئی تھی کہ سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی اور گوشت میں زہر ملا دیا۔ خدا کے حکم سے گوشت کی بوٹی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر کی خبر دی اور آپ نے ایک ہی لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن ایک صحابی حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے شکم سیر کھا لیا اور زہر کے اثر سے ان کی شہادت ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس زہریلے لقمہ سے عمر بھر تالو میں تکلیف رہی۔

آپ نے جب یہودیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو ان ظالموں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور کہا کہ ہم نے اس نیت سے آپ کو زہر کھلایا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ پر اس زہر کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ورنہ ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے تو کبھی کسی سے انتقام لیا ہی نہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب سے کچھ بھی نہیں فرمایا مگر جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کی اسی زہر سے وفات ہو گئی تو ان کے قصاص میں زینب قتل کی گئی۔(18)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے آ گئے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح خیبر سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ مہاجرین حبشہ میں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

بھائی تھے اور مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرط محبت سے ان کی پیشانی چوم لی اور ارشاد فرمایا کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ مجھے خیبر کی فتح سے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے سے۔ (19)

ان لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "صاحب الہجرتین" (دو ہجرتوں والے) کا لقب عطا فرمایا کیونکہ یہ لوگ مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے گئے۔ پھر حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے اور باوجودیکہ یہ لوگ جنگ خیبر میں شامل نہ ہو سکے مگر ان لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت میں سے مجاہدین کے برابر حصہ دیا۔

خیبر میں اعلان مسائل

جنگ خیبر کے موقع پر مندرجہ ذیل فقہی مسائل کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ فرمائی۔

1. پنجہ دار پرندوں کو حرام فرمایا۔
2. تمام درندہ جانوروں کی حرمت کا اعلان فرما دیا۔
3. گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔
4. چاندی سونے کی خرید و فروخت میں کمی بیشی کے ساتھ خریدنے اور بیچنے کو حرام فرمایا اور حکم دیا کہ چاندی کو چاندی کے بدلے اور سونے کو سونے کے بدلے برابر برابر بیچنا ضروری ہے۔ اگر کمی بیشی ہوگی تو وہ سود ہوگا جو حرام ہے۔
5. اب تک یہ حکم تھا کہ لونڈیوں سے ہاتھ آتے ہی صحبت کرنا جائز تھا لیکن اب استبراء ضروری قرار دے دیا گیا یعنی اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ورنہ ایک مہینہ ان سے صحبت جائز نہیں۔ عورتوں سے متعہ کرنا بھی اسی غزوہ میں حرام کر دیا گیا۔ (20)

وادی القریٰ کی جنگ

خیبر کی لڑائی سے فارغ ہو کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "وادی القریٰ" تشریف لے گئے جو مقام "تیماء" اور "فدک" کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ یہاں یہودیوں کی چند بستیاں آباد تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے ارادہ سے یہاں نہیں آئے تھے مگر یہاں کے یہودی چونکہ جنگ کے لئے تیار تھے اس لئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیر برسانا شروع کر دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک غلام جن کا نام حضرت مدعم رضی اللہ عنہ تھا یہ اونٹ سے کجاوہ اُتار رہے تھے کہ ان کو ایک تیر لگا اور یہ شہید

ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی جس کا جواب ان بدبختوں نے تیر وتلوار سے دیا اور باقاعدہ صف بندی کر کے مسلمانوں سے جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ مجبوراً مسلمانوں نے بھی جنگ شروع کر دی، چار دن تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر یہ لوگ برابر لڑتے ہی رہے۔ آخر دس یہودی قتل ہو گئے اور مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد اہل خیبر کی شرطوں پر ان لوگوں نے بھی صلح کر لی کہ مقامی پیداوار کا آدھا حصہ مدینہ بھیجتے رہیں گے۔ جب خیبر اور وادی القریٰ کے یہودیوں کا حال معلوم ہو گیا تو تیماء کے یہودیوں نے بھی جزیہ دے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لی۔ وادی القریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار دن مقیم رہے۔ (21)

فدک کی صلح

جب "فدک" کے یہودیوں کو خیبر اور وادی القریٰ کے معاملہ کی اطلاع ملی تو ان لوگوں نے کوئی جنگ نہیں کی۔ بلکہ دربار نبوت میں قاصد بھیج کر یہ درخواست کی کہ خیبر اور وادی القریٰ والوں سے جن شرطوں پر آپ نے صلح کی ہے اسی طرح کے معاملہ پر ہم سے بھی صلح کر لی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور ان سے صلح ہوگئی۔ لیکن یہاں چونکہ کوئی فوج نہیں بھیجی گئی اس لئے اس بستی میں مجاہدین کو کوئی حصہ نہیں ملا بلکہ یہ خاص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت قرار پائی اور خیبر و وادی القریٰ کی زمینیں تمام مجاہدین کی ملکیت ٹھہریں۔ (22)

عمرۃ القضاء

چونکہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ آئندہ سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ آ کر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن مکہ میں ٹھہریں گے۔ اس دفعہ کے مطابق ماہ ذوالقعدہ ۷ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ روانہ ہونے کا عزم فرمایا اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ گزشتہ سال حدیبیہ میں شریک تھے وہ سب میرے ساتھ چلیں۔ چنانچہ بجز ان لوگوں کے جو جنگ خیبر میں شہید یا وفات پا چکے تھے سب نے یہ سعادت حاصل کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکہ کفار مکہ پر بھروسا نہیں تھا کہ وہ اپنے عہد کو پورا کریں گے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کی پوری تیاری کے ساتھ روانہ ہوئے۔ بوقت روانگی حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پر حاکم بنا دیا اور دو ہزار مسلمانوں کے ساتھ جن میں ایک سو گھوڑوں پر سوار تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ساٹھ اونٹ قربانی کے لئے ساتھ تھے۔ جب کفار مکہ کو خبر لگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہتھیاروں اور سامان جنگ کے ساتھ مکہ آرہے ہیں تو وہ بہت گھبرائے اور انہوں نے چند آدمیوں کو صورت حال کی تحقیقات کے لئے مرالظہر ان تک بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جو اسپ

سواروں کے افسر تھے قریش کے قاصدوں نے ان سے ملاقات کی۔ انہوں نے اطمینان دلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلح نامہ کی شرط کے مطابق بغیر ہتھیار کے مکہ میں داخل ہوں گے یہ سن کر کفار قریش مطمئن ہو گئے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مقام یاجج میں پہنچے جو مکہ سے آٹھ میل دور ہے تو تمام ہتھیاروں کو اس جگہ رکھ دیا اور حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان ہتھیاروں کی حفاظت کے لئے متعین فرما دیا۔ اور اپنے ساتھ ایک تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہیں رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع کے ساتھ لبیك پڑھتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے جب مکہ میں داخل ہونے لگے تو دربار نبوت کے شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے رجز کے یہ اشعار جوش وخروش کے ساتھ بلند آواز سے پڑھتے جاتے تھے کہ

خَلُّوْا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ

اے کافروں کے بیٹو! سامنے سے ہٹ جاؤ۔ آج جو تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار چلائیں گے۔

ضَرْبًا یُّزِیْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِیْلِهٖ وَیُذْهِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ

ہم تلوار کا ایسا وار کریں گے جو سر کو اس کی خوابگاہ سے الگ کر دے اور دوست کی یاد اس کے دوست کے دل سے بھلا دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ٹوکا اور کہا کہ اے عبداللہ بن رواحہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے آگے اور اللہ تعالیٰ کے حرم میں تم اشعار پڑھتے ہو؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! رضی اللہ عنہ ان کو چھوڑ دو۔ یہ اشعار کفار کے حق میں تیروں سے بڑھ کر ہیں۔ (23)

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو کچھ کفار قریش مارے جلن کے اس منظر کی تاب نہ لا سکے اور پہاڑوں پر چلے گئے۔ مگر کچھ کفار اپنے دار الندوہ (کمیٹی گھر) کے پاس کھڑے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بادۂ توحید و رسالت سے مست ہونے والے مسلمانوں کے طواف کا نظارہ کرنے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ مسلمان بھلا کیا طواف کریں گے؟ ان کو تو بھوک اور مدینہ کے بخار نے کچل کر رکھ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد حرام میں پہنچ کر "اضطباع" کر لیا۔ یعنی چادر کو اس طرح اوڑھ لیا کہ آپ کا داہنا شانہ اور بازو کھل گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو ان کفار کے سامنے اپنی قوت کا اظہار کرے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ شروع کے تین پھیروں میں شانوں کو ہلا ہلا کر اور خوب اکڑتے ہوئے چل کر طواف کیا۔ اس کو عربی زبان میں "رمل" کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ سنت آج تک باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے

گی کہ ہر طواف کعبہ کرنے والا شروع طواف کے تین پھیروں میں "رمل" کرتا ہے۔(24)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی

تین دن کے بعد کفار مکہ کے چند سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ شرط پوری ہو چکی۔ اب آپ لوگ مکہ سے نکل جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں کفار کا پیغام سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی وقت مکہ سے روانہ ہو گئے۔ چلتے وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک چھوٹی صاحبزادی جن کا نام "امامہ" تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چچا چچا کہتی ہوئی دوڑی آئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنگِ اُحد میں شہید ہو چکے تھے۔ ان کی یہ یتیم چھوٹی بچی مکہ میں رہ گئی تھیں۔ جس وقت یہ بچی آپ کو پکارتی ہوئی دوڑی آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے شہید چچا جان کی اس یادگار کو دیکھ کر پیار آ گیا۔ اس بچی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھائی جان کہنے کی بجائے چچا جان اس رشتہ سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا۔ جب یہ صاحبزادی قریب آئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو اپنی گود میں اٹھا لیا لیکن اب ان کی پرورش کے لئے تین دعویدار کھڑے ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میری چچا زاد بہن ہے اور میں نے اس کو سب سے پہلے اپنی گود میں اٹھا لیا ہے اس لئے مجھ کو اس کی پرورش کا حق ملنا چاہئے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میری چچا زاد بہن بھی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے اس لئے اس کی پرورش کا میں حقدار ہوں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرے دینی بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی ہے اس لئے میں اس کی پرورش کروں گا۔ تینوں صاحبوں کا بیان سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ "خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے" لہٰذا یہ لڑکی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پرورش میں رہے گی۔ پھر تینوں صاحبوں کی دلداری و دل جوئی کرتے ہوئے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ "اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔" اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "اے جعفر! تم سیرت و صورت میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو۔" اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ "اے زید! تم میرے بھائی اور میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ہو۔" (25)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

اسی عمرۃ القضاء کے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی ام

فضل زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی بہن تھیں۔ عمرۃ القضاء سے واپسی میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام "سرف" میں پہنچے تو ان کو اپنے خیمہ میں رکھ کر اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا اور عجیب اتفاق کہ اس واقعہ سے چوالیس برس کے بعد اسی مقام سرف میں حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اور ان کی قبر شریف بھی اسی مقام میں ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ ان کی وفات کا سال ۵۱ھ ہے۔ مفصل بیان ان شاء اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بیان میں آئے گا۔

حوالہ جات

(1) بخاری ج ۲ ص ۶۰۳ و مسلم ج ۲ ص ۱۱۳
(2) مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۴
(3) بخاری ج ۲ ص ۶۰۳
(4) بخاری ج ۲ ص ۶۰۵
(5) مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۴۰
(6) مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۹
(7) بخاری ج ۲ ص ۶۰۵
(8) مسلم ج ۲ ص ۲۷۸، ۲۷۹
(9) زرقاني ج ۲ ص ۲۲۲
(10) بخاری ج ۲ ص ۶۰۵
(11) مسلم ج ۲ ص ۱۱۵ و ص ۲۷۸
(12) زرقانی ج ۲ ص ۲۳۰
(13) زرقانی ج ۲ ص ۲۲۸
(14) فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷
(15) مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۴۵ و ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲۴
(16) ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲۰
(17) بخاری جلد ۱ ص ۲۹۸
(18) بخاری ج ۲ ص ۲۴۲ و مدارج جلد ۲ ص ۲۵۱
(19) زرقاني ج ۲ ص ۲۴۶
(20) زرقاني ج ۲ ص ۲۳۳
(21) مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۶۲ و زرقانی ج ۲ ص ۲۴۸
(22) زرقانی ج ۲ ص ۲۴۸
(23) شمائل ترمذي ص ۱۷ و زرقانی ج ۲ ص ۲۵۵
(24) بخاری ج ۱ ص ۲۱۸
(25) بخاری ج ۲ ص ۶۱۰

قلعہ کے بالائی حصے پر فوجی چھاؤنیاں۔

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا عرض کیا؟

....

....

2. خیبر کے آٹھ قلعے کون سے تھے؟

....

....

3. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو کونسا وظیفہ بتایا تھا؟

....

....

4. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا کس عطا فرمایا اور اس کی کیا خوبی تھی؟

....

....

5. حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کون تھیں اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کب نکاح فرمایا؟

....

....

6. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذو ہجرتین کس کو لقب عطا فرمایا؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① عمرۃ القضاء سے واپسی میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام میں پہنچے

حدیبیہ ☐ جعرانہ ☐ سرف ☐ ابراہیم ☐

② حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتی ہوئی دوڑی آئیں۔

ابا ابا ☐ چچا چچا ☐ ماموں ماموں ☐ بھائی بھائی ☐

③ ساٹھ قربانی کے لئے ساتھ تھے

بکریاں ☐ اونٹ ☐ گائے ☐ دنبے ☐

④ اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی۔

کامل ☐ عارضی ☐ بہترین ☐ مبین ☐

⑤ قیدیوں میں حضرت بی بی بھی تھیں

زینب رضی اللہ عنہا ☐ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ☐ صفیہ رضی اللہ عنہا ☐ حفصہ رضی اللہ عنہا ☐

⑥ اسی گھمسان کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کٹ کر گر پڑی

ڈھال ☐ تلوار ☐ کمان ☐ زرہ ☐

قلعہ قموص کی بلندی سے مسجد علیؓ کا منظر جہاں مرحب قتل کیا گیا۔

ہجرت کا آٹھواں سال

سبق نمبر
18

کفارِ مکہ کی عہد شکنی اور فتحِ مکہ

خلاصۂ سبق

8 ہجری میں چار اہم غزوات پیش آئے۔غزوہ موتہ، فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ طائف اور دس سرایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمائے، ابوسفیان جواب تک مسلمانوں کے دشمن تھے، اس سال اسلام لے آئے۔

ہجرت کا آٹھواں سال بھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس حیات کے بڑے بڑے واقعات پر مشتمل ہے۔ہم ان میں سے یہاں چند اہمیت وشہرت والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جنگ موتہ

"موتہ" ملک شام میں ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں ۸ ھ میں کفر و اسلام کا وہ عظیم الشان معرکہ ہوا جس میں ایک لاکھ لشکر کفار سے صرف تین ہزار جاں نثار مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر ایسی معرکہ آرائی کی کہ یہ لڑائی تاریخ اسلام میں ایک تاریخی یادگار بن کر قیامت تک باقی رہے گی اور اس جنگ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی بڑی اولوالعزم ہستیاں شرف شہادت سے سرفراز ہوئیں۔

اس جنگ کا سبب

اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "بصریٰ" کے بادشاہ یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھ کر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ روانہ فرمایا۔ راستہ میں "بلقاء" کے بادشاہ شرحبیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر روم کا باج گزار تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قاصد کو نہایت بے دردی کے ساتھ رسی میں باندھ کر قتل کر دیا۔ جب بارگاہ رسالت میں اس حادثہ کی اطلاع پہنچی تو قلب مبارک پر انتہائی رنج وصدمہ پہنچا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر تیار فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے سفید رنگ کا جھنڈا باندھ کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا اور ان کو اس فوج کا سپہ سالار بنایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر سپہ سالار رہوں گے اور جب وہ بھی شہادت سے سرفراز ہو جائیں تو اس جھنڈے کے علمبردار حضرت عبداللہ بن رواحہ ہوں گے (رضی اللہ عنہم) ان کے بعد لشکر اسلام جس کو منتخب کرے وہ سپہ سالار رہوگا۔ اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام "ثنیۃ الوداع" تک تشریف لے گئے اور لشکر کے سپہ سالار کو حکم فرمایا کہ تم ہمارے قاصد حضرت حارث بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت گاہ میں جاؤ جہاں اس جاں نثار نے ادائے فرض میں اپنی جان دی ہے۔ پہلے وہاں کے کفار کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو پھر وہ تمہارے اسلامی بھائی ہیں ورنہ تم اللہ عزوجل کی مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جہاد کرو۔

جب لشکر چل پڑا تو مسلمانوں نے بلند آواز سے یہ دعا دی کہ خدا سلامت اور کامیاب واپس لائے۔ جب یہ فوج مدینہ سے کچھ دور آگے نکل گئی تو خبر ملی کہ خود قیصر روم مشرکین کی ایک لاکھ فوج لے کر بلقاء کی سرزمین میں خیمہ زن ہو گیا ہے۔ یہ خبر پا کر امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کا حکم دے دیا اور ارادہ کیا کہ بارگاہ رسالت میں اس کی اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔ مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد فتح یا مال غنیمت نہیں ہے بلکہ ہمارا مطلوب تو شہادت ہے۔ کیونکہ

نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی　　　　شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن

اور یہ مقصد بلند ہر وقت اور ہر حالت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر ہر مجاہد جوش جہاد میں بے خود ہو گیا۔ غرض یہ مجاہدین اسلام موتہ کی سرزمین میں داخل ہو گئے اور وہاں پہنچ کر دیکھا کہ واقعی ایک بہت بڑا لشکر ریشمی زرق برق وردیاں پہنے ہوئے بے پناہ تیاریوں کے ساتھ جنگ کے لئے کھڑا ہے۔ ایک لاکھ سے زائد لشکر کا بھلا تین ہزار سے مقابلہ ہی کیا؟ مگر مسلمان خدا عزوجل کے بھروسا پر مقابلہ کے لئے ڈٹ گئے۔

معرکہ آرائی کا منظر

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جنگِ خندق میں جن جن کفار عرب نے مدینہ پر حملہ کیا تھا ان میں خیبر کے یہودی بھی تھے۔ بلکہ درحقیقت وہی اس حملہ کے بانی اور سب سے بڑے محرک تھے۔ چنانچہ "بنونضیر" کے یہودی جب مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تو یہودیوں کے جو رؤسا خیبر چلے گئے تھے ان میں سے حیی بن اخطب اور ابورافع سلام بن ابی الحقیق نے تو مکہ جا کر کفار قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا اور تمام قبائل کا دورہ کر کے کفار عرب کو جوش دلا کر برانگیختہ کیا اور حملہ آوروں کی مالی امداد کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ اور خیبر کے تمام یہودیوں کو ساتھ لے کر یہودیوں کے یہ دونوں سردار حملہ کرنے والوں میں شامل رہے۔

حیی بن اخطب تو جنگ قریظہ میں قتل ہو گیا اور ابورافع سلام بن ابی الحقیق کو ٦ ھ میں حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کے محل میں داخل ہو کر قتل کر دیا۔ لیکن ان سب واقعات کے بعد بھی خیبر کے یہودی بیٹھ نہیں رہے بلکہ اور زیادہ انتقام کی آگ ان کے سینوں میں بھڑکنے لگی۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ پر پھر ایک دوسرا حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے اور اس مقصد کے لئے قبیلہ غطفان کو بھی آمادہ کر لیا۔ قبیلہ غطفان عرب کا ایک بہت ہی طاقتور اور جنگجو قبیلہ تھا اور اس کی آبادی خیبر سے بالکل ہی متصل تھی اور خیبر کے یہودی خود بھی عرب کے سب سے بڑے سرمایہ دار ہونے کے ساتھ بہت ہی جنگ باز اور تلوار کے دھنی تھے۔ ان دونوں کے گٹھ جوڑ سے ایک بڑی طاقتور فوج تیار ہو گئی اور ان لوگوں نے مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو تہس نہس کر دینے کا پلان بنالیا۔ (1)

اب لوگوں کے مشورہ سے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جھنڈے کے علمبردار بنے اور اس قدر شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑے کہ نو تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ سے گر پڑیں۔ اور اپنی جنگی مہارت اور کمال ہنر مندی سے اسلامی فوج کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال لائے۔ (2)

اس جنگ میں جو بارہ معزز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے ان کے مقدس نام یہ ہیں:۔

1. حضرت جعفر بن ابی طالب
2. حضرت مسعود بن اوس
3. حضرت عباد بن قیس
4. حضرت سراقہ بن عمر
5. حضرت زید بن حارثہ
6. حضرت عبداللہ بن رواحہ
7. حضرت وہب بن سعد
8. حضرت حارث بن نعمان

9 حضرت جابر بن عمر
10 حضرت ہوبجہ ضبی
11 حضرت ابوکلیب بن عمر
12 حضرت عمر بن سعد رضی اللہ عنہم (3)

اسلامی لشکر نے بہت سے کفار کو قتل کیا اور کچھ مالِ غنیمت بھی حاصل کیا اور سلامتی کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔

نگاہِ نبوت کا معجزہ

جنگِ موتہ کی معرکہ آرائی میں جب گھمسان کا رن پڑا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے میدانِ جنگ کو دیکھ لیا۔ اور آپ کی نگاہوں سے تمام حجابات اس طرح اٹھ گئے کہ میدانِ جنگ کی ایک ایک سرگزشت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ نبوت نے دیکھا۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت زید و حضرت جعفر و حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادتوں کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ جنگ سے خبر آنے کے قبل ہی اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو سنادی۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی رنج و غم کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھرے مجمع میں یہ ارشاد فرمایا کہ زید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا وہ بھی شہید ہو گئے، پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ علمبردار بنے اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جھنڈے کو خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خبریں سناتے رہے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (4)

موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں لکھا ہے کہ جب حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ جنگ موتہ کی خبر لے کر دربار نبوت میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم مجھے وہاں کی خبر سناؤ گے؟ یا میں تمہیں وہاں کی خبر سناؤں۔ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہی سنائیے جب آپ نے وہاں کا پورا پورا حال و ماحول سنایا تو حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بات بھی نہیں چھوڑی کہ جس کو میں بیان کروں۔ (5)

حضرت جعفر شہید رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر تیل کا جل سے آراستہ کر کے آٹا گوندھ لیا تھا کہ بچوں کے لئے روٹیاں پکاؤں کہ اتنے میں رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو میرے سامنے لاؤ جب میں نے بچوں کو پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کو سونگھنے اور چومنے لگے اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار رُخسارِ پر انوار پر بہنے لگی تو میں نے عرض کیا کہ کیا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ہاں! وہ لوگ آج ہی شہید ہو گئے ہیں۔ یہ

سن کر میری چیخ نکل گئی اور میرا گھر عورتوں سے بھر گیا۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ نبوت میں تشریف لے گئے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کراؤ۔(6)

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار ہو کر ان لوگوں کے استقبال کے لئے تشریف لے گئے اور مدینہ کے مسلمان اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی دوڑتے ہوئے مجاہدین اسلام کی ملاقات کے لئے گئے اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ کے شہدائے کرام رضی اللہ عنہم کا ایسا پر درد مرثیہ سنایا کہ تمام سامعین رونے لگے۔(7)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ شہادت کے وقت کٹ کر گر پڑے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو ان کے دونوں ہاتھوں کے بدلے دو بازو عطا فرمائے ہیں جن سے اڑ اڑ کر وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔(8)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ "السلام علیک یا ابن ذی الجناحین" یعنی اے دو بازوؤں والے کے فرزند! تم پر سلام ہو۔(9)

جنگ موتہ اور فتح مکہ کے درمیان چند چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی مدافعت کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا۔ان میں سے بعض لشکروں کے ساتھ کفار کا ٹکراؤ بھی ہوا جن کا مفصل تذکرہ زرقانی و مدارج النبوۃ وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ان سریوں کے نام یہ ہیں:

ذات السلاسل　　سریۃ الخبط　　سریہ ابوقتادہ (نجد)　　سریہ ابوقتادہ (صنم)

مگر ان سریوں میں "سریۃ الخبط" زیادہ مشہور ہے جس کا مختصر بیان یہ ہے

سریۃ الخبط

اس سریہ کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "غزوہ سیف البحر" کے نام سے ذکر کیا ہے۔رجب ۸ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر پر امیر بنا کر ساحل سمندر کی جانب روانہ فرمایا تاکہ یہ لوگ قبیلہ جہینہ کے کفار کی شرارتوں پر نظر رکھیں اس لشکر میں خوراک کی اس قدر کمی پڑ گئی کہ امیر لشکر مجاہدین کو روزانہ ایک ایک کھجور راشن میں دیتے تھے۔یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ یہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں اور لوگ بھوک سے بے چین ہو کر درختوں کے پتے کھانے لگے یہی وجہ ہے کہ عام طور پر مؤرخین نے اس سریہ کا نام "سریۃ الخبط" یا

"جیش الخبط" رکھا ہے۔ "خبط" عربی زبان میں درخت کے پتوں کو کہتے ہیں۔ چونکہ مجاہدین اسلام نے اس سریہ میں درختوں کے پتے کھا کر جان بچائی اس لئے یہ سریۃ الخبط کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ایک عجیب الخلقت مچھلی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو اس سفر میں تقریباً ایک مہینہ رہنا پڑا اور جب بھوک کی شدت سے ہم لوگ درختوں کے پتے کھانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ہمارے رزق کا یہ سامان پیدا فرما دیا کہ سمندر کی موجوں نے ایک اتنی بڑی مچھلی ساحل پر پھینک دی، جو ایک پہاڑی کے مانند تھی چنانچہ تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم اٹھارہ دنوں تک اس مچھلی کا گوشت کھاتے رہے اور اس کی چربی اپنے بدن پر ملتے رہے اور جب وہاں سے روانہ ہونے لگے تو اس کا گوشت کاٹ کاٹ کر مدینہ تک لائے اور جب یہ لوگ بارگاہ نبوت میں پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے رزق کا سامان ہوا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مچھلی کا گوشت طلب فرمایا اور اس میں سے کچھ تناول بھی فرمایا، یہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی دو پسلیاں زمین میں گاڑ کر کھڑی کر دیں تو کجاوہ بندھا ہوا اونٹ اس محراب کے اندر سے گزر گیا۔ (10)

فتح مکہ (رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء)

رمضان ۸ھ تاریخ نبوت کا نہایت ہی عظیم الشان عنوان ہے اور سیرت مقدسہ کا یہ وہ سنہرا باب ہے کہ جس کی آب و تاب سے ہر مومن کا قلب قیامت تک مسرتوں کا آفتاب بنا رہے گا کیونکہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تاریخ سے آٹھ سال قبل انتہائی رنجیدگی کے عالم میں اپنے یار غار کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں مکہ سے ہجرت فرما کر اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہہ دیا تھا اور مکہ سے نکلتے وقت خدا کے مقدس گھر خانہ کعبہ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر یہ فرماتے ہوئے مدینہ روانہ ہوئے تھے کہ "اے مکہ! خدا کی قسم! تو میری نگاہ محبت میں تمام دنیا کے شہروں سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔" لیکن آٹھ برس کے بعد یہی وہ مسرت خیز تاریخ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فاتح اعظم کی شان و شوکت کے ساتھ اسی شہر مکہ میں نزول اجلال فرمایا اور کعبۃ اللہ میں داخل ہو کر اپنے سجدوں کے جمال و جلال سے خدا کے مقدس گھر کی عظمت کو سرفراز فرمایا۔

لیکن ناظرین کے ذہنوں میں یہ سوال سر اٹھاتا ہو گا کہ جب کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں یہ تحریر کیا جا چکا تھا کہ دس برس

تک فریقین کے مابین کوئی جنگ نہ ہوگی تو پھر آخر وہ کونسا ایسا سبب نمودار ہوگیا کہ صلح نامہ کے فقط دو سال ہی بعد تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل مکہ کے سامنے ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پیش آ گئی اور آپ ایک عظیم لشکر کے ساتھ فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا سبب کفار مکہ کی "عہد شکنی" اور حدیبیہ کے صلح نامہ سے غداری ہے۔

کفار قریش کی عہد شکنی

صلح حدیبیہ کے بیان میں آپ پڑھ چکے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں ایک یہ شرط بھی درج تھی کہ قبائل عرب میں سے جو قبیلہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرے اور جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کرنا چاہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرے۔

چنانچہ اسی بنا پر قبیلہ بنی بکر نے قریش سے باہمی امداد کا معاہدہ کرلیا اور قبیلہ بنی خزاعہ نے رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امداد باہمی کا معاہدہ کرلیا۔ یہ دونوں قبیلے مکہ کے قریب ہی میں آباد تھے لیکن ان دونوں میں عرصہ دراز سے سخت عداوت اور مخالفت چلی آ رہی تھی۔

ایک مدت سے تو کفار قریش اور دوسرے قبائل عرب کے کفار مسلمانوں سے جنگ کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر رہے تھے لیکن صلح حدیبیہ کی بدولت جب مسلمانوں کی جنگ سے کفار قریش اور دوسرے قبائل کفار کو اطمینان ملا تو قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ بنی خزاعہ سے اپنی پرانی عداوت کا انتقام لینا چاہا اور اپنے حلیف کفارِ قریش سے مل کر بالکل اچانک طور پر قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کردیا اور اس حملہ میں کفار قریش کے تمام رؤسا یعنی عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ و سہیل بن عمرو وغیرہ بڑے بڑے سرداروں نے علانیہ بنی خزاعہ کو قتل کیا۔

بے چارے بنی خزاعہ اس خوفناک ظالمانہ حملہ کی تاب نہ لا سکے اور اپنی جان بچانے کے لئے حرم کعبہ میں پناہ لینے کے لئے بھاگے۔ بنی بکر کے عوام نے تو حرم میں تلوار چلانے سے ہاتھ روک لیا اور حرم الٰہی کا احترام کیا۔ لیکن بنی بکر کا سردار نوفل اس قدر جوش انتقام میں آپے سے باہر ہو چکا تھا کہ وہ حرم میں بھی بنی خزاعہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرتا رہا اور چلا چلا کر اپنی قوم کو للکارتا رہا کہ پھر یہ موقع کبھی ہاتھ نہیں آ سکتا۔ چنانچہ ان درندہ صفت خونخوار انسانوں نے حرم الٰہی کے احترام کو بھی خاک میں ملا دیا اور حرم کعبہ کی حدود میں نہایت ہی ظالمانہ طور پر بنی خزاعہ کا خون بہایا اور کفار قریش نے بھی اس قتل و غارت اور کشت و خون میں خوب خوب حصہ لیا۔(11)

ظاہر ہے کہ قریش نے اپنی اس حرکت سے حدیبیہ کے معاہدہ کو عملی طور پر توڑ ڈالا۔ کیونکہ بنی خزاعہ رسول اللہ عزوجل و

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معاہدہ کرکے آپ کے حلیف بن چکے تھے، اس لئے بنی خزاعہ پر حملہ کرنا، یہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حملہ کرنے کے برابر تھا۔ اس حملہ میں بنی خزاعہ کے تیئیس (۲۳) آدمی قتل ہوگئے۔ اس حادثہ کے بعد قبیلۂ بنی خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا وفد لے کر فریاد کرنے اور امداد طلب کرنے کے لئے مدینہ بارگاہ رسالت میں پہنچے اور یہی فتح مکہ کی تمہید ہوئی۔

تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استعانت

حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک رات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کاشانۂ نبوت میں وضو فرما رہے تھے کہ ایک دم بالکل ناگہاں آپ نے بلند آواز سے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ لبیک۔ لبیک۔ لبیک۔ (میں تمہارے لئے بار بار حاضر ہوں۔) پھر تین مرتبہ بلند آواز سے آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نصرت۔ نصرت۔ نصرت (تمہیں مدد مل گئی) جب آپ وضو خانہ سے نکلے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ تنہائی میں کس سے گفتگو فرما رہے تھے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اے میمونہ! رضی اللہ عنہا غضب ہوگیا۔ میرے حلیف بنی خزاعہ پر بنی بکر اور کفار قریش نے حملہ کر دیا ہے اور اس مصیبت و بے کسی کے وقت میں بنی خزاعہ نے وہاں سے چلا چلا کر مجھے مدد کے لئے پکارا ہے اور مجھ سے مدد طلب کی ہے اور میں نے ان کی پکار سن کر ان کی ڈھارس بندھانے کے لئے ان کو جواب دیا ہے۔ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے تیسرے دن جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز فجر کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز سے فارغ ہوئے تو دفعۃً بنی خزاعہ کے مظلومین نے رجز کے ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی اس پر درد اور رقت انگیز فریاد کو بغور سنا۔ آپ بھی اس رجز کے چند اشعار کو ملاحظہ فرمائیے:۔

يَارَبِّ اِنِّيْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا   حِلْفَ اَبِيْنَا وَاَبِيْهِ الْاَتْلَدَا

اے خدا! میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو وہ معاہدہ یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور ان کے باپ داداؤں کے درمیان قدیم زمانے سے ہو چکا ہے۔

فَانْصُرْ هَدَاكَ اللّٰهُ نَصْرًا اَبَّدَا   وَادْعُ عِبَادَ اللّٰهِ يَاْتُوْا مَدَدَا

تو خدا آپ کو سیدھی راہ پر چلائے۔ آپ ہماری بھرپور مدد کیجئے اور خدا کے بندوں کو بلائیے۔ وہ سب امداد کے لئے آئیں گے۔

فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ تَجَرَّدَا   اِنْ سِيْمَ خَسْفًا وَجْهُهٗ تَرَبَّدَا

ان مدد کرنے والوں میں رسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی غضب کی حالت میں ہوں کہ اگر انہیں ذلت کا داغ لگے تو ان کا تیور بدل جائے۔

هُمْ بَيَّتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدًا　　وَقَتَلُوْنَا رُكَّعًا وَّسُجَّدًا

ان لوگوں (بنی بکر و قریش) نے "مقام وتیر" میں ہم سوتے ہوؤں پر شب خون مارا اور رکوع و سجدہ کی حالت میں بھی ہم لوگوں کو بیدردی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

اِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا　　وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

یقیناً قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے اور آپ سے مضبوط معاہدہ کر کے توڑ ڈالا ہے۔

ان اشعار کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ مت گھبراؤ میں تمہاری امداد کے لئے تیار ہوں۔(12)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امن پسندی

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش فرمائیں کہ ان میں سے کوئی ایک شرط قریش منظور کرلیں:

1. بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔
2. قریش قبیلہ بنی بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
3. اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد نے ان شرطوں کو قریش کے سامنے رکھا تو قرطہ بن عبد عمر نے قریش کا نمائندہ بن کر جواب دیا کہ "نہ ہم مقتولوں کے خون کا معاوضہ دیں گے نہ اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کی حمایت چھوڑیں گے۔ ہاں تیسری شرط ہمیں منظور ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔" لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو اپنے اس جواب پر ندامت ہوئی۔ چنانچہ چند رؤسائے قریش ابوسفیان کے پاس گئے اور یہ کہا کہ اگر یہ معاملہ نہ سلجھا تو پھر سمجھ لو کہ یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم پر حملہ کر دیں گے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میری بیوی ہند بنت عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے کہ مقام "حجون" سے مقام "خندمہ" تک ایک خون کی نہر بہتی ہوئی آئی ہے، پھر ناگہاں وہ خون غائب ہو گیا۔

قریش نے اس خواب کو بہت ہی منحوس سمجھا اور خوف و دہشت سے سہم گئے اور ابوسفیان پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا کہ

وہ فوراً مدینہ جا کر معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کرے۔(13)

ابوسفیان کی کوشش

اس کے بعد بہت تیزی کے ساتھ ابوسفیان مدینہ گیا اور پہلے اپنی لڑکی حضرت اُم المؤمنین بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر پہنچا اور بستر پر بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ حضرتِ بی بی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے بستر اٹھالیا ابوسفیان نے حیران ہو کر پوچھا کہ بیٹی تم نے بستر کیوں اٹھالیا؟ کیا بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا یا مجھ کو بستر کے قابل نہیں سمجھا؟ اُم المؤمنین نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر ہے اور تم مشرک اور نجس ہو۔ اس لئے میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ تم رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بیٹھو۔ یہ سن کر ابوسفیان کے دل پر چوٹ لگی اور وہ رنجیدہ ہو کر وہاں سے چلا آیا اور رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مقصد بیان کیا۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ابوسفیان حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہم کے پاس گیا۔ ان سب حضرات نے جواب دیا کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب ابوسفیان پہنچا تو وہاں حضرت بی بی فاطمہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ ابوسفیان نے بڑی لجاجت سے کہا کہ اے علی! تم قوم میں بہت ہی رحم دل ہو ہم ایک مقصد لے کر یہاں آئے ہیں کیا ہم یوں ہی ناکام چلے جائیں۔ ہم صرف یہی چاہتے ہیں کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہماری سفارش کر دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوسفیان! ہم لوگوں کی یہ مجال نہیں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادہ اور ان کی مرضی میں کوئی مداخلت کر سکیں۔

ہر طرف سے مایوس ہو کر ابوسفیان نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اے فاطمہ! یہ تمہارا پانچ برس کا بچہ (امام حسن رضی اللہ عنہ) ایک مرتبہ اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے دونوں فریق میں صلح کرادی تو آج سے یہ بچہ عرب کا سردار کہہ کر پکارا جائے گا۔ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل؟ بالآخر ابوسفیان نے کہا کہ اے علی! معاملہ بہت کٹھن نظر آتا ہے کوئی تدبیر بتاؤ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سلسلے میں تم کو کوئی مفید رائے تو نہیں دے سکتا، لیکن تم بنی کنانہ کے سردار ہو تم خود ہی لوگوں کے سامنے اعلان کر دو کہ میں نے حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کر دی ابوسفیان نے کہا کہ کیا میرا یہ اعلان کچھ مفید ہو سکتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یک طرفہ اعلان ظاہر ہے کہ کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ مگر اب تمہارے پاس اس کے سوا اور چارۂ کار ہی کیا ہے؟

ابوسفیان وہاں سے مسجد نبوی میں آیا اور بلند آواز سے مسجد میں اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی مگر مسلمانوں میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ ابوسفیان یہ اعلان کر کے مکہ روانہ ہو گیا جب مکہ پہنچا تو قریش نے

پوچھا کہ مدینہ میں کیا ہوا؟ ابوسفیان نے ساری داستان بیان کردی۔تو قریش نے سوال کیا کہ جب تم نے اپنی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کا اعلان کیا تو کیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو قبول کرلیا؟ ابوسفیان نے کہا کہ "نہیں" یہ سن کر قریش نے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ یہ نہ تو صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھیں نہ یہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے۔(14)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرما دیا کہ جنگ کے ہتھیار درست کریں اور اپنے حلیف قبائل کو بھی جنگی تیاریوں کے لئے حکم نامہ بھیج دیا۔مگر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں بتایا کہ کس سے جنگ کا ارادہ ہے؟ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور دیکھا کہ وہ جنگی ہتھیاروں کو نکال رہی ہیں تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے؟ عرض کیا: "جی ہاں" پھر آپ نے پوچھا کہ کیا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ "واللہ! مجھے یہ معلوم نہیں۔"(15)

غرض انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کی تیاری فرمائی اور مقصد یہ تھا کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے اور اچانک ان پر حملہ کردیا جائے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط

حضرت حاطب بن ابی بَلْتَعَہ رضی اللہ عنہ جو ایک معزز صحابی تھے انہوں نے قریش کو ایک خط اس مضمون کا لکھ دیا کہ رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں، لہٰذا تم لوگ ہوشیار ہو جاؤ۔اس خط کو انہوں نے ایک عورت کے ذریعہ مکہ بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی خبر دی کہ حضرت حاطب بن ابی بَلْتَعَہ رضی اللہ عنہ نے کیا کارروائی کی ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی و حضرت زبیر و حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو فوراً ہی روانہ فرمایا کہ تم لوگ "روضۂ خاخ" میں چلے جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہے اور اس کے پاس ایک خط ہے۔اس سے وہ خط چھین کر میرے پاس لاؤ۔

چنانچہ یہ تینوں اصحاب کبار رضی اللہ عنہم تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر "روضۂ خاخ" میں پہنچے اور عورت کو پا لیا۔ جب اس سے خط طلب کیا تو اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہہ سکتے، نہ ہم لوگ جھوٹے ہیں لہٰذا تو خط نکال کر ہمیں دے دے ورنہ ہم تجھ کو ننگی کر کے تلاشی لیں گے۔ جب عورت مجبور ہو گئی تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے وہ خط نکال کر دے دیا۔

جب یہ لوگ خط لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچے تو آپ نے حضرت حاطب بن ابی بَلْتَعَہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے

حاطب! یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں نہ میں نے اپنا دین بدلا ہے نہ مرتد ہوا ہوں میرے اس خط کے لکھنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ مکہ میں میرے بیوی بچے ہیں۔ مگر مکہ میں میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے جو میرے بیوی بچوں کی خبر گیری و نگہداشت کرے میرے سوا دوسرے تمام مہاجرین کے عزیز و اقارب مکہ میں موجود ہیں جو ان کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے میں نے یہ خط لکھ کر قریش پر ایک اپنا احسان رکھ دیا ہے تا کہ میں ان کی ہمدردی حاصل کرلوں اور وہ میرے اہل وعیال کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کریں۔ یا رسول اللہ! میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کافروں کو شکست دے گا اور میرے اس خط سے کفار کو ہرگز ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو سن کر ان کے عذر کو قبول فرمالیا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس خط کو دیکھ کر اس قدر طیش میں آ گئے کہ آپے سے باہر ہو گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی غیظ وغضب میں بھر گئے۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبینِ رحمت پر اک ذرا شکن بھی نہیں آئی اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! رضی اللہ عنہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ حاطب اہل بدر میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو مخاطب کر کے فرمادیا ہے کہ "تم جو چاہو کرو۔ تم سے کوئی مواخذہ نہیں" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ یہ کہہ کر بالکل خاموش ہو گئے کہ "اللہ اور اس کے رسول کو ہم سب سے زیادہ علم ہے" اسی موقع پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (16)

''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کافروں کو دوست نہ بناؤ۔''

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو معاف فرمادیا۔ (17)

مکہ پر حملہ

غرض ۱۰ رمضان ۸ ھ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے دس ہزار کا لشکرِ پرانوار ساتھ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ فتح مکہ میں آپ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت دس ہزار کا لشکر رہا ہو۔ پھر راستہ میں بعض قبائل اس لشکر میں شامل ہو گئے ہوں تو مکہ پہنچ کر اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی ہو۔ بہر حال مدینہ سے چلتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام صحابہ کبار رضی اللہ عنہم روزہ دار تھے جب آپ مقام کدید میں پہنچے تو پانی مانگا اور اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے پورے لشکر کو دکھا کر آپ نے دن میں پانی نوش فرمایا اور سب کو

روزہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ اور آپ کے اصحاب نے سفر اور جہاد میں ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا موقوف کر دیا۔(18)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ملاقات

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام "جحفہ" میں پہنچے تو وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ یہ مسلمان ہوکر آئے تھے بلکہ اس سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی سے مکہ میں مقیم تھے اور حجاج کو زمزم پلانے کے معزز عہدہ پر فائز تھے اور آپ کے ساتھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے فرزند جن کا نام بھی ابوسفیان تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابی امیہ جو اُم المؤمنین حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی بھی تھے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے ان دونوں صاحبوں کی حاضری کا حال جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ان دونوں صاحبوں کی ملاقات سے انکار فرما دیا۔

کیونکہ ان دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ ایذائیں پہنچائی تھیں۔خصوصاً ابوسفیان بن الحارث آپ کے چچازاد بھائی جو اعلان نبوت سے پہلے آپ کے انتہائی جاں نثاروں میں سے تھے مگر اعلان نبوت کے بعد انہوں نے اپنے قصیدوں میں اتنی شرمناک اور بیہودہ ہجو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کر ڈالی تھی کہ آپ کا دل زخمی ہو گیا تھا۔اس لئے آپ ان دونوں سے انتہائی ناراض و بیزار تھے مگر حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کا قصور معاف کرنے کے لئے بہت ہی پرزور سفارش کی اور ابوسفیان بن الحارث نے یہ کہہ دیا کہ اگر رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا قصور نہ معاف فرمایا تو میں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر عرب کے ریگستان میں چلا جاؤں گا تا کہ وہاں بغیر دانہ پانی کے بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر میں اور میرے سب بچے مر کر فنا ہو جائیں۔

حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں آبدیدہ ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ کے چچا کا بیٹا اور آپ کی پھوپھی کا بیٹا تمام انسانوں سے زیادہ بدنصیب رہے گا؟ کیا ان دونوں کو آپ کی رحمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا؟ جان چھڑکنے والی بیوی کے ان دردانگیز کلمات سے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمت بھرے دل میں رحم وکرم اور عفوو درگزر کے سمندر موجیں مارنے لگے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو یہ مشورہ دیا کہ تم دونوں اچانک بارگاہ رسالت میں سامنے جا کر کھڑے ہو جاؤ اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا وہی تم دونوں بھی کہو کہ

قَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ

''کہ یقیناً آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت دی ہے اور ہم بلاشبہ خطاوار ہیں۔''

چنانچہ ان دونوں صاحبوں نے دربار رسالت میں ناگہاں حاضر ہو کر یہی کہا۔ ایک دم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبینِ رحمت پر رحم و کرم کے ہزاروں ستارے چمکنے لگے اور آپ نے ان کے جواب میں بعینہٖ وہی جملہ اپنی زبانِ رحمت نشان سے ارشاد فرمایا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے جواب میں فرمایا تھا کہ

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

''آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے اللہ تمہیں بخش دے۔ وہ ارحم الراحمین ہے۔''

ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ نے تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں اشعار لکھے اور زمانہ جاہلیت کے دور میں جو کچھ آپ کی ہجو میں لکھا تھا اس کی معذرت کی اور اس کے بعد عمر بھر نہایت سچے اور ثابت قدم مسلمان رہے مگر حیاء کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کبھی سر نہیں اٹھاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے ساتھ بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ ابوسفیان بن الحارث میرے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قائم مقام ثابت ہوں گے۔ (19)

میلوں تک آگ ہی آگ

مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر "مرالظہران" میں پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کو حکم دیا کہ ہر مجاہد اپنا الگ الگ چولہا جلائے۔ دس ہزار مجاہدین نے جو الگ الگ چولہے جلائے تو "مرالظہران" کے پورے میدان میں میلوں تک آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔

قریش کے جاسوس

گو قریش کو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ مدینہ سے فوجیں آ رہی ہیں۔ مگر صورت حال کی تحقیق کے لئے قریش نے ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام و بدیل بن ورقاء کو اپنا جاسوس بنا کر بھیجا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بے حد فکر مند ہو کر قریش کے انجام پر افسوس کر رہے تھے۔ وہ یہ سوچتے تھے کہ اگر رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے عظیم لشکر کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو آج قریش کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر اس ارادہ سے مکہ چلے کہ قریش کو اس خطرہ سے آگاہ کر کے انہیں آمادہ کریں کہ چل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی مانگ کر صلح کر لو ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ (20)

مگر بخاری کی روایت میں ہے کہ قریش کو یہ خبر تو مل گئی تھی کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے روانہ ہو گئے ہیں مگر

انہیں یہ پتا نہ تھا کہ آپ کا لشکر "مرالظہر ان" تک آ گیا ہے۔اس لئے ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام و بدیل بن ورقاء اس تلاش و جستجو میں نکلے تھے کہ رسول اللہ! کا لشکر کہاں ہے؟ جب یہ تینوں "مرالظہر ان" کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ میلوں تک آگ ہی آگ جل رہی ہے یہ منظر دیکھ کر یہ تینوں حیران رہ گئے اور ابوسفیان بن حرب نے کہا کہ میں نے تو زندگی میں کبھی اتنی دور تک پھیلی ہوئی آگ اس میدان میں جلتے ہوئے نہیں دیکھی۔آخر یہ کون سا قبیلہ ہے؟ بدیل بن ورقاء نے کہا کہ بنی عمرو معلوم ہوتے ہیں۔ابوسفیان نے کہا کہ نہیں بنی عمرو اتنی کثیر تعداد میں کہاں ہیں جو ان کی آگ سے مرالظہر ان کا پورا میدان بھر جائے گا۔(21)

بہر حال حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ان تینوں سے ملاقات ہوگئی اور ابوسفیان نے پوچھا کہ اے عباس! تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اور یہ آگ کیسی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر کی آگ ہے۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حرب سے کہا کہ تم میرے خچر پر پیچھے سوار ہو جاؤ ورنہ اگر مسلمانوں نے تمہیں دیکھ لیا تو ابھی تم کو قتل کر ڈالیں گے۔ جب یہ لوگ لشکر گاہ میں پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے چند مسلمانوں نے جو لشکر گاہ کا پہرہ دے رہے تھے۔ابوسفیان کو دیکھ لیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے جذبہ انتقام کو ضبط نہ کر سکے اور ابوسفیان کو دیکھتے ہی ان کی زبان سے نکلا کہ "ارے یہ تو خدا کا دشمن ابو سفیان ہے۔" دوڑتے ہوئے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابوسفیان ہاتھ آ گیا ہے۔اگر اجازت ہو تو ابھی اس کا سر اڑا دوں۔اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ان تینوں مشرکوں کو ساتھ لئے ہوئے دربار رسول میں حاضر ہو گئے اور ان لوگوں کی جان بخشی کی سفارش پیش کر دی اور یہ کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے ان سبھوں کو امان دے دی ہے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اسلام

ابوسفیان بن حرب کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی۔مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت سے سخت ایذائیں دینی، مدینہ پر بار بار حملہ کرنا، قبائل عرب کو اشتعال دلا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی بار ہا سازشیں، یہودیوں اور تمام کفار عرب سے ساز باز کر کے اسلام اور بانی اسلام کے خاتمہ کی کوششیں یہ وہ نا قابل معافی جرائم تھے جو پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ابوسفیان کا قتل بالکل درست و جائز اور برمحل ہے۔لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کو قرآن نے "رؤوف ورحیم" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ان کی رحمت چمکار چمکار کر ابوسفیان کے کان میں کہہ رہی تھی کہ اے مجرم! مت ڈر۔یہ دنیا کے سلاطین کا دربار نہیں ہے بلکہ یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ رحمت ہے۔بخاری شریف کی روایت تو یہی ہے کہ ابوسفیان بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔اس لئے جان بچ گئی۔(22)

مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء نے تو فوراً رات ہی میں اسلام قبول کر لیا مگر ابوسفیان نے صبح کو کلمہ پڑھا۔(23)

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ابوسفیان اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ایک مکالمہ ہوا اس کے بعد ابوسفیان نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ وہ مکالمہ یہ ہے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیوں اے ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہ آیا کہ خدا ایک ہے؟

ابوسفیان: کیوں نہیں کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیا اس میں تمہیں کوئی شک ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

ابوسفیان: ہاں! اس میں تو ابھی مجھے کچھ شبہ ہے۔

مگر پھر اس کے بعد انہوں نے کلمہ پڑھ لیا اور اس وقت گو ان کا ایمان متزلزل تھا لیکن بعد میں بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوۂ طائف میں مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے کفار سے جنگ کی اور اسی میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہوگئی۔ پھر یہ جنگ یرموک میں بھی جہاد کے لئے گئے۔(24)

لشکرِ اسلام کا جاہ وجلال

مجاہدین اسلام کا لشکر جب مکہ کی طرف بڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ ابوسفیان کو کسی ایسے مقام پر کھڑا کر دیں کہ یہ افواج الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ چنانچہ جہاں راستہ کچھ تنگ تھا ایک بلند جگہ پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسلامی لشکر سمندر کی موجوں کی طرح امنڈتا ہوا روانہ ہوا۔ اور قبائل عرب کی فوجیں ہتھیار سج سج کر یکے بعد دیگرے ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگیں۔ سب سے پہلے قبیلۂ غفار کا باوقار پرچم نظر آیا۔ ابوسفیان نے سہم کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ قبیلہ غفار کے شہسوار ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ مجھے قبیلہ غفار سے کیا مطلب ہے؟ پھر جہینہ پھر سعد بن ہذیم، پھر سلیم کے قبائل کی فوجیں زرق برق ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے پرچم لہراتے اور تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے سامنے سے نکل گئے۔

ابوسفیان ہر فوج کا جلال دیکھ کر مرعوب ہو ہو جاتے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ہر فوج کے بارے میں پوچھتے جاتے تھے کہ یہ کون ہیں؟ یہ کن لوگوں کا لشکر ہے؟ اس کے بعد انصار کا لشکر پرانوار اتنی عجیب شان اور ایسی نرالی آن بان سے چلا کہ دیکھنے والوں کے دل دہل گئے۔ ابوسفیان نے اس فوج کی شان وشوکت سے حیران ہو کر کہا کہ اے عباس! یہ

کون لوگ ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ "انصار" ہیں ناگہاں انصار کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لئے ہوئے ابوسفیان کے قریب سے گزرے اور جب ابوسفیان کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا کہ اے ابوسفیان!

اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ الْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْكَعْبَةُ

''آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے۔ آج کعبہ میں خونریزی حلال کردی جائے گی۔''

ابوسفیان یہ سن کر گھبرا گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عباس! سن لو! آج قریش کی ہلاکت تمہیں مبارک ہو۔ پھر ابوسفیان کو چین نہیں آیا تو پوچھا کہ بہت دیر ہوگئی۔ ابھی تک میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نہیں دیکھا کہ وہ کون سے لشکر میں ہیں؟ اتنے میں حضور تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرچم نبوت کے سائے میں اپنے نورانی لشکر کے ہمراہ پیغمبرانہ جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوئے۔ ابوسفیان نے جب شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو چلا کر کہا کہ اے حضور! کیا آپ نے سنا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کیا کہتے ہوئے گئے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ ابوسفیان بولے کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ آج کعبہ حلال کردیا جائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے غلط کہا، آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ آج تو کعبہ کو لباس پہنانے کا دن ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے اتنی غلط بات کیوں کہہ دی۔ آپ نے ان کے ہاتھ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ابوسفیان نے بارگاہ رسول میں یہ شکایت کی کہ یارسول اللہ! عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی ابھی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے گئے ہیں کہ اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَة آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے غلط کہا، بلکہ اے ابوسفیان! اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَة آج کا دن تو رحمت کا دن ہے۔ (25)

پھر فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ بانی کعبہ کے جانشین حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی سرزمین میں نزول اجلال فرمایا اور حکم دیا کہ میرا جھنڈا مقام "حجون" کے پاس گاڑا جائے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام فرمان جاری فرمایا کہ وہ فوجوں کے ساتھ مکہ کے بالائی حصہ یعنی "کداء" کی طرف سے مکہ میں داخل ہوں۔ (26)

فاتح مکہ کا پہلا فرمان

تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی سرزمین میں قدم رکھتے ہی جو پہلا فرمان جاری فرمایا وہ یہ اعلان تھا کہ جس کے لفظ لفظ میں رحمتوں کے دریا موجیں مار رہے ہیں:

جوشخص ہتھیار ڈال دے گا اس کے لئے امان ہے۔

جوشخص اپنا دروازہ بند کرلے گا اس کے لئے امان ہے۔

جو کعبہ میں داخل ہوجائے گا اس کے لئے امان ہے۔

اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسفیان ایک فخر پسند آدمی ہے اس کے لئے کوئی ایسی امتیازی بات فرمادیجئے کہ اس کا سرفخر سے اونچا ہوجائے تو آپ نے فرمادیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اس کے لئے امان ہے۔ اس کے بعد ابوسفیان مکہ میں بلند آواز سے پکار پکار کر اعلان کرنے لگا کہ اے قریش! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اتنا بڑا لشکر لے کر آگئے ہیں کہ اس کا مقابلہ کرنے کی کسی میں بھی طاقت نہیں ہے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اس کے لئے امان ہے۔

ابوسفیان کی زبان سے یہ کم ہمتی کی بات سن کر اس کی بیوی ہند بنت عتبہ جل بھن کر کباب ہوگئی اور طیش میں آکر ابوسفیان کی مونچھ پکڑ لی اور چلا کر کہنے لگی کہ اے بنی کنانہ! اس کم بخت کو قتل کردو یہ کیسی بزدلی اور کم ہمتی کی بات بک رہا ہے۔ ہند کی اس چیخ و پکار کی آواز سن کر تمام بنو کنانہ کا خاندان ابوسفیان کے مکان میں جمع ہوگیا اور ابوسفیان نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس وقت غصہ اور طیش کی باتوں سے کچھ کام نہیں چل سکتا۔ میں پورے اسلامی لشکر کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر آیا ہوں اور میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اب ہم لوگوں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ یہ خیریت ہے کہ انہوں نے اعلان کردیا ہے کہ جو ابوسفیان کے مکان میں چلا جائے اس کے لئے امان ہے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ لوگ میرے مکان میں آکر پناہ لے لیں۔ ابوسفیان کے خاندان والوں نے کہا کہ تیرے مکان میں بھلا کتنے انسان آسکیں گے؟ ابوسفیان نے بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان لوگوں کو بھی امان دے دی ہے جو اپنے دروازے بند کرلیں یا مسجد حرام میں داخل ہوجائیں یا ہتھیار ڈال دیں۔ ابوسفیان کا یہ بیان سن کر کوئی ابوسفیان کے مکان میں چلا گیا۔ کوئی مسجد حرام کی طرف بھاگا۔ کوئی اپنا ہتھیار زمین پر رکھ کر کھڑا ہوگیا۔(27)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اعلان رحمت نشان یعنی مکمل امن و امان کا فرمان جاری کردینے کے بعد ایک قطرہ خون بہنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ لیکن عکرمہ بن ابوجہل و صفوان بن امیہ و سہیل بن عمرو اور جماش بن قیس نے مقام "خندمہ" میں مختلف قبائل کے اوباش کو جمع کیا تھا۔ ان لوگوں نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی فوج میں سے دو آدمیوں حضرت کرز بن جابر فہری اور حبیش بن اشعر رضی اللہ عنہم کو شہید کردیا اور اسلامی لشکر پر تیر برسانا شروع کردیا۔ بخاری کی روایت میں انہی دو

حضرات کی شہادت کا ذکر ہے مگر زرقانی وغیرہ کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار قریش نے قتل کر دیا۔ دو وہ جو اوپر ذکر کئے گئے اور ایک حضرت مسلمہ بن المیلاء رضی اللہ عنہ اور بارہ یا تیرہ کفار بھی مارے گئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔(28)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب دیکھا کہ تلواریں چمک رہی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میں نے تو خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو جنگ کرنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر یہ تلواریں کیسی چل رہی ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پہل کفار کی طرف سے ہوئی ہے۔ اس لئے لڑنے کے سوا حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی فوج کے لئے کوئی چارہ کار ہی نہیں رہ گیا تھا۔ یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ قضاء الٰہی یہی تھی اور خدا نے جو چاہا وہی بہتر ہے۔(29)

مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیام گاہ

بخاری کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں غسل فرمایا پھر آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھی۔ یہ نماز بہت ہی مختصر طور پر ادا فرمائی لیکن رکوع و سجدہ مکمل طور پر ادا فرماتے رہے۔(30)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت بی بی ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا گھر میں کچھ کھانا بھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خشک روٹی کے چند ٹکڑے ہیں۔ مجھے بڑی شرم دامن گیر ہوتی ہے کہ اس کو آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ ارشاد فرمایا کہ "لاؤ" پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان خشک روٹیوں کو توڑا اور پانی میں بھگو کر نرم کیا اور حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا نے ان روٹیوں کے سالن کے لئے نمک پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیا کوئی سالن گھر میں نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرے گھر میں "سرکہ" کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سرکہ لاؤ۔ آپ نے سرکہ کو روٹی پر ڈالا اور تناول فرما کر خدا کا شکر بجالائے۔

پھر فرمایا کہ "سرکہ بہترین سالن ہے اور جس گھر میں سرکہ ہوگا اس گھر والے محتاج نہ ہوں گے۔" پھر حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نے حارث بن ہشام (ابوجہل کے بھائی) اور زہیر بن اُمیہ کو امان دے دی ہے۔ لیکن میرے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں کو اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی فوج سے جنگ کی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے اُمِ ہانی! رضی اللہ عنہا جس کو تم نے امان دے دی اس کے لئے ہماری طرف سے بھی امان ہے۔(31)

بیت اللہ میں داخلہ

حضور ﷺ کا جھنڈا "حجون" میں جس کو آج کل جنۃ المعلیٰ کہتے ہیں "مسجد الفتح" کے قریب میں گاڑا گیا پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا کر مسجد حرام کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے مسجد حرام میں اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور کعبہ کا طواف کیا اور حجر اسود کو بوسہ دیا۔(32)

یہ انقلاب زمانہ کی ایک حیرت انگیز مثال ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جن کا لقب "بت شکن" ہے ان کی یادگار خانہ کعبہ کے اندرونِ حصار تین سو ساٹھ بتوں کی قطار تھی۔ فاتح مکہ ﷺ کا حضرت خلیل علیہ السلام کا جانشینِ جلیل ہونے کی حیثیت سے فرض اولین تھا کہ یادگار خلیل کو بتوں کی نجس اور گندی آلائشوں سے پاک کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ خود بہ نفس نفیس ایک چھڑی لے کر کھڑے ہوئے اور ان بتوں کو چھڑی کی نوک سے ٹھونکے مار مار کر گراتے جاتے تھے اور جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۝ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کی آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے، یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔(33)

پھر ان بتوں کو جو عین کعبہ کے اندر تھے۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ وہ سب نکالے جائیں۔ چنانچہ وہ سب بت نکال باہر کئے گئے۔ انہی بتوں میں حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں فال کھولنے کے تیر تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مار ڈالے۔ ان کافروں کو خوب معلوم ہے کہ ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی فال نہیں کھولا۔ جب تک ایک ایک بت کعبہ کے اندر سے نہ نکل گیا، آپ ﷺ نے کعبہ کے اندر قدم نہیں رکھا جب تمام بتوں سے کعبہ پاک ہوگیا تو آپ اپنے ساتھ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما اور عثمان بن طلحہ حَجَبِی کو لے کر خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور بیت اللہ شریف کے تمام گوشوں میں تکبیر پڑھی اور دو رکعت نماز بھی ادا فرمائی اس کے بعد باہر تشریف لائے۔(34)

کعبہ مقدسہ کے اندر سے جب آپ باہر نکلے تو عثمان بن طلحہ کو بلا کر کعبہ کی کنجی ان کے ہاتھ میں عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ

خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ (35)

''لو یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم لوگوں میں رہے گی یہ کنجی تم سے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔''

شہنشاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دربارِ عام

اس کے بعد تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہنشاہ اسلام کی حیثیت سے حرم الٰہی میں سب سے پہلا دربارِ عام منعقد فرمایا جس میں افواج اسلام کے علاوہ ہزاروں کفار و مشرکین کے خواص و عوام کا ایک زبردست ازدحام تھا۔ اس شہنشاہی خطبہ میں آپ نے صرف اہل مکہ ہی سے نہیں بلکہ تمام اقوام عالم سے خطابِ عام فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کی اور کفار کے تمام لشکروں کو تنہا شکست دے دی، تمام فخر کی باتیں، تمام پرانے خونوں کا بدلہ، تمام پرانے خون بہا، اور جاہلیت کی رسمیں سب میرے پیروں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانا، یہ دو اعزاز اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور خاندانوں کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے ہیں۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿١٣﴾ (36)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے لئے قبیلے اور خاندان بنا دیئے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان رکھو لیکن خدا کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔''

بئر طویٰ (طویٰ کنواں)

حوالہ جات

(1) بخاری ج۲ ص۶۱۱ وزرقانی ج1۲ ص۲۷۱
(2) بخاری ج۲ ص۶۱۱
(3) زُرقانی ج۲ ص۲۷۳
(4) بخاری ج۲ ص۶۱۱
(5) زرقانی ج۲ ص۲۷۶
(6) زرقانی ج۲ ص۲۷۷
(7) زرقانی ج۲ ص۲۷۷
(8) زرقانی ج۲ ص۲۷۴
(9) بخاری ج۲ ص۶۱۱
(10) بخاری ج۲ ص۶۲۵ وزرقانی ج۲ ص۲۸۰
(11) زرقانی ج۲ ص۲۸۹
(12) زرقانی ج۲ ص۲۹۰
(13) زرقانی ج۲ ص۲۹۲
(14) زرقانی ج۲ ص۲۹۲ تا ص۲۹۳
(15) زرقانی ج۲ ص۲۹۱
(16) الممتحنہ:۱
(17) بخاری ج۲ ص۶۱۲
18 بخاری ج۲ ص۶۱۳ وزرقانی ج۲ ص۳۰۰
(19) زرقانی ج۲ ص۳۰۱ تا ص۳۰۲
(20) زرقانی ج۲ ص۳۰۴
(21) بخاری ج۲ ص۶۱۳
(22) بخاری ج۲ ص۶۱۳
(23) زرقانی ج۲ ص۳۰۴
(24) سیرت ابن ہشام ج۲ ص۴۰۳
(25) زرقانی ج۲ ص۳۰۶
(26) بخاری ج۲ ص۶۱۳
(27) زرقانی ج۲ ص۳۱۳
(28) بخاری ج۲ ص۶۱۳ وزرقانی ج۲ ص۳۱۰
(29) زرقانی ج۲ ص۳۱۰
(30) بخاری ج۲ ص۶۱۵
(31) زرقانی ج۲ ص۳۲۶
(32) بخاری ج۲ ص۶۱۴
(33) بخاری ج۲ ص۶۱۴
(34) بخاری ج۱ ص۲۱۸
(35) زرقانی ج۲ ص۲۳۹
(36) الحجرات:13

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. موتہ کس جگہ واقع ہے اور اس پر کونسا غزوہ پیش آیا؟

....

....

2. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کونسی خبر سنائی جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

....

....

3. سریۃ الخبط کا پس منظر کیا ہے؟

....

....

4. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے پاس جو وفد بھیجا اس میں کتنی اور کون سی شرائط تھیں؟

....

....

5. حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قریش کے بارے میں کیا فکر تھی؟

....

....

6. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرکہ کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① وہاں ایک ہے اور اس کے پاس ایک خط ہے۔

فقیر ☐ مرد ☐ جاسوس ☐ عورت ☐

② ابو سفیان نے حیران ہو کر پوچھا کہ بیٹی تم نے کیوں اٹھا لیا؟

برتن ☐ دسترخوان ☐ بستر ☐ تکیہ ☐

③ بنی بکر کے نے تو حرم میں تلوار چلانے سے ہاتھ روک لیا اور حرم الٰہی کا احترام کیا۔

علماء ☐ عوام ☐ سرداروں ☐ غلاموں ☐

④ سمندر کی موجوں نے ایک اتنی بڑی مچھلی ساحل پر پھینک دی، جو ایک کے مانند تھی

گھر ☐ درخت ☐ پہاڑی ☐ اونٹ ☐

⑤ میں اپنے (ابوسفیان) کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی ہوں۔

داماد ☐ بیٹے ☐ شوہر ☐ بھائی ☐

⑥ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جھنڈا "حجون" میں جس کو آج کل کہتے ہیں

جنت البقیع ☐ جنت عدن ☐ جنت خلد ☐ جنۃ المعلی ☐

۴......مکہ مکرمہ میں قیام اور مصروفیات ۱۹ دن

سبق نمبر 19

فتح مکہ (حصہ دوم)
جنگِ حنین، طائف کا محاصرہ
عاملوں کا تقرر

خلاصۂ سبق

8ہجری میں فتح مکہ کے ب غزوہ حنین جس کا دوسرا نام" غزوہ ہوازن" بھی ہے پیش آیا، اس میں مسلمانوں کا بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ ابتداء شکست لیکن بعد میں اللہ پاک نے فتح سے نوازا۔ غزوہ اوطاس بھی اسی سال پیش آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا۔ بعد ازاں بغیر فتح کے واپس چلے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی اسی سال فوت ہوئیں

کفارِ مکہ سے خطاب

اس کے بعد شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ہزاروں کے مجمع میں ایک گہری نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ سر جھکائے، نگاہیں نیچی کئے ہوئے لرزاں وترساں اشراف قریش کھڑے ہوئے ہیں۔ ان ظالموں اور جفا کاروں میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستوں میں کانٹے بچھائے تھے۔ وہ لوگ بھی تھے جو بارہا آپ پر پتھروں کی بارش کر چکے تھے۔ وہ خونخوار بھی تھے جنہوں نے بار بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قاتلانہ حملے کئے تھے۔ وہ بے رحم وبے درد بھی تھے جنہوں نے آپ کے دندان مبارک کو شہید اور آپ کے چہرۂ انور کو لہولہان کر ڈالا تھا۔

وہ اوباش بھی تھے جو برسہا برس تک اپنی بہتان تراشیوں اور شرمناک گالیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کو

زخمی کر چکے تھے۔ وہ سفاک و درندہ صفت بھی تھے جو آپ ﷺ کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹ چکے تھے۔ وہ ظلم و ستم کے مجسمے اور پاپ کے پتلے بھی تھے جنہوں نے آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرا دیا تھا اور ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ وہ آپ کے خون کے پیاسے بھی تھے جن کی تشنہ لبی اور پیاس خون نبوت کے سوا کسی چیز سے نہیں بجھ سکتی تھی۔ وہ جفا کار و خونخوار بھی تھے جن کے جارحانہ حملوں اور ظالمانہ یلغار سے بار بار مدینہ منورہ کے در و دیوار دہل چکے تھے۔

حضور ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل اور ان کی ناک، کان کاٹنے والے، ان کی آنکھیں پھوڑنے والے، ان کا جگر چبانے والے بھی اس مجمع میں موجود تھے وہ ستم گار جنہوں نے شمع نبوت کے جاں نثار پروانوں حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کو رسیوں سے باندھ باندھ کر کوڑے مار مار کر جلتی ہوئی ریتوں پر لٹایا تھا، کسی کو آگ کے دہکتے ہوئے کوئلوں پر سلایا تھا، کسی کو چٹائیوں میں لپیٹ لپیٹ کر ناکوں میں دھوئیں دیئے تھے، سینکڑوں بار گلا گھونٹا تھا۔ یہ تمام جور و جفا اور ظلم و ستمگاری کے پیکر، جن کے جسم کے رونگٹے رونگٹے اور بدن کے بال بال ظلم و عدوان اور سرکشی و طغیان کے وبال سے خوفناک جرموں اور شرمناک مظالم کے پہاڑ بن چکے تھے۔

آج یہ سب کے سب دس بارہ ہزار مہاجرین و انصار کے لشکر کی حراست میں مجرم بنے ہوئے کھڑے کانپ رہے تھے اور اپنے دلوں میں یہ سوچ رہے تھے کہ شاید آج ہماری لاشوں کو کتوں سے نچوا کر ہماری بوٹیاں چیلوں اور کووں کو کھلا دی جائیں گی اور انصار و مہاجرین کی غضب ناک فوجیں ہمارے بچے بچے کو خاک و خون میں ملا کر ہماری نسلوں کو نیست و نابود کر ڈالیں گی اور ہماری بستیوں کو تاخت و تاراج کر کے تہس نہس کر ڈالیں گی ان مجرموں کے سینوں میں خوف و ہراس کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔

دہشت اور ڈر سے ان کے بدنوں کی بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی، دل دھڑک رہے تھے، کلیجے منہ میں آ گئے تھے اور عالم یاس میں انہیں زمین سے آسمان تک دھوئیں ہی دھوئیں کے خوفناک بادل نظر آ رہے تھے۔ اسی مایوسی اور نا امیدی کی خطرناک فضا میں ایک دم شہنشاہِ رسالت ﷺ کی نگاہ رحمت ان پاپیوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ اور ان مجرموں سے آپ نے پوچھا کہ بولو! تم کو کچھ معلوم ہے؟ کہ آج میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔

اس دہشت انگیز اور خوفناک سوال سے مجرمین حواس باختہ ہو کر کانپ اُٹھے لیکن جبین رحمت کے پیغمبرانہ تیور کو دیکھ کر

اُمید وبیم کے محشر میں لرزتے ہوئے سب یک زبان ہوکر بولے کہ اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ آپ کرم والے بھائی اور کرم والے باپ کے بیٹے ہیں۔ سب کی للچائی ہوئی نظریں جمال نبوت کا منہ تک رہی تھیں۔ اور سب کے کان شہنشاہ نبوت کا فیصلہ کن جواب سننے کے منتظر تھے کہ اک دم دفعۃً فاتح مکہ نے اپنے کریمانہ لہجے میں ارشاد فرمایا کہ

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ(1)

''آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

بالکل غیر متوقع طور پر ایک دم اچانک یہ فرمان رسالت سن کر سب مجرموں کی آنکھیں فرط ندامت سے اشکبار ہوگئیں اور ان کے دلوں کی گہرائیوں سے جذبات شکریہ کے آثار آنسوؤں کی دھار بن کر ان کے رخسار پر مچلنے لگے اور کفار کی زبانوں پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے نعروں سے حرم کعبہ کے درو دیوار پر ہر طرف انوار کی بارش ہونے لگی۔ ناگہاں بالکل ہی اچانک اور دفعۃً ایک عجیب انقلاب برپا ہوگیا کہ سماں ہی بدل گیا، فضا ہی پلٹ گئی اور ایک دم ایسا محسوس ہونے لگا کہ

کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا جہاں تاریک تھا، بے نور تھا اور سخت کالا تھا

کفار نے مہاجرین کی جائدادوں، مکانوں، دکانوں پر غاصبانہ قبضہ جمالیا تھا۔ اب وقت تھا کہ مہاجرین کو ان کے حقوق دلائے جاتے اور ان سب جائدادوں، مکانوں، دکانوں اور سامانوں کو مکہ کے غاصبوں کے قبضوں سے واگزار کرکے مہاجرین کے سپرد کیے جاتے۔ لیکن شہنشاہ رسالت نے مہاجرین کو حکم دے دیا کہ وہ اپنی کل جائدادیں خوشی خوشی مکہ والوں کو ہبہ کردیں۔

اللہ اکبر! اے اقوام عالم کی تاریخی داستانو! بتاؤ کیا دنیا کے کسی فاتح کی کتاب زندگی میں کوئی ایسا حسین وزریں ورق ہے؟ اے دھرتی! خدا کے لئے بتا؟ اے آسمان! للہ بول۔ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا فاتح گزرا ہے؟ جس نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک کیا ہو؟ اے چاند اور سورج کی چمکتی اور دور بین نگاہو! کیا تم نے لاکھوں برس کی گردش لیل ونہار میں کوئی ایسا تاجدار دیکھا ہے؟ تم اس کے سوا اور کیا کہو گے؟ کہ یہ نبی جمال وجلال کا وہ بے مثال شاہکار ہے کہ شاہان عالم کے لئے اس کا تصور بھی محال ہے۔ اس لئے ہم تمام دنیا کو چیلنج کے ساتھ دعوت نظارہ دیتے ہیں کہ

رفعت شانِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

دوسرا خطبہ

فتح مکہ کے دوسرے دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں حرم کعبہ کے احکام وآداب کی تعلیم دی کہ حرم میں کسی کا خون بہانا، جانوروں کا مارنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا، اذخر کے سوا کوئی گھاس کاٹنا حرام ہے اور اللہ عزوجل نے گھڑی بھر کے لئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حرم میں جنگ کرنے کی اجازت دی پھر قیامت تک کے لئے کسی کو حرم میں جنگ کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ عزوجل نے اس کو حرم بنا دیا ہے۔ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس شہر میں خونریزی حلال کی گئی نہ میرے بعد قیامت تک کسی کے لئے حلال کی جائے گی۔(2)

انصار کو فراق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ڈر

انصار نے قریش کے ساتھ جب رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کریمانہ حسن سلوک کو دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دنوں تک مکہ میں ٹھہر گئے تو انصار کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ شاید رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی قوم اور وطن کی محبت غالب آ گئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ مکہ میں اقامت فرمالیں اور ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور ہو جائیں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انصار کے اس خیال کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ معاذ اللہ! اے انصار!

اَلْمَحْیَا مَحْیَاکُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُکُمْ۔

''اب تو ہماری زندگی اور وفات تمہارے ہی ساتھ ہے۔''(3)

یہ سن کر فرط مسرت سے انصار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور سب نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگوں نے جو کچھ دل میں خیال کیا یا زبان سے کہا اس کا سبب آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ ہمارا جذبہ عشق ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا تصور ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔(4)

کعبہ کی چھت پر اذان

جب نماز کا وقت آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ جس وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی ایمان افروز صدا بلند ہوئی تو حرم کے حصار اور کعبہ کے در و دیوار پر ایمانی زندگی کے آثار نمودار ہو گئے مگر مکہ کے وہ نومسلم جو ابھی کچھ ٹھنڈے پڑ گئے تھے اذان کی آواز سن کر ان کے دلوں میں غیرت کی آگ پھر بھڑک اٹھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عتاب بن اُسید نے کہا کہ خدا نے میرے باپ کی لاج رکھ لی کہ اس آواز کو سننے سے پہلے

ہی اس کو دنیا سے اٹھا لیا اور ایک دوسرے سردارِ قریش کے منہ سے نکلا کہ ”اب جینا بےکار ہے۔“ (5)

اس کے بعد حضور ﷺ کے فیضِ صحبت سے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے دل میں نورِ ایمان کا سورج چمک اٹھا اور وہ صادق الایمان مسلمان بن گئے۔ چنانچہ مکہ سے روانہ ہوتے وقت حضور ﷺ نے انہی کو مکہ کا حاکم بنا دیا۔ (43)

بیعتِ اسلام

اس کے بعد حضور ﷺ کوہ صفا کی پہاڑی کے نیچے ایک بلند مقام پر بیٹھے اور لوگ جوق در جوق آ کر آپ کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ مردوں کی بیعت ختم ہو چکی تو عورتوں کی باری آئی حضور ﷺ ہر بیعت کرنے والی عورت سے جب وہ تمام شرائط کا اقرار کر لیتی تو آپ ﷺ اس سے فرما دیتے تھے کہ قَدْ بَايَعْتُكِ میں نے تجھ سے بیعت لے لی۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! آپ ﷺ کے ہاتھ نے بیعت کے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ صرف کلام ہی سے بیعت فرما لیتے تھے۔ (6)

انہی عورتوں میں نقاب اوڑھ کر ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بھی بیعت کے لئے آئیں جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ یہ وہی ہند ہیں جنہوں نے جنگِ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا شکم چاک کر کے ان کے جگر کو نکال کر چبا ڈالا تھا اور ان کے کان ناک کو کاٹ کر اور آنکھ کو نکال کر ایک دھاگہ میں پرو کر گلے کا ہار بنایا تھا۔ جب یہ بیعت کے لئے آئیں تو حضور ﷺ سے نہایت دلیری کے ساتھ گفتگو کی۔ ان کا مکالمہ حسب ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ: تم خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا۔

ہند بنت عتبہ: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ ﷺ: چوری مت کرنا۔

ہند بنت عتبہ: میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہ ﷺ: اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند بنت عتبہ: ہم نے تو بچوں کو پالا تھا اور جب وہ بڑے ہو گئے تو آپ نے جنگ بدر میں ان کو مار ڈالا۔ اب آپ جانیں اور وہ جانیں۔ (7)

بہر حال حضرت ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند بنت عتبہ دونوں مسلمان ہو گئے (رضی اللہ عنہما) لہٰذا ان دونوں کے بارے میں

بدگمانی یا ان دونوں کی شان میں بدزبانی روافض کا مذہب ہے۔ اہل سنت کے نزدیک ان دونوں کا شمار صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم کی فہرست میں ہے۔ ابتداء میں گو ان دونوں کے ایمان میں کچھ تذبذب رہا ہو مگر بعد میں یہ دونوں صادق الایمان مسلمان ہو گئے اور ایمان ہی پر ان دونوں کا خاتمہ ہوا۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بارگاہ نبوت میں آئیں اور یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا ذلیل ہونا مجھے محبوب نہ تھا۔ مگر اب میرا یہ حال ہے کہ روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا عزت دار ہونا مجھے پسند نہیں۔(8)

اسی طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں محدث ابن عساکر کی ایک روایت ہے کہ یہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے سے نکلے تو انہوں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ کونسی طاقت ان کے پاس ایسی ہے کہ یہ ہم پر غالب رہتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دل میں چھپے ہوئے خیال کو جان لیا اور قریب آ کر آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ ہم خدا کی طاقت سے غالب آ جاتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے بلند آواز سے کہا کہ "میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اور محدث حاکم اور ان کے شاگرد امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ "کاش! میں ایک فوج جمع کر کے دوبارہ ان سے جنگ کرتا" ادھر ان کے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ "اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل وخوار کر دے گا۔" یہ سن کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ توبہ واستغفار کرنے لگے اور عرض کیا کہ مجھے اس وقت آپ کی نبوت کا یقین حاصل ہو گیا کیونکہ آپ نے میرے دل میں چھپے ہوئے خیال کو جان لیا۔(9)

یہ بھی روایت ہے کہ جب سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اسلام پیش فرمایا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ پھر میں اپنے معبود عزیٰ کو کیا کروں گا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برجستہ فرمایا تھا کہ "تم عزیٰ پر پاخانہ پھر دینا" چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عزیٰ کو توڑنے کے لئے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو ساتھ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے معبود عزیٰ کو توڑ ڈالا۔ یہ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے اور ابن ہشام کی روایت یہ ہے کہ عزیٰ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے توڑا تھا۔ واللہ اعلم۔(10)

بت پرستی کا خاتمہ

گزشتہ اوراق میں ہم تحریر کر چکے کہ خانہ کعبہ کے تمام بتوں اور دیواروں کی تصاویر کو توڑ پھوڑ کر اور مٹا کر مکہ کو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بت پرستی کی لعنت سے پاک کر ہی دیا تھا لیکن مکہ کے اطراف میں بھی بت پرستی کے چند مراکز تھے یعنی لات، مناۃ، سواع، عزیٰ یہ چند بڑے بڑے بت تھے جو مختلف قبائل کے معبود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکروں کو بھیج کر ان سب بتوں کو توڑ پھوڑ کر بت پرستی کے سارے طلسم کو تہس نہس کر دیا اور مکہ نیز اس کے اطراف و جوانب کے تمام بتوں کو نیست و نابود کر دیا۔(11)

اس طرح بانی کعبہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے جانشین حضور رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے مورث اعلیٰ کے مشن کو مکمل فرما دیا اور درحقیقت فتح مکہ کا سب سے بڑا یہی مقصد تھا کہ شرک و بت پرستی کا خاتمہ اور توحید خداوندی کا بول بالا ہو جائے۔ چنانچہ یہ عظیم مقصد بحمدہٖ تعالیٰ بدرجہ اتم حاصل ہو گیا۔

چند ناقابل معافی مجرمین

جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرما دیا۔ مگر چند ایسے مجرمین تھے جن کے بارے میں تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فرمان جاری فرما دیا کہ یہ لوگ اگر اسلام نہ قبول کریں تو یہ لوگ جہاں بھی ملیں قتل کر دیئے جائیں خواہ وہ غلاف کعبہ ہی میں کیوں نہ چھپے ہوں۔ ان مجرموں میں سے بعض نے تو اسلام قبول کر لیا اور بعض قتل ہو گئے ان میں سے چند کا مختصر تذکرہ تحریر کیا جاتا ہے:

1. "عبدالعزیٰ بن خطل" یہ مسلمان ہو گیا تھا اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زکوٰۃ کے جانور وصول کرنے کے لئے بھیجا اور ساتھ میں ایک دوسرے مسلمان کو بھی بھیج دیا کسی بات پر دونوں میں تکرار ہو گئی تو اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اور قصاص کے ڈر سے تمام جانوروں کو لے کر مکہ بھاگ نکلا اور مرتد ہو گیا۔ فتح مکہ کے دن یہ بھی ایک نیزہ لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے گھر سے نکلا تھا۔ لیکن مسلم افواج کا جلال دیکھ کر کانپ اٹھا اور نیزہ پھینک کر بھاگا اور کعبہ کے پردوں میں چھپ گیا۔ حضرت سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہم نے مل کر اس کو قتل کر دیا۔(12)

2. حویرث بن نقید یہ شاعر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہجو لکھا کرتا تھا اور خونی مجرم بھی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

3 مقیس بن صبابہ اس کو نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کیا۔ یہ بھی خونی تھا۔

4 حارث بن طلاطلہ یہ بھی بڑا ہی موذی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

5 قریبہ یہ ابن خطل کی لونڈی تھی۔ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گایا کرتی تھی یہ بھی قتل کی گئی۔

مکہ سے فرار ہو جانے والے

چار اشخاص مکہ سے بھاگ نکلے تھے ان لوگوں کا مختصر تذکرہ یہ ہے:

① "عکرمہ بن ابی جہل" یہ ابوجہل کے بیٹے ہیں۔ اس لئے ان کی اسلام دشمنی کا کیا کہنا؟ یہ بھاگ کر یمن چلے گئے لیکن ان کی بیوی "اُمِ حکیم" جو ابوجہل کی بھتیجی تھیں انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے شوہر عکرمہ کے لئے بارگاہ رسالت میں معافی کی درخواست پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاف فرما دیا۔ اُمِ حکیم خود یمن گئیں اور معافی کا حال بیان کیا۔ عکرمہ حیران رہ گئے اور انتہائی تعجب کے ساتھ کہا کہ کیا مجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معاف کر دیا! بہرحال اپنی بیوی کے ساتھ بارگاہ رسالت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو بے حد خوش ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم اطہر سے چادر گر پڑی۔ پھر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے خوشی خوشی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت اسلام کی۔ (13)

② "صفوان بن امیہ" یہ امیہ بن خلف کے فرزند ہیں۔ اپنے باپ امیہ ہی کی طرح یہ بھی اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ کر جدہ چلے گئے۔ حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں ان کی سفارش پیش کی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! قریش کا ایک رئیس صفوان مکہ سے جلاوطن ہوا چاہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھی معافی عطا فرما دی اور امان کے نشان کے طور پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنا عمامہ عنایت فرمایا۔ چنانچہ وہ مقدس عمامہ لے کر" جدہ گئے اور صفوان کو مکہ لے کر آئے صفوان جنگ حنین تک مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ (14)

③ "کعب بن زہیر" یہ ۹ ھ میں اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر ان کو اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ چادر مبارک حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور سلطنت میں ان کو دس ہزار درہم پیش کیا کہ یہ مقدس چادر ہمیں دے دو۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ چادر مبارک ہرگز ہرگز کسی کو نہیں دے سکتا۔ لیکن آخر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی وفات

کے بعد ان کے وارثوں کو بیس ہزار درہم دے کر وہ چادر لے لی اور عرصہ دراز تک وہ چادر سلاطین اسلام کے پاس ایک مقدس تبرک بن کر باقی رہی۔(15)

(۴) "وحشی" یہی وہ وحشی ہیں جنہوں نے جنگ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ یہ بھی فتح مکہ کے دن بھاگ کر طائف چلے گئے تھے مگر پھر طائف کے ایک وفد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی زبان سے اپنے چچا کے قتل کی خونی داستان سنی اور رنج و غم میں ڈوب گئے مگر ان کو بھی آپ نے معاف فرما دیا۔ لیکن یہ فرمایا کہ وحشی! تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو اس کا بے حد ملال رہتا تھا۔ پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مسیلمۃ الکذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لشکر اسلام نے اس ملعون سے جہاد کیا تو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ بھی اپنا نیزہ لے کر جہاد میں شامل ہوئے اور مسیلمۃ الکذاب کو قتل کر دیا۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ قَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَقَتَلْتُ شَرَّ النَّاسِ فِي الْإِسْلَامِ یعنی میں نے دور جاہلیت میں بہترین انسان (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا اور اپنے دور اسلام میں بدترین آدمی (مسیلمۃ الکذاب) کو قتل کیا۔ انہوں نے دربار اقدس میں اپنے جرائم کا اعتراف کر کے عرض کیا کہ کیا خدا مجھ جیسے مجرم کو بھی بخش دے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵۳ (54)

"(اے حبیب) آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر حد سے زیادہ گناہ کر لیا ہے اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ۔ اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔" (16)

مکہ کا انتظام

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کا نظم و نسق اور انتظام چلانے کے لئے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا حاکم مقرر فرما دیا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا کہ وہ نو مسلموں کو مسائل و احکام اسلام کی تعلیم دیتے رہیں۔(17)

اس میں اختلاف ہے کہ فتح کے بعد کتنے دنوں تک حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ سترہ دن تک آپ مکہ میں مقیم رہے۔ اور ترمذی کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ اٹھارہ دن آپ کا قیام رہا۔ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انیس دن آپ مکہ میں ٹھہرے۔(18)

ان تینوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں مکہ میں داخل ہونے اور مکہ سے روانگی کے دونوں دنوں کو شمار نہیں کیا ہے اس لئے سترہ دن مدتِ اقامت بتائی ہے اور ترمذی کی روایت میں مکہ میں آنے کے دن کو تو شمار کرلیا۔ کیونکہ آپ صبح کو مکہ میں داخل ہوئے تھے اور مکہ سے روانگی کے دن کو شمار نہیں کیا۔ کیونکہ آپ صبح سویرے ہی مکہ سے حنین کے لئے روانہ ہوگئے تھے اور امام بخاری کی روایت میں آنے اور جانے کے دونوں دنوں کو بھی شمار کرلیا گیا ہے۔ اس لئے انیس دن آپ مکہ میں مقیم رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی طرح اس میں بڑا اختلاف ہے کہ مکہ کونسی تاریخ میں فتح ہوا؟ اور آپ کس تاریخ کو مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے؟ امام بیہقی نے ۱۳ رمضان، امام مسلم نے ۱۶ رمضان، امام احمد نے ۱۸ رمضان بتایا اور بعض روایات میں ۱۷ رمضان اور ۱۸ رمضان بھی مروی ہے۔ مگر محمد بن اسحاق نے اپنے مشائخ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ۲۰ رمضان ۸ ھ کو مکہ فتح ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (19)

جنگِ حنین

"حنین" مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ تاریخ اسلام میں اس جنگ کا دوسرا نام "غزوہ ہوازن" بھی ہے۔ اس لئے کہ اس لڑائی میں "بنی ہوازن" سے مقابلہ تھا۔

فتح مکہ کے بعد عام طور سے تمام عرب کے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے کیونکہ ان میں اکثر وہ لوگ تھے جو اسلام کی حقانیت کا پورا پورا یقین رکھنے کے باوجود قریش کے ڈر سے مسلمان ہونے میں توقف کررہے تھے اور فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر چونکہ عرب کے دلوں میں کعبہ کا بے حد احترام تھا اور ان کا اعتقاد تھا کہ کعبہ پر کسی باطل پرست کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کرلیا تو عرب کے بچے بچے کو اسلام کی حقانیت کا پورا پورا یقین ہوگیا اور وہ سب کے سب جوق در جوق بلکہ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ باقی ماندہ عرب کی بھی ہمت نہ رہی کہ اب اسلام کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھاسکیں۔

لیکن مقام حنین میں "ہوازن" اور "ثقیف" نام کے دو قبیلے آباد تھے جو بہت ہی جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے۔ ان لوگوں پر فتح مکہ کا اُلٹا اثر پڑا۔ ان لوگوں پر غیرت سوار ہوگئی اور ان لوگوں نے یہ خیال قائم کرلیا کہ فتح مکہ کے بعد ہماری باری ہے اس لئے ان لوگوں نے یہ طے کرلیا کہ مسلمانوں پر جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں ایک زبردست حملہ کردیا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لئے بھیجا۔ جب انہوں نے وہاں سے واپس آکر

ان قبائل کی جنگی تیاریوں کا حال بیان کیا اور بتایا کہ قبیلہ ہوازن اور ثقیف نے اپنے تمام قبائل کو جمع کر لیا ہے اور قبیلہ ہوازن کا رئیس اعظم مالک بن عوف ان تمام افواج کا سپہ سالار ہے اور سو برس سے زائد عمر کا بوڑھا۔ "درید بن الصمہ" جو عرب کا مشہور شاعر اور مانا ہوا بہادر تھا بطور مشیر کے میدانِ جنگ میں لایا گیا ہے اور یہ لوگ اپنی عورتوں بچوں بلکہ جانوروں تک کو میدانِ جنگ میں لائے ہیں تا کہ کوئی سپاہی میدان سے بھاگنے کا خیال بھی نہ کر سکے۔

حضور ﷺ نے بھی شوال ۸ ھ میں بارہ ہزار کا لشکر جمع فرمایا۔ دس ہزار تو مہاجرین وانصار وغیرہ کا وہ لشکر تھا جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آیا تھا اور دو ہزار نومسلم تھے جو فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس لشکر کو ساتھ لے کر اس شان وشوکت کے ساتھ حنین کا رُخ کیا کہ اسلامی افواج کی کثرت اور اس کے جاہ وجلال کو دیکھ کر بے اختیار بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا کہ "آج بھلا ہم پر کون غالب آ سکتا ہے۔"

لیکن خداوند عالم عزوجل کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنی فوجوں کی کثرت پر ناز کرنا پسند نہیں آیا۔ چنانچہ اس فخر و نازش کا یہ انجام ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں قبیلہ ہوازن وثقیف کے تیر اندازوں نے جو تیروں کی بارش کی اور ہزاروں کی تعداد میں تلواریں لیکر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تو وہ دو ہزار نومسلم اور کفار مکہ جو لشکر اسلام میں شامل ہو کر مکہ سے آئے تھے ایک دم سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلے۔ ان لوگوں کی بھگدڑ دیکھ کر انصار ومہاجرین کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ حضور تاجدار دو عالم ﷺ نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو گنتی کے چند جاں نثاروں کے سوا سب فرار ہو چکے تھے۔ تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ بارہ ہزار کا لشکر فرار ہو چکا تھا مگر خدا عزوجل کے رسول ﷺ کے پائے استقامت میں بال برابر بھی لغزش نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ ﷺ اکیلے ایک لشکر بلکہ ایک عالم کائنات کا مجموعہ بنے ہوئے نہ صرف پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے بلکہ اپنے سفید خچر پر سوار برابر آگے ہی بڑھتے رہے اور آپ ﷺ کی زَبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے کہ

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ　　　　اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

اسی حالت میں آپ ﷺ نے داہنی طرف دیکھ کر بلند آواز سے پکارا کہ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ فوراً آواز آئی کہ ہم حاضر ہیں، یارسول اللہ! پھر بائیں جانب رخ کر کے فرمایا کہ یَا لَلْمُهَاجِرِیْنَ فوراً آواز آئی کہ "ہم حاضر ہیں، یارسول اللہ! حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ بہت ہی بلند آواز تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ انصار ومہاجرین کو پکارو۔ انہوں نے جو یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اور یَا لَلْمُهَاجِرِیْنَ کا نعرہ مارا تو ایک دم تمام فوجیں پلٹ پڑیں اور لوگ اس قدر تیزی کے ساتھ دوڑ پڑے

کہ جن لوگوں کے گھوڑے ازدحام کی وجہ سے نہ مڑ سکے انہوں نے ہلکا ہونے کے لئے اپنی زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود کود کر دوڑے اور کفار کے لشکر پر جھپٹ پڑے اور اس طرح جاں بازی کے ساتھ لڑنے لگے کہ دم زدن میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ کفار بھاگ نکلے کچھ قتل ہو گئے جو رہ گئے گرفتار ہو گئے۔ قبیلہ ثقیف کی فوجیں بڑی بہادری کے ساتھ جم کر مسلمانوں سے لڑتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ستر بہادر کٹ گئے۔ لیکن جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ قتل ہو گیا تو ان کے پاؤں بھی اُکھڑ گئے۔ اور فتح مبین نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کا بوسہ لیا اور کثیر تعداد و مقدار میں مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (20)

یہی وہ مضمون ہے جس کو قرآن حکیم نے نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا کہ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ (21)

''اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول اور مسلمانوں پر اور ایسے لشکروں کو اتار دیا جو تمہیں نظر نہیں آئے اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔''

حنین میں شکست کھا کر کفار کی فوجیں بھاگ کر کچھ تو "اوطاس" میں جمع ہو گئیں اور کچھ "طائف" کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئیں۔ اس لئے کفار کی فوجوں کو مکمل طور پر شکست دینے کے لئے "اوطاس" اور "طائف" پر بھی حملہ کرنا ضروری ہو گیا۔

جنگ اوطاس

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تھوڑی سی فوج "اوطاس" کی طرف بھیج دی۔ درید بن الصمہ کئی ہزار کی فوج لے کر نکلا۔ درید بن الصمہ کے بیٹے نے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے زانو پر ایک تیر مارا حضرت ابو عامر اشعری حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ اپنے چچا کو زخمی دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ دوڑ کر اپنے چچا کے پاس آئے اور پوچھا کہ چچا جان! آپ کو کس نے تیر مارا ہے؟ تو حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اشارہ سے بتایا کہ وہ شخص میرا قاتل ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ جوش میں بھرے ہوئے اس کافر کو قتل کرنے کے لئے دوڑے تو وہ بھاگ نکلا۔ مگر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا پیچھا کیا اور یہ کہہ کر کہ اے او بھاگنے والے! کیا تجھ کو شرم اور غیرت نہیں آتی؟ جب اس کافر نے یہ گرم

گرم طعنہ سنا تو ٹھہر گیا پھر دونوں میں تلوار کے دو دو ہاتھ ہوئے اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے آخر اس کو قتل کر کے دم لیا۔

پھر اپنے چچا کے پاس آئے اور خوشخبری سنائی کہ چچا جان! خدا نے آپ کے قاتل کا کام تمام کر دیا۔ پھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا کے زانو سے وہ تیر کھینچ کر نکالا تو چونکہ زہر میں بجھایا ہوا تھا اس لئے زخم سے بجائے خون کے پانی بہنے لگا۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو فوج کا سپہ سالار بنایا اور یہ وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کر دینا اور میرے لئے دعا کی درخواست کرنا۔ یہ وصیت کی اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب اس جنگ سے فارغ ہو کر میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اپنے چچا کا سلام اور پیغام پہنچایا تو اس وقت تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بان کی چارپائی پر تشریف فرما تھے اور آپ کی پشت مبارک اور پہلوئے اقدس میں بان کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے پانی منگا کر وضو فرمایا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اونچا اٹھایا کہ میں نے آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی دیکھ لی اور اس طرح آپ نے دعا مانگی کہ

"یا اللہ! عزوجل تو ابو عامر رضی اللہ عنہ کو قیامت کے دن بہت سے انسانوں سے زیادہ بلند مرتبہ بنا دے۔" یہ کرم دیکھ کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے لئے بھی دعا فرما دیجئے؟ تو یہ دعا فرمائی کہ "یا اللہ! عزوجل تو عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دے اور اس کو قیامت کے دن عزت والی جگہ میں داخل فرما۔" عبداللہ بن قیس حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔(22)

بہر کیف حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے درید بن الصمہ کے بیٹے کو قتل کر دیا اور اسلامی علم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ درید بن الصمہ بڑھاپے کی وجہ سے ایک ہودج پر سوار تھا۔ اس کو حضرت ربیعہ بن رفیع رضی اللہ عنہ نے خود اسی کی تلوار سے قتل کر دیا۔ اس کے بعد کفار کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیا اور سب گرفتار ہو گئے۔ ان قیدیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت "شیماء" رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

یہ حضرت بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ جب لوگوں نے ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں۔ مسلمان ان کو شناخت کے لئے بارگاہ نبوت میں لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پہچان لیا اور جوشِ محبت میں آپ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور آپ نے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا کر ان کو بٹھایا اور کچھ اونٹ کچھ بکریاں ان کو دے کر فرمایا کہ تم آزاد ہو۔ اگر تمہارا جی چاہے تو میرے گھر پر چل کر رہو اور اگر اپنے گھر جانا چاہو تو میں تم کو وہاں پہنچا دوں۔ انہوں نے اپنے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی تو نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ وہ ان کے قبیلے میں پہنچا دی گئیں۔(23)

طائف کا محاصرہ

یہ تحریر کیا جاچکا ہے کہ حنین سے بھاگنے والی کفار کی فوجیں کچھ تو اوطاس میں جا کر ٹھہری تھیں اور کچھ طائف کے قلعہ میں جا کر پناہ گزیں ہوگئی تھیں۔ اوطاس کی فوجیں تو آپ پڑھ چکے کہ وہ شکست کھا کر ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہوگئیں اور سب گرفتار ہوگئیں۔ لیکن طائف میں پناہ لینے والوں سے بھی جنگ ضروری تھی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حنین اور اوطاس کے اموال غنیمت اور قیدیوں کو "مقام جعرانہ" میں جمع کر کے طائف کا رخ فرمایا۔

طائف خود ایک بہت ہی محفوظ شہر تھا جس کے چاروں طرف شہر پناہ کی دیوار بنی ہوئی تھی اور یہاں ایک بہت ہی مضبوط قلعہ بھی تھا۔ یہاں کا رئیس اعظم عروہ بن مسعود ثقفی تھا جو ابوسفیان کا داماد تھا۔ یہاں ثقیف کا جو خاندان آباد تھا وہ عزت و شرافت میں قریش کا ہم پلہ شمار کیا جاتا تھا۔ کفار کی تمام فوجیں سال بھر کا راشن لے کر طائف کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوگئی تھیں۔ اسلامی افواج نے طائف پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا مگر قلعہ کے اندر سے کفار نے اس زور وشور کے ساتھ تیروں کی بارش شروع کر دی کہ لشکر اسلام اس کی تاب نہ لا سکا اور مجبوراً اس کو پسپا ہونا پڑا۔

اٹھارہ دن تک شہر کا محاصرہ جاری رہا مگر طائف فتح نہیں ہوسکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب جنگ کے ماہروں سے مشورہ فرمایا تو حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی لیکن اگر چھوڑ دی جائے تو بھی اس سے کوئی اندیشہ نہیں۔" یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دے دیا۔(24)

طائف کے محاصرہ میں بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور کل بارہ اصحاب شہید ہوئے سات قریش، چار انصار اور ایک شخص بنی لیث کے۔ زخمیوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بھی تھے یہ ایک تیر سے زخمی ہوگئے تھے۔ پھر اچھے بھی ہوگئے، لیکن ایک مدت کے بعد پھر ان کا زخم پھٹ گیا اور اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اِسی زخم سے ان کی وفات ہوگئی۔(25)

طائف کی مسجد

یہ مسجد جس کو حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا ایک تاریخی مسجد ہے۔ اس جنگ طائف میں ازواجِ مطہرات میں سے دو ازواج ساتھ تھیں حضرت اُمِ سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما ان دونوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو خیمے گاڑے

تھے اور جب تک طائف کا محاصرہ رہا آپ ان دونوں خیموں کے درمیان میں نمازیں پڑھتے رہے۔ جب بعد میں قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو ان لوگوں نے اسی جگہ پر مسجد بنالی۔(26)

جنگ طائف میں بت شکنی

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا ارادہ فرمایا تو حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا کہ وہ " ذوالکفین " کے بت خانہ کو برباد کردیں۔ یہاں عمر بن حممہ دوسی کا بت تھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر بت خانہ کو منہدم کردیا اور بت کو جلا دیا۔ بت کو جلاتے وقت وہ ان اشعار کو پڑھتے جاتے تھے:

یَاذَا الْکَفَیْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِکَا

اے ذالکفین ! میں تیرا بندہ نہیں ہوں

مِیْلَادُنَا اَقدم مِنْ مِیْلَادِکَا

میری پیدائش تیری پیدائش سے بڑی ہے

اِنِّیْ حَشَوْتُ النَّارَ فِیْ فُؤَادِکَا

میں نے تیرے دل میں آگ لگا دی ہے

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ چار دن میں اس مہم سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس طائف میں پہنچ گئے۔ یہ " ذوالکفین " سے قلعہ توڑنے کے آلات منجنیق وغیرہ بھی لائے تھے۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلی یہی منجنیق ہے جو طائف کا قلعہ توڑنے کے لئے لگائی گئی۔مگر کفار کی فوجوں نے تیراندازی کے ساتھ ساتھ گرم گرم لوہے کی سلاخیں پھینکنی شروع کر دیں اس وجہ سے قلعہ توڑنے میں کامیابی نہ ہوسکی۔(27)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ طائف کے اطراف میں جو جابجا ثقیف کے بت خانے ہیں ان سب کو منہدم کردیں۔ چنانچہ آپ نے ان سب بتوں اور بت خانوں کو توڑ پھوڑ کر مسمار و برباد کردیا۔ اور جب لوٹ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور بہت دیر تک ان سے تنہائی میں گفتگو فرماتے رہے، جس سے لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔(28)

طائف سے روانگی کے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ قبیلہ ثقیف کے کفار کے لئے ہلاکت کی دعا فرمادیجئے۔ تو آپ نے دعا مانگی کہ اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّاْتِ بِھِمْ یااللہ! عزوجل ثقیف کو ہدایت دے اور انکو

میرے پاس پہنچادے۔(29)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعامقبول ہوئی کہ قبیلہ ثقیف کا وفد مدینہ پہنچا اور پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

مال غنیمت کی تقسیم

طائف سے محاصرہ اُٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "جعرانہ" تشریف لائے۔ یہاں اموال غنیمت کا بہت بڑا ذخیرہ جمع تھا۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، کئی من چاندی، اور چھ ہزار قیدی۔ اسیرانِ جنگ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے رشتہ داروں کے آنے کا انتظار فرمایا۔ لیکن کئی دن گزرنے کے باوجود جب کوئی نہ آیا۔

تو آپ نے مال غنیمت کو تقسیم فرمادینے کا حکم دے دیا مکہ اور اس کے اطراف کے نومسلم رئیسوں کو آپ نے بڑے بڑے انعاموں سے نوازا۔ یہاں تک کہ کسی کو تین سو اونٹ، کسی کو دو سو اونٹ، کسی کو سو اونٹ انعام کے طور پر عطا فرمادیا۔ اسی طرح بکریوں کو بھی نہایت فیاضی کے ساتھ تقسیم فرمایا۔(30)

انصاریوں سے خطاب

جن لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے بڑے انعامات سے نوازا وہ عموماً مکہ والے نومسلم تھے۔ اس پر بعض نوجوان انصاریوں نے کہا کہ "رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کو اس قدر عطا فرمارہے ہیں اور ہم لوگوں کا کچھ بھی خیال نہیں فرمارہے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے۔"(31)

اور انصار کے کچھ نوجوانوں نے آپس میں یہ بھی کہا اور اپنی دل شکنی کا اظہار کیا کہ جب شدید جنگ کا موقع ہوتا ہے تو ہم انصاریوں کو پکارا جاتا ہے اور غنیمت دوسرے لوگوں کو دی جارہی ہے۔(32)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ چرچا سنا تو تمام انصاریوں کو ایک خیمہ میں جمع فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ اے انصار! کیا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارے سرداروں میں سے کسی نے بھی کچھ نہیں کہا ہے۔ ہاں چند نئی عمر کے لڑکوں نے ضرور کچھ کہہ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے میرے ذریعہ سے خدا نے تم کو ہدایت دی، تم متفرق اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق و اتحاد پیدا فرمایا، تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو غنی بنادیا۔(33)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے جاتے تھے اور انصار آپ کے ہر جملہ کو سن کر یہ کہتے جاتے تھے کہ اللہ اور رسول کا ہم پر بہت

بڑا احسان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے انصار! تم لوگ یوں مت کہو، بلکہ مجھ کو یہ جواب دو کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تو ہم لوگوں نے آپ کی تصدیق کی۔ جب لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا تو ہم لوگوں نے آپ کو ٹھکانا دیا۔ جب آپ بے سروسامانی کی حالت میں آئے تو ہم نے ہر طرح سے آپ کی خدمت کی۔ لیکن اے انصاریو! میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں تم مجھے اس کا جواب دو۔ سوال یہ ہے کہ کیا تم لوگوں کو یہ پسند نہیں کہ سب لوگ یہاں سے مال و دولت لے کر اپنے گھر جائیں اور تم لوگ اللہ کے نبی کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔ خدا کی قسم! تم لوگ جس چیز کو لے کر اپنے گھر جاؤ گے وہ اس مال و دولت سے بہت بڑھ کر ہے جس کو وہ لوگ لے کر اپنے گھر جائیں گے۔

یہ سن کر انصار بے اختیار چیخ پڑے کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اس پر راضی ہیں۔ ہم کو صرف اللہ عزوجل کا رسول چاہیے اور اکثر انصار کا تو یہ حال ہو گیا کہ وہ روتے روتے بے قرار ہو گئے اور آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ بالکل ہی نومسلم ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو جو کچھ دیا ہے یہ ان کے استحقاق کی بنا پر نہیں ہے بلکہ صرف ان کے دلوں میں اسلام کی اُلفت پیدا کرنے کی غرض سے دیا ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا اور اگر تمام لوگ کسی وادی اور گھاٹی میں چلیں اور انصار کسی دوسری وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی اور گھاٹی میں چلوں گا۔ (34)

قیدیوں کی رہائی

آپ جب اموالِ غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو چکے تو قبیلہ بنی سعد کے رئیس زہیر ابوصرد چند معززین کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسیران جنگ کی رہائی کے بارے میں درخواست پیش کی۔ اس موقع پر زہیر ابوصرد نے ایک بہت مؤثر تقریر کی۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے ہمارے خاندان کی ایک عورت حلیمہ کا دودھ پیا ہے۔ آپ نے جن عورتوں کو ان چھپروں میں قید کر رکھا ہے ان میں سے بہت سی آپ کی (رضاعی) پھوپھیاں اور بہت سی آپ کی خالائیں ہیں۔ خدا کی قسم! اگر عرب کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے ہمارے خاندان کی کسی عورت کا دودھ پیا ہوتا تو ہم کو اس سے بہت زیادہ امیدیں ہوتیں اور آپ سے تو اور بھی زیادہ ہماری توقعات وابستہ ہیں۔ لہٰذا آپ ان سب قیدیوں کو رہا کر دیجئے۔

زہیر کی تقریر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ متأثر ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کا بہت زیادہ

انتظار کیا مگر آپ لوگوں نے آنے میں بہت زیادہ دیر لگا دی۔ بہر کیف میرے خاندان والوں کے حصہ میں جس قدر لونڈی غلام آئے ہیں۔ میں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔لیکن اب عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے وقت جب مجمع ہو تو آپ لوگ اپنی درخواست سب کے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ نماز ظہر کے وقت ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجمع کے سامنے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھ کو صرف اپنے خاندان والوں پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں کہ قیدیوں کو رہا کر دیا جائے یہ سن کر تمام انصار و مہاجرین اور دوسرے تمام مجاہدین نے بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔ آپ ان لوگوں کو بھی آزاد فرما دیں۔ اس طرح دفعۃً چھ ہزار اسیران جنگ کی رہائی ہو گئی۔(35)

بخاری شریف کی روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس دنوں تک "ہوازن" کے وفد کا انتظار فرماتے رہے۔ جب وہ لوگ نہ آئے تو آپ نے مال غنیمت اور قیدیوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ اس کے بعد جب "ہوازن" کا وفد آیا اور انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر کے یہ درخواست پیش کی کہ ہمارے مال اور قیدیوں کو واپس کر دیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سچی بات ہی پسند ہے۔ لہٰذا سن لو! کہ مال اور قیدی دونوں کو تو میں واپس نہیں کر سکتا۔ ہاں ان دونوں میں سے ایک کو تم اختیار کر لو یا مال لے لو یا قیدی۔ یہ سن کر وفد نے قیدیوں کو واپس لینا منظور کیا۔

اس کے بعد آپ نے فوج کے سامنے ایک خطبہ پڑھا اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو! یہ تمہارے بھائی تائب ہو کر آ گئے ہیں اور میری یہ رائے ہے کہ میں ان کے قیدیوں کو واپس کر دوں تو تم میں سے جو خوشی خوشی اس کو منظور کرے وہ اپنے حصہ کے قیدیوں کو واپس کر دے اور جو یہ چاہے کہ ان قیدیوں کے بدلے میں دوسرے قیدیوں کو لے کر ان کو واپس کرے تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ مجھے جو غنیمت عطا فرمائے گا میں اس میں سے اس کا حصہ دوں گا۔ یہ سن کر ساری فوج نے کہہ دیا کہ یا رسول اللہ! ہم سب نے خوشی خوشی سب قیدیوں کو واپس کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح پتا نہیں چلتا کہ کس نے اجازت دی اور کس نے نہیں دی؟ لہٰذا تم لوگ اپنے اپنے چودھریوں کے ذریعہ مجھے خبر دو۔ چنانچہ ہر قبیلہ کے چودھریوں نے دربار رسالت میں آ کر عرض کر دیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے خوش دلی کے ساتھ اپنے حصہ کے قیدیوں کو واپس کر دیا ہے۔(36)

عمرۂ جعرانہ

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعرانہ ہی سے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور احرام باندھ کر مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ ادا

کرنے کے بعد پھر مدینہ واپس تشریف لے گئے اور ذوالقعدہ ۸ ھ کو مدینہ میں داخل ہوئے۔(37)

۸ ھ کے متفرق واقعات

① اسی سال رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے پیدا ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوگئی۔اتفاق سے جس دن ان کی وفات ہوئی سورج گرہن ہوا چونکہ عربوں کا عقیدہ تھا کہ کسی عظیم الشان انسان کی موت پر سورج گرہن لگتا ہے۔اس لئے لوگوں نے یہ خیال کرلیا کہ یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا نتیجہ ہے۔ جاہلیت کے اس عقیدہ کو دور فرمانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ چاند اور سورج میں کسی کی موت وحیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کسوف جماعت کے ساتھ پڑھی۔(38)

② اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔یہ صاحبزادی صاحبہ حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی منکوحہ تھیں۔انہوں نے ایک فرزند جس کا نام "علی" تھا اور ایک لڑکی جن کا نام "امامہ" تھا، اپنے بعد چھوڑا۔حضرت بی بی فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد آپ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیں۔چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت پر عمل کیا۔(39)

③ اسی سال مدینہ میں غلہ کی گرانی بہت زیادہ بڑھ گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ غلہ کا بھاؤ مقرر فرمادیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلہ کی قیمت پر کنٹرول فرمانے سے انکار فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ

''اللہ وہی بھاؤ مقرر فرمانے والا ہے وہی روزی کو تنگ کرنے والا، کشادہ کرنے والا، روزی رساں ہے۔''(40)

④ بعض مؤرخین کے بقول اسی سال مسجد نبوی میں منبر شریف رکھا گیا۔اس سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے اور بعض مؤرخین کا قول ہے کہ منبر ۷ ھ میں رکھا گیا۔یہ منبر لکڑی کا بنا ہوا تھا جو ایک انصاری عورت نے بنوا کر مسجد میں رکھوایا تھا۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ میں اس منبر کو تبرکاً ملک

شام لے جاؤں مگر انہوں نے جب اس کو اس کی جگہ سے ہٹایا تو اچانک سارے شہر میں ایسا اندھیرا چھا گیا کہ دن میں تارے نظر آنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت شرمندہ ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معذرت خواہ ہوئے اور انہوں نے اس منبر کے نیچے تین سیڑھیوں کا اضافہ کر دیا۔ جس سے منبر نبوی کی تینوں پرانی سیڑھیاں اوپر ہو گئیں تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم جن سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے اب دوسرا کوئی خطیب ان پر قدم نہ رکھے۔ جب یہ منبر بہت زیادہ پرانا ہو کر انتہائی کمزور ہو گیا تو خلفاء عباسیہ نے بھی اس کی مرمت کرائی۔(41)

5 اسی سال قبیلہ عبدالقیس کا وفد حاضر خدمت ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو خوش آمدید کہا اور ان لوگوں کے حق میں یوں دعا فرمائی کہ "اے اللہ! عزوجل تو عبدالقیس کو بخش دے" جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں پہنچے تو اپنی سواریوں سے کود کر دوڑ پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس قدم کو چومنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو منع نہیں فرمایا۔(42)

توبہ کی فضیلت

حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ عزوجل کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔(43)

عاملوں کا تقرر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۹ ھ محرم کے مہینے میں زکوٰۃ وصدقات کی وصولی کے لئے عاملوں اور محصّلوں کو مختلف قبائل میں روانہ فرمایا۔ ان امراء وعاملین کی فہرست میں مندرج ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کو ابن سعد نے ذکر فرمایا ہے۔

① حضرت عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کو بنی تمیم کی طرف
② حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو سلیم ومزینہ
③ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بنی فزارہ
④ حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو بنی کعب
⑤ حضرت یزید بن حصین رضی اللہ عنہ کو اسلم وغفار
⑥ حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو جہینہ کی طرف
⑦ حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو بنی کلاب
⑧ حضرت ابن اللبتیہ رضی اللہ عنہ کو بنی ذبیان

(۹) حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو صنعاء

(۱۰) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو قبیلہ طی و بنی اسعد

(۱۱) حضرت زبرقان رضی اللہ عنہ کو بنی سعد کے نصف حصہ

(۱۲) حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین

(۱۳) حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ کو حضر موت

(۱۴) حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ کو بنی حنظلہ

(۱۵) حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کو بنی سعد کے نصف حصہ

(۱۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نجران

یہ حضور شہنشاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امراء اور عاملین ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ وصدقات و جزیہ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا تھا۔(44)

حوالہ جات

1۔زرقانی ج ۲ص ۳۲۸

2۔بخاری ج ۲ص ۶۱۷

3۔سیرت ابن ہشام ج ۲ص ۴۱۶

4۔زرقانی ج ۲ص ۳۳۳

5۔اصابۃ تذکرۃ عتاب بن اسید ج ۲ص ۴۵۱

6۔سیرت ابن ہشام ج ۲ص ۴۱۳ وص ۴۴۰

7۔بخاری ج ۱ص ۳۷۵ کتاب الشروط

8۔طبری ج ۳ص ۶۴۳ مختصراً

9۔بخاری ج ۱ص ۵۳۹

10۔زرقانی ج ۲ص ۳۴۶

11۔زرقانی ج ۲ص ۳۴۹

12۔زرقانی ج ۲ص ۳۴۷ تاص ۳۴۹

13۔زرقانی ج ۲ص ۳۲۲

14۔موطا امام مالک کتاب النکاح

15۔طبری ج ۳ص ۶۴۵

16۔مدارج ج ۲ص ۳۳۸

17۔الزمر: ۵۳

18۔مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۰۲

19۔مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۲۴

20۔بخاری ج ۲ص ۶۱۵

21۔زرقانی ج ۲ص ۲۹۹

22۔بخاری ج ۲ص ۶۲۱ غزوہ طائف

23۔التوبہ: ۲۵،۲۶

24۔بخاری ج ۲ص ۶۱۹

25۔طبری ج ۳ص ۶۶۸

26۔زرقانی ج ۳ص ۳۳

27۔زرقانی ج ۳ص ۳۰ 7۔زرقانی ج ۳ص ۳۱

28۔زرقانی ج ۳ص ۳۱

29۔مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۱۸

30۔مسلم ج ۲ص ۳۰۷

31۔سیرت ابن ہشام ج ۲ص ۴۸۹

32۔بخاری ج ۲ص ۶۲۰

33۔بخاری ج ۲ص ۶۲۱

34۔بخاری ج ۲ص ۶۲۰

35۔بخاری ج ۲ص ۶۲۰

36۔سیرتِ ابن ہشام ج ۴ص ۴۸۸ وص ۴۸۹

37۔بخاری ج ۱ص ۳۴۵

38۔زرقانی ج ۳ص ۳۱

39۔بخاری ج ۱ص ۱۴۲

40۔مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۲۵

41۔مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۲۵

42۔مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۲۷

43۔مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۳۰

44۔سنن ابن ماجہ ص ۲۷۳۵

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. درید بن الصمہ کون تھا؟

....

....

2. حضرت "شیماء" رضی اللہ عنہا کون تھیں؟

....

....

3. طائف کے محاصرہ میں کتنے مسلمان زخمی وشہید ہوئے؟

....

....

4. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عوف بن مالک کے لئے کیا وعدہ فرمایا تھا؟

....

....

5. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کب وفات پائی اور ان کی کتنی اولاد تھی؟

....

....

6. توبہ کی فضیلت بیان کریں؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. جب یہ بہت زیادہ پرانا ہوکر انتہائی کمزور ہوگیا

گھر ☐ منبر ☐ درخت ☐ تعلق ☐

2. یہ سن کر وفد نے کو واپس لینا منظور کیا

قیدیوں ☐ مال ☐ سامان ☐ جانور ☐

3. حالانکہ ہماری سے خون ٹپک رہا ہے

باتوں ☐ رویوں ☐ تلواروں ☐ کمانوں ☐

4. یہاں کا رئیس اعظم عروہ بن مسعود ثقفی تھا جو ابوسفیان کا تھا

بیٹا ☐ بھائی ☐ چچا ☐ داماد ☐

5. جب لوگوں نے ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے نبی کی ہوں

خالہ ☐ پھوپھی ☐ بہن ☐ نواسی ☐

6. باقی ماندہ عرب کی بھی ہمت نہ رہی کہ اب اسلام کے مقابلہ میں اٹھا سکیں

ہاتھ ☐ زبان ☐ ہتھیار ☐ بوجھ ☐

مسجد جعرانہ

ہجرت کا نواں سال

سبق نمبر
20

غزوہ تبوک، اسلام کی نشر واشاعت اور مختلف وفود کی آمد

خلاصۂ سبق

9ہجری میں غزوہ تبوک ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سرایا روانہ کیے۔غزوہ تبوک سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کی مسجد ضرار (جس میں جمع ہو کر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشورہ کرتے تھے) کو آگ لگا دینے کا حکم دیا۔اطراف عالم میں پھیلتی اسلام کی نشر واشاعت سے متاثر ہو کر اس سال مختلف وفود قبول اسلام کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ڈال ہوئے، نیز اسی سال عیسائیوں کا ایک وفد جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا، جسے وفد نجران کہا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدینہ میں ملا، یہ لوگ جب ایمان نہ لائے تو آپ کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جزیہ ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے ان کے لیے ایک صلح نامہ تحریر فرمایا۔

غزوۂ تبوک

"تبوک" مدینہ اور شام کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے چودہ منزل دور ہے۔بعض مؤرخین کا قول ہے کہ "تبوک" ایک قلعہ کا نام ہے اور بعض کا قول ہے کہ "تبوک" ایک چشمہ کا نام ہے۔ممکن ہے یہ سب باتیں موجود ہوں! یہ غزوہ سخت قحط کے دنوں میں ہوا۔طویل سفر، ہوا گرم، سواری کم، کھانے پینے کی تکلیف، لشکر کی تعداد بہت زیادہ، اس لیے

اس غزوہ میں مسلمانوں کو بڑی تنگی اور تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ کو "جیش العسرۃ" (تنگ دستی کا لشکر) بھی کہتے ہیں اور چونکہ منافقوں کو اس غزوہ میں بڑی شرمندگی اور شرمساری اٹھانی پڑی تھی۔ اس وجہ سے اس کا ایک نام "غزوہ فاضحہ" (رسوا کرنے والا غزوہ) بھی ہے۔ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اس غزوہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رجب ۹ھ جمعرات کے دن روانہ ہوئے۔(1)

غزوۂ تبوک کا سبب

عرب کا غسانی خاندان جو قیصر روم کے زیر اثر ملک شام پر حکومت کرتا تھا چونکہ وہ عیسائی تھا اس لیے قیصر روم نے اس کو اپنا آلہ کار بنا کر مدینہ پر فوج کشی کا عزم کرلیا۔ چنانچہ ملک شام کے جو سوداگر روغن زیتون بیچنے مدینہ آیا کرتے تھے۔ انہوں نے خبر دی کہ قیصر روم کی حکومت نے ملکِ شام میں بہت بڑی فوج جمع کر دی ہے۔ اور اس فوج میں رومیوں کے علاوہ قبائل لخم وجذام اور غسان کے تمام عرب بھی شامل ہیں۔ ان خبروں کا تمام عرب میں ہر طرف چرچا تھا اور رومیوں کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی اس لیے ان خبروں کو غلط سمجھ کر نظر انداز کر دینے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دے دیا۔

لیکن جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ اس وقت حجازِ مقدس میں شدید قحط تھا اور بے پناہ شدت کی گرمی پڑ رہی تھی ان وجوہات سے لوگوں کو گھر سے نکلنا شاق گزر رہا تھا۔ مدینہ کے منافقین جن کے نفاق کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا وہ خود بھی فوج میں شامل ہونے سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تیس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ مگر ان تمام مجاہدین کے لیے سواریوں اور سامان جنگ کا انتظام کرنا ایک بڑا ہی کٹھن مرحلہ تھا کیونکہ لوگ قحط کی وجہ سے انتہائی مفلوک الحال اور پریشان تھے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام قبائل عرب سے فوجیں اور مالی امداد طلب فرمائی۔ اس طرح اسلام میں کسی کار خیر کے لیے چندہ کرنے کی سنت قائم ہوئی۔

فہرست چندہ دہندگان

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال اور گھر کا تمام اثاثہ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی لا کر بارگاہ نبوت میں پیش کر دیئے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال اس چندہ میں دے دیا۔ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنا نصف مال لے کر بارگاہ اقدس میں چلے تو اپنے دل میں یہ خیال کر کے چلے تھے کہ آج میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جاؤں گا کیونکہ اس دن کا شانۂ فاروق میں اتفاق سے بہت زیادہ مال تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر! کتنا مال یہاں لائے اور کس قدر گھر پر چھوڑا؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! آدھا مال حاضر خدمت ہے اور آدھا مال اہل وعیال کے لئے گھر میں چھوڑ دیا ہے اور جب یہی سوال اپنے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ اِدَّخَرْتُ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو اپنے گھر کا ذخیرہ بنا دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَا بَیْنَکُمَا مَا بَیْنَ کَلِمَتَیْکُمَا تم دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا تم دونوں کے کلاموں میں فرق ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مجاہدین کی سواری کے لئے اور ایک ہزار اشرفی فوج کے اخراجات کی مد میں اپنی آستین میں بھر کر لائے اور حضور علیہ السلام کی آغوش مبارک میں بکھیر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قبول فرما کر یہ دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ ارْضِ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْہُ رَاضٍ ''اے اللہ! تو عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں اس سے خوش ہو گیا ہوں۔''

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم دیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے گھر میں اس وقت اسی ہزار درہم تھے۔ آدھا بارگاہ اقدس میں لایا ہوں اور آدھا گھر پر بال بچوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس میں بھی برکت دے جو تم لائے اور اس میں بھی برکت عطا فرمائے جو تم نے گھر پر رکھا۔ اس دعاء نبوی کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت زیادہ مالدار ہو گئے۔

اسی طرح تمام انصار و مہاجرین نے حسب توفیق اس چندہ میں حصہ لیا۔ عورتوں نے اپنے زیورات اتار اتار کر بارگاہ نبوت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ نے کئی من کھجوریں دیں۔ اور حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ جو بہت ہی مفلس تھے فقط ایک صاع کھجور لے کر حاضر خدمت ہوئے اور گزارش کی کہ یارسول اللہ! میں نے دن بھر پانی بھر بھر کر مزدوری کی تو دو صاع کھجوریں مجھے مزدوری میں ملی ہیں۔ ایک صاع اہل وعیال کو دے دی ہے اور یہ ایک صاع حاضر خدمت ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب نازک اپنے ایک مفلس جاں نثار کے اس نذرانہ خلوص سے بیحد متاثر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کھجور کو تمام مالوں کے اوپر رکھ دیا۔ (2)

فوج کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اب تک یہ طریقہ تھا کہ غزوات کے معاملہ میں بہت زیادہ راز داری کے ساتھ تیاری فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ عساکر اسلامیہ کو عین وقت تک یہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ کہاں اور کس طرف جانا ہے؟ مگر جنگ تبوک کے

موقع پر سب کچھ انتظام علانیہ طور پر کیا اور یہ بھی بتا دیا کہ تبوک چلنا ہے اور قیصر روم کی فوجوں سے جہاد کرنا ہے تا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تیاری کر لیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جیسا کہ لکھا جا چکا دل کھول کر چندہ دیا مگر پھر بھی پوری فوج کے لئے سواریوں کا انتظام نہ ہو سکا۔ چنانچہ بہت سے جانباز مسلمان اسی بنا پر اس جہاد میں شریک نہ ہو سکے کہ ان کے پاس سفر کا سامان نہیں تھا یہ لوگ دربار رسالت میں سواری طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئے مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سواری نہیں ہے تو یہ لوگ اپنی بے سروسامانی پر اس طرح بلبلا کر روئے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی آہ و زاری اور بے قراری پر رحم آ گیا۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ (3)

”اور نہ ان لوگوں پر کچھ حرج ہے کہ وہ جب (اے رسول) آپ کے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے اور آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ واپس گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں ہے۔“

تبوک کو روانگی

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیس ہزار کا لشکر ساتھ لے کر تبوک کے لئے روانہ ہوئے اور مدینہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی حسرت و افسوس کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر خود جہاد کے لئے تشریف لئے جا رہے ہیں تو ارشاد فرمایا کہ

اَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّآ اَنَّهٗ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ (4)

”کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“

یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی امت بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کے لئے اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے اسی طرح میں تم کو اپنی امت سونپ کر جہاد کے لئے جا رہا ہوں۔

مدینہ سے چل کر مقام ”ثنیۃ الوداع“ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا۔ پھر فوج کا جائزہ لیا اور فوج کا مقدمہ، میمنہ، میسرہ وغیرہ مرتب فرمایا۔ پھر وہاں سے کوچ کیا۔ منافقین قسم قسم کے جھوٹے عذر اور بہانے بنا کر رہ گئے اور مخلص مسلمانوں

میں سے بھی چند حضرات رہ گئے ان میں یہ حضرات تھے، کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع، ابوخیثمہ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے ابوخیثمہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم تو بعد میں جا کر شریک جہاد ہو گئے لیکن تین اول الذکر نہیں گئے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پیچھے رہ جانے کا سبب یہ ہوا کہ ان کا اونٹ بہت ہی کمزور اور تھکا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کو چند دن چارہ کھلایا تا کہ وہ چنگا ہو جائے۔ جب روانہ ہوئے تو وہ پھر راستہ میں تھک گیا۔ مجبوراً وہ اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر چل پڑے اور اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ (5)

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ جانے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے مگر وہ ایک دن شدید گرمی میں کہیں باہر سے آئے تو ان کی بیوی نے چھپر میں چھڑکاؤ کر رکھا تھا۔ تھوڑی دیر اس سایہ دار اور ٹھنڈی جگہ میں بیٹھے پھر نا گہاں ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آ گیا۔ اپنی بیوی سے کہا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تو اپنی چھپر میں ٹھنڈک اور سایہ میں آرام وچین سے بیٹھا رہوں اور خدا عزوجل کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دھوپ کی تمازت اور شدید لو کے تھپیڑوں میں سفر کرتے ہوئے جہاد کے لئے تشریف لے جا رہے ہوں ایک دم ان پر ایسی ایمانی غیرت سوار ہوگئی کہ توشہ کے لئے کھجور لے کر ایک اونٹ پر سوار ہو گئے اور تیزی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ لشکر والوں نے دور سے ایک شتر سوار کو دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوخیثمہ ہوں گے اس طرح یہ بھی لشکر اسلام میں پہنچ گئے۔ (6)

راستے میں قوم عاد وثمود کی وہ بستیاں ملیں جو قہر الٰہی کے عذابوں سے الٹ پلٹ کر دی گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے اس لئے کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے بلکہ نہایت تیزی کے ساتھ سب لوگ یہاں سے سفر کر کے ان عذاب کی وادیوں سے جلد باہر نکل جائیں اور کوئی یہاں کا پانی نہ پیئے اور نہ کسی کام میں لائے۔ اس غزوہ میں پانی کی قلت، شدید گرمی، سواریوں کی کمی سے مجاہدین نے بے حد تکلیف اٹھائی مگر منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیا۔

راستے کے چند معجزات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ سب سے الگ الگ چل رہے ہیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ سب سے الگ ہی چلیں گے اور الگ ہی زندگی گزاریں گے اور الگ ہی وفات پائیں گے۔ چنانچہ ٹھیک ایسا ہی ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو حکم دے دیا کہ آپ "ربذہ" میں رہیں آپ رضی اللہ عنہ ربذہ میں اپنی بیوی اور غلام کے ساتھ رہنے لگے۔ جب وفات کا وقت آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم دونوں مجھ کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر راستہ میں رکھ دینا۔ جب شتر سواروں کا پہلا گروہ میرے جنازہ کے پاس سے گزرے تو تم لوگ اس سے کہنا کہ یہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا

جنازہ ہے ان پر نماز پڑھ کر ان کو دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔

خدا عزوجل کی شان کہ سب سے پہلا جو قافلہ گزرا اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا کہ یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے۔ تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن پڑھا اور قافلہ کو روک کر اتر پڑے اور کہا کہ بالکل سچ فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ "اے ابوذر! تو تنہا چلے گا، تنہا مرے گا، تنہا قبر سے اُٹھے گا۔" پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور قافلہ والوں نے ان کو پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔(7)

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ان کی بیوی کے پاس کفن کے لئے کپڑا نہیں تھا تو آنے والے لوگوں میں سے ایک انصاری نے کفن کے لئے کپڑا دیا اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

ہوا اڑا لے گئی

جب اسلامی لشکر مقام "حجر" میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی شخص اکیلا لشکر سے باہر کہیں دور نہ چلا جائے پورے لشکر نے اس حکم نبوی کی اطاعت کی مگر قبیلہ بنو ساعدہ کے دو آدمیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو نہیں مانا۔ ایک شخص اکیلا ہی رفع حاجت کے لئے لشکر سے دور چلا گیا وہ بیٹھا ہی تھا کہ دفعۃً کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ اسی جگہ مر گیا اور دوسرا شخص اپنا اونٹ پکڑنے کے لئے اکیلا ہی لشکر سے کچھ دور چلا گیا تو ناگہاں ایک ہوا کا جھونکا آیا اور اس کو اڑا کر قبیلہ "طی" کے دونوں پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا اور وہ ہلاک ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کا انجام سن کر فرمایا کہ کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کر دیا تھا؟ ان کے لئے کپڑا دیا اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا۔(8)

گمشدہ اونٹنی کہاں ہے؟

ایک منزل پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کہیں چلی گئی اور لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگے تو ایک منافق جس کا نام "زید بن لصیت" تھا کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میرے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں مگر ان کو یہ پتا ہی نہیں ہے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے حالانکہ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کے بتا دینے سے میں خوب جانتا ہوں کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ وہ فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت میں اس کی مہار کی رسی اُلجھ گئی ہے۔ تم لوگ جاؤ اور اس اونٹنی کو میرے پاس لے کر آ جاؤ۔ جب لوگ اس جگہ گئے تو ٹھیک ایسا ہی دیکھا کہ اسی گھاٹی میں وہ اونٹنی کھڑی ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں الجھی ہوئی ہے۔

تبوک کا چشمہ

جب حضور ﷺ تبوک کے قریب میں پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کل تم لوگ تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے اور سورج بلند ہونے کے بعد پہنچو گے لیکن کوئی شخص وہاں پہنچے تو پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ رسول اللہ ﷺ جب وہاں پہنچے تو جوتے کے تسمے کے برابر اس میں ایک پانی کی دھار بہہ رہی تھی۔ آپ ﷺ نے اس میں سے تھوڑا سا پانی منگا کر ہاتھ منہ دھویا اور اس پانی میں کلی فرمائی۔ پھر حکم دیا کہ اس پانی کو چشمہ میں انڈیل دو۔ لوگوں نے جب اس پانی کو چشمہ میں ڈالا تو چشمہ سے زوردار پانی کی موٹی دھار بہنے لگی اور تیس ہزار کا لشکر اور تمام جانور اس چشمہ کے پانی سے سیراب ہو گئے۔ (9)

رومی لشکر ڈر گیا

حضورِ اقدس ﷺ نے تبوک میں پہنچ کر لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا۔ مگر دور دور تک رومی لشکروں کا کوئی پتا نہیں چلا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب رومیوں کے جاسوسوں نے قیصر کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک میں آ رہے ہیں تو رومیوں کے دلوں پر اس قدر ہیبت چھا گئی کہ وہ جنگ سے ہمت ہار گئے اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکل سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے بیس دن تبوک میں قیام فرمایا اور اطراف و جوانب میں افواجِ الٰہی کا جلال دکھا کر اور کفار کے دلوں پر اسلام کا رعب بٹھا کر مدینہ واپس تشریف لائے اور تبوک میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اسی سفر میں "یلہ" کا سردار جس کا نام "یحنہ" تھا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کر لیا اور ایک سفید خچر بھی دربار رسالت میں نذر کیا جس کے صلہ میں تاجدارِ دو عالم ﷺ نے اس کو اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی اور اس کو ایک دستاویز تحریر فرما کر عطا فرمائی کہ وہ اپنے گردوپیش کے سمندر سے ہر قسم کے فوائد حاصل کرتا رہے۔ (10)

اسی طرح "جرباء" اور "اذرح" کے عیسائیوں نے بھی حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک سو بیس سواروں کے ساتھ "دومۃ الجندل" کے بادشاہ "اکیدر بن عبدالملک" کی طرف روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ وہ رات میں نیل گائے کا شکار کر رہا ہو گا تم اس کے پاس پہنچو تو اس کو قتل مت کرنا بلکہ اس کو زندہ گرفتار کر کے میرے پاس لانا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے چاندنی رات میں اکیدر اور اس کے بھائی حسان کو شکار کرتے ہوئے پالیا۔ حسان نے چونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جنگ شروع کر دی۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو تو قتل کر دیا مگر اکیدر کو گرفتار کر لیا اور اس شرط پر اس کو رہا کیا کہ وہ مدینہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر صلح کرے۔ چنانچہ وہ مدینہ آیا اور حضور ﷺ نے اس کو امان دی۔ (11)

اس غزوہ میں جولوگ غیر حاضر رہے ان میں اکثر منافقین تھے۔ جب حضور ﷺ تبوک سے مدینہ واپس آئے اور مسجد نبوی میں نزولِ اجلال فرمایا تو منافقین قسمیں کھا کھا کر اپنا اپنا عذر بیان کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے کسی سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا لیکن تین مخلص صحابیوں حضرت کعب بن مالک و ہلال بن امیہ و مرارہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہم کا پچاس دنوں تک آپ ﷺ نے بائیکاٹ فرمادیا۔ پھر ان تینوں کی توبہ قبول ہوئی اور ان لوگوں کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی۔ (12)

جب حضور ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے اور اُحد پہاڑ کو دیکھا تو فرمایا کہ هٰذَا اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ یہ اُحد ہے۔ یہ ایسا پہاڑ ہے کہ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب آپ ﷺ نے مدینہ کی سرزمین میں قدم رکھا تو عورتیں، بچے اور لونڈی غلام سب استقبال کے لئے نکل پڑے اور استقبالیہ نظمیں پڑھتے ہوئے آپ کے ساتھ مسجد نبوی تک آئے۔ جب آپ ﷺ مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھ کر تشریف فرما ہو گئے۔ تو حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا اور اہل مدینہ نے بخیر و عافیت اس دشوار گزار سفر سے آپ ﷺ کی تشریف آوری پر انتہائی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا اور ان منافقین کے بارے میں جو جھوٹے بہانے بنا کر اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے اور بارگاہ نبوت میں قسمیں کھا کھا کر عذر پیش کر رہے تھے قہر و غضب میں بھری ہوئی قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں اور ان منافقوں کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی قبر

غزوۂ تبوک میں بجز ایک حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے نہ کسی صحابی کی شہادت ہوئی نہ وفات۔ حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کون تھے؟ اور ان کی وفات اور دفن کا کیسا منظر تھا؟ یہ ایک بہت ہی ذوق آفریں اور لذیذ حکایت ہے۔ یہ قبیلہ مزینہ کے ایک یتیم تھے اور اپنے چچا کی پرورش میں تھے۔ جب یہ سن شعور کو پہنچے اور اسلام کا چرچا سنا تو اِن کے دل میں بت پرستی سے نفرت اور اسلام قبول کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ مگر ان کا چچا بہت ہی کٹر کافر تھا۔ اس کے خوف سے یہ اسلام قبول نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد جب لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے اپنے چچا کو ترغیب دی کہ تم بھی دامن اسلام میں آجاؤ کیونکہ میں قبول اسلام کے لئے بہت ہی بے قرار ہوں۔ یہ سن کر ان کے چچا نے ان کو برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا۔ انہوں نے اپنی والدہ سے ایک کمبل مانگ کر اس کو دو ٹکڑے کر کے آدھے کو تہبند اور آدھے کو چادر بنا لیا اور اسی لباس میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ رات بھر مسجد نبوی میں ٹھہرے رہے۔ نماز فجر کے وقت جب جمالِ محمدی کے انوار سے ان کی آنکھیں منور ہوئیں تو کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام دریافت فرمایا تو انہوں نے اپنا نام عبدالعزیٰ بتا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آج سے تمہارا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین (دو کمبلوں والا) ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر بہت کرم فرماتے تھے اور یہ مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کی جماعت کے ساتھ رہنے لگے اور نہایت بلند آواز سے ذوق وشوق کے ساتھ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو یہ بھی مجاہدین میں شامل ہو کر چل پڑے اور بڑے ہی ذوق وشوق اور انتہائی اشتیاق کے ساتھ درخواست کی کہ یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ مجھے خدا کی راہ میں شہادت نصیب ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کسی درخت کی چھال لاؤ۔ وہ تھوڑی سی ببول کی چھال لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بازو پر وہ چھال باندھ دی اور دعا کی کہ اے اللہ! میں نے اس کے خون کو کفار پر حرام کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا مقصد تو شہادت ہی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جب تم جہاد کے لئے نکلے ہو تو اگر بخار میں بھی مرو گے جب بھی تم شہید ہی ہو گے۔ خداعزوجل کی شان کہ جب حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ تبوک میں پہنچے تو بخار میں مبتلا ہو گئے اور اسی بخار میں ان کی وفات ہو گئی۔

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے دفن کا عجیب منظر تھا کہ حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ ہاتھ میں چراغ لئے ان کی قبر کے پاس کھڑے تھے اور خود بہ نفس نفیس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر میں اترے اور حضرت ابو بکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ تم دونوں اپنے اسلامی بھائی کی لاش کو اٹھاؤ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے دستِ مبارک سے لحد میں سلایا اور خود ہی قبر کو کچی اینٹوں سے بند فرمایا اور پھر یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! میں ذوالبجادین سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے دفن کا یہ منظر دیکھا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا کہ کاش! ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی جگہ یہ میری میت ہوتی۔ (13)

مسجد ضرار

منافقوں نے اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے مسجد قباء کے مقابلہ میں ایک مسجد تعمیر کی تھی جو درحقیقت منافقین کی سازشوں اور ان کی دسیسہ کاریوں کا ایک زبردست اڈہ تھا۔ ابو عامر راہب جو انصار میں سے عیسائی ہو گیا تھا جس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو عامر فاسق رکھا تھا اس نے منافقین سے کہا کہ تم لوگ خفیہ طریقے پر جنگ کی تیاریاں کرتے رہو۔ میں قیصر روم کے پاس جا کر وہاں سے فوجیں لاتا ہوں تاکہ اس ملک سے اسلام کا نام ونشان مٹا دوں۔ چنانچہ اسی مسجد میں بیٹھ بیٹھ کر اسلام کے خلاف منافقین کمیٹیاں کرتے تھے اور اسلام و بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتمہ کر دینے کی

تدبیریں سوچا کرتے تھے۔ جب حضور علیہ السلام جنگ تبوک کے لئے روانہ ہونے لگے تو مکار منافقوں کا ایک گروہ آیا اور محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے بارگاہ اقدس میں یہ درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ چل کر ایک مرتبہ اس مسجد میں نماز پڑھا دیں تا کہ ہماری یہ مسجد خدا کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اس وقت تو میں جہاد کے لئے گھر سے نکل چکا ہوں لہٰذا اس وقت تو مجھے اتنا موقع نہیں ہے۔ منافقین نے کافی اصرار کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس مسجد میں قدم نہیں رکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین کی چالبازیوں اور ان کی مکاریوں، دغابازیوں کے بارے میں "سورۂ توبہ" کی بہت سی آیات نازل ہوگئیں اور منافقین کے نفاق اور ان کی اسلام دشمنی کے تمام رموز و اسرار بے نقاب ہو کر نظروں کے سامنے آ گئے۔ اور ان کی اس مسجد کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ (14)

''اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی غرض سے بنائی اور اس مقصد سے کہ جو لوگ پہلے ہی سے خدا اور اس کے رسول سے جنگ کر رہے ہیں ان کیلئے ایک کمین گاہ ہاتھ آ جائے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی کا ارادہ کیا ہے۔''

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸ (15)

''اور خدا گواہی دیتا ہے کہ بیشک یہ لوگ جھوٹے ہیں آپ کبھی بھی اس مسجد میں نہ کھڑے ہوں وہ مسجد (مسجد قباء) جسکی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی ہوئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اسمیں ایسے لوگ ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں اور خدا پاکی رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس آیت کے نازل ہو جانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مالک بن دخشم و حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ اس مسجد کو منہدم کر کے اس میں آگ لگا دیں۔ (16)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امیر الحج

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد حضور علیہ السلام نے ذوالقعدہ ۹ھ میں تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے

لئے مکہ مکرمہ بھیجا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "امیر الحج" اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو "نقیب اسلام" اور حضرت سعد بن ابی وقاص و حضرت جابر بن عبداللہ و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کو معلم بنادیا اور اپنی طرف سے قربانی کے لئے بیس اونٹ بھی بھیجے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حرم کعبہ اور عرفات و منیٰ میں خطبہ پڑھا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور "سورۂ براءت" کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا نہ کوئی برہنہ بدن اور ننگا ہو کر طواف کر سکے گا اور چار مہینے کے بعد کفار و مشرکین کے لئے امان ختم کر دی جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اعلان کی اس قدر زور زور سے منادی کی کہ ان لوگوں کا گلا بیٹھ گیا۔ اس اعلان کے بعد کفار و مشرکین فوج کی فوج آ کر مسلمان ہونے لگے۔(17)

وفود العرب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ اسلام کے لئے تمام اطراف و اکناف میں مبلغین اسلام اور عاملین و مجاہدین کو بھیجا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض قبائل تو مبلغین کے سامنے ہی دعوتِ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جاتے تھے مگر بعض قبائل اس بات کے خواہش مند ہوتے تھے کہ براہِ راست خود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کریں۔ چنانچہ کچھ لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے نمائندہ بن کر مدینہ منورہ آتے تھے اور خود بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے دعوتِ اسلام کا پیغام سن کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور پھر اپنے اپنے قبیلوں میں واپس جا کر پورے قبیلہ والوں کو مشرف بہ اسلام کرتے تھے۔ انہی قبائل کے نمائندوں کو ہم "وفود العرب" کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔

اس قسم کے وفود اور نمائندگان قبائل مختلف زمانوں میں مدینہ منورہ آتے رہے مگر فتح مکہ کے بعد ناگہاں سارے عرب کے خیالات میں ایک عظیم تغیر واقع ہو گیا اور سب لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے کیونکہ اسلام کی حقانیت واضح اور ظاہر ہو جانے کے باوجود بہت سے قبائل محض قریش کے دباؤ اور اہل مکہ کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کر سکتے تھے۔

فتح مکہ نے اس رکاوٹ کو بھی دور کر دیا اور اب دعوتِ اسلام اور قرآن کے مقدس پیغام نے گھر گھر پہنچ کر اپنی حقانیت اور اعجازی تصرفات سے سب کے قلوب پر سکہ بٹھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی لوگ جو ایک لمحہ کے لئے اسلام کا نام سننا اور مسلمانوں کی صورت دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے آج پروانوں کی طرح شمع نبوت پر نثار ہونے لگے اور جوق در جوق بلکہ فوج در فوج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دور و دراز کے سفر طے کرتے ہوئے وفود کی شکل میں آنے لگے اور برضا و رغبت اسلام کے حلقہ بگوش بننے لگے چونکہ اس قسم کے وفود اکثر و بیشتر فتح مکہ کے بعد ۹ ھ میں مدینہ منورہ آئے اس لئے ۹ ھ کو لوگ

"سنۃ الوفود" (نمائندہ کا سال) کہنے لگے۔اس قسم کے وفود کی تعداد میں مصنفین سیرت کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان وفود کی تعداد ساٹھ سے زیادہ بتائی ہے۔(18)

اور علامہ قسطلانی و حافظ ابن قیم نے اس قسم کے چودہ وفدوں کا تذکرہ کیا ہے ہم بھی اپنی اس مختصر کتاب میں چند وفود کا تذکرہ کرتے ہیں۔

استقبالِ وفود

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبائل سے آنے والے وفدوں کے استقبال، اور ان کی ملاقات کا خاص طور پر اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ ہر وفد کے آنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت ہی عمدہ پوشاک زیب تن فرما کر کاشانہ اقدس سے نکلتے اور اپنے خصوصی اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی حکم دیتے تھے کہ بہترین لباس پہن کر آئیں پھر ان مہمانوں کو اچھے سے اچھے مکانوں میں ٹھہراتے اور ان لوگوں کی مہمان نوازی اور خاطر مدارات کا خاص طور پر خیال فرماتے تھے اور ان مہمانوں سے ملاقات کے لئے مسجد نبوی میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر نشست فرماتے پھر ہر ایک وفد سے نہایت ہی خوش روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو فرماتے اور ان کی حاجتوں اور حالتوں کو پوری توجہ کے ساتھ سنتے اور پھر ان کو ضروری عقائد و احکامِ اسلام کی تعلیم و تلقین بھی فرماتے اور ہر وفد کو ان کے درجات و مراتب کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ نقد یا سامان بھی تحائف اور انعامات کے طور پر عطا فرماتے۔

وفد ثقیف

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگِ حنین کے بعد طائف سے واپس تشریف لائے اور "جعر انہ" سے عمرہ ادا کرنے کے بعد مدینہ تشریف لے جا رہے تھے تو راستے ہی میں قبیلہ ثقیف کے سردار اعظم "عروہ بن مسعود ثقفی" رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر برضا و رغبت دامن اسلام میں آ گئے۔ یہ بہت ہی شاندار اور باوفا آدمی تھے اور ان کا کچھ تذکرہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہم تحریر کر چکے ہیں۔انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ مجھے اجازت عطا فرمائیں کہ میں اب اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کروں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی اور یہ وہیں سے لوٹ کر اپنے قبیلہ میں گئے اور اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور اپنے قبیلہ والوں کو اسلام کی دعوت دی۔

اس علانیہ دعوت اسلام کو سن کر قبیلہ ثقیف کے لوگ غیظ و غضب میں بھر کر اس قدر طیش میں آ گئے کہ چاروں طرف سے ان پر تیروں کی بارش کرنے لگے یہاں تک کہ ان کو ایک تیر لگا اور یہ شہید ہو گئے۔قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے ان کو قتل تو کر دیا لیکن پھر یہ سوچا کہ تمام قبائل عرب اسلام قبول کر چکے ہیں۔اب ہم بھلا اسلام کے خلاف کب تک اور کتنے لوگوں سے لڑتے

رہیں گے؟ پھر مسلمانوں کے انتقام اور ایک لمبی جنگ کے انجام کو سوچ کر دن میں تارے نظر آنے لگے۔ اس لئے ان لوگوں نے اپنے ایک معزز رئیس عبد یالیل بن عمرو کو چند ممتاز سرداروں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ اس وفد نے مدینہ پہنچ کر بارگاہ اقدس میں عرض کیا کہ ہم اس شرط پر اسلام قبول کرتے ہیں کہ تین سال تک ہمارے بت "لات" کو توڑا نہ جائے۔

آپ نے اس شرط کو قبول فرمانے سے صاف انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ اسلام کسی حال میں بھی بت پرستی کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا بت تو ضرور توڑا جائے گا یہ اور بات ہے کہ تم لوگ اس کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑو بلکہ میں حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) کو بھیج دوں گا وہ اس بت کو توڑ ڈالیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کو جو اس قوم کے ایک معزز اور ممتاز فرد تھے اس قبیلے کا امیر مقرر فرما دیا۔ اور ان لوگوں کے ساتھ حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو طائف بھیجا اور ان دونوں حضرات نے ان کے بت "لات" کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔(19)

وفد کندہ

یہ لوگ یمن کے اطراف میں رہتے تھے۔ اس قبیلے کے ستّر یا اسی سوار بڑے ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ مدینہ آئے۔ خوب بالوں میں کنگھی کئے ہوئے اور ریشمی گونٹ کے جبے پہنے ہوئے، ہتھیاروں سے سجے ہوئے مدینہ کی آبادی میں داخل ہوئے۔ جب یہ لوگ دربار رسالت میں باریاب ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ سب نے عرض کیا کہ "جی ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم لوگوں نے یہ ریشمی لباس کیوں پہن رکھا ہے؟ یہ سنتے ہی ان لوگوں نے اپنے جبوں کو بدن سے اتار دیا اور ریشمی گونٹوں کو پھاڑ پھاڑ کر جبوں سے الگ کر دیا۔(20)

وفد بنی اشعر

یہ لوگ یمن کے باشندے اور "قبیلہ اشعر" کے معزز اور نامور حضرات تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے تو جوشِ محبت اور فرط عقیدت سے رجز کا یہ شعر آواز ملا کر پڑھتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے کہ

غَدًا نَلْقِى الْاَحِبَّةَ　　　مُحَمَّدًا وَّ حِزْبَہٗ

''کل ہم لوگ اپنے محبوبوں سے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ملاقات کریں گے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یمن والے آ گئے۔ یہ لوگ بہت ہی نرم دل ہیں ایمان تو یمنیوں کا ایمان ہے اور حکمت بھی یمنیوں میں ہے۔ بکری پالنے والوں میں سکون و وقار

ہے اور اونٹ پالنے والوں میں فخر اور گھمنڈ ہے۔

چنانچہ اس ارشاد نبوی کی برکت سے اہل یمن علم وصفائی قلب اور حکمت ومعرفت الٰہی کی دولتوں سے ہمیشہ مالا مال رہے۔ خاص کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہ یہ نہایت ہی خوش آواز تھے اور قرآن شریف ایسی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کا کوئی ہم مثل نہ تھا۔ علم عقائد میں اہل سنت کے امام شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ انہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔(21)

وفد بنی اسد

اس قبیلے کے چند اشخاص بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور نہایت ہی خوش دلی کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ لیکن پھر احسان جتانے کے طور پر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! اتنے سخت قحط کے زمانے میں ہم لوگ بہت ہی دور دراز سے مسافت طے کر کے یہاں آئے ہیں۔ راستے میں ہم لوگوں کو کہیں شکم سیر ہو کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوا اور بغیر اس کے کہ آپ کا لشکر ہم پر حملہ آور ہوا ہو ہم لوگوں نے برضا ورغبت اسلام قبول کر لیا ہے۔ ان لوگوں کے اس احسان جتانے پر خداوند قدوس نے یہ آیت نازل فرمائی کہ

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ (22)

''اے محبوب! یہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ آپ فرما دیجئے کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔''

وفد فزارہ

یہ لوگ عیینہ بن حصن فزاری کی قوم کے لوگ تھے۔ بیس آدمی دربار اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا اور بتایا کہ یا رسول اللہ! ہمارے دیار میں اتنا سخت قحط اور کال پڑ گیا ہے کہ اب فقر وفاقہ کی مصیبت ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو چکی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارش کے لئے دعا فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن منبر پر دعا فرما دی اور فوراً ہی بارش ہونے لگی اور لگاتار ایک ہفتہ تک موسلا دھار بارش کا سلسلہ جاری رہا۔

پھر دوسرے جمعہ کو جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے ایک اعرابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! چوپائے ہلاک ہونے لگے اور بال بچے بھوک سے بلکنے لگے اور تمام راستے منقطع ہو گئے۔ لہٰذا دعا فرما دیجئے کہ یہ بارش

پہاڑوں پر برسے اور کھیتوں بستیوں پر نہ برسے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمادی تو بادل شہر مدینہ اور اس کے اطراف سے کٹ گیا اور آٹھ دن کے بعد مدینہ میں سورج نظر آیا۔ (23)

وفد بنی مرہ

اس وفد میں بنی مرہ کے تیرہ آدمی مدینہ آئے تھے۔ انکا سردار حارث بن عوف بھی اس وفد میں شامل تھا۔ ان سب لوگوں نے بارگاہ اقدس میں اسلام قبول کیا اور قحط کی شکایت اور باران رحمت کی دعا کے لئے درخواست پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لفظوں کے ساتھ دعا مانگی کہ اَللّٰهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ (اے اللہ! ان لوگوں کو بارش سے سیراب فرمادے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر شخص کو دس دس اوقیہ چاندی اور چار چار سو درہم انعام اور تحفہ کے طور پر عطا کریں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سردار حضرت حارث بن عوف رضی اللہ عنہ کو بارہ اوقیہ چاندی کا شاہانہ عطیہ مرحمت فرمایا۔ جب یہ لوگ مدینہ سے اپنے وطن پہنچے تو پتا چلا کہ ٹھیک اسی وقت ان کے شہروں میں بارش ہوئی تھی جس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی درخواست پر مدینہ میں بارش کے لئے دعا مانگی تھی۔ (24)

وفد بنی البکاء

اس وفد کے ساتھ حضرت معاویہ بن ثور بن عباد رضی اللہ عنہ بھی آئے تھے جو ایک سو برس کی عمر کے بوڑھے تھے۔ ان سب حضرات نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر اپنے اسلام کا اعلان کیا پھر حضرت معاویہ بن ثور بن عباد رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کو پیش کیا اور یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ! آپ میرے اس بچے کے سر پر اپنا دست مبارک پھرادیں۔ ان کی درخواست پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فرزند کے سر پر اپنا مقدس ہاتھ پھرا دیا۔ اور ان کو چند بکریاں بھی عطا فرمائیں۔ اور وفد والوں کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمادی اس دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ ان لوگوں کے دیار میں جب بھی قحط اور فقر و فاقہ کی بلا آئی تو اس قوم کے گھر ہمیشہ قحط اور بھکمری کی مصیبتوں سے محفوظ رہے۔ (25)

وفد بنی کنانہ

اس وفد کے امیر کارواں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ سب لوگ دربار رسول علیہ السلام میں نہایت ہی عقیدت مندی کے ساتھ حاضر ہوکر مسلمان ہو گئے اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیعت اسلام کر کے جب اپنے وطن میں پہنچے تو ان

کے باپ نے ان سے ناراض و بیزار ہو کر کہہ دیا کہ میں خدا کی قسم! تجھ سے کبھی کوئی بات نہ کروں گا۔ لیکن ان کی بہن نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔ یہ اپنے باپ کی حرکت سے رنجیدہ اور دل شکستہ ہو کر پھر مدینہ منورہ چلے آئے اور جنگ تبوک میں شریک ہوئے اور پھر اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں شامل ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنے لگے۔ حضور علیہ السلام کے بعد یہ بصرہ چلے گئے۔ پھر آخر عمر میں شام گئے اور ۸۵ھ میں شہر دمشق کے اندر وفات پائی۔(26)

وفد بنی ہلال

اس وفد کے لوگوں نے بھی دربار نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اس وفد میں حضرت زیاد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ مسلمان ہو کر دندناتے ہوئے حضرت ام المؤمنین بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے کیونکہ وہ ان کی خالہ تھیں۔

یہ اطمینان کے ساتھ اپنی خالہ کے پاس بیٹھے ہوئے گفتگو میں مصروف تھے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکان میں تشریف لائے اور یہ پتا چلا کہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ ام المؤمنین کے بھانجے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہ شفقت ان کے سر اور چہرہ پر اپنا نورانی ہاتھ پھیر دیا۔ اس دست مبارک کی نورانیت سے حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کا چہرہ اس قدر پرنور ہو گیا کہ قبیلہ بنی ہلال کے لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم لوگ حضرت زیاد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر ہمیشہ ایک نور اور برکت کا اثر دیکھتے رہے۔(27)

وفد ضمام بن ثعلبہ

یہ قبیلہ سعد بن بکر کے نمائندہ بن کر بارگاہ رسالت میں آئے۔ یہ بہت ہی خوبصورت سرخ وسفید رنگ کے گیسو دراز آدمی تھے۔ مسجد نبوی میں پہنچ کر اپنے اونٹ کو بٹھا کر باندھ دیا پھر لوگوں سے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟

لوگوں نے دور سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گورے رنگ کے خوبصورت آدمی جو تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں وہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور کہا کہ اے عبدالمطلب کے فرزند! میں آپ سے چند چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا اور میں اپنے سوال میں بہت زیادہ مبالغہ اور سختی برتوں گا۔ آپ اس سے مجھ پر خفا نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جو چاہو پوچھ لو۔ پھر حسب ذیل مکالمہ ہوا:

ضمام بن ثعلبہ: میں آپکو اس خدا کی قسم دے کر جو آپکا اور تمام انسانوں کا پروردگار ہے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو ہماری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہاں

ضمام بن ثعلبہ: میں آپ کو خدا کی قسم دے کر یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کو اللہ نے ہم لوگوں پر فرض کیا ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہاں

ضمام بن ثعلبہ: آپ نے جو کچھ فرمایا میں اس پر ایمان لایا اور میں ضمام بن ثعلبہ ہوں۔ میری قوم نے مجھے اس لئے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ میں آپ کے دین کو اچھی طرح سمجھ کر اپنی قوم بنی سعد بن بکر تک اسلام کا پیغام پہنچا دوں۔

حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر اپنے وطن میں پہنچے اور ساری قوم کو جمع کر کے کہا، کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ میں اللہ کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام کا پیغام تم لوگوں کے پاس لایا ہوں، پھر انہوں نے اعمال اسلام یعنی نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کو ان لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اسلام کی حقانیت پر ایسی پر جوش اور موثر تقریر فرمائی کہ رات بھر میں قبیلے کے تمام مرد و عورت مسلمان ہو گئے اور ان لوگوں نے اپنے بتوں کو توڑ پھوڑ کر پاش پاش کر ڈالا اور اپنے قبیلہ میں ایک مسجد بنا لی اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے پابند ہو کر صادق الایمان مسلمان بن گئے۔(28)

وفدِ بلی

یہ لوگ جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت ابو رویفع رضی اللہ عنہ جو پہلے ہی سے مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں موجود تھے۔ انہوں نے اس وفد کا تعارف کراتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ میری قوم کے افراد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو اور تمہاری قوم کو "خوش آمدید" کہتا ہوں۔

پھر حضرت ابو رویفع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ سب لوگ اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور اپنی پوری قوم کے مسلمان ہونے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو اسلام کی ہدایت دیتا ہے۔

اس وفد میں ایک بہت ہی بوڑھا آدمی بھی تھا۔ جس کا نام "ابو الضیف" تھا اس نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ مجھے مہمانوں کی مہمان نوازی کا بہت زیادہ شوق ہے تو کیا اس مہمان نوازی کا مجھے کچھ ثواب بھی ملے گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان ہونے کے بعد جس مہمان کی بھی مہمان نوازی کروگے خواہ وہ امیر ہو یا فقیر تم ثواب کے حق دار ٹھہروگے۔ پھر ابوالضیف رضی اللہ عنہ نے یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ! مہمان کتنے دنوں تک مہمان نوازی کا حق دار ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین دن تک اس کے بعد وہ جو کھائے گا وہ صدقہ ہوگا۔(29)

وفد تجیب

یہ تیرہ آدمیوں کا ایک وفد تھا جو اپنے مالوں اور مویشیوں کی زکوٰۃ لے کر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرحبا اور خوش آمدید کہہ کر ان لوگوں کا استقبال فرمایا۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنے اس مال زکوٰۃ کو اپنے وطن میں لے جاؤ اور وہاں کے فقراء ومساکین کو یہ سارا مال دے دو۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اپنے وطن کے فقراء و مساکین کو اس قدر مال دے چکے ہیں کہ یہ مال ان کی حاجتوں سے زیادہ ہمارے پاس بچ رہا ہے۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی اس زکوٰۃ کو قبول فرمالیا اور ان لوگوں پر بہت زیادہ کرم فرماتے ہوئے ان خوش نصیبوں کی خوب خوب مہمان نوازی فرمائی اور بوقت رخصت ان لوگوں کو اکرام وانعام سے بھی نوازا۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری قوم میں کوئی ایسا شخص باقی رہ گیا ہے؟ جس نے میرا دیدار نہیں کیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ جی ہاں۔ ایک نوجوان کو ہم اپنے وطن میں چھوڑ آئے ہیں جو ہمارے گھروں کی حفاظت کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اس نوجوان کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے وطن پہنچ کر اس نوجوان کو مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔

جب وہ نوجوان بارگاہ عالی میں باریاب ہوا تو اس نے یہ گزارش کی کہ یا سول اللہ! آپ نے میری قوم کی حاجتوں کو تو پوری فرما کر انہیں وطن میں بھیج دیا اب میں بھی ایک حاجت لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گیا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آپ میری حاجت بھی پوری فرمادیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے گھر سے یہ مقصد لے کر نہیں حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے کچھ مال عطا فرمائیں بلکہ میری فقط اتنی حاجت اور دلی تمنا ہے جس کو دل میں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور مجھ پر اپنا رحم فرمائے اور میرے دل میں بے نیازی اور استغناء کی دولت پیدا فرمادے۔

نوجوان کی اس دلی مراد اور تمنا کو سن کر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اس کے حق میں ان لفظوں کے ساتھ دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَاجْعَلْ غِنَاہُ فِیْ قَلْبِہٖ اے اللہ! عزوجل اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما

اوراس کے دل میں بے نیازی ڈال دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نوجوان کو اس کی قوم کا امیر مقرر فرما دیا اور یہی نوجوان اپنے قبیلے کی مسجد کا امام ہو گیا۔(30)

وفد مزینہ

اس وفد کے سربراہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کے چار سو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جب ہم لوگ اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! تم ان لوگوں کو کچھ تحفہ عنایت کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے گھر میں بہت ہی تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ یہ لوگ اتنے قلیل تحفہ سے شاید خوش نہ ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر یہی ارشاد فرمایا کہ اے عمر! جاؤ ان لوگوں کو ضرور کچھ تحفہ عطا کرو۔ ارشادِ نبوی سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان چار سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر مکان پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مکان میں کھجوروں کا ایک بہت ہی بڑا تودہ پڑا ہوا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے وفد کے لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جتنی اور جس قدر چاہو ان کھجوروں میں سے لے لو۔ ان لوگوں نے اپنی حاجت اور مرضی کے مطابق کھجوریں لے لیں۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سب سے آخر میں جب میں کھجوریں لینے کے لئے مکان میں داخل ہوا تو مجھے ایسا نظر آیا کہ گویا اس ڈھیر میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی ہے۔ یہ وہی حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ ہیں، جو فتح مکہ کے دن قبیلہ مزینہ کے علم بردار تھے یہ اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کچھ گھر تو ایمان کے ہیں اور کچھ گھر نفاق کے ہیں اور آل مقرن کا گھرا ایمان کا گھر ہے۔(31)

وفد دوس

اس وفد کے قائد حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ تھے یہ ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بڑا ہی عجیب ہے یہ ایک بڑے ہوش مند اور شعلہ بیان شاعر تھے۔ یہ کسی ضرورت سے مکہ آئے تو کفار قریش نے ان سے کہہ دیا کہ خبردار تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نہ ملنا اور ہرگز ہرگز ان کی بات نہ سننا۔ ان کے کلام میں ایسا جادو ہے کہ جو سن لیتا ہے وہ اپنا دین و مذہب چھوڑ بیٹھتا ہے اور عزیز و اقارب سے اس کا رشتہ کٹ جاتا ہے۔

یہ کفار مکہ کے فریب میں آ گئے اور اپنے کانوں میں انہوں نے روئی بھر لی کہ کہیں قرآن کی آواز کانوں میں نہ پڑ

جائے۔لیکن ایک دن صبح کو یہ حرم کعبہ میں گئے تو رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں قراءت فرما رہے تھے ایک دم قرآن کی آواز جوان کے کان میں پڑی تو یہ قرآن کی فصاحت و بلاغت پر حیران رہ گئے اور کتابِ الٰہی کی عظمت اور اس کی تاثیر ربانی نے ان کے دل کو موہ لیا۔ جب حضور اکرم ﷺ کاشانہ نبوت کو چلے تو یہ بے تابانہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور مکان میں آکر آپ کے سامنے مودبانہ بیٹھ گئے اور اپنا اور قریش کی بدگوئیوں کا سارا حال سنا کر عرض کیا کہ خدا کی قسم! میں نے قرآن سے بڑھ کر فصیح وبلیغ آج تک کوئی کلام نہیں سنا۔للہ! مجھے بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟ حضور ﷺ نے اسلام کے چند احکام ان کے سامنے بیان فرما کر ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ فوراً ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

پھر انہوں نے درخواست کی یا رسول اللہ! ﷺ مجھے کوئی ایسی علامت وکرامت عطا فرمایئے کہ جس کو دیکھ کر لوگ میری باتوں کی تصدیق کریں تاکہ میں اپنی قوم میں یہاں سے جا کر اسلام کی تبلیغ کروں۔آپ ﷺ نے دعا فرما دی کہ الٰہی! تو ان کو ایک خاص قسم کا نور عطا فرما دے۔ چنانچہ اس دعاء نبوی کی بدولت ان کو یہ کرامت عطا ہوئی کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کے مانند ایک نور چمکنے لگا۔مگر انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ نور میرے سر میں منتقل ہو جائے۔ چنانچہ ان کا سر قندیل کی طرح چمکنے لگا۔ جب یہ اپنے قبیلہ میں پہنچے اور اسلام کی دعوت دینے لگے تو ان کے ماں باپ اور بیوی نے تو اسلام قبول کر لیا مگر ان کی قوم مسلمان نہیں ہوئی بلکہ اسلام کی مخالفت پر تل گئی۔

یہ اپنی قوم کے اسلام سے مایوس ہو کر پھر حضور ﷺ کی خدمت میں چلے گئے اور اپنی قوم کی سرکشی اور سرتابی کا سارا حال بیان کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم پھر اپنی قوم میں چلے جاؤ اور نرمی کے ساتھ ان کو خدا کی طرف بلاتے رہو۔ چنانچہ یہ پھر اپنی قوم میں آ گئے اور لگاتار اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ ستر یا اسی گھرانوں میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہ ان سب لوگوں کو ساتھ لے کر خیبر میں تاجدار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور آپ ﷺ نے خوش ہو کر خیبر کے مال غنیمت میں سے ان سب لوگوں کو حصہ عطا فرمایا۔(32)

وفد بنی عبس

قبیلہ بنی عبس کے وفد نے دربار اقدس میں جب حاضری دی تو یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) ہمارے مبلغین نے ہم کو خبر دی ہے کہ جو ہجرت نہ کرے اس کا اسلام مقبول ہی نہیں ہے تو یا رسول اللہ! (ﷺ) اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے سارے مال ومتاع اور مویشیوں کو بیچ کر ہجرت کر کے مدینہ چلے آئیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے لئے ہجرت ضروری نہیں۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ تم جہاں بھی رہو خدا سے ڈرتے رہو اور زہد وتقویٰ کے ساتھ

زندگی بسر کرتے رہو۔(33)

وفد دارم

یہ وفد دس آدمیوں کا ایک گروہ تھا جن کا تعلق قبیلہ "لخم" سے تھا اوران کے سربراہ اور پیشوا کا نام "ہانی بن حبیب" تھا۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تحفے میں چند گھوڑے اور ایک ریشمی جبہ اور ایک مشک شراب اپنے وطن سے لے کر آئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں اور جبہ کے تحائف کو تو قبول فرمالیا لیکن شراب کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام فرما دیا ہے۔ ہانی بن حبیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس شراب کو بیچ ڈالوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس خدا نے شراب کے پینے کو حرام فرمایا ہے اسی نے اس کی خرید وفروخت کو بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا تم شراب کی اس مشک کو لے جا کر کہیں زمین پر اس شراب کو بہادو۔

ریشمی جبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس کو لے کر کیا کروں گا؟ جب کہ مردوں کے لئے اس کا پہننا ہی حرام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں جس قدر سونا ہے آپ اس کو اس میں سے جدا کر لیجئے اور اپنی بیویوں کے لئے زیورات بنوا لیجئے اور ریشمی کپڑے کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اپنے استعمال میں لائیے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس جبہ کو آٹھ ہزار درہم میں بیچا۔ یہ وفد بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر نہایت خوش دلی کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔(34)

وفد غامد

یہ دس آدمیوں کی جماعت تھی جو ۱۰ھ میں مدینہ آئے اور اپنی منزل میں سامانوں کی حفاظت کے لئے ایک جوان لڑکے کو چھوڑ دیا۔ وہ سو گیا اتنے میں ایک چور آیا اور ایک بیگ چرا کر لے بھاگا۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ناگہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کا ایک بیگ چور لے گیا مگر پھر تمہارے جوان نے اس بیگ کو پالیا۔

جب یہ لوگ بارگاہ اقدس سے اٹھ کر اپنی منزل پر پہنچے تو ان کے جوان نے بتایا کہ میں سو رہا تھا کہ ایک چور بیگ لے کر بھاگا مگر میں بیدار ہونے کے بعد جب اس کی تلاش میں نکلا تو ایک شخص کو دیکھا وہ مجھ کو دیکھتے ہی فرار ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ وہاں کی زمین کھودی ہوئی ہے جب میں نے مٹی ہٹا کر دیکھا تو بیگ وہاں دفن تھا میں اس کو نکال کر لے آیا۔

یہ سن کر سب بول پڑے کہ بلاشبہ یہ رسول برحق ہیں اور ہم کو انہوں نے اسی لئے اس واقعہ کی خبر دیدی تا کہ ہم لوگ

ان کی تصدیق کرلیں۔ ان سب لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور اس جوان نے بھی دربارِ رسول میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا اور اسلام کے دامن میں آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جتنے دنوں ان لوگوں کا مدینہ میں قیام رہے تم ان لوگوں کو قرآن پڑھنا سکھا دو۔(35)

وفد نجران

یہ نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا۔ اس میں ساٹھ سوار تھے۔ چوبیس ان کے شرفا اور معززین تھے اور تین اشخاص اس درجہ کے تھے کہ انہیں کے ہاتھوں میں نجران کے نصاریٰ کا مذہبی اور قومی سارا نظام تھا۔ ایک عاقب جس کا نام "عبدالمسیح" تھا دوسرا شخص سید جس کا نام "ایہم" تھا تیسرا شخص "ابو حارثہ بن علقمہ" تھا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سے سوالات کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جوابات دیئے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ پر گفتگو چھڑ گئی۔ ان لوگوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کنواری مریم کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس کو "آیت مباہلہ" کہتے ہیں کہ

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ (36)

''بیشک حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال اللہ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے انکو مٹی سے بنایا پھر فرمایا "ہوجا" وہ فوراً ہو جاتا ہے (اے سننے والے) یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تم شک والوں میں سے نہ ہونا پھر (اے محبوب) جو تم سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اسکے کہ تمہیں علم آ چکا تو ان سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم گڑگڑا کر دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان لوگوں کو اس مباہلہ کی دعوت دی تو ان نصرانیوں نے رات بھر کی مہلت مانگی۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے کاشانہ نبوت سے نکل پڑے مگر نجران کے نصرانیوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے کا اقرار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لی۔(37)

بنی تمیم کا وفد

محرم ۹ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو بنی خزاعہ کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے صدقات وصول کر کے جمع کئے کہ نا گہاں ان پر بنی تمیم نے حملہ کر دیا وہ اپنی جان بچا کر کسی طرح مدینہ آ گئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی تمیم کی سرکوبی کے لئے حضرت عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ کو پچاس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے بنی تمیم پر ان کے صحرا میں حملہ کر کے ان کے گیارہ مردوں، اکیس عورتوں اور تیس لڑکوں کو گرفتار کر لیا اور ان سب قیدیوں کو مدینہ لائے۔ (38)

اس کے بعد بنی تمیم کا ایک وفد مدینہ آیا جس میں اس قبیلے کے بڑے بڑے سردار تھے اور ان کا رئیس اعظم اقرع بن حابس اور ان کا خطیب "عطارد" اور شاعر "زبرقان بن بدر" بھی اس وفد میں ساتھ آئے تھے۔ یہ لوگ دندناتے ہوئے کاشانہ نبوت کے پاس پہنچ گئے اور چلانے لگے کہ آپ نے ہماری عورتوں اور بچوں کو کس جرم میں گرفتار کر رکھا ہے۔

اس وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ ہر چند حضرت بلال اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو منع کیا کہ تم لوگ کاشانۂ نبوی کے پاس شور نہ مچاؤ۔ نماز ظہر کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لانے والے ہیں۔ مگر یہ لوگ ایک نہ مانے شور مچاتے ہی رہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لا کر مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے تو بنی تمیم کا رئیس اعظم اقرع بن حابس بولا کہ اے محمد! ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم گفتگو کریں کیونکہ ہم وہ لوگ ہیں کہ جس کی مدح کر دیں وہ مزین ہو جاتا ہے اور ہم لوگ جس کی مذمت کر دیں وہ عیب سے داغدار ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ غلط کہتے ہو۔ یہ خداوند تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ اس کی مدح زینت اور اس کی مذمت داغ ہے تم لوگ یہ کہو کہ تمہارا مقصد کیا ہے؟ یہ سن کر بنی تمیم کہنے لگے کہ ہم اپنے خطیب اور اپنے شاعر کو لے کر یہاں آئے ہیں تا کہ ہم اپنے قابل فخر کارناموں کو بیان کریں اور آپ اپنے مفاخر کو پیش کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ میں شعر و شاعری کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ اس طرح کی مفاخرت کا مجھے خدا عزوجل کی طرف سے حکم ملا ہے۔ میں تو خدا کا رسول ہوں اس کے باوجود اگر تم یہی کرنا چاہتے ہو تو میں تیار ہوں۔

یہ سنتے ہی اقرع بن حابس نے اپنے خطیب عطارد کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کھڑے ہو کر اپنے مفاخر اور اپنے آباء و اجداد کے مناقب پر بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایک دھواں دھار خطبہ پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے اٹھ کر برجستہ ایسا فصیح و بلیغ اور موثر خطبہ

دیا کہ بنی تمیم ان کے زورِکلام اور مفاخر کی عظمت سن کر دنگ رہ گئے۔ اوران کا خطیب عطارد بھی ہکا بکا ہو کر شرمندہ ہو گیا پھر بنی تمیم کا شاعر" زبرقان بن بدر" اٹھا اور اس نے ایک قصیدہ پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا تو انہوں نے فی البدیہہ ایک ایسا مرصع اور فصاحت و بلاغت سے معمور قصیدہ پڑھ دیا کہ بنی تمیم کا شاعر اُلو بن گیا۔ بالآخر اقرع بن حابس کہنے لگا کہ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو غیب سے ایسی تائید و نصرت حاصل ہو گئی ہے کہ ہر فضل و کمال ان پر ختم ہے۔ بلاشبہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ اس لئے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر ان لوگوں کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قیدیوں کو رہا فرما دیا اور یہ لوگ اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے۔

حاتم طائی کی بیٹی اور بیٹا مسلمان

ربیع الآخر ۹ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک سو پچاس سواروں کو اس لئے بھیجا کہ وہ قبیلہ "طی" کے بت خانہ کو گرا دیں۔ ان لوگوں نے شہر فلس میں پہنچ کر بت خانہ کو منہدم کر ڈالا اور کچھ اونٹوں اور بکریوں کو پکڑ کر اور چند عورتوں کو گرفتار کر کے یہ لوگ مدینہ لائے۔ ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ حاتم طائی کا بیٹا عدی بن حاتم بھاگ کر ملکِ شام چلا گیا۔ حاتم طائی کی لڑکی جب بارگاہ رسالت میں پیش کی گئی تو اس نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں" حاتم طائی" کی لڑکی ہوں۔ میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور میرا بھائی" عدی بن حاتم" مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں ضعیفہ ہوں آپ مجھ پر احسان کیجئے خدا آپ پر احسان کرے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور سفر کے لئے ایک اونٹ بھی عنایت فرمایا۔ یہ مسلمان ہو کر اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس پہنچی اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ نبوت سے آگاہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت زیادہ تعریف کی۔ عدی بن حاتم اپنی بہن کی زبانی حضور علیہ السلام کے خلق عظیم اور عاداتِ کریمہ کے حالات سن کر بے حد متاثر ہوئے اور بغیر کوئی امان طلب کئے ہوئے مدینہ حاضر ہو گئے۔ لوگوں نے بارگاہ نبوت میں یہ خبر دی کہ عدی بن حاتم آ گیا ہے۔

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی کریمانہ انداز سے عدی بن حاتم کے ہاتھ کو اپنے دستِ رحمت میں لے لیا اور فرمایا کہ اے عدی! تم کس چیز سے بھاگے؟ کیا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے تم بھاگے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ عدی بن حاتم نے کہا کہ "نہیں" پھر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے ان کے اسلام قبول کرنے سے حضور علیہ السلام کو اس قدر خوشی

ہوئی کہ فرطِ مسرت سے آپ کا چہرۂ انور چمکنے لگا اور آپ نے ان کو خصوصی عنایات سے نوازا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بھی اپنے باپ حاتم کی طرح بہت ہی سخی تھے۔ ۶۸ھ میں ایک سو بیس برس کی عمر پا کر وصال فرمایا اور صحاح ستہ کی ہر کتاب میں آپ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثیں مذکور ہیں۔(39)

حوالہ جات

1 زرقانی ج ۳ص ۶۳
2 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۴۵ تا ص ۳۴۶
3 التوبہ:۹
4 بخاری ج ۲ص ۶۳۳
5 زرقانی ج ۳ص ۷۱
6 زرقانی ج ۳ص ۷۱
7 سیرت ابن ہشام ج ۴ص ۵۲۴
8 زرقانی ج ۳ص ۷۳
9 زرقانی ج ۳ص ۷۶
10 بخاری ج ۱ص ۴۴۸
11 زرقانی ج ۳ص ۷۷وص ۷۸
12 بخاری ج ۲ص ۶۳۴ تاص ۶۳۷
13 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۵۰
14 التوبہ:۱۰۷
15 التوبہ:۱۰۸
16 زرقانی ج ۳ص ۸۰
17 طبری ج ۲ص ۱۷۲ اور زرقانی ج ۳ص ۹۰ تا ۹۳
18۔ مدارج ج ۲ص ۳۵۸
19۔ مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۷
20۔ مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۷
21 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۷
22۔ الحجرات:۱۷
23۔ مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۵۹
24۔ مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۰
25 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۰
26 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۰
27 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۰
28 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۴
29 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۴
30 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۴
31 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۷
32 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۷۰
33 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۷۰
34 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۶۵
35 مدارج النبوۃ ج ۲ص ۳۷۴
36 آل عمران:۶۱-۵۹
37 تفسیر جلالین
38 اصح السیر ص ۳۳۵
39 زرقانی ج ۳ص ۴۳

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. اقرع بن حابس نے حضور ﷺ کی شان میں کیا کلمات کہے تھے؟

....

....

2. غزوۂ تبوک کو اور کیا کیا نام دیئے گئے تھے؟

....

....

3. غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کتنا کتنا مال پیش کیا؟

....

....

4. حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کا غزوہ تبوک میں شریک ہونے کا قصہ لکھیں؟

....

....

5. کتنے دن تک مہمان کی مہمان نوازی کا حق ہے؟

....

....

6. حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کون تھے؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی

مکہ ☐　مدینہ ☐　تبوک ☐　حنین ☐

2. جب تم جہاد کے لئے نکلے ہو تو اگر میں بھی مرو گے جب بھی تم شہید ہی ہو گے

طاعون ☐　بخار ☐　سر درد ☐　پیٹ درد ☐

3. اس غزوہ میں جو لوگ غیر حاضر رہے ان میں اکثر تھے۔

نئے مسلمان ☐　ناواقف لوگ ☐　منافقین ☐　اعرابی ☐

4. لیکن کوئی شخص وہاں پہنچے تو کو ہاتھ نہ لگائے

مال غنیمت ☐　پانی ☐　تلوار ☐　ہتھیار ☐

5. پتا چلا کہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ ام المؤمنین کے ہیں

بیٹے ☐　بھائی ☐　بھانجے ☐　بھتیجے ☐

6. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم لوگوں نے یہ لباس کیوں پہن رکھا ہے

اونی ☐　ریشمی ☐　گرم ☐　نرم ☐

سبق نمبر 21

هجرت کا دسواں سال
حجۃ الوداع، لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ

خلاصۂ سبق

10 ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف دو سریے روانہ فرمائے اور اسی سال ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا اور جو مسلمان اس سال حج میں نہیں تھے، ان کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ سفرِ حج کے بعد ۲۶ صفر ھ بروز پیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ جہادِ روم کے لیے تیار فرمایا، جس میں حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر شامل تھے مگر اس کے امیر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے، یہ وہ آخری لشکر تھا۔ جس کا انتظام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا۔

حجۃ الوداع

اس سال کے تمام واقعات میں سب سے زیادہ شاندار اور اہم ترین واقعہ "حجۃ الوداع" ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری حج تھا اور ہجرت کے بعد یہی آپ کا پہلا حج تھا۔ ذوقعدہ ۱۰ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے لئے روانگی کا اعلان فرمایا۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے عرب میں ہر طرف پھیل گئی اور تمام عرب شرفِ ہمرکابی کے لئے اُمنڈ پڑا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر ذوقعدہ میں جمعرات کے دن مدینہ میں غسل فرما کر تہبند اور چادر زیب تن فرمایا اور نماز ظہر مسجد نبوی میں ادا فرما کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور اپنی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔

مدینہ منورہ سے چھ میل دور اہل مدینہ کی میقات " ذوالحلیفہ " پر پہنچ کر رات بھر قیام فرمایا پھر احرام کے لئے غسل فرمایا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے جسم اطہر پر خوشبو لگائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور اپنی اونٹنی " قصواء " پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے " لبیک " پڑھا اور روانہ ہو گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں حدِ نگاہ تک آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ بیہقی کی روایت ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار اور دوسری روایتوں میں ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ تھے۔ (1)

چوتھی ذوالحجہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے خاندان بنی ہاشم کے لڑکوں نے تشریف آوری کی خبر سنی تو خوشی سے دوڑ پڑے اور آپ نے نہایت ہی محبت و پیار کے ساتھ کسی کو آگے کسی کو پیچھے اپنی اونٹنی پر بٹھا لیا۔ (2)

فجر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام " ذی طویٰ " میں ادا فرمائی اور غسل فرمایا پھر آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور چاشت کے وقت یعنی جب آفتاب بلند ہو چکا تھا تو آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ جب کعبہ معظّمہ پر نگاہ مہر نبوت پڑی تو آپ نے یہ دعا پڑھی کہ

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّ تَعْظِيْمًا وَّ تَكْرِيْمًا وَّ مَهَابَةً وَّ زِدْ مَنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَهٗ تَكْرِيْمًا وَّ تَشْرِيْفًا وَّ تَعْظِيْمًا

'' اے اللہ ! عزوجل تو سلامتی دینے والا ہے اور تیری طرف سے سلامتی ہے۔ اے رب ! عزوجل ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔ اے اللہ ! عزوجل اس گھر کی عظمت و شرف اور عزت و ہیبت کو زیادہ کر اور جو اس گھر کا حج اور عمرہ کرے تو اس کی بزرگی اور شرف و عظمت کو زیادہ کر۔ ''

جب حجر اسود کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے تو حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا پھر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا۔ شروع کے تین پھیروں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے " رمل " کیا اور باقی چار چکروں میں معمولی چال سے چلے ہر چکر میں جب حجر اسود کے سامنے پہنچتے تو اپنی چھڑی سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے چھڑی کو چوم لیتے تھے۔ حجر اسود کا استلام کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھڑی کے ذریعہ سے کیا کبھی ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوم لیا کبھی لب مبارک کو حجر اسود پر رکھ کر بوسہ دیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی رُکن یمانی کا بھی آپ نے استلام کیا۔ (3)

جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام فرمایا اور سامنے کے دروازہ سے صفا کی جانب روانہ ہوئے قریب پہنچے تو اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ(4)

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کے دین کے نشانوں میں سے ہیں۔''

پھر صفا اور مروہ کی سعی فرمائی اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے عمرہ ادا کرنے کے بعد آپ نے احرام نہیں اتارا۔

آٹھویں ذوالحجہ جمعرات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ تشریف لے گئے اور پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر، منیٰ میں ادا فرما کر نویں ذوالحجہ جمعہ کے دن آپ عرفات میں تشریف لے گئے۔

زمانہ جاہلیت میں چونکہ قریش اپنے کو سارے عرب میں افضل و اعلیٰ شمار کرتے تھے اس لئے وہ عرفات کی بجائے "مزدلفہ" میں قیام کرتے تھے اور دوسرے تمام عرب "عرفات" میں ٹھہرتے تھے لیکن اسلامی مساوات نے قریش کے لئے اس تخصیص کو گوارا نہیں کیا اور اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا کہ

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ(5)

''(اے قریش) تم بھی وہیں (عرفات) سے پلٹ کر آؤ جہاں سے سب لوگ پلٹ کر آتے ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات پہنچ کر ایک کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ میں آپ نے بہت سے ضروری احکامِ اسلام کا اعلان فرمایا اور زمانہ جاہلیت کی تمام برائیوں اور بیہودہ رسموں کو آپ نے مٹاتے ہوئے اعلان فرمایا کہ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ سن لو! جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔(6)

اسی طرح زمانہ جاہلیت کے خاندانی تفاخر اور رنگ و نسل کی برتری اور قومیت میں نیچ اونچ وغیرہ تصورات جاہلیت کے بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے اور مساوات اسلام کا عَلَم بلند فرماتے ہوئے تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى(7)

''اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔''

اسی طرح تمام دنیا میں امن و امان قائم فرمانے کے لئے امن و سلامتی کے شہنشاہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خدائی فرمان جاری فرمایا کہ

فَاِنَّ دِمَائَكُمْ وَ اَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ

''تمہارا خون اور تمہارا مال تم پر تاقیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ، تمہارا یہ شہر محترم ہے۔''(8)

اپنا خطبہ ختم فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامعین سے فرمایا کہ وَ اَنْتُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ تم سے خداعزوجل کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا جواب دو گے؟

تمام سامعین نے کہا کہ ہم لوگ خدا سے کہہ دیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور رسالت کا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا کہ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔(9)

عین اسی حالت میں جب کہ خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا فرض رسالت ادا فرما رہے تھے یہ آیت نازل ہوئی کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (10)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔''

شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تخت شاہی

یہ حیرت انگیز و عبرت خیز واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت شہنشاہ کونین، خداعزوجل کے نائب اکرم اور خلیفہ اعظم ہونے کی حیثیت سے فرمان ربانی کا اعلان فرما رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تختِ شہنشاہی یعنی اونٹنی کا کجاوہ اور عرق گیر شاید دس روپے سے زیادہ قیمت کا نہ تھا نہ اس اونٹنی پر کوئی شاندار کجاوہ تھا نہ کوئی ہودج نہ کوئی محمل نہ کوئی چتر نہ کوئی تاج۔

کیا تاریخ عالم میں کسی اور بادشاہ نے بھی ایسی سادگی کا نمونہ پیش کیا ہے؟ اس کا جواب یہی اور فقط یہی ہے کہ ''نہیں۔'' یہ وہ زاہدانہ شہنشاہی ہے جو صرف شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہنشاہیت کا طرۂ امتیاز ہے!

خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر و عصر ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی پھر ''موقف'' میں تشریف لے گئے اور جبل رحمت کے نیچے غروبِ آفتاب تک دعاؤں میں مصروف رہے۔ غروب آفتاب کے بعد عرفات سے ایک لاکھ سے زائد

حجاج کے ازدحام میں "مزدلفہ" پہنچے۔ یہاں پہلے مغرب پھر عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی۔ مشعرِ حرام کے پاس رات بھر امت کے لئے دعائیں مانگتے رہے اور سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور وادی محسر کے راستہ سے منیٰ میں آپ ﷺ "جمرہ" کے پاس تشریف لائے اور کنکریاں ماریں پھر آپ نے باآواز بلند فرمایا کہ

لِتَاخُذُوْا مَنَاسِکَکُمْ فَاِنِّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ هٰذِهٖ

''حج کے مسائل سیکھ لو! میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد میں دوسرا حج نہ کروں گا۔''(11)

منیٰ میں بھی آپ ﷺ نے ایک طویل خطبہ دیا جس میں عرفات کے خطبہ کی طرح بہت سے مسائل و احکام کا اعلان فرمایا۔ پھر قربان گاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے ایک سو اونٹ تھے کچھ کو تو آپ نے اپنے دست مبارک سے ذبح فرمایا اور باقی حضرت علی ؓ کو سونپ دیا اور گوشت، پوست، جھول، نکیل سب کو خیرات کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ قصاب کی مزدوری بھی اس میں سے نہ ادا کی جائے بلکہ الگ سے دی جائے۔

موئے مبارک

قربانی کے بعد حضرت معمر بن عبداللہ ؓ سے آپ ﷺ نے سر کے بال اتروائے اور کچھ حصہ حضرت ابوطلحہ انصاری ؓ کو عطا فرمایا اور باقی موئے مبارک کو مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔(12)

اس کے بعد آپ ﷺ مکہ تشریف لائے اور طوافِ زیارت فرمایا۔

ساقی کوثر چاہ زمزم پر

پھر چاہ زمزم کے پاس تشریف لائے خاندان عبدالمطلب کے لوگ حاجیوں کو زمزم پلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پینے لگیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پیتا۔ حضرت عباس ؓ نے زمزم شریف پیش کیا اور آپ ﷺ نے قبلہ رخ کھڑے کھڑے زمزم شریف نوش فرمایا۔ پھر منیٰ واپس تشریف لے گئے اور بارہ ذوالحجہ تک منیٰ میں مقیم رہے اور ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد جمروں کو کنکری مارتے رہے۔ تیرہ ذوالحجہ منگل کے دن آپ ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد منیٰ سے روانہ ہو کر "محصب" میں رات بھر قیام فرمایا اور صبح کو نماز فجر کعبہ کی مسجد میں ادا فرمائی اور طواف وداع کر کے انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

غدیر خم کا خطبہ

راستہ میں مقام "غدیر خم" پر جو ایک تالاب ہے یہاں تمام ہمراہیوں کو جمع فرما کر ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا:

''حمد و ثنا کے بعد: اے لوگو! میں بھی ایک آدمی ہوں ممکن ہے کہ خداعزوجل کا فرشتہ (ملک الموت) جلد آ جائے اور مجھے اس کا پیغام قبول کرنا پڑے میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خداعزوجل کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خداعزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔'' (13)

اس خطبہ میں آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ (14)

''جس کا میں مولا ہوں علی بھی اسکے مولیٰ، خداوندا! عزوجل جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔''

غدیر خم کے خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کی کوئی تصریح کہیں حدیثوں میں نہیں ملتی۔ ہاں البتہ بخاری کی ایک روایت سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اختیار سے کوئی ایسا کام کر ڈالا تھا جس کو ان کے یمن سے آنے والے ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے بارگاہ رسالت میں اس کی شکایت بھی کر دی جس کا حضور ﷺ نے یہ جواب دیا کہ علی کو اس سے زیادہ کا حق ہے۔ ممکن ہے اسی قسم کے شبہات و شکوک کو مسلمان یمنیوں کے دِلوں سے دور کرنے کے لئے اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل بھی بیان کر دیئے ہوں۔ (15)

جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ

اس لشکر کا دوسرا نام "سریہ اُسامہ" بھی ہے۔ یہ سب سے آخری فوج ہے جس کے روانہ کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا۔ ۲۶ صفر ۱۱ھ دوشنبہ کے دن حضور اقدس ﷺ نے رومیوں سے جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور دوسرے دن حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ میں نے تم کو اس فوج کا امیر لشکر مقرر کیا تم اپنے باپ کی شہادت گاہ مقام "اُبنٰی" میں جاؤ اور نہایت تیزی کے ساتھ سفر کر کے ان کفار پر اچانک حملہ کر دو تا کہ وہ لوگ جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔

باوجودیکہ مزاج اقدس ناساز تھا مگر اسی حالت میں آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے جھنڈا باندھا اور یہ

نشانِ اسلام حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر ارشاد فرمایا:

اُغْزُ بِسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ

''اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور کافروں کیساتھ جنگ کرو۔''

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بریدہ بن الحضیب رضی اللہ عنہ کو علمبردار بنایا اور مدینہ سے نکل کر ایک کوس دور مقام "جرف" میں پڑاؤ کیا تاکہ وہاں پورا لشکر جمع ہو جائے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے تمام معززین کو بھی اس لشکر میں شامل ہو جانے کا حکم دے دیا۔ بعض لوگوں پر یہ شاق گزرا کہ ایسا لشکر جس میں انصار و مہاجرین کے اکابر و عمائد موجود ہیں ایک نوعمر لڑکا جس کی عمر بیس برس سے زائد نہیں کس طرح امیر لشکر بنا دیا گیا؟ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اعتراض کی خبر ملی تو آپ کے قلب نازک پر صدمہ گزرا اور آپ نے علالت کے باوجود سر میں پٹی باندھے ہوئے ایک چادر اوڑھ کر منبر پر ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے اُسامہ کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی کی ہے تو تم لوگوں نے اس سے قبل اس کے باپ کے سپہ سالار ہونے پر بھی طعنہ زنی کی تھی حالانکہ خدا کی قسم! اس کا باپ (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) سپہ سالار ہونے کے لائق تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا (اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ) بھی سپہ سالار ہونے کے قابل ہے اور یہ میرے نزدیک میرے محبوب ترین صحابہ میں سے ہے جیسا کہ اس کا باپ میرے محبوب ترین اصحاب میں سے تھا لہٰذا اُسامہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں تم لوگ میری نیک وصیت کو قبول کرو کہ وہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خطبہ دے کر مکان میں تشریف لے گئے اور آپ کی علالت میں کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا۔

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ حکم نبوی کی تکمیل کرتے ہوئے مقام جرف میں پہنچ گئے تھے اور وہاں لشکر اسلام کا اجتماع ہوتا رہا یہاں تک کہ ایک عظیم لشکر تیار ہو گیا۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۱ ھ کو جہاد میں جانے والے خواص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت ہونے کے لئے آئے اور رخصت ہو کر مقام جرف میں پہنچ گئے۔ اس کے دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزاج پرسی اور رخصت ہونے کے لئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا مگر ضعف کی وجہ سے کچھ بول نہ سکے، بار بار دست مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور ان کے بدن پر اپنا مقدس ہاتھ پھیرتے تھے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے دعا فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ رخصت ہو کر اپنی فوج میں تشریف لے گئے اور ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ھ کو کوچ کرنے کا اعلان بھی فرما دیا۔

اب سوار ہونے کے لئے تیاری کر رہے تھے کہ ان کی والدہ حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کا فرستادہ آدمی پہنچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزع کی حالت میں ہیں۔ یہ ہوش ربا خبر سن کر حضرت اُسامہ وحضرت عمر وحضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وغیرہ فوراً ہی مدینہ آئے تو یہ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سکرات کے عالم میں ہیں اور اسی دن دوپہر کو یا سہ پہر کے وقت آپ کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ خبر سن کر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر مدینہ واپس چلا آیا مگر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر رونق افروز ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کی مخالفت کے باوجود ربیع الآخر کی آخری تاریخوں میں اس لشکر کو روانہ فرمایا اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ مقام "اُبنٰی" میں تشریف لے گئے اور وہاں بہت ہی خونریز جنگ کے بعد لشکر اسلام فتح یاب ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے قاتل اور دوسرے کفار کو قتل کیا اور بے شمار مال غنیمت لے کر چالیس دن کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے وصال کے متعلق اشارے

1۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز عملی طور پر کوہ صف سے کیا اور اس کی تکمیل حجۃ الوداع کے موقع ہوئی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ دین کے بارے میں پہلے اہل ایمان سے گواہی لی اور پھر فرمایا اے اللہ! گواہ رہنا اس ذمہ داری کی تکمیل پر خود اللہ تعالیٰ نے مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (16)

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کیا ہے۔''

تبلیغ دین کے فریضے کی تکمیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی طرف اشارہ تھا۔اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول پر رونے لگے۔ان سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے بتایا:

اِنَّہٗ لَیْسَ بَعْدَ الْکَمَالِ اِلَّا النُّقْصَانُ (17)

''کمال کے بعد نقصان ہی ہوتا ہے۔''

گویا وہ سمجھ گئے تھے کہ آپ کی ذمہ داری پوری ہو گئی ہے اور دین مکمل ہو گیا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں چھوڑ کر جانے والے ہیں۔

2۔سورہ نصر کے نزول میں بھی وفات نبوی کا واضح اشارہ موجود تھا۔اس حدیث مبارکہ سے بھی یہ جانا جا سکتا ہے:

بدری کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی شریک کیا کرتے تھے، حالانکہ یہ عمر رضی اللہ عنہ میں خاصے چھوٹے تھے۔اس پر کچھ اصحاب نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو علمی برتری کی وجہ سے شریکِ مجلس کیا کرتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تحفظات دور کرنے کا ارادہ کیا۔انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک مجلس میں اکٹھا کیا اور ان سے پوچھا: سورۂ نصر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس میں کیا بیان کیا گیا ہے؟

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سورت کے ظاہری مفہوم کے مطابق بتایا کہ اس سورت میں ہمیں حکم دیا گیا کہ اللہ کی نصرت و مدد اور فتح و کامیابی ملنے کی صورت میں ہم اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں اور اس سے استغفار کریں۔بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کچھ ویسے ہی خاموش رہے، کوئی جواب نہ دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تمہاری بھی یہی رائے ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: پھر تمہاری کیا رائے ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا تذکرہ ہے۔اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کیا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس جواب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کے بارے میں جو تمھاری رائے ہے، میری بھی وہی رائے ہے۔(18)

۳۔سورۂ عصر کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع سجود میں اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ أَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ

''اللہ پاک ہے، تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں۔میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کثرت ورد کی وجہ سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا اللہ کے رسول! آپ نے ان کلمات کا کثرت سے ورد کرنا شروع کر دیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرے رب نے مجھے بتایا تھا کہ میں اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا، جب میں وہ علامت دیکھ لوں تو کثرت سے ان کلمات کو دہراؤں۔وہ علامت میں نے دیکھ لی ہے اور وہ ہے سورۂ نصر کا نزول، اس میں ''الفتح'' سے مراد فتح مکہ ہے۔''(19)

گویا فتح مکہ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل ہی آپ کی وفات کے بارے میں اشارہ کر دیا گیا

تھا۔اس کے لیے آپ نے باقاعدہ تیاری شروع کردی تھی۔امام ابن بطال نے ذکر کیا ہے کہ آپ کا کثرت سے استغفار فرمانا آخری عمر میں اور فتح مکہ کے بعد کا عمل ہے۔(20)

4۔بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے خواب بھی آئے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے اشارے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خواب آیا۔خواب میں انھوں نے مضبوط رسیوں سے زمین کو آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا منظر دیکھا۔انھوں نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس میں تمھارے بھتیجے کی وفات کے بارے میں بتایا گیا ہے۔(21)

ایک حدیث میں زمین کو اٹھانے کے بجائے زمین پر سے سورج یا چاند کو آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کا تذکرہ ہے۔(22)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی وفات سے پہلے سابقہ معمول سے زیادہ وحی نازل ہونے کی تھی جبکہ وفات کے دن آپ پر کثرت سے وحی نازل ہوئی۔(23)

امام ابن حجر نے کثرت وحی کی وجہ ایک تو کثیر وفود بتائی ہے اور دوسری وجہ یہ بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت وفات قریب تھا۔(24)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رحلت نبوی کی اطلاع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارِفانی سے حیات جاودانی کی طرف رخصت ہونے والے تھے۔اس مفارقت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابہ کو بھی اشارے دینے شروع کردیے۔اس چیز کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ ذیل مواقع پر فرمایا:

1۔حجۃ الوداع کے موقع پر اشارہ

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! تم مجھ سے طریقۂ حج سیکھ لو۔بے شک میں نہیں جانتا، شاید اس سال کے بعد میں حج نہ کرسکوں۔(25)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رقمطراز ہیں: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب وفات کا اشارہ تھا اس لیے آپ انھیں تعلیم دین کی ترغیب دے رہے تھے۔اس میں آپ کی اپنے اصحاب سے الوداعی ملاقات کا بھی اشارہ تھا۔اس

وجہ سے آپ کے اس حج کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔

2۔ایک صحابی کے سوال پر نبی ﷺ کا جواب

ایک بار ایک عورت کسی کام سے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اسے دوبارہ آنے کا فرمایا تو وہ عرض کرنے لگی، اگر میں بعد میں آؤں اور آپ موجود نہ ہوں تو؟ دراصل وہ مذکورہ جملے سے آپ ﷺ کی وفات مراد لے رہی تھی۔ آپ ﷺ نے اس خاتون کی بات سن کر فرمایا: میں نہ ملوں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آجانا۔"(26)

اس حدیث میں آپ ﷺ کی رحلت کے ساتھ ساتھ سیدنا ابوبکر کے خلیفہ بلافصل ہونے کا اشارہ بھی تھا۔

3۔نبی ﷺ کی اپنے متعلق پیش گوئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ فِي يَدِهِ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أَحَدِكُمْ يَوْمٌ وَلَا يَرَانِي، ثُمَّ لَأَنْ يَرَانِي أَحَبُّ إِلَيْهِ مَنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ مَعَهُمْ (27)

"مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تم میں سے کسی ایک پر ایسا دن بھی آئے گا کہ وہ مجھے دیکھ نہیں پائے گا۔ تب میرا دیدار اسے اپنے ساتھ موجود تمام اہل خانہ اور مال و متاع سے بھی بڑھ کر عزیز ہوگا۔

4۔غدیر خم کے موقع پر واضح اظہار

حجۃ الوداع سے واپسی پر نبی ﷺ نے غدیر خم پر خطاب کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ، (28)

"یاد رکھنا اے لوگو! بلاشبہ میں بھی بشر ہی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میرے پروردگار کا قاصد میرے پاس پیام اجل لے کر آئے اور میں اسے قبول کرلوں۔"

5۔واضح انداز میں جدائی کی اطلاع

ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

أَتَزْعُمُونَ أَنِّي مِنْ آخِرِكُمْ وَفَاةً، أَلَا وَإِنِّي مِنْ أَوَّلِكُمْ وَفَاةً، وَلَتَتْبَعُنِّي أَفْنَادًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (29)

''تمہارے خیال میں تم سب سے آخر میں میری وفات ہوگی؟ ایسا نہیں، میں تم سے پہلے رخصت ہو جاؤں گا اور میرے بعد تم گروہوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کو ہلاک کرنے لگو گے۔''

6۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بشارت

ایک روز میں کریم ﷺ اپنی تمام ازواج میں تشریف فرما تھے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ آپ ﷺ نے انھیں خوش آمدید کہا۔ انھیں اپنے پاس بٹھا کر ان سے راز دارانہ بات کی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ انھیں یوں پریشان دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے پھر راز داری میں ان سے ایک بات کی تو وہ مسکرا دیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رونے اور ہنسنے کی وجہ پوچھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس راز کو افشا نہیں کر سکتی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میرا جو تم پر حق ہے اس کی بنا پر مجھے اس بات کے متعلق بتاؤ۔ تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے رونے اور مسکرانے کی وجہ بیان کی۔ ان کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے دنیا سے رخصت ہونے کے بارے میں بتایا تھا۔ یہ بھی بتایا تھا کہ پہلے جبریل ہر سال ایک بار میرے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔ اب کی بار دو دفعہ دور کیا ہے۔ پھر آپ نے واضح طور پر فرمایا:

إِنِّي لَا أُرَى الْأَجَلَ إِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ(30)

''بلاشبہ مجھے اس کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا کہ پیام اجل قریب آ گیا ہے۔''

سیدنا ابو ہریرہ یہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ ہر رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے لیکن جس سال آپ ﷺ نے وفات پائی، اس سال میں بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ اسی طرح ہر سال رمضان میں آپ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ایک بار پورے قرآن کا دور کیا کرتے تھے، لیکن وصال والے سال حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ دو بار آپ ﷺ نے دورہ قرآن کیا۔(31)

7۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی الوداعی ملاقات

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنی وفات کا اشارہ دے دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ: يَا مُعَاذُ إِنَّكَ عَسَى أَنْ لَا تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هَذَا وَلَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي هَذَا،

وَقَبْرِی(32)

''اے معاذ! ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد تمھاری مجھ سے ملاقات نہ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تب میری اس مسجد اور میری قبر پر سے تمہارا گزر ہو۔''

دیدارِ الٰہی کی تیاری

نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری بھی شروع کردی۔ آپ رب تعالیٰ سے ملاقات کے خواہاں تھے اور اللہ عزوجل آپ سے ملاقات چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ(33)

''جو اللہ سے ملاقات کا آرزومند ہو، اللہ بھی اس سے ملاقات پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرے، اللہ بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرتا۔''

شہدائے احد کے لیے دعا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ سال بعد شہدائے احد کے لیے یوں دعا فرمائی جیسے زندہ افراد کو آخری نصیحتیں اور فوت شدگان کو الوداعی دعائیں دی جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ کا مسجد آئے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر فرمایا:

إِنِّي بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فَرَطٌ، وَأَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيدٌ، وَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الحَوْضُ، وَإِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ مِنْ مَقَامِي هَذَا،(24)

''بے شک میں تمہارا پیش رو ہوں، میں تم سب پر گواہ ہوں گا۔ بے شک اب ملاقات حوض ہی پر ہوگی اور میں تو اب بھی یہاں سے حوض کوثر دیکھ رہا ہوں۔''

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے لیے یہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا آخری موقع تھا۔

اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کا حکم الٰہی

بقیع الغرقد اہل مدینہ کا قبرستان ہے۔ اسے عرف عام میں ''جنت البقیع'' کہہ دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ وفات سے قبل اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبرستان بقیع الغرقد گئے۔ ہوا یوں کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول مقبول ﷺ کے ہاں رب

تعالیٰ کا پیغام لے کر حاضر ہوئے۔ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل بقیع کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے۔(35)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابومویہبہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

إِنِّي بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فَرَطٌ، وَأَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيدٌ، وَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ، وَإِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ مِنْ مَقَامِي هَذَا،

''ابومویہبہ! میں یہ مجھے اہل بقیع کے لیے استغفار کا حکم ہوا ہے۔ چلو تم بھی میرے ساتھ چلو۔''

ابومویہبہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ہو لیے۔ رسول اللہ ﷺ قبرستان پہنچ کر ٹھہر گئے اور شہر خموشاں کے مکینوں کو یوں سلام کہا:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْمَقَابِرِ، لِيَهْنِ لَكُمْ مَا أَصْبَحْتُمْ فِيهِ، مِمَّا أَصْبَحَ فِيهِ النَّاسُ، لَوْ تَعْلَمُونَ مَا نَجَّاكُمُ اللهُ مِنْهُ، أَقْبَلَتِ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يَتْبَعُ أَوَّلُهَا آخِرَهَا الْآخِرَةُ شَرٌّ مِنَ الْأُولَى

''اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو، دیگر لوگوں کے برعکس جس حالت میں تم ہوں، تمھیں وہ حالت مبارک ہو! کاش تمھیں معلوم ہو جائے کہ کن فتنوں سے تمھیں اللہ نے محفوظ رکھا ہے۔ فتنے تو سیاہ شب کے متعدد حصوں کی طرح آگے پیچھے بھاگے آ رہے ہیں، ہر دوسرا فتنہ پہلے سے زیادہ پر خطر ہے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابومویہبہ رضی اللہ عنہ کی طرف رخ زیبا کرتے ہوئے فرمایا اے ابومہیبہ! یہ مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ میں دنیا کے تمام خزانوں کی چابیاں، ہمیشہ کی زندگی اور پھر دخول جنت کا انتخاب کروں یا اپنے پروردگار سے فوری ملاقات اور جنت منتخب کرلوں۔''

حضرت ابومویہبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! آپ دنیا بھر کے خزانوں کی چابیاں، ہمیشہ کی زندگی اور پھر دخول جنت والی پیشکش قبول فرمالیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا وَاللهِ يَا أَبَا مُوَيْهِبَةَ، لَقَدِ اخْتَرْتُ لِقَاءَ رَبِّي، وَالْجَنَّةَ (36)

''ابوموہیبہ! اللہ کی قسم! ایسا نہیں۔ میں نے تو اپنے پروردگار سے ملاقات اور دخول جنت والی پیشکش منتخب کی ہے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور پھر واپس تشریف لے آئے۔

حوالہ جات

1۔زرقانی ج ۳ ص ۱۰۶ ومدارج ج ۲ ص ۳۸۷
2۔نسائی باب استقبال الحاج ج ۲ ص ۲۶
3۔نسائی ج ۲ ص ۳۰ وص ۳۱
4۔البقرہ:۱۵۸
5۔البقرہ:۱۹۹
6۔ابوداؤد ج ۱ ص ۲۶۳ ومسلم ج ۱ ص ۳۹۷
7۔مسند امام احمد
8۔بخاری ومسلم وابوداؤد
9۔ابوداؤد ج ۱ ص ۲۶۳
10۔المائدہ:۳
11۔مسلم ج ۱ ص ۴۱۹
12۔مسلم ج ۱ ص ۴۲۱
13۔مسلم ج ۱ ص ۲۷۹
14۔مشکوٰۃ ص ۵۶۵
15 مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۴۰۹
16۔المائدہ:3
17۔السیرۃ النبویہ، ج4 ص427
18۔صحیح البخاری:4294
19۔صحیح مسلم:484
20۔ابن بطال، شرح البخاری: ج18 ص129
21۔الہیثمی، کشف الاستار:844
22۔سنن الدارمی،:2203
23۔صحیح البخاری:4982
24۔ابن حجر، فتح الباری: ج9 ص8
25۔صحیح مسلم:1297
26۔صحیح البخاری:65912
27۔صحیح مسلم:2364
28۔صحیح مسلم:2408
29۔مسند ابویعلی:7366
30۔صحیح بخاری:6285
31۔صحیح البخاری:2044
32۔مسند احمد:22052
33۔صحیح البخاری:6507
34۔صحیح البخاری:4042
35۔صحیح مسلم:974
36۔مسند احمد بن حنبل:15997

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. حجۃ الوداع میں کب ہوا اور کتنے لوگ آپ کے ساتھ تھے؟

2. آٹھ ذی الحجہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کون کون سے عمل کئے؟

3. حجۃ الوداع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنی قربانیاں کی تھیں؟

4. سورہ نصر میں بھی وفات نبوی کا کیسے ذکر تھا؟

5. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعلق کیا پیش گوئی فرمائی تھی؟

6. جنت البقیع سے مراد کون سی جگہ مراد ہے؟

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. میں اپنے کے بارے میں تمہیں خدا عزوجل کی یاد دلاتا ہوں

صحابہ ☐ ازواج ☐ اہل بیت ☐ آباء ☐

2. آپ ﷺ نے قبلہ رخ کھڑے کھڑے شریف نوش فرمایا۔

دودھ ☐ شہد ☐ زمزم ☐ سرکہ ☐

3. غروب آفتاب کے بعد عرفات سے ایک لاکھ سے زائد حجاج کے ازدحام میں پہنچے

منیٰ ☐ صفا ☐ مزدلفہ ☐ مروہ ☐

4. یہ سن کر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف اٹھائی

نگاہ ☐ لاٹھی ☐ تلوار ☐ انگلی ☐

5. ملک الموت عرض گزار ہوئے: حقیقت یہ ہے کہ اللہ عزوجل آپ سے ملاقات کے...... ہیں۔

منتظر ☐ مشتاق ☐ متمنی ☐ منکر ☐

6. سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ یہ آپ کی زندگی کی آخری ہیں۔

ہچکیاں ☐ سانسیں ☐ گھڑیاں ☐ تمنائیں ☐

سبق نمبر 22

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دن اور رات کے اذکار

خلاصۂ سبق

28 صفر 11ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخار شروع ہو گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض طویل اور سخت ہو گیا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر آخری ایام مرض میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہنے لگے، رفتہ رفتہ مرض اتنا بڑھ گیا کہ آپ کسی مسجد تک بھی تشریف نہ لا سکتے، ایسی صورت حال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ تقریباً تیرہ دن متواتر یہ بخار رہا اور 12 ربیع الاول بروز پیر بوقت چاشت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ کو بلند فرمایا۔ زبان قدس سے اللهم الرفيق الأعلىٰ کہتے ہوئے جسم اطہر سے روح انور پرواز کر کے عالم قدس میں جا پہنچی، قمری سال کے مطابق اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک 63 سال چار دن تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

ایک روز نماز فجر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی شاندار اور پُرتاثیر وعظ فرمایا۔ اس سے سامعین کی آنکھیں نم ہو گئیں اور دل دہل گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ تو الوداعی وقت محسوس ہو رہا ہے، آپ ہمیں کوئی وصیت ہی فرما دیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقویٰ اور اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت فرمائی۔ (1)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری خوب نبھائی۔ آخر وہ وقت آ پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات کا آغاز ہوا۔ جس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو موہیبہ کے ہمراہ اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی اس کے بعد

صبح ہوئی تو آپ ﷺ پر مرض کا حملہ ہوا۔(2)

اسی صبح آپ ﷺ نے بقیع میں کسی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازے سے واپس گھر تشریف لا رہے تھے کہ آپ کے سر مبارک میں درد ہونے لگا۔(3)

نبی کریم ﷺ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ان کے سر میں بھی شدید درد تھا۔جس کی وجہ سے وہ سرتاج رسل ﷺ سے کہنے لگیں: ''وارأساه'' ہائے میرا سر! رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات سن کر فرمایا: عائشہ میرا بھی سر درد شدید ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا ضَرَّكِ لَوْ مِتِّ قَبْلِي، فَغَسَّلْتُكِ وَ كَفَّنْتُكِ، ثُمَّ صَلَّيْتُ عَلَيْكِ، وَدَفَنْتُكِ(4)

''عائشہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم مجھ سے پہلے چھوڑ کر چلی گئیں تو تمہارے لیے تمام انتظامات میں خود کروں گا، تمھیں غسل دوں گا، کفن پہناؤں گا اور تمھاری نماز جنازہ پڑھا کر تمھیں دفن کر دوں گا۔''

اس کے بعد جیسے جیسے ایام گزرتے گئے، آپ ﷺ کا مرض شدت اختیار کرتا گیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا انتخاب

رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کی باری تقسیم کرنے میں عدل کیا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے حیات مبارکہ کے بالکل آخر میں بھی اس کی پاسداری کی۔آپ شدید بیماری کے باوجود باری باری ہر بیوی کے ہاں رات گزارا کرتے لیکن جب بیماری حد سے بڑھ گئی، چلنے پھرنے کی ہمت بھی نہ رہی تو آپ ﷺ نے اپنی ازواج کی اجازت سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں اپنی زندگی کے آخری ایام بسر کیے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم ﷺ کو آپ کی تمام ازواج سے بڑھ کر محبوب تھیں۔ اس محبت کی بنا پر آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ آپ انھی کے ہاں قیام کریں۔آپ اپنے اس مرض میں اپنی جس رفیقہ حیات کے باری کی ہاں بھی جاتے، یہ فرمایا کرتے:

أَيْنَ أَنَا الْيَوْمَ، أَيْنَ أَنَا غَدًا (5)

''کہ میں آج کہاں ہوں اور کل میں کدھر ہوں گا؟''

یہ دراصل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے انتظار کا اشارہ کنایہ تھا۔ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن آپ ﷺ ان کے گھر ہوئے جب آپ کی بے قراری کافور ہو جاتی، آپ پرسکون ہوتے اور راحت محسوس کیا کرتے تھے۔(6)

آپ ﷺ کی ازدواج اپنے سرتاج پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والی تھیں۔ آپ کی وفادار اور غم خوار ازواج آپ کی خواہش سمجھ گئیں۔ انھوں نے بخوشی آپ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہرنے کی اجازت دے دی، پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے اور آخری دم تک انھی کے ہاں رہے۔

مرض میں شدت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں منتقل ہونے سے قبل رسول اللہ ﷺ اپنی زوجہ محترمہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے۔ یہیں آپ کی بیماری نے شدت اختیار کی۔ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لی اور پھر آپ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل کر دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آنے سے پہلے آپ کا مرض اس قدر شدید تھا کہ خود چل بھی نہ سکتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانے کے لیے آپ کو سہارا لینا پڑا۔ ان سہارا دینے والوں میں سے ایک آپ کے محبوب چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے آپ کے چچازاد حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے ایک ہاتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھا اور دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر۔ اس کے باوجود آپ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ پھر یہ دونوں آپ کو یوں اُٹھا کر لائے کہ آپ کے پاؤں مبارک زمین پر لکیر کھینچ رہے تھے۔ (7)

رسول اللہ ﷺ کی شدت مرض کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں کہ تکلیف کی وجہ سے آپ نے نڈھال ہو کر بستر پر لوٹ پوٹ ہونے لگتے۔ میں نے عرض کی: اگر ہم میں سے کوئی ایسے کرتا تو آپ اسے نامناسب خیال کرتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ الصَّالِحِينَ يُشَدَّدُ عَلَيْهِمْ، وَإِنَّهُ لَا يُصِيبُ مُؤْمِنًا نَكْبَةٌ مِنْ شَوْكَةٍ، فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، إِلَّا حُطَّتْ بِهِ عَنْهُ خَطِيئَةٌ، وَرُفِعَ بِهَا دَرَجَةً." (8)

"نیک ہستیوں کو شدید مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ مومن کو کانٹے جتنی بلکہ اس سے بھی کم تکلیف پہنچنے پر اس کا گناہ معاف کر کے اس کا درجہ بڑھا دیا جاتا ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھا۔ (9)

رسول رحمت ﷺ کو بخار اس قدر شدید ہوتا کہ اس کی شدت لباس سے باہر محسوس ہوتی تھی۔ ایک روز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ کی عیادت کے لیے آئے۔ آپ ﷺ بخار کی وجہ سے سخت تکلیف د الم میں مبتلا تھے۔ بخار کی شدت کپڑوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے کسی کو آپ سے

بڑھ کر بخار میں مبتلا ہوتے نہیں دیکھا۔آپ ﷺ نے فرمایا اسی وجہ سے ہمارا اجر وثواب بھی بڑھادیا جاتا ہے،سب سے سخت آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے اور پھر نیک لوگوں کی۔(10)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کی بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوئے۔آپ کو شدید بخار تھا۔انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک پر ہاتھ رکھا۔ بخار کی شدت محسوس ہوئی تو عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کو تو شدید بخار ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ایسے ہی ہے۔ مجھے تم میں سے دو آدمیوں جتنا بخار ہوتا ہے۔حضرت ابن مسعود بھی ﷺ نے عرض کی: پھر تو آپ کو اجر بھی دوہرا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔اس کے ساتھ ہی آپ نے اہل ایمان کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مَرَضٌ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللهُ لَهُ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا

''جس مسلمان کو بھی بیماری یا کسی اور وجہ سے تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ یوں ختم کر ڈالتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔''(11)

رسول اللہ ﷺ کے پاس پانی کا برتن تھا۔اس میں آپ ہاتھ بھگو کر اپنے چہرہ مبارک پر پھیر لیا کرتے تا کہ بخار کی شدت کم ہو۔ بخار کی شدت کم کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کے اوپر مشکیزہ بھی لٹکا یا گیا تھا۔اس سے پانی کا قطرہ قطرہ آپ ﷺ پر گرتا رہتا۔(12)

بخار اس قدر شدید تھا کہ اس کا زور توڑنے کے لیے آپ ﷺ پر مختلف کنوؤں سے سات مشکیں پانی اللہ انڈیلا گیا۔(13)

نبی کریم ﷺ اپنے آخری ایام میں اس قدر بیمار ہوئے کہ آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی۔آپ ﷺ نماز کے لیے مسجد تشریف لے جانے کے لیے دو آدمیوں کا سہارا لیا،خود سے چل نہ سکتے تھے۔(14)

سر میں درد اس قدر شدید تھا کہ برداشت نہیں ہو رہا تھا،اس لیے آپ ﷺ نے سر مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے مرض کا عالم یہ تھا کہ کئی دن آپ گھر ہی میں نماز ادا فرماتے رہے۔مسجد تک جانا دشوار ہو گیا۔آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے حکم پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فریضۂ امامت ادا کرتے رہے۔(15)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے تاثرات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رحمت عالم ﷺ مرض الوفات میں کس قدر تکلیف والم سے دوچار ہوئے۔وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے آخری لمحات کی سختیوں کا مشاہدہ

کیا۔اس کے بعد میں کسی کی بھی آسانی سے جان کنی کو قابل رشک نہیں سمجھتی۔(16)

مزید فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے شدت سکرات میں مبتلا دیکھا۔اس کے بعد میں کسی کو بھی شدت نزع میں مبتلا دیکھ کر برا نہیں سمجھتی۔(17)

آنحضرت ﷺ کا آخری خطبہ

بیماری کے ایام میں ایک روز نبی ﷺ نے فرمایا:''پانی سے بھری سات مشکیں مجھ پر بہاو،جن کے بندھن نہ کھلے ہوں،شاید کہ میں لوگوں سے کچھ باتیں کر پاؤں۔آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔سید حفصہ رضی اللہ عنہا کا تانبے کا بنا ہوا ایک ٹب تھا۔آپ کو ٹب میں بٹھا کر آپ کے اوپر سات مشکیں پانی بہایا گیا۔قدرے افاقہ محسوس ہوا تو آپ لوگوں کو وعظ کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔(18)

درد کی شدت سے سر مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے،اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ، وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ

''اللہ عزوجل نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کے مال ومتاع سے جو لینا چاہتا ہے لے لے یا پھر اللہ کے ہاں جو کچھ ہے،اسے منتخب کر لے۔اس بندے نے اسے منتخب کر لیا جو اس کے پروردگار کے پاس ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زاروقطار رونے لگے اور کہنے لگے:آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں!حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے پر کچھ لوگ تعجب کرتے ہوئے کہنے لگے انھیں دیکھیے!ضعیف العمر ہیں اور رو رہے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے تو صرف اتنا ہی فرمایا ہے کہ اللہ نے ایک بندے کو دنیا کی نعمتوں اور اپنے ہاں موجود انعام واکرام میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا ہے،اس بندے نے اللہ کے ہاں موجود نعمتوں کو منتخب کر لیا۔ابو بکر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔

رسول اللہ ﷺ جب دنیا سے رخصت ہو گئے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کے اس خطبے کی حقیقت کا علم ہوا۔اب انھیں پتہ چلا کہ اس سے مراد بنفس نفیس آپ ﷺ ہی تھے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہم سب سے بڑھ کر جانتے ہیں۔

اس آخری خطبے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کیے۔آپ نے ان کی خلافت

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبَابَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِنْ أُمَّتِي لَاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ، إِلَّا خُلَّةَ الْإِسْلَامِ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا خَوْخَةُ أَبِي بَكْرٍ (19)

''رفاقت اور مال خرچ کرنے میں مجھ پر سب سے بڑھ کر احسانات ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ میں نے اپنی امت میں سے اگر کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتے، جبکہ اسلامی اخوت تو اب بھی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سوا مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیے جائیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس آخری خطبے میں اپنے دنیا سے رخصت ہونے کے بارے میں اہل ایمان کو آگاہ کر دیا اور ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانشینی کا واضح اشارہ بھی دے دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت بھری آخری نظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ پیر کے روز ہوئی تھی اور آخری دن بھی پیر ہی تھا۔ اس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز میں تشریف نہ لا سکے۔ طبیعت نے صرف اتنی اجازت دی کہ حجرے کے اندر ہی سے کھڑے ہو کر اپنے اصحاب کو نماز پڑھتے دیکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو دیکھ کر مسکرا دیے۔ آپ کا چہرہ مبارک نورانی مصحف کے اوراق کی طرح تاباں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت سنبھلنے اور آپ کے مسکرانے سے اہل ایمان بے حد خوش ہوئے، قریب تھا کہ اپنی نماز جاری نہ رکھ پاتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھ کر مصلائے امامت سے پیچھے ہٹنے لگے۔ خیال آیا کہ آپ تشریف لانے لگے ہیں اور آپ ہمیں نماز پڑھائیں گے لیکن پروردگار کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کیا پتہ تھا کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت بھری یہ آخری نظر ہم پر پڑی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز جاری رکھنے کا فرمایا اور خود پردہ چھوڑ کر پیچھے ہو گئے۔ (20)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد

حضرت جبرائیل علیہ السلام آخری تین دن مسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام کہتے اور پیغام دیتے کہ رب تعالیٰ پوچھ رہے ہیں: ''آپ اپنے کو کیسا محسوس کر رہے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب دیتے۔

أَجِدُنِي يَا جِبْرِيلُ مَغْمُومًا، وَأَجِدُنِي يَا جِبْرِيلُ مَكْرُوبًا (21)

''اے جبرائیل! میں خود کو اداس اور مبتلائے تکلیف خیال کر رہا ہوں۔''

تین روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

ملک الموت کی طرف سے اجازت طلبی

رسول مقبول ﷺ آخری روز ملک الموت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ اور فرشتے بھی تھے۔ یہ آپ کی اجازت سے آپ کی روح قبض کرنے آئے تھے۔ پہلے ملک الموت اجازت لے کر اندر آئے اور پھر عرض کی: محمد (ﷺ)! اللہ عزوجل نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، ساتھ مجھے حکم بھی دیا ہے کہ آپ کی ہر بات تسلیم کروں۔ اگر آپ مجھے اپنی روح قبض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے تو میں ایسا کرلوں گا۔ اگر آپ ایسا نہیں چاہیں گے تو میں ہرگز نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: أَتَفْعَلُ يَا مَلَكَ الْمَوْتِ ''ملک الموت! کیا تم واقعی اسی طرح کرو گے؟''

موت کے فرشتے نے کہا: جی ہاں! مجھے آپ کے ہر طرح کے حکم کی تعمیل کا پابند کیا گیا ہے۔ ساتھ بھی ملک الموت عرض گزار ہوئے: حقیقت یہ ہے کہ اللہ عزوجل آپ سے ملاقات کے مشتاق ہیں۔ یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ کی تمام تکالیف کافور ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے رب کائنات سے ملاقات کی خوشی میں فرمایا:

''اِمْضِ لِمَا أُمِرْتَ بِهِ'' (22)

''پھر آپ وہی کریں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔''

یہ حدیث تو کمزور ہے، البتہ یہ بات درست ہے کہ تمام انبیائے کرام ﷺ کو دنیا میں رہنے یا اپنے رب کے حضور جانے کے بارے میں اختیار دیا گیا۔ اس بارے میں یہ صحیح اور صریح حدیث بھی ہے:

مَا مِنْ نَبِيٍّ يَمْرَضُ إِلَّا خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ (23)

''کوئی نبی ایسا نہیں کہ وہ بیمار ہوئے ہوں اور انھیں دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کو چُننے کا اختیار نہ دیا گیا ہوں۔''

آنحضرت ﷺ کو بھی دنیا یا آخرت میں سے کسی ایک کے انتخاب کے بارے میں اختیار دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے رب کے حضور چلے جانے کو منتخب فرمایا۔ ہے ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی روح مبارک آپ کے اذن ہی سے قبض کی گئی تھی۔

جگر گوشہ رسول فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی بے قراری

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور آپ کی وفات کے وقت بھی زندہ تھیں۔ یہ آخری دن

جب نبی کریم ﷺ کے ہاں آئیں تو آپ شدید تکلیف میں مبتلا تھے۔آپ پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ وہ آپ ﷺ کو یوں تکلیف میں مبتلا دیکھ کر شدید بے قرار ہوئیں اور کہنے لگیں: وَا كَرْبَ ابَتَاهُ ہائے میرے ابا جان کی تکلیف!

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا كَرْبَ عَلَى أَبِيكِ بَعْدَ الْيَوْمِ. إِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ أَبِيكِ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِنْهُ أَحَدًا. الْمُوَافَاةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(24)

''آج کے بعد تمھارے والد کو کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔تمھارے والد کو بھی وفات سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اس سے کسی کو چھٹکارا نہیں۔اب تو روز قیامت ہی ملاقات ہوگی۔''

رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر نے آپ کی جدائی کا سنا تو ان کا غم وحزن پہلے سے بھی بڑھ گیا۔

آخری الفاظ اور لمحات

رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کے آخری لمحات تھے۔آپ اپنی رفیقۂ حیات ام المومنین رضی اللہ عنہا کی گود میں سر مبارک رکھ کر لیٹے ہوئے تھے اور زبان پر یہ کلمات جاری تھے:

اَللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلٰى

''اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ کا ساتھ پسند ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ یہ آپ کی زندگی کی آخری گھڑیاں ہیں۔اب آپ ہمیں چھوڑ کر جنت اور رفیق اعلیٰ کے ہاں جانے والے ہیں۔دوسری حدیث میں وضاحت ہے کہ رفیق اعلیٰ سے آپ ﷺ کی کیا مراد تھی۔آپ اپنے مرض الوفات میں فرمایا کرتے تھے:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾(25)

''ان لوگوں کا ساتھ نصیب ہو جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اور وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق ہونے کے اعتبار سے۔''

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت جوں جوں قریب آتا گیا آپ کی بیماری بھی شدت اختیار کرتی گئی۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کو سہارا دیے بیٹھی تھیں۔قریب پانی کا برتن پڑا تھا۔رسول اللہ ﷺ شدت مرض کی وجہ سے بار بار

اپنے دست مبارک پانی میں ڈال کر اپنے رخ زیبا پر پھیر لیا کرتے۔ آپ مرض کی شدت کو پانی سے کم کرنے کی کوشش کرتے اور ساتھ ساتھ فرماتے جا رہے تھے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ(26)

''اللہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ بلاشبہ زندگی کے یہ آخری لحات بڑے سخت ہوتے ہیں۔''

سب سے افضل اور پاکباز ہستی حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ آپ کو بھی سکرات الموت میں مبتلا کیا گیا تھا۔ آپ سکرات کی تخفیف کے لیے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا گو ہوتے:

اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ(27)

''اے اللہ! آخری لحات کی ان سختیوں میں میری مدد فرما

کبھی یوں بھی رب تعالیٰ کو پکارتے:

اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ أَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ(28)

''اے اللہ! ان آخری لحات کی حدت وشدت اور سختیوں میں میری مدد فرما۔''

اس کے ساتھ ساتھ آپ سال کے مبارک لبوں پر یہ کلمات بھی جاری تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى(29)

''اے اللہ! مجھے معاف فرما، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کی رفاقت نصیب فرما۔''

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ کے اہل خانہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس پر اپنا دست مبارک رکھ کر یہ دعا فرمایا کرتے:

أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبِّ النَّاسِ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا

''اے انسانوں کے رب! تکلیف دور کر دے اور شفا عطا فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے جو بیماری کا نام ونشان تک مٹا دے۔''

نبی کریم ﷺ کے مرض میں جب شدت آئی تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو دم کرنے لگیں۔ وہ آپ کا دست مبارک پکڑ کر آپ ﷺ کے جسم اطہر پر پھیرنے لگیں جس طرح آپ انھیں کیا کرتے تھے، آپ ﷺ اپنا دست مبارک اپنی رفیقۂ حیات سے چھڑا کر یہ دعا کرنے لگے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاجْعَلْنِي مَعَ الرَّفِيقِ الأَعْلٰى (30)

''اے اللہ! مجھے معاف فرما اور مجھے رفیقِ اعلیٰ کا ساتھ نصیب فرما۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال پُر ملال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلسل سے بارگاہ الٰہی میں مغفرت اور رفیق اعلیٰ کی رفاقت کی درخواست کرتے رہے۔ جب آپ کی روح اطہر آپ کے جسم اقدس سے جدا ہوئی، تب بھی آپ کی زبان مبارک پر یہی الفاظ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا، حجرہ مبارک کی چھت کی طرف دیکھا اور دست مبارک بلند کرتے ہوئے تین بار (فی الرفیق الأعلی) فرمایا اور روح اقدس پرواز کر گئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بند ہو گئیں، ہاتھ نیچے جھک گیا اور سر مبارک ایک طرف جھک گیا ہے۔

آپ کے لعاب مبارک کا قطرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے پر گرا۔ اس قطرے میں اس قدر ٹھنڈک تھی کہ اس ایک قطرے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر کپکپی طاری ہو گئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ آپ کا وصال نہیں ہوا بلکہ آپ پر پہلے کی طرح غشی طاری ہوئی ہے۔ اس لیے انھوں نے آپ کو لٹا کر سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا اور جسم اقدس کو چادر سے ڈھانپ دیا ہے۔ (31)

تجہیز و تکفین

چونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرما دی تھی کہ میری تجہیز و تکفین میرے اہل بیت اور اہل خاندان کریں۔ اس لئے یہ خدمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان ہی کے لوگوں نے انجام دی۔ چنانچہ حضرت فضل بن عباس و حضرت قثم بن عباس و حضرت علی و حضرت عباس و حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے مل جل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا اور ناف مبارک اور پلکوں پر جو پانی کے قطرات اور تری جمع تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جوش محبت اور فرط عقیدت سے اس کو زبان سے چاٹ کر پی لیا۔ (32)

غسل کے بعد تین سوتی کپڑوں کا جو "سحول" گاؤں کے بنے ہوئے تھے کفن بنایا گیا ان میں قمیص و عمامہ نہ تھا۔ (33)

نماز جنازہ

جنازہ تیار ہوا تو لوگ نماز جنازہ کے لئے ٹوٹ پڑے۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ جنازہ مبارکہ حجرہ مقدسہ کے اندر ہی تھا۔ باری باری سے تھوڑے تھوڑے لوگ اندر جاتے تھے اور نماز پڑھ کر چلے آتے تھے لیکن کوئی امام نہ تھا۔ (34)

قبرِانور

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے قبر شریف تیار کی جو بغلی تھی۔ جسم اطہر کو حضرت علی و حضرت فضل بن عباس و حضرت عباس و حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہم نے قبر منور میں اتارا۔ (35)

لیکن ابو داؤد کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُسامہ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم بھی قبر میں اترے تھے۔ (36)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ اختلاف رونما ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے کچھ لوگوں نے کہا کہ مسجد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مدفن ہونا چاہیے اور کچھ نے یہ رائے دی کہ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ سنا ہے کہ ہر نبی اپنی وفات کے بعد اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جس جگہ اس کی وفات ہوئی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سن کر لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بچھونے کو اٹھایا اور اسی جگہ (حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا) میں آپ کی قبر تیار کی اور آپ اسی میں مدفون ہوئے۔ (37)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غسل شریف اور تجہیز و تکفین کی سعادت میں حصہ لینے کے لئے ظاہر ہے کہ شمع نبوت کے پروانے کس قدر بے قرار رہے ہوں گے؟ مگر جیسا کہ ہم تحریر کر چکے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود ہی یہ وصیت فرما دی تھی کہ میرے غسل اور تجہیز و تکفین میرے اہل بیت ہی کریں۔ پھر امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بحیثیت امیر المؤمنین ہونے کے یہی حکم دیا کہ "یہ اہل بیت ہی کا حق ہے" اس لئے حضرت عباس اور اہل بیت رضی اللہ عنہم نے کواڑ بند کر کے غسل دیا اور کفن پہنایا مگر شروع سے آخر تک خود حضرت امیر المؤمنین اور دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجرہ مقدسہ کے باہر حاضر رہے۔ (38)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ترکہ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مقدس زندگی اس قدر زاہدانہ تھی کہ کچھ اپنے پاس رکھتے ہی نہیں تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وفات کے بعد کیا چھوڑا ہوگا؟ چنانچہ حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا وَّلَا عَبْدًا وَّلَا اَمَةً وَّلَا شَيْئًا اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً (39)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ درہم و دینار چھوڑا نہ لونڈی و غلام نہ اور کچھ صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار

اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے چھوڑا تھا۔''

بہر حال پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متروکات میں تین چیزیں تھیں۔ (۱) بنونضیر، فدک، خیبر کی زمینیں (۲) سواری کا جانور (۳) ہتھیار۔ یہ تینوں چیزیں قابل ذکر ہیں:

زمین

بنونضرح، فدک، خیبر کی زمینوں کے باغات وغیرہ کی آمدنیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اور اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہ کے سال بھر کے اخراجات اور فقراء و مساکین اور عام مسلمانوں کی حاجات میں صرف فرماتے تھے۔ (40)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت عباس اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اور بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن چاہتی تھیں کہ ان جائیدادوں کو میراث کے طور پر وارثوں کے درمیان تقسیم ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے ان لوگوں نے اس کی درخواست پیش کی مگر آپ اور حضرت عمر وغیرہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو یہ حدیث سنادی کہ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ ہم (انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ مسلمانوں پر صدقہ ہے۔ (41)

اور اس حدیث کی روشنی میں صاف صاف کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کے بموجب یہ جائیدادیں وقف ہو چکی ہیں۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مقدس زندگی میں جن مدآت و مصارف میں ان کی آمدنیاں خرچ فرمایا کرتے تھے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اصرار سے بنونضیر کی جائیداد کا ان دونوں کو اس شرط پر متولی بنا دیا تھا کہ اس جائیداد کی آمدنیاں انہیں مصارف میں خرچ کرتے رہیں گے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے۔ پھر ان دونوں میں کچھ ان بن ہو گئی اور ان دونوں حضرات نے یہ خواہش ظاہر کی کہ بنونضیر کی جائیداد تقسیم کر کے آدھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تولیت میں دے دی جائے اور آدھی کے متولی حضرت علی رضی اللہ عنہ رہیں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخواست کو نامنظور فرما دیا۔ (42)

لیکن خیبر اور فدک کی زمینیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانے تک خلفاء ہی کے ہاتھوں میں رہیں۔ حاکم مدینہ مروان بن الحکم نے اس کو اپنی جاگیر بنالی تھی مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں پھر وہی عملدرآمد جاری کر دیا جو حضرت ابوبکر و حضرت رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں تھا۔ (43)

سواری کے جانور

زرقانی علی المواہب وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں سات گھوڑے، پانچ خچر، تین گدھے، دو

اونٹنیاں تھیں۔(44)

لیکن اس میں یہ تشریح نہیں ہے کہ بوقت وفات ان میں سے کتنے جانور موجود تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جانور دوسروں کو عطا فرماتے رہتے تھے۔ کچھ نئے خریدتے کچھ ہدایا اور نذرانوں میں ملتے بھی رہے۔

بہرحال روایات صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات اقدس کے وقت جو سواری کے جانور موجود تھے ان میں ایک گھوڑا تھا جس کا نام "لحیف" تھا ایک سفید خچر تھا جس کا نام "دلدل" تھا یہ بہت ہی عمر دراز ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہا اتنا بوڑھا ہو گیا تھا کہ اس کے تمام دانت گر گئے تھے اور آخر میں اندھا بھی ہو گیا تھا۔ ابن عساکر کی تاریخ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جنگ خوارج میں اس پر سوار ہوئے تھے۔(45)

ایک عربی گدھا تھا جس کا نام "عفیر" تھا ایک اونٹنی تھی جس کا نام "عضباء وقصواء" تھا یہ وہی اونٹنی تھی جس کو بوقت ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا اس اونٹنی پر آپ نے ہجرت فرمائی اور اس کی پشت پر حجۃ الوداع میں آپ نے عرفات ومنیٰ کا خطبہ پڑھا تھا۔

ہتھیار

چونکہ جہاد کی ضرورت ہر وقت در پیش رہتی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلحہ خانہ میں نو یا دس تلواریں، سات لوہے کی زرہیں، چھ کمانیں، ایک تیردان، ایک ڈھال، پانچ برچھیاں، دو مغفر، تین جبے، ایک سیاہ رنگ کا بڑا جھنڈا باقی سفید و زرد رنگ کے چھوٹے چھوٹے جھنڈے تھے اور ایک خیمہ بھی تھا۔ ہتھیاروں میں تلواروں کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ یہ سب تلواریں بیک وقت جمع تھیں یا مختلف اوقات میں آپ کے پاس رہیں۔(46)

ظروف ومختلف سامان

ظروف اور برتنوں میں کئی پیالے تھے ایک شیشہ کا پیالہ بھی تھا۔ ایک پیالہ لکڑی کا تھا جو پھٹ گیا تھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کے شگاف کو بند کرنے کیلئے ایک چاندی کی زنجیر سے اس کو جکڑ دیا تھا۔(47)

چمڑے کا ایک ڈول، ایک پرانی مشک، ایک پتھر کا تغار، ایک بڑا سا پیالہ جس کا نام "السعہ" تھا، ایک چمڑے کا تھیلا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئینہ، قینچی اور مسواک رکھتے تھے، ایک کنگھی، ایک سرمہ دانی، ایک بہت بڑا پیالہ جس کا نام

”الغراء“ تھا، صاع اور مد دو ناپنے کے پیمانے۔ان کے علاوہ ایک چار پائی جس کے پائے سیاہ لکڑی کے تھے۔ یہ چار پائی حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ہدیۃً خدمت اقدس میں پیش کی تھی۔ بچھونا اور تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، مقدس جوتیاں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسباب وسامانو کی ایک فہرست ہے جن کا تذکرہ احادیث میں متفرق طور پر آتا ہے۔

حوالہ جات

1۔سنن الترمذی:2271	17۔صحیح البخاری:4446	33بخاری ج ا ص ۱۶۹
2۔مسند احمد بن حنبل:15997	18۔صحیح البخاری:198	34۔ابن ماج ص ۱۱۸
3۔مسند احمد بن حنبل:250908	19۔صحیح البخاری:3904	35۔مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۲
4۔مسند احمد بن حنبل:25908	20۔صحیح البخاری:3904	36۔ابوداؤد ج ۲ ص ۴۵۸
5۔صحیح البخاری:1389	21۔کنز العمال:18825	37۔ابن ماج ص ۱۱۸
6۔صحیح البخاری:3774	22۔الطبرانی، المعجم الکبیر:2890	38۔مدارج النبوۃ ج۲ص۴۳۷
7۔صحیح البخاری:198	23۔صحیح البخاری:4586	39۔بخاری ج ا ص ۳۸۲
8۔مسند احمد بن حنبل:25264	24۔سنن ابن ماجہ:1629	40۔ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱۲
9۔صحیح البخاری:5646	25۔النساء:69	41۔ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱۳و
10۔سبل الہدی:ج12ص240	26۔صحیح البخاری:4449	42۔بخاری ج ا ص ۴۳۶
11۔صحیح البخاری:4449	27۔سنن ابن ماجہ:1623	43۔ابوداؤد ج ۲ ص ۴۱۷
12۔مسند احمد بن حنبل:27079	28۔سنن الترمذی:978	44۔زرقانی ج ۳ ص ۳۸۶ تا ص ۳۹۱
13۔صحیح البخاری:198	29۔صحیح البخاری:4440	45۔زرقانی ج ۳ ص ۳۸۹
14۔صحیح البخاری:687	30۔صحیح مسلم:2191	46۔مدارج النبوۃ ج ۳ ص ۵۹۵
15۔صحیح البخاری:680	31۔مسند احمد بن حنبل:42841	47۔بخاری ج ا ص ۴۳۸
16۔سنن الترمذی:979	32۔مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۳۸	

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر درد ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کیسے تسلی دی؟

....

....

2. مرض الوفات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کن دو صحابہ رضی اللہ عنہما نے سہارا دیا تھا؟

....

....

3. آخری خطبے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کیا فضائل بیان کیے۔

....

....

4. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری الفاظ کیا تھے؟

....

....

5. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ کیسے ادا کی گئی؟

....

....

6. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متروکات میں کون کون سی چیزیں تھیں۔

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. خیبر اور فدک کی زمینیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانے تک......ہی کے ہاتھوں میں رہیں۔
   - ☐ اہل بیت ☐ ازواج مطہرات ☐ خلفاء ☐ ورثاء
2. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض میں جب شدت آئی تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو......کرنے لگیں۔
   - ☐ سایہ ☐ دم ☐ قریب ☐ دور
3. غسل کے بعد تین سوتی کپڑوں کا جو گاؤں......کے بنے ہوئے تھے کفن بنایا گیا ان میں قمیص وعمامہ نہ تھا۔
   - ☐ بنوتیم ☐ مزدلفہ ☐ منیٰ ☐ سحول
4. حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی اس قدر......تھی کہ کچھ اپنے پاس رکھتے ہی نہیں تھے
   - ☐ زاہدانہ ☐ مجاہدانہ ☐ عاجزانہ ☐ مسافرنہ
5. ابن عساکر کی تاریخ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جنگ......میں اس پر سوار ہوئے تھے۔
   - ☐ عمواس ☐ یرموک ☐ خوارج ☐ صفین
6. ایک بہت بڑا پیالہ جس کا نام......تھا، صاع اور مد دونا پنے کے پیمانے۔
   - ☐ المھند ☐ المرتضیٰ ☐ الغراء ☐ الزرقاء

تدفین شب بدھ ۱۴ ربیع الاول

۱......بمقام حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

۲......قبر کھودنے والے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ

حجرة ميمونة بنت الحارث

حجرة صفية

حجرة أم حبيبة

حجرة جويرية

حجرة زينب بنت جحش

حجرة فاطمة وعلى

حجرة زينب بنت خزيمة وأم سلمة

حجرة عائشة

حجرة سودة

حجرة حفصة

المسجد النبوى

القبلة

غرب

شرق

جنوب

سبق نمبر 23

رسول اللہ ﷺ کا خاندان

خلاصۂ سبق

یہ شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ گیارہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت آپ کی نو بیویاں موجود تھیں اس بات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولادِ کرام کی تعداد چھ ہے۔ دو فرزند حضرت قاسم و حضرت ابراہیم اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب و حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم و حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہم) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ چچا تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیوں کی تعداد چھ ہے، مذکورہ بالا ازواجِ مطہرات کے علاوہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار باندیاں بھی تھیں جو آپ کے زیرِ تصرف تھیں جن کے نام حسبِ ذیل ہیں:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات ہیں۔ ان کے والد کا نام خویلد بن اسد اور ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے۔ یہ خاندان قریش کی بہت ہی معزز اور نہایت ہی دولت مند خاتون تھیں۔ ہم اِس کتاب کے تیسرے باب میں لکھ چکے ہیں کہ اہل مکہ ان کی پاک دامنی اور پارسائی کی بنا پر انکو" طاہرہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات اور جمالِ صورت و کمالِ سیرت کو دیکھ کر خود ہی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کی رغبت ظاہر کی اور پھر باقاعدہ نکاح ہوگیا جس کا مفصل تذکرہ گزر چکا۔ علامہ ابن اثیر اور امام ذہبی کا بیان ہے کہ اس بات پر تمام اُمت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے یہی ایمان لائیں اور ابتداء اسلام میں جب کہ ہر طرف سے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کا طوفان اُٹھ رہا تھا ایسے کٹھن وقت میں صرف انہیں کی ایک ذات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مونس حیات بن کر تسکین خاطر کا باعث تھی۔ انہوں نے اتنے خوفناک اور خطرناک اوقات میں جس استقلال اور استقامت کے ساتھ خطرات و مصائب کا مقابلہ کیا اور جس طرح تن من دھن سے بارگاہ نبوت میں اپنی قربانی پیش کی اس خصوصیت میں تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر ان کو ایک خصوصی فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ ولی الدین عراقی کا بیان ہے کہ قول صحیح اور مذہب مختار یہی ہے کہ امہات المؤمنین میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ افضل ہیں۔

ان کے فضائل میں چند حدیثیں وارد بھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ خدیجہ ہیں جو آپ کے پاس ایک برتن لے کر آ رہی ہیں جس میں کھانا ہے۔ جب یہ آپ کے پاس آ جائیں تو آپ ان سے ان کے رب کا اور میرا سلام کہہ دیں اور ان کو یہ خوشخبری سنا دیں کہ جنت میں ان کے لئے موتی کا ایک گھر بنا ہے جس میں نہ کوئی شور ہوگا نہ کوئی تکلیف ہوگی۔(1)

امام احمد و ابوداؤد و نسائی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم و حضرت آسیہ ہیں۔ رضی اللہ عنہن۔(2)

امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دنیا میں جنت کا انگور کھلایا۔ اس حدیث کو امام سہیلی نے بھی نقل فرمایا ہے۔(3)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پچیس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گزاری سے سرفراز رہیں، ہجرت سے تین برس قبل پینسٹھ برس کی عمر پا کر ماہ رمضان میں مکہ معظّمہ کے اندر انہوں نے وفات پائی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے مشہور قبرستان حجون (جنت المعلی) میں خود بہ نفس نفیس ان کی قبر میں اتر کر اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کو سپرد خاک فرمایا چونکہ اس وقت تک نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔(4)

اس بات میں بھی کسی مؤرخ کا اختلاف نہیں ہے کہ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور جب تک وہ زندہ رہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسری عورت سے عقد نہیں فرمایا۔(5)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام "زمعہ" اور ان کی والدہ کا نام شموس بنت قیس بن عمرو ہے۔ یہ پہلے اپنے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو سے بیاہی گئی تھیں۔ یہ میاں بیوی دونوں ابتدائے اسلام میں ہی مسلمان ہو گئے تھے اور ان دونوں نے حبشہ کی ہجرت ثانیہ

میں حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی، لیکن جب حبشہ سے واپس آ کر یہ دونوں میاں بیوی مکہ مکرمہ آئے تو ان کے شوہر سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ وفات پا گئے اور یہ بیوہ ہو گئیں ان کے ایک لڑکا بھی تھا جن کا نام "عبدالرحمن" تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدل چلتے ہوئے ان کی طرف تشریف لائے اور ان کی گردن پر اپنا مقدس پاؤں رکھ دیا۔ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس خواب کو اپنے شوہر سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر تیرا خواب سچا ہے تو میں یقیناً عنقریب ہی مر جاؤں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ سے نکاح فرمائیں گے۔ اس کے بعد دوسری رات میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے یہ خواب دیکھا کہ ایک چاند ٹوٹ کر ان کے سینے پر گرا ہے صبح کو انہوں نے اس خواب کا بھی اپنے شوہر سے ذکر کیا تو ان کے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ نے چونک کر کہا کہ اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو میں اب بہت جلد انتقال کر جاؤں گا اور تم میرے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کرو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسی دن حضرت سکران رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور چند دنوں کے بعد وفات پا گئے۔(6)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے ہر وقت بہت زیادہ مغموم اور اداس رہا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیں تاکہ آپ کا خانہ معیشت آباد ہو جائے اور ایک وفادار اور خدمت گزار بیوی کی صحبت و رفاقت سے آپ کا غم مٹ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس مخلصانہ مشورہ کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے باپ سے بات چیت کر کے نسبت طے کرا دی اور نکاح ہو گیا اور یہ اُمہات المؤمنین کے زمرے میں داخل ہو گئیں اور اپنی زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کے شرف سے سرفراز رہیں اور انتہائی والہانہ عقیدت و محبت کے ساتھ آپ کی وفادار اور خدمت گزار رہیں۔ امام ذہبی اور امام بخاری نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری دور خلافت ۲۳ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی لیکن واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ ان کی وفات کا سال ۵۴ھ ہے اور صاحب اکمال نے بھی ان کا سنہ وفات شوال ۵۴ھ ہی تحریر کیا ہے مگر حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تقریب التہذیب میں یہ لکھا ہے کہ ان کی وفات شوال ۵۵ھ میں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(7)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

یہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نورِ نظر اور دختر نیک اختر ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام "اُمِ رُومان" ہے یہ چھ برس کی تھیں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں ہجرت سے تین سال قبل نکاح فرمایا اور

شوال ۲ھ میں مدینہ منورہ کے اندر یہ کاشانہ نبوت میں داخل ہوگئیں اور نو برس تک حضور ﷺ کی صحبت سے سرفراز رہیں۔ ازواجِ مطہرات میں یہی کنواری تھیں اور سب سے زیادہ بارگاہ نبوت میں محبوب ترین بیوی تھیں۔ حضورِ اقدس ﷺ کا ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ کسی بیوی کے لحاف میں میرے اوپر وحی نازل نہیں ہوئی مگر حضرت عائشہ جب میرے ساتھ بستر نبوت پر سوتی رہتی ہیں تو اس حالت میں بھی مجھ پر وحی الٰہی اترتی رہتی ہے۔(8)

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تین راتیں میں خواب میں یہ دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ تم کو ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر میرے پاس لاتا رہا اور مجھ سے یہ کہتا رہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔ جب میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو ناگہاں وہ تم ہی تھیں۔ اس کے بعد میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس خواب کو پورا کر دکھائے گا۔(9)

فقہ و حدیث کے علوم میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے اندر ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ دو ہزار دو سو دس حدیثیں انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی ہیں۔ ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں سے ایک سو چوہتر حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ہیں اور چون حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری شریف میں ہیں اور اڑسٹھ حدیثیں وہ ہیں جن کو صرف امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں تحریر کیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی حدیثیں احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

ابن سعد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے تمام ازواجِ مطہرات پر ایسی دس فضیلتیں حاصل ہیں جو دوسری ازواجِ مطہرات کو حاصل نہیں ہوئیں۔

1. حضور ﷺ نے میرے سوا کسی دوسری کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔
2. میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کے ماں باپ دونوں مہاجر ہوں۔
3. اللہ تعالیٰ نے میری برأت اور پاک دامنی کا بیان آسمان سے قرآن میں نازل فرمایا۔
4. نکاح سے قبل حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک ریشمی کپڑے میں میری صورت لا کر حضور ﷺ کو دکھلا دی تھی اور آپ تین راتیں خواب میں مجھے دیکھتے رہے۔
5. میں اور حضور ﷺ ایک ہی برتن میں سے پانی لے لے کر غسل کیا کرتے تھے یہ شرف میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

⑥ حضورِ اقدس ﷺ نماز تہجد پڑھتے تھے اور میں آپ کے آگے سوئی رہتی تھی اُمہات المؤمنین میں سے کوئی بھی حضور ﷺ کی اس کریمانہ محبت سے سرفراز نہیں ہوئی۔

⑦ میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک لحاف میں سوتی رہتی تھی اور آپ پر خدا کی وحی نازل ہوا کرتی تھی یہ وہ اعزاز خداوندی ہے جو میرے سوا حضور ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہ کو حاصل نہیں ہوا۔

⑧ وفات اقدس کے وقت میں حضور ﷺ کو اپنی گود میں لئے ہوئے بیٹھی تھی اور آپ کا سرانور میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا اور اسی حالت میں حضور ﷺ کا وصال ہوا۔

⑨ حضور ﷺ نے میری باری کے دن وفات پائی۔

⑩ حضورِ اقدس ﷺ کی قبرانور خاص میرے گھر میں بنی۔(10)

آپ رضی اللہ عنہا کے شاگردوں میں صحابہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت ہے اور آپ کے فضائل ومناقب میں بہت سی حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔ ۱۷ رمضان شب سہ شنبہ ۵۷ ھ یا ۵۸ ھ میں مدینہ منورہ کے اندر آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق رات میں لوگوں نے آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی قبروں کے پہلو میں دفن کیا۔(11)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا ہیں جو ایک مشہور صحابیہ ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ طیبہ کو ہجرت بھی کی تھی لیکن ان کے شوہر جنگ بدر یا جنگ احد میں زخمی ہو کر وفات پا گئے اور یہ بیوہ ہوگئیں پھر رسول اللہ ﷺ نے ۳ھ میں ان سے نکاح فرمایا اور یہ ام المؤمنین کی حیثیت سے کاشانۂ نبوی کی سکونت سے مشرف ہوگئیں۔

یہ بہت بڑی عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ وحدیث میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ساٹھ حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے پانچ حدیثیں بخاری شریف میں مذکور ہیں باقی احادیث دوسری کتب حدیث میں درج ہیں۔ شعبان ۴۵ ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ تھا اور مروان بن حکم مدینہ کا حاکم تھا۔ اسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک ان کے جنازہ کو بھی

اٹھایا پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قبر تک جنازہ کو کاندھا دیئے چلتے رہے۔ ان کے دو بھائی حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے تین بھتیجے حضرت سالم بن عبد اللہ و حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ و حضرت حمزہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ان کو قبر میں اتارا اور یہ جنت البقیع میں دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔ بوقت وفات ان کی عمر ساٹھ یا تریسٹھ برس کی تھی۔ (12)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام ہند ہے اور کنیت "اُمِ سلمہ" ہے مگر یہ اپنی کنیت کے ساتھ ہی زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے باپ کا نام "حذیفہ" اور بعض مؤرخین کے نزدیک "سہل" ہے مگر اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ان کی والدہ "عاتکہ بنت عامر" ہیں۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی اعلانِ نبوت کے بعد جلد ہی دامن اسلام میں آ گئے تھے اور سب سے پہلے ان دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی پھر یہ دونوں حبشہ سے مکہ مکرمہ آ گئے اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت مدینہ منورہ میں رہنے لگے مگر ۴ ہجری میں جب ان کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو باوجودیکہ ان کے چند بچے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمالیا اور یہ اپنے بچوں کے ساتھ کاشانہ نبوت میں رہنے لگیں اور ام المؤمنین کے معزز لقب سے سرفراز ہو گئیں۔

حسن و جمال اور عقل و رائے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث میں بھی ان کی مہارت خصوصی طور پر ممتاز تھی۔ تین سو اٹھتر حدیثیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہیں اور بہت سے صحابہ و تابعین حدیث میں ان کے شاگرد ہیں اور ان کے شاگردوں میں حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ مدینہ منورہ میں چوراسی برس کی عمر پا کر وفات پائی اور ان کی وفات کا سال ۵۳ھ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ بعض مؤرخین کا قول ہے کہ ان کے وصال کا سال ۵۹ھ ہے اور ابراہیم حربی نے فرمایا کہ ۶۲ھ میں ان کا انتقال ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ ۶۳ھ کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے۔ (13)

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا

ان کا اصلی نام "رملہ" ہے۔ یہ سردار مکہ ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی ہیں اور ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابو العاص ہے جو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔ یہ پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور میاں بیوی

دونوں نے اسلام قبول کیا اور دونوں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔لیکن حبشہ پہنچ کر ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش پر ایسی بدنصیبی سوار ہوگئی کہ وہ اسلام سے مرتد ہو کر نصرانی ہوگیا اور شراب پیتے پیتے نصرانیت ہی پر وہ مر گیا۔مگر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے اسلام پر استقامت کے ساتھ ثابت قدم رہیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی حالت معلوم ہوئی تو قلب نازک پر بے حد صدمہ گزرا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے لئے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی بادشاہِ حبشہ کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ تم میرے وکیل بن کر حضرت ام حبیبہ کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔نجاشی کو جب یہ فرمان نبوت پہنچا تو اس نے اپنی ایک خاص لونڈی کو جس کا نام "ابرہہ" تھا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کی خبر دی۔حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس خوشخبری کو سن کر اس قدر خوش ہوئیں کہ اپنے کچھ زیورات اس بشارت کے انعام میں ابرہہ لونڈی کو انعام کے طور پر دے دیئے اور حضرت خالد بن سعید بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو جو ان کے ماموں کے لڑکے تھے اپنے نکاح کا وکیل بنا کر نجاشی کے پاس بھیج دیا۔

نجاشی نے اپنے شاہی محل میں نکاح کی مجلس منعقد کی اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے اس مجلس میں بلایا اور خود ہی خطبہ پڑھ کر سب کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر دیا اور چار سو دینار اپنے پاس سے مہر ادا کیا جو اسی وقت حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا گیا۔پھر نجاشی نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حرم نبوی میں داخل ہو کر ام المؤمنین کا معزز لقب پالیا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بہت پاکیزہ ذات وحمیدہ صفات کی جامع اور نہایت ہی بلند ہمت اور سخی طبیعت کی مالک تھیں اور بہت ہی قوی الایمان تھیں۔ان کے والد ابوسفیان جب کفر کی حالت میں تھے اور صلح حدیبیہ کی تجدید کے لئے مدینہ آئے تو بے تکلف ان کے مکان میں جا کر بستر نبوت پر بیٹھ گئے۔حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کی ذرا بھی پروا نہیں کی اور یہ کہہ کر اپنے باپ کو بستر سے اٹھا دیا کہ یہ بستر نبوت ہے۔میں کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ ایک ناپاک مشرک اس پاک بستر پر بیٹھے۔حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پینسٹھ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری ومسلم دونوں کتابوں میں موجود ہیں اور ایک حدیث وہ ہے جس کو تنہا مسلم نے روایت کیا ہے۔باقی حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ان کے شاگردوں میں ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ اور ان کی صاحبزادی حضرت حبیبہ اور ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید رضی اللہ عنہم بہت مشہور ہیں۔۴۴ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حظیرہ میں مدفون ہوئیں۔(14)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرادیا تھا مگر چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا خاندانِ قریش کی ایک بہت ہی شاندار خاتون تھیں اور حسن و جمال میں بھی یہ خاندانِ قریش کی بے مثال عورت تھیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو گو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کرکے اپنا متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیا تھا مگر پھر بھی چونکہ وہ پہلے غلام تھے اس لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان سے خوش نہیں تھیں اور اکثر میاں بیوی میں ان بن رہا کرتی تھی یہاں تک کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی۔اس واقعہ سے فطری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب نازک پر صدمہ گزرا۔چنانچہ جب ان کی عدت گزر گئی تو محض حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔روایت ہے کہ یہ پیغام بشارت سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دو رکعت نماز ادا کی اور سجدہ میں سر رکھ کر یہ دعا مانگی کہ خداوندا! تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے اگر میں تیرے نزدیک ان کی زوجیت میں داخل ہونے کے لائق عورت ہوں تو یا اللہ! عزوجل تو ان کے ساتھ میرا نکاح فرمادے ان کی یہ دعا فوراً ہی قبول ہوگئی اور یہ آیت نازل ہوگئی کہ

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا(15)

''جب زید نے اس سے حاجت پوری کرلی (زینب کو طلاق دے دی اور عدت گزر گئی) تو ہم نے اس (زینب) کا آپ کے ساتھ نکاح کردیا۔''

اس آیت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کون ہے جو زینب کے پاس جائے اور اس کو یہ خوشخبری سنائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح اس کے ساتھ فرمادیا ہے۔یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خادمہ دوڑتی ہوئی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچیں اور یہ آیت سنا کر خوشخبری دی۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس بشارت سے اس قدر خوش ہوئیں کہ اپنا زیور اتار کر اس خادمہ کو انعام میں دے دیا اور خود سجدہ میں گر پڑیں اور اس نعمت کے شکریہ میں دو ماہ لگاتار روزہ دار رہیں۔

انہوں نے گیارہ حدیثیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں مذکور ہیں۔باقی نو حدیثیں دوسری کتب احادیث میں لکھی ہوئی ہیں۔منقول ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کا حال امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دے دیا کہ مدینہ کے ہر کوچہ و بازار میں یہ اعلان کردیا جائے

کہ تمام اہل مدینہ اپنی مقدس ماں کی نمازِ جنازہ کے لئے حاضر ہو جائیں۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ ۲۰ ھ یا ۲۱ ھ میں ۵۳ برس کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔(16)

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

زمانہ جاہلیت میں چونکہ یہ غرباء اور مساکین کو بکثرت کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لئے ان کا لقب "ام المساکین" (مسکینوں کی ماں) ہے پہلے ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا مگر جب وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو ۳ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرما لیا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے بعد صرف دو مہینے یا تین مہینے زندہ رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ میں تیس برس کی عمر پا کر وفات پا گئیں اور جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ دفن ہوئیں یہ ماں کی جانب سے حضرت ام المؤمنین بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔(17)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام حارث بن حزن ہے اور ان کی والدہ ہند بنت عوف ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نام پہلے "برہ" تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام بدل کر "میمونہ" (برکت دہندہ) رکھ دیا۔ یہ پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو یہ بیوہ ہو چکی تھیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور آپ نے ان سے نکاح فرما لیا اور عمرۃ القضاء سے واپسی پر مقام "سرف" میں ان کو اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا سے کل چھہتر حدیثیں مروی ہیں جن میں سے سات حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں مذکور ہیں اور ایک حدیث صرف بخاری میں ہے اور ایک ایسی حدیث ہے جو صرف مسلم میں ہے اور باقی حدیثیں احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری زوجہ مبارکہ ہیں ان کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا ان کے انتقال کے سال میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ مگر قول مشہور یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ میں بمقام "سرف" وفات پائی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے زفاف فرمایا تھا۔ ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ۶۱ھ میں وفات پائی اور ابن اسحاق کا قول ہے کہ ۶۳ھ ان کے انتقال کا سال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان کی وفات کے وقت ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما موجود تھے اور انہوں ہی نے آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں اتارا، محدث عطاء کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک تھے۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بہ آواز بلند فرمایا کہ اے لوگو! یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں۔ تم لوگ ان کے جنازہ کو بہت آہستہ آہستہ لے کر چلو اور ان کی مقدس لاش کو نہ جھنجھوڑو۔ حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا کو مقام سرف میں اسی چھپر کی جگہ میں دفن کیا جس میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو پہلی بار اپنی قربت سے سرفراز فرمایا تھا۔ (18)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار اعظم حارث بن ابوضرار کی بیٹی ہیں "غزوہ مریسیع" میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر قیدی بنائے گئے تھے ان ہی قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب قیدیوں کو لونڈی غلام بنا کر مجاہدین پر تقسیم کر دیا گیا تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ان سے مکاتبت کر لی یعنی یہ لکھ کر دے دیا کہ تم اتنی اتنی رقم مجھے دے دو تو میں تم کو آزاد کر دوں گا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) میں اپنے قبیلے کے سردار اعظم حارث بن ابوضرار کی بیٹی ہوں اور مسلمان ہو چکی ہوں۔ ثابت بن قیس نے مجھے مکاتبہ بنا دیا ہے مگر میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ میں بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو جاؤں اس لئے آپ اس وقت میں میری مالی امداد فرمائیں کیونکہ میرا تمام خاندان اس جنگ میں گرفتار ہو چکا ہے اور ہمارے تمام مال و سامان مسلمانوں کے ہاتھوں میں مال غنیمت بن چکے ہیں اور میں اس وقت بالکل ہی مفلسی و بے کسی کے عالم میں ہوں۔

حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کو ان کی فریاد سن کر ان پر رحم آ گیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کروں تو کیا تم اس کو منظور کر لوگی؟ انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ میرے ساتھ اس سے بہتر سلوک کیا فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے بدل کتابت کی تمام رقم میں خود تمہاری طرف سے ادا کر دوں اور پھر تم کو آزاد کر کے میں خود تم سے نکاح کر لوں تاکہ تمہارا خاندانی اعزاز و وقار برقرار رہ جائے۔ یہ سن کر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی شادمانی و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے اس اعزاز کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے بدل کتابت کی ساری رقم ادا فرما کر اور ان کو آزاد کر کے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں شامل فرما لیا اور یہ ام

المؤمنین کے اعزاز سے سرفراز ہوگئیں۔ جب اسلامی لشکر میں یہ خبر پھیلی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا تو تمام مجاہدین ایک زبان ہوکر کہنے لگے کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمالیا اس خاندان کا کوئی فرد لونڈی غلام نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام مجاہدین اسلام کے قبضہ میں تھے فوراً ہی سب کے سب آزاد کردیئے گئے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہ کے نکاح سے بڑھ کر مبارک نہیں ثابت ہوا کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے تمام خاندان بنی مصطلق کو غلامی سے نجات حاصل ہوگئی۔(19)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے سات حدیثیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں بخاری شریف میں اور دو حدیثیں مسلم شریف میں ہیں باقی تین حدیثیں دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبید بن سباق اور ان کے بھتیجے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔(20)

۵۰ ھ میں پینسٹھ برس کی عمر پاکر انہوں نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی اور حاکم مدینہ مروان نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔(21)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

ان کا اصلی نام زینب تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام "صفیہ" رکھ دیا۔ یہ یہودیوں کے قبیلہ بنونضیر کے سردار اعظم حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں اور ان کی ماں کا نام ضرہ بنت سموئل ہے۔ یہ خاندان بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا شوہر کنانہ بن ابی الحقیق بھی بنونضیر کا رئیس اعظم تھا جو جنگ خیبر میں قتل ہوگیا۔

محرم ۷ ھ میں جب خیبر کو مسلمانوں نے فتح کرلیا اور تمام اسیران جنگ گرفتار کر کے اکٹھا جمع کئے گئے تو اس وقت حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک لونڈی طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی پسند سے ان قیدیوں میں سے کوئی لونڈی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا مگر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت صفیہ بنوقریظہ اور بنونضیر کی شاہ زادی ہیں۔ ان کے خاندانی اعزاز کا تقاضا ہے کہ آپ ان کو اپنی ازواجِ مطہرات میں شامل فرمالیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے لے لیا اور ان کے بدلے میں انہیں ایک دوسری لونڈی عطا فرمادی پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمالیا اور جنگ خیبر سے واپسی

میں تین دنوں تک منزل صہبا میں ان کو اپنے خیمہ کے اندر اپنی قربت سے سرفراز فرمایا اور دعوت ولیمہ میں کھجور، گھی، پنیر کا مالیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھلایا جس کا مفصل تذکرہ جنگ خیبر میں گزر چکا۔

انہوں نے دس حدیثیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہیں جن میں سے ایک حدیث بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ہے اور باقی نو حدیثیں دوسری کتابوں میں درج ہیں۔ان کی وفات کے سال میں اختلاف ہے واقدی کا قول ہے کہ ۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ ۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔بوقت رحلت ان کی عمر ساٹھ برس کی تھی یہ بھی مدینہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔(22)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد واھل بیت

اس بات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کرام کی تعداد چھ ہے۔دو فرزند حضرت قاسم و حضرت ابراہیم اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب و حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم و حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہم) لیکن بعض مؤرخین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صاحبزادے عبداللہ بھی ہیں جن کا لقب طیب وطاہر ہے۔اس قول کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس اولاد کی تعداد سات ہے۔تین صاحبزادگان اور چار صاحبزادیاں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو زیادہ صحیح بتایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ساتوں مقدس اولاد میں سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے تولد ہوئے تھے باقی تمام اولاد کرام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئیں۔(23)

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

یہ سب سے پہلے فرزند ہیں جو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آغوش مبارک میں اعلانِ نبوت سے قبل پیدا ہوئے۔حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر ہے۔جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ یہ پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کی عمر شریف دو برس کی ہوئی مگر علامہ غلابی کہتے ہیں کہ یہ فقط سترہ ماہ زندہ رہے۔واللہ اعلم۔(24)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

ان ہی کا لقب طیب وطاہر ہے۔اعلانِ نبوت سے قبل مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں وفات پا گئے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد مبارکہ میں سب سے آخری فرزند ہیں۔ یہ ذوالحجہ ۸ ھ میں مدینہ منورہ کے قریب مقام "عالیہ" کے اندر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے۔ اس لیے مقام عالیہ کا دوسرا نام "مشربۂ ابراہیم" بھی ہے۔ ان کی ولادت کی خبر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے مقام عالیہ سے مدینہ آکر بارگاہِ اقدس میں سنائی۔ یہ خوش خبری سن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انعام کے طور پر حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو ایک غلام عطا فرمایا۔ اس کے بعد فوراً ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "یا ابا ابراہیم" (اے ابراہیم کے باپ) کہہ کر پکارا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد خوش ہوئے اور ان کے عقیقہ میں دو مینڈھے آپ نے ذبح فرمائے اور ان کے سر کے بال کے وزن کے برابر چاندی خیرات فرمائی اور ان کے بالوں کو دفن کرا دیا اور "ابراہیم" نام رکھا، پھر ان کو دودھ پلانے کے لیے حضرت "ام سیف" رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمایا۔ ان کے شوہر حضرت ابوسیف رضی اللہ عنہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ محبت تھی اور کبھی کبھی آپ ان کو دیکھنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوسیف رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے تو یہ وہ وقت تھا کہ حضرت ابراہیم جان کنی کے عالم میں تھے۔ یہ منظر دیکھ کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس وقت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ بھی روتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عوف کے بیٹے! یہ میرا رونا ایک شفقت کا رونا ہے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ جب چشمان مبارک سے آنسو بہے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہو گئے کہ

إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَ الْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ إِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ

"آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمزدہ ہے مگر ہم وہی بات زبان سے نکالتے ہیں جس سے ہمارا رب خوش ہو جائے اور بلاشبہ اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی سے بہت زیادہ غمگین ہیں۔"

جس دن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اتفاق سے اسی دن سورج میں گرہن لگا۔ عربوں کے دلوں میں زمانہ جاہلیت کا یہ عقیدہ جما ہوا تھا کہ کسی بڑے آدمی کی موت سے چاند اور سورج میں گرہن لگتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ غالباً یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے ہوا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر ایک خطبہ دیا جس میں جاہلیت کے اس عقیدہ کا رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لَا یَنْکَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیَاتِہٖ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْھَا فَادْعُوا اللّٰہَ وَصَلُّوْا حَتّٰی یَنْجَلِیَ(25)

''یقیناً چانداور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں۔کسی کے مرنے یا جینے سے ان دونوں میں گرہن نہیں لگتا جب تم لوگ گرہن دیکھوتو دعائیں مانگو اور نماز کسوف پڑھو یہاں تک کہ گرہن ختم ہوجائے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میرے فرزند ابراہیم نے دودھ پینے کی مدت پوری نہیں کی اور دنیا سے چلا گیا۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہشت میں ایک دودھ پلانے والی کو مقرر فرمادیا ہے جو مدت رضاعت بھر اس کو دودھ پلاتی رہے گی۔(26)

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس دفن فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا۔(27)

بوقت وفات حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی عمر شریف ۱۷ یا ۱۸ ماہ کی تھی۔واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔اعلانِ نبوت سے دس سال قبل جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف تیس سال کی تھی مکہ مکرمہ میں ان کی ولادت ہوئی۔یہ ابتداء اسلام ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں اور جنگ ِبدر کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بلالیا تھا اور یہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔

اعلانِ نبوت سے قبل ہی ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے ہوگئی تھی۔ابوالعاص حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سفارش سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص کے ساتھ نکاح فرمادیا تھا۔حضرت زینب تو مسلمان ہوگئی تھیں مگر ابوالعاص شرک وکفر پر اڑا رہا۔رمضان ۲ ھ میں جب ابوالعاص جنگِ بدر سے گرفتار ہوکر مدینہ آئے۔اس وقت تک حضرت زینب رضی اللہ عنہا مسلمان ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھیں۔چنانچہ ابوالعاص کو قید سے چھڑانے کے لیے انہوں نے مدینہ میں اپنا وہ ہار بھیجا جو ان کی ماں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو جہیز میں دیا تھا۔

یہ ہار حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ پاکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس واپس بھیج دیا اور حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ وعدہ لے کر ان کو رہا کر دیا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ بھیج دیں گے۔ چنانچہ ابوالعاص نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے بھائی کنانہ کی حفاظت میں "بطن یاجج" تک بھیج دیا۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے ساتھ پہلے ہی مقام "بطن یاجج" میں بھیج دیا تھا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات "بطن یاجج" سے اپنی حفاظت میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ لائے۔

منقول ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئیں تو کفار قریش نے ان کا راستہ روکا یہاں تک کہ ایک بدنصیب ظالم "ہبار بن الاسود" نے ان کو نیزہ سے ڈرا کر اونٹ سے گرا دیا جس کے صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ مگر ان کے دیور کنانہ نے اپنے ترکش سے تیروں کو باہر نکال کر یہ دھمکی دی کہ جو شخص بھی حضرت زینب کے اونٹ کا پیچھا کرے گا۔ وہ میرے ان تیروں سے بچ کر نہ جائے گا۔ یہ سن کر کفار قریش سہم گئے۔ پھر سردار مکہ ابوسفیان نے درمیان میں پڑ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لیے مدینہ منورہ کی روانگی کے لیے راستہ صاف کرا دیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہجرت کرنے میں یہ دردناک مصیبت پیش آئی اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فضائل میں یہ ارشاد فرمایا کہ هِيَ اَفْضَلُ بَنَاتِيْ اُصِيْبَتْ فِيَّ یعنی یہ میری بیٹیوں میں اس اعتبار سے بہت ہی زیادہ فضیلت والی ہیں کہ میری جانب ہجرت کرنے میں اتنی بڑی مصیبت اٹھائی۔ اس کے بعد ابوالعاص محرم ۷ھ میں مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔ (28)

۸ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی اور حضرت ام ایمن وحضرت سودہ بنت زمعہ وحضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن نے ان کو غسل دیا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کفن کے لیے اپنا تہبند شریف عطا فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کو قبر میں اتارا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد میں ایک لڑکا جس کا نام "علی" اور ایک لڑکی حضرت "امامہ" تھیں۔ "علی" کے بارے میں ایک روایت ہے کہ اپنی والدہ ماجدہ کی حیات ہی میں بلوغ کے قریب پہنچ کر وفات پا گئے لیکن ابن عساکر کا بیان ہے کہ نسب ناموں کے بیان کرنے والے بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ جنگ یرموک میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (29)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

یہ اعلان نبوت سے سات برس پہلے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف کا تینتیسواں سال تھا پیدا ہوئیں اور ابتداء اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ پہلے ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے "عتبہ" سے ہوا تھا لیکن ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ

"سورہ تبت یدا" نازل ہوگئی۔ ابولہب قرآن میں اپنی اس دائمی رسوائی کا بیان سن کر غصہ میں آگ بگولا ہوگیا اور اپنے بیٹے عتبہ کو مجبور کر دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دے۔ چنانچہ عتبہ نے طلاق دے دی۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ نکاح کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر حبشہ سے مکہ واپس آ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور یہ میاں بیوی دونوں "صاحب الہجرتین" (دو ہجرتوں والے) کے معزز لقب سے سرفراز ہو گئے۔ جنگِ بدر کے دنوں میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بہت سخت بیمار تھیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنگِ بدر میں شریک ہونے سے روک دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کریں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جس دن جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے اسی دن حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا نے بیس سال کی عمر پا کر وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگِ بدر کے سبب سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اگرچہ جنگِ بدر میں شریک نہ ہوئے لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جنگِ بدر کے مجاہدین میں شمار فرمایا اور جنگِ بدر کے مالِ غنیمت میں سے ان کو مجاہدین کے برابر حصہ بھی عطا فرمایا اور شرکاء جنگِ بدر کے برابر اجر عظیم کی بشارت بھی دی۔ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند بھی پیدا ہوئے تھے جن کا نام "عبداللہ" تھا۔ یہ اپنی ماں کے بعد ۴ھ میں چھ برس کی عمر پا کر انتقال کر گئے۔ (30)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

یہ پہلے ابولہب کے بیٹے "عتیبہ" کے نکاح میں تھیں لیکن ابولہب کے مجبور کر دینے سے بدنصیب عتیبہ نے ان کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دے دی اور اس ظالم نے بارگاہِ نبوت میں انتہائی گستاخی بھی کی۔ یہاں تک کہ بدزبانی کرتے ہوئے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھپٹ پڑا اور آپ کے مقدس پیراہن کو پھاڑ ڈالا۔ اس گستاخ کی بے ادبی سے آپ کے قلب نازک پر انتہائی رنج و صدمہ گزرا اور جوشِ غم میں آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل پڑے کہ "یا اللہ! اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو اس پر مسلط فرما دے۔

اس دعا نبوی کا یہ اثر ہوا کہ ابولہب اور عتیبہ دونوں تجارت کے لیے ایک قافلہ کے ساتھ ملک شام گئے اور مقام "زرقا" میں ایک راہب کے پاس رات میں ٹھہرے راہب نے قافلہ والوں کو بتایا کہ یہاں درندے بہت ہیں۔ آپ لوگ ذرا ہوشیار ہو کر سوئیں۔ یہ سن کر ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا کہ اے لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے بیٹے عتیبہ کے لیے

ہلاکت کی دعا کر دی ہے۔ لہٰذا تم لوگ تمام تجارتی سامانوں کو اکٹھا کر کے اس کے اوپر عتیبہ کا بستر لگا دو اور سب لوگ اس کے اردگرد چاروں طرف سو رہو تا کہ میرا بیٹا درندوں کے حملہ سے محفوظ رہے۔ چنانچہ قافلہ والوں نے عتیبہ کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا لیکن رات میں بالکل ناگہاں ایک شیر آیا اور سب کو سونگھتے ہوئے کود کر عتیبہ کے بستر پر پہنچا اور اس کے سر کو چبا ڈالا۔ لوگوں نے ہر چند شیر کو تلاش کیا مگر کچھ بھی پتا نہیں چل سکا کہ یہ شیر کہاں سے آیا تھا؟ اور کدھر چلا گیا۔(31)

خدا کی شان دیکھئے کہ ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے حضور ﷺ کی دونوں شہزادیوں کو اپنے باپ کے مجبور کرنے سے طلاق دے دی مگر عتبہ نے چونکہ بارگاہِ نبوت میں کوئی گستاخی اور بے ادبی نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ قہر الٰہی میں مبتلا نہیں ہوا بلکہ فتح مکہ کے دن اس نے اور اس کے ایک دوسرے بھائی "معتب" دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور دستِ اقدس پر بیعت کر کے شرف صحابیت سے سرفراز ہو گئے۔ اور "عتیبہ" نے اپنی خباثت سے چونکہ بارگاہِ اقدس میں گستاخی و بے ادبی کی تھی اس لیے وہ قہر قہار و غضب جبار میں گرفتار ہو کر کفر کی حالت میں ایک خونخوار شیر کے حملہ کا شکار بن گیا۔

(والعیا ذ باللہ تعالیٰ منہ)

حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ربیع الاول ۳ ھ میں حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا مگر ان کے شکم مبارک سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ شعبان ۹ ھ میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور حضورِ اقدس ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور یہ جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں۔(32)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں بعثت نبوی کے وقت جب حضور ﷺ کی عمر مبارک 41 سال تھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے القاب میں چند مشہور القاب زہراء، بتول، زکیہ، رافیہ، طاہرہ، سیدۃ نساء اہل الجنتہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی پرورش اور تربیت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آنحضرت ﷺ نے فرمائی اور انہیں کی نگرانی میں سن شعور کو پہنچیں۔

مسلم شریف میں ہے: ''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جس وقت چلتی تھیں تو آپ کی چال ڈھال اپنے والد امام الانبیاء ﷺ کے بالکل مشابہ ہوتی تھی'' حضور ﷺ کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے قیام وقعود نشست و برخاست، عادات و اطوار میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ آپ کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی ایام میں حضور ﷺ کعبۃ اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے قریش کے چند شریروں

نے شرارت کرتے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی لاکر خیر الانام ﷺ کے اوپر رکھ دی حضور ﷺ حالت سجدہ میں تھے قریش اس حرکت پر مسرور ہوئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بچپن تھا کسی نے جا کر بتلایا تو دوڑتی ہوئی تشریف لائیں اور اس بوجھ کو اتارا اور کفار سے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

ماہ رجب 2 ہجری میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوا اور نکاح کا مہر چار صد مثقال مقرر کیا گیا۔ نکاح کے وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس یا چوبیس برس اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ، اٹھارہ یا انیس سال تھی اس نکاح کی تقریب میں جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد شریک تھی۔ سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ''فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہے''(33)

''فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گی''(34)

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خواتین امت کی سردار ہے فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے تنگ کیا اس نے مجھے تنگ کیا اور جس نے مجھے تنگ کیا اس نے اللہ کو تنگ کیا جس نے اللہ تعالیٰ کو تنگ کیا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ کرے۔ آقا ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان خانگی امور کی تقسیم اس طرح فرمائی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اندرون خانہ سارا کام سرانجام دیں گی۔ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیرون خانہ کے فرائض انجام لائیں گے۔ سرکار دو عالم ﷺ غزوہ احد میں زخمی ہوئے تو حضور ﷺ کے زخموں کی مرہم پٹی کا بے مثال کارنامہ سرانجام دینے والی شخصیت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

حضور ﷺ کی رحلت پر نہایت دردوسوز کے عالم میں فرمایا تھا۔ ''مجھ پر مصیبتوں کے اس قدر پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں کہ اگر یہ مصیبتوں کے پہاڑ دنوں پر ٹوٹتے تو دن بھی رات بن جاتے'' سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ رات کے وقت اٹھایا جائے تاکہ اس پر غیر مردوں کی نظر نہ پڑے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو غسل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے دیا۔ معاونت میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ (جو حضور ﷺ کے غلام تھے) کی بیوی سلمٰی ام ایمن رضی اللہ عنہا شامل تھیں۔

اس سارے انتظام کی نگرانی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔ سیدہ فاطمہ الزہراہ رضی اللہ عنہا سے خالق کائنات نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پانچ اولادیں عطا فرمائیں۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت محسن رضی اللہ عنہم

امام حسن رضی اللہ عنہ

آپ کا نام مبارک "حسن" اور کنیت "ابو محمد" ہے۔آپ کا یہ نام خود سردار انبیاء حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا تھا۔اور آپ سے پہلے دنیا میں کسی بچے کا نام "حسن" نہیں رکھا گیا۔علامہ ابن اثیر جزری تحریر فرماتے ہیں کہ: حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا نسب مبارک یہ ہے۔"حسن بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی" آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ہیں جو دنیا کی تمام عورتوں کی سردار ہیں۔آپ ۱۵/شعبان المعظم سن ۳/ہجری میں مدینہ منورہ کی سرزمین پر پیدا ہوئے۔

کتب احادیث میں بہت ساری روایتیں موجود ہیں جس سے آپ کی عظمت شان بخوبی واضح ہوتی ہے،اور ساتھ ہی آپ کی حیات مبارکہ کے مختلف حالات کا بھی پتہ چلتا ہے۔یہاں پر بطور اختصار کچھ روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔

① سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: جب حسن کی پیدائش ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دیکھاؤ،تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا" حرب" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:نہیں وہ" حسن" ہے۔پھر جب حسین پیدا ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دیکھاؤ،تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا" حرب" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:نہیں وہ "حسین" ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: پھر جب تیسرے لڑکے کی پیدائش ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دیکھاؤ،تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا" حرب" حضور نے فرمایا:نہیں وہ "محسن" ہے۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے بیٹوں کا نام ہارون علیہ السلام کے بیٹوں کے نام"شبّر ،شبّیر ،مبشّر ، پر رکھا ہے۔(35)

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،حضرت حسن کو اپنے کاندھے پر بیٹھائے ہوئے تھے،تو ایک شخص نے کہا: اے بچے کتنی اچھی سواری ہے جس پر تو سوار ہے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی تو دیکھو کہ وہ سوار کتنا اچھا ہے۔(36)

③ حضرت انس بن مالک رضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کے اہل بیت میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:حسن اور حسین رضی اللہ عنہما۔راوی بیان کرتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہتے" میرے دونوں بیٹے کو بلاؤ۔{جب سیدنا امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو لایا جاتا} تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں صاحبزادوں کو سونگھتے اور اپنے ساتھ چمٹا لیتے۔(37)

(۴) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی اکرم ﷺ منبر پر چڑھے اور آپ نے (حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ) کے بارے میں ارشاد فرمایا: بے شک یہ میرا بیٹا سردار ہے۔اللہ تعالی اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعت کے درمیان صلح کرادے گا۔(38)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بڑے حلیم، کریم اور متقی و پرہیزگار تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں دو بار اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔اس کے علاوہ جب بھی راہ خدا میں مال لٹانے کی باری آئی تو انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ایک روایت کے مطابق آپ نے ۵۰/مرتبہ پیدل حج کیا۔وہ کہتے تھے کہ: مجھے اپنے رب سے حیاء آتی ہے کہ میں اس سے ملاقات کروں اور اس تک پیدل چل کر نہ جاؤں۔

رمضان سن 40/ ہجری میں اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ ہوئے، چالیس ہزار سے زیادہ مسلمانوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کیا۔اور آپ نے چھ یا سات مہینے تک عراق، خراسان، حجاز اور یمن وغیرہ پر حکومت کیا۔پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ملک شام سے آپ کے خلاف فوج کشی کی، آپ نے بھی اپنی فوج اُتاری اور جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور قریب تھا کہ جنگ کی آگ بھڑک جائے تو آپ نے سوچا کہ: کوئی فریق دوسرے پر اس وقت تک غالب نہ ہوگا جب تک کہ دونوں طرف سے بہت سارے مسلمانوں کا خون نہ بہہ جائے۔ یہ سوچ کر آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ: وہ اس شرط پر حکومت ان کے سپرد کرنے کے لئے تیار ہیں کہ ان کے بعد خلافت ہمارے پاس رہے اور یہ کہ ہمارے والد کے زمانے میں مدینہ، حجاز اور عراق کے لوگوں کے پاس جو کچھ تھا اس کا مطالبہ نہیں کریں گے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان شرائط کو منظور کر لیا اور اس طرح سے غیب داں پیغمبر ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ: آپ ﷺ نے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے بچپنے ہی میں فرمایا تھا کہ" یہ میرا بیٹا سردار ہے، اللہ تعالی اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرادے گا"۔جس ذات کے لئے حضور نے فرمایا ہو کہ: یہ سردار ہے اس کی عظمتوں کا اندازہ بھلا کون لگا سکتا ہے۔(39)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ وصال میں مورخین کا اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ سن 49/ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔اور ایک قول یہ ہے کہ سن ۵۰/ ہجری میں ہوا، اور سن ۵۱/ ہجری کا بھی قول کیا گیا ہے۔لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔آپ کی وفات کا سبب یہ ہوا کہ دشمنوں کی سازش سے آپ کو زہر پلا دیا گیا، جس کی وجہ سے آپ چالیس دن تک بیمار رہے پھر آپ کا وصال ہو گیا۔جب بیماری زیادہ بڑھی تو آپ نے اپنے چھوٹے بھائی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: مجھے

تین بار زہر دیا گیا لیکن اس بار سب سے زیادہ شدید زہر تھا جس سے میرا جگر کٹ رہا ہے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ سوال کیوں پوچھتے ہو؟ کیا تم ان سے جنگ کرو گے۔ میں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ

نام حسین اور کنیت ابوعبداللہ، ریحانۃ الرسول۔ نسب نامہ: حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی۔ آپ کی ولادت 4/شعبان المعظم سن 4/ہجری، بمقام مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ان کے بیشمار فضائل ہیں:

① حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (40)

② حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرتا ہے، حسین میری اولاد میں سے ایک فرزند ہیں۔ (41)

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے حسن اور حسین سے محبت کیا اس نے مجھ سے محبت کیا اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔ (42)

④ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کے اہل بیت میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہتے "میرے دونوں بیٹے کو بلاؤ" {جب سیدنا امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو لایا جاتا} تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں صاحبزادوں کو سونگھتے اور اپنے ساتھ چمٹا لیتے۔ (43)

⑤ حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک دعوت کھانے نکلے۔ حضور نے گلی میں امام حسین رضی اللہ عنہ کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے آگے بڑھ گئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو ہنساتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو پکڑ لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی کے نیچے اور دوسرا سر پر رکھ کر ان کو بوسہ دیا اور ارشاد فرمایا: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے، اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔ (44)

محرم الحرام سن 61/ ہجری بروز جمعہ سرزمین عراق میں کربلا کے مقام پر اسلام کی تحفظ کی خاطر دین کے دشمنوں سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک 54/ سال کی تھی۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں کی تعداد میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد نو، بعض نے کہا کہ دس اور بعض کا قول ہے کہ گیارہ مگر صاحب مواہب لدنیہ نے ذخائرالعقبيٰ في مناقب ذوي القربيٰ سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں:

(۱) حارث (۲) ابوطالب (۳) زبیر (۴) حمزہ (۵) عباس (۶) ابولہب
(۷) غیداق (۸) مقوم (۹) ضرار (۱۰) قثم (۱۱) عبدالکعبہ (۱۲) جحل

ان میں سے صرف حضرت حمزہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہت ہی طاقتور اور بہادر تھے۔ ان کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسد اللہ و اسد الرسول (اللہ و رسول کا شیر) کے معزز و ممتاز لقب سے سرفراز فرمایا۔ یہ ۳ھ میں جنگِ اُحد کے اندر شہید ہو کر سید الشہداء کے لقب سے مشہور ہوئے اور مدینہ منورہ سے تین میل دور خاص جنگِ اُحد کے میدان میں آپ رضی اللہ عنہ کا مزارِ پرانوار زیارت گاہ عالم اسلام ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اور ان کی اولاد کے بارے میں بہت سی بشارتیں دیں اور اچھی اچھی دعائیں بھی فرمائی ہیں۔

۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ستاسی یا اٹھاسی برس کی عمر پا کر وفات پائی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔ (45)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیاں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیوں کی تعداد چھ ہے جن کے نام یہ ہیں:

(۱) عاتکہ (۲) امیمہ (۳) ام حکیم (۴) برہ (۵) صفیہ (۶) اروی

ان میں سے تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔ یہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ یہ بہت ہی بہادر اور حوصلہ مند خاتون تھیں۔ ۲۰ھ میں تہتر برس کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں وفات پا کر جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (46)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اروی و عاتکہ و امیمہ کے اسلام میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔بعضوں نے ان تینوں کو مسلمان تحریر کیا ہے اور بعضوں کے نزدیک ان کا اسلام ثابت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (47)

مقدس باندیاں

مذکورہ بالا ازواجِ مطہرات کے علاوہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار باندیاں بھی تھیں جو آپ کے زیرِ تصرف تھیں جن کے نام حسب ذیل ہیں:

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

ان کو مصر و سکندریہ کے بادشاہ مقوقس قبطی نے بارگاہِ اقدس میں چند ہدایا اور تحائف کے ساتھ بطور ہبہ کے نذر کیا تھا۔ان کی ماں رومی تھیں اور باپ مصری اس لیے یہ بہت ہی حسین و خوبصورت تھیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ام ولد ہیں کیونکہ آپ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ان ہی کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔

کنیز ہونے کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو پردہ میں رکھتے تھے اور ان کیلئے مدینہ طیبہ کے قریب مقام عالیہ میں آپ نے ایک الگ گھر بنوا دیا تھا جس میں یہ رہا کرتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ واقدی کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زندگی بھر ان کے نان و نفقہ کا انتظام کرتے رہے اور ان کے بعد حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۵ھ یا ۱۶ھ میں ان کی وفات ہوگئی اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کیلئے خاص طور پر لوگوں کو جمع فرمایا اور خود ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھا کر ان کو جنت البقیع میں مدفون کیا۔(48)

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

یہ یہود کے خاندان بنو قریظہ سے تھیں، گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں مگر انہوں نے کچھ دنوں تک اسلام قبول نہیں کیا جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ناراض رہا کرتے تھے مگر ناگہاں ایک دن ایک صحابی نے آ کر یہ خوشخبری سنائی کہ یارسول اللہ! ریحانہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرلیا۔اس خبر سے آپ بے حد خوش ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے ریحانہ! اگر تم چاہو تو میں تم کو آزاد کر کے تم سے نکاح کرلوں۔مگر انہوں نے یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ! آپ مجھے اپنی لونڈی ہی بنا کر رکھیں۔ یہی میرے اور آپ دونوں کے حق میں اچھا اور آسان رہے گا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے سامنے ہی جب آپ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے ۱۰ھ میں وفات پا کر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔(49)

حضرت نفیسہ رضی اللہ عنہا

یہ پہلے حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کی مملوکہ لونڈی تھیں۔ انہوں نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور ہبہ کے نذر کر دیا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ نبوت میں باندی کی حیثیت سے رہنے لگیں۔(50)

چوتھی باندی صاحبہ

مذکورہ بالا باندیوں کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک چوتھی باندی صاحبہ بھی تھیں جن کے بارے میں عام طور پر مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں۔ یہ بھی کسی جہاد میں گرفتار ہو کر بارگاہِ اقدس میں آئی تھیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باندی بن کر آپ کی صحبت سے سرفراز ہوتی رہیں۔(51)

میدان بدر کے قریب "ابوا"

حوالہ جات

1۔ بخاری جلد ۱ ص ۵۳۹
2۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۳ تا ۲۲۴
3۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۶
4۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۷
5۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۱۸ تا ۲۱۹
6۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۷
7۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۹
8۔ بخاری جلد ۱ ص ۵۳۲
9۔ مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۵۷۳
10۔ زرقانی جلد ۳ ص ۳۲۳
11۔ وزرقانی جلد ۳ ص ۲۳۴ تا ۲۳۵
12۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۳۶ تا ۲۳۸
13۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۳۸ تا ۲۴۲
14۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۴۲ تا ۲۴۵
15۔ الاحزاب: ۳۷
16۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۷۶ تا ۴۷۸
17۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۴۹
18۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۳
19۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۴
20۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۸۱
21۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۵
22۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۹ ومدارج جلد ۲ ص ۴۸۳
23۔ زرقانی جلد ۲ ص ۱۹۳
24۔ زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۴
25۔ بخاری جلد ۱ ص ۱۴۵

26۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۵۴
27۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۵۳
28۔ زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۵ تا ۱۹٦
29۔ زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۷
30۔ زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۸ تا ۱۹۹
31۔ زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۷ تا ۱۹۸
32۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۰۰
33۔ البدایۃ والنہایۃ
34۔ کنزالعمال
35۔ المستدرک: ۴۷۷۳
36۔ جامع ترمذی: ۳۷۸۴
37۔ جامع ترمذی،: ۳۷۷۵
38۔ جامع ترمذی،: ۳۷۷۳
39۔ اسدالغابہ، باب الحاء والسین، حسن بن علی رضی اللہ عنہما
40۔ جامع ترمذی: ۳۷٦۸
41۔ جامع ترمذی: ۳۷۷۵
42۔ ابن ماجہ: ۱۴۳
43۔ جامع ترمذی،: ۳۷۷۵
44۔ ابن ماجہ،: ۱۴۴
45۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۷۰ تا ۲۸۵
46۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۸۷ تا ص ۲۸۸
47۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۹٦ تا ص ۲۹۷
48۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۷۱ تا ۲۷۲
49۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۷۳
50۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۷۴
51۔ زرقانی جلد ۳

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تحریر کریں؟

2. حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کیا خواب دیکھا تھا؟

3. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کتنی احادیث مروی ہیں؟

4. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں اور بیٹوں کے نام لکھیں؟

5. جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اس دن کیا واقع پیش آیا؟

6. حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کب ہوئی اور کیا مہر مقرر ہوا؟

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کی دعوت ولیمہ میں تمام صحابہ کرام کو کھلایا۔

میٹھے اور نمکین چاول ☐ نان و گوشت ☐ حریسہ ☐ اونٹ کے پائے ☐

② لیکن حضور ﷺ کے ساتھ میرا نکاح نے کر دیا۔

خود حضور ﷺ ☐ جبرائیل علیہ السلام ☐ اللہ تعالیٰ ☐ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ☐

③ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا سے کل حدیثیں مروی ہیں

پچاس ☐ نوے ☐ اسی ☐ چھہتر ☐

④ جنگِ اُحد میں بھی جب مسلمانوں کا لشکر بکھر چکا تھا یہ اکیلی کفار پر چلاتی رہیں

تلوار ☐ نیزہ ☐ برچھا ☐ تیر ☐

⑤ تو میں نے حضور ﷺ کو ان کے میں اذان دیتے ہو دیکھا

ناک ☐ سر ☐ سینہ ☐ کان ☐

⑥ اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے کرتا ہے

تعلق ☐ محبت ☐ پیار ☐ انس ☐

سبق نمبر 24

سراپائے اقدس

خلاصۂ سبق

رسول اللہ ﷺ تمام نوعِ انسانی ہی سے نہیں جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام سے بھی افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بہت سے خصائل وامتیازات سے نوازا تھا۔ آپ اخلاق میں بھی سب سے اکمل تھے اور تخلیق میں بھی سب سے اجمل تھے۔ آپ کی سیرت بھی سب سے اعلیٰ اور آپ کی صورت بھی بہت ہی نرالی اور بے مثال تھی۔ آثار جمال، خدوخال اور حلیہ مبارک میں آپ اس قدر ممتاز تھے کہ آپ کے حسن کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ تمام طرح کے ظاہری اور معنوی حسن وجمال سے آپ کو سرفراز کیا گیا۔ ظاہری صفائی ستھرائی کے ساتھ ساتھ آپ باطنی طہارت ونفاست میں بھی اوجِ کمال پر فائز تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا بے مثل حسن وجمال

آپ ﷺ کے حسن وجمال کو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں۔

وَ أَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي	وَ أَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ	كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ (1)
تجھ سے حسین آنکھ نے دیکھا نہیں کبھی	تجھ سے جمیل ماؤں نے اب تک نہیں جنا
ہر عیب سے بری تجھے پیدا کیا گیا	گویا تو جیسے چاہتا تھا ویسا ہی بنا

سیدنا براء بن عازب ﷜ نبی کریم ﷺ کا حسن و جمال یوں بیان کرتے ہیں

كَانَ رَسُولُ اللهِ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجهًا وَأَحْسَنَهُمْ خَلْقًا (2)

رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک سب لوگوں سے بڑھ کر حسین تھا اور دیگر تمام اعضا بھی دوسروں سے بڑھ کر جمیل تھے۔حضرت جابر بن سمرہ ﷜ کو ایک دفعہ چاندنی رات میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

آپ نے سرخ جوڑا پہنا ہوا تھا۔حضرت جابر ﷜ کبھی آسمان پر روشنی بکھیرتے چاند کو دیکھتے ہیں اور کبھی مدینہ میں جلوہ افروز ہستی حضرت محمد ﷺ کی طرف نظر دوڑاتے ہیں۔آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ میرے مہتاب ﷺ آسمان کے چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔(3)

رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالک ﷜ آپ ﷺ کے حسن و جمال کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ أَحْسَنَ النَّاسِ(4)

''رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر حسین وجمیل تھے۔''

حضرت ربیعہ بن عباد دَیلی ﷜ نے قبول اسلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو مکہ کی حکاظ منڈی میں دعوت دیتے دیکھا۔حضرت ربیعہ ﷜ بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے،اس کے باوجود وہ پکار اٹھے: آپ تو تمام لوگوں سے بڑھ کر حسین ہیں۔(5)

رسول اللہ ﷺ کی صورت وسیرت بالکل بے داغ اور اکمل تھی۔آپ اپنے محاسن واوصاف اور حسن و جمال میں بالکل یکتا و یگانہ تھے۔آپ ﷺ کا کوئی ثانی ہوا ہے نہ ہوگا۔آپ کو حسن و جمال کے جو جلوے عطا کیے گئے،وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئے۔یہ آپ کے حسن و جمال کی اجمالی نقشہ کشی ہے۔اب آپ کے حسن و جمال کے متعدد پہلوؤں کو الگ سے بیان کیا جاتا ہے، تاکہ کمال نبوت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے جمالیاتی پہلوؤں کے بارے میں بھی مکمل آگہی حاصل ہو۔یوں آپ کے لائے ہوئے دین کی پیروی کے ساتھ ساتھ آپ کی ذات ستودہ صفات سے محبت بھی اہل ایمان کے دلوں میں جاگزیں ہو سکے گی۔

آنحضرت ﷺ کا چہرہ پرانوار

جسم میں نمایاں ترین چیز چہرہ ہوتا ہے۔چہرہ ہی دیگر تمام اعضاء کے حسن و جمال کا ترجمان اور آدمی کی شخصیت کا

آئینہ دار ہوتا ہے۔ ملاقات کے وقت سب سے پہلے چہرہ ہی سامنے آتا ہے جس سے دیکھنے والے کے قلب وشعور میں ایک نقش ثبت ہوجاتا ہے۔ چہرہ شناسی کے ماہرین پر انسان کی اصلیت اور حقیقت کھل جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام میں ؓ یہودی عالم دین تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ آمد پر وہ آپ ﷺ سے ملاقات وزیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کے رخ زیبا پر نگاہ پڑتے ہی کہا تھا۔

إِنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ (6)

''اپنے چہرے کی حامل ہستی سے بھی جھوٹ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔''

حضرت طارق بن عبداللہ محربی ؓ اپنی قوم کے ہمراہ مدینہ آئے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاں حاضری سے پہلے مدینہ سے باہر پڑاؤ کیا۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے، ان سے اونٹ خرید لیا اور بغیر قیمت ادا کیے آپ چل دیے۔ یہ لوگ آپ کو جانتے نہ تھے، اس لیے قیمت وصول کیے بغیر انٹ دینے پر ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے۔ انھی میں موجود ایک عورت نے کہا: ایک دوسرے کو ملامت کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اس شخص کو چہرے سے پہچان لیا تھا، وہ تم سے دھوکا نہیں کرے گا۔ میں نے ان کے چہرے سے بڑھ کر کسی کا چہرہ ماہ تمام سے میل کھاتا نہیں دیکھا۔ تمھیں قیمت نہ ملی تو اونٹ کی قیمت میں ادا کردوں گی۔ (7)

بعد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی رقم ادا کردی۔

رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک چاند کی طرح گول اور چاند سے بھی زیادہ پرنور اور حسین تر تھا۔ حضرت جابر بن سمرہ ؓ سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ پرانوار کے بارے میں پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا پر مبارک تلوار کی طرح چمکدار تھا؟ حضرت جابر ؓ نے نفی میں جواب دیا اور پھر بتایا کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک شمس وقمر کی طرح انتہائی خوبصورت اور تابناک تھا۔ (8)

اسی طرح حضرت براء بن عازب ؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ بالکل نہیں بلکہ چاند کے مانند تھا۔ (9)

سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ آخری بار حجرہ مبارک دیکھ کر مسکرا دیے، تب آپ ﷺ کا چہرہ مبارک یوں دمک رہا تھا جیسے مصحف کا سنہری ورق ہو۔ (10)

رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک فرحت بخش خبر سے کھلکھلا اٹھتا۔ فرحت وشادمانی کے اثرات آپ کے رائے تاباں

پر ظاہر ہوتے، خوشی سے مسکرانے پر آپ کا چہرہ مبارک یوں محسوس ہوتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک ہی سے آپ کی خوشی عیاں ہو جاتی تھی ہے۔(11)

رسول اللہ ﷺ کی رنگت

رسول اللہ ﷺ کا رنگ سرخی مائل گورا اور چمکدار تھا۔ پیشانی سے پسینے کے قطرے گرتے ہوں محسوس ہوتے تھے جیسے موتی چمک رہے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی رنگت کے بارے میں عمومی طور پر تین طرح کے الفاظ مذکور ہیں:

ازھر، ابیض اور مُشرب بالحمرۃ۔

پہلے کے معنی گورے اور چمکدار کے کیے جاتے ہیں۔ دوسرا بھی سفید چمکدار کے معنی میں ہے، جبکہ تیسرا سرخی مائل کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ ان کے متعلق روایات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی رنگت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

أَزْهَرَ اللون لَيْسَ بِأَبْيَضَ أَمْهَقَ وَلَا آدَمَ (12)

آپ ﷺ کا رنگ گورا چمکدار تھا، نہ تو زیادہ سفید تھا اور نہ بالکل گندمی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ ہی کی روایت میں آپ کی گوری رنگت کو یوں اجاگر کیا گیا ہے:

كَانَ عَرَقَهُ اللُّؤْلُؤُ (13)

''آپ ﷺ کا پسینہ لعل وجوہر کی مثل تھا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خوبصورتی بیان کرتے ہیں:

أبيضَ مُشْرَبًا حُمْرَةً(14)

''آپ ﷺ یا سرخی مائل گورے تھے۔''

بعض روایات میں سرخی مائل کے بجائے صرف سفید اور چمکدار ہونے کا تذکرہ ہے۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ کا رنگ سفید تھا۔(15)

صحیح بخاری میں یہی لفظ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے قصیدے میں بھی مذکور ہے جو کہ وہ آپ ﷺ کی مدح میں کہا کرتے تھے۔(16)

باقی جسم مبارک کی رنگت کے برعکس آپ کے چہرہ پرانوار کی رنگت سفید سرخی مائل تھی جس کی تصریح حضرت علی

رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک سفید سرخی مائل تھا۔(17)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام جسم مبارک سرخی مائل نہ تھا اور نہ یہ حسن شمار کیا جاتا ہے۔اس طرح چہرے کا بالکل سفید ہونا بھی حسن نہیں گردانا جاتا۔یہ الگ بات ہے کہ گورے سرخی مائل چہرے اور سفید چمکدار جسم کی حامل شخصیت کو عمومی طور پر گورا کہہ دیا جاتا ہے۔اس مناسبت سے آپ کے لیے ابیض اور ازہر کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ان روایات کے برعکس ایک ایسی روایت بھی ملتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت گندمی مذکورہ ہے۔یہ روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔اس میں **اسمر اللون** اور **سمرہ**(18) کے الفاظ ہیں،جس کے معنی گندمی رنگ کے ہیں۔

اس کی توجیہ کئی اعتبار سے کی جاسکتی ہے:

1۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمومی رنگت کے بارے میں نہیں بلکہ دھوپ اور کثرت سفر کی وجہ سے گوری رنگت میں گندمی رنگ کی کبھی ہلکی سی جھلک کا نمودار ہونا ہے اور ایسا ممکن بھی ہے۔

2۔حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں **ازھر اللون** کے الفاظ آئے ہیں۔یہ روایت صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی ہے۔(19)اس لیے **اسمر** والی روایت مرجوح اور **ازھر** والی راجح قرار پاتی ہے۔

3۔گندمی رنگ والی روایت کے برعکس گورے اور سفید رنگ والی روایات اس لیے بھی مقدم اور راجح ہیں کہ انھیں حسب ذیل متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے:حضرت ابوبکر،عمر،علی،ابوجحیفہ،ابن عمر،ابن عباس،ہند بن ابی ہالہ، حسن بن علی،ابوطفیل،بخرش کعبی،اابن مسعود،براء بن عازب،سعد بن ابی وقاص،سیدہ عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم ان کے برعکس روایت مبنی برخطا ہے۔(20)

ان دو طرح کی مختلف روایات میں یوں بھی تطبیق دی گئی ہے کہ اسمر سے مراد گندمی ہی نہیں بلکہ عرب سرخی مائل سفید رنگ کے لیے بھی سمرہ اور اسمر کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں۔(21)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک

چہرے میں جو خصوصیات رخساروں کو حاصل ہیں وہ کسی اور عضو کو حاصل نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک مناسب اور خوشنما تھے۔نہ تو قابل عیب پچکے تھے،نہ ضرورت سے بڑھ کر ابھرے ہوئے تھے اور نہ سخت اور سیاہ تھے بلکہ آپ کے رخسار انتہائی حسین وجمیل،نرم وگداز اور سفید چمک دار تھے۔حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گال مبارک انتہائی نرم وملائم تھے۔(22)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک انتہائی نرم اور ملائم تھے۔(23)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک انتہائی نرم و ملائم، متناسب اور ہموار تھے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک سفید چمکدار تھے۔(24)

کتب احادیث میں نماز کے بیان میں متعدد ایسی روایات ہیں جن میں آپ کے نرم و گداز اور سفید رخساروں کا تذکرہ ہے۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے ہوئے دائیں بائیں اس قدر اپنا چہرہ مبارک موڑتے کہ سفید رخسار بھی دکھائی دینے لگتے تھے۔(25)

اسی طرح کی حدیث حضرت وائل بن حجر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔اس میں بھی نماز سے سلام پھیرتے وقت آپ کے سفید رخسار دیکھے جانے کا تذکرہ ہے۔(26)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد و قامت

انسانی قد و قامت کی تین صورتیں ہیں: طویل قامت، پست قامت کا اور متوسط قامت۔چھوٹا اور انتہائی لمبا قد باعث عیب ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بے جا دراز قد تھے اور نہ پست قامت، بلکہ آپ قد کے اعتبار سے بھی نہایت موزوں اور معتدل تھے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ (27)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اپنی قوم میں میانہ قد تھے، نہ تو عیب دار لمبے تھے اور نہ پست قامت۔''

ایک دوسری حدیث میں آپ کی بے جا طویل قد و قامت کی نفی لَيْسَ بِالطَّوِيلِ البَائِنِ (28) کہہ کر کی گئی ہے، جس کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ دراز قد نہ تھے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ کے قامتِ حسن کو یوں بیان کرتے ہیں

لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْمُمَّغِطِ وَلَا بِالْقَصِيرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ (29)

''نہ تو آپ بہت لمبے تھے اور نہ پستہ قد بلکہ اپنی قوم کی میانہ قامت شخصیت تھے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صفت کا تذکرہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مَرْبُوعًا کے الفاظ سے کیا ہے۔(30)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نہ تو انتہائی لمبے تھے اور نہ پستہ قد۔ آپ درمیانے قد کے تھے۔ آپ اکیلے جا رہے ہوتے تو لمبے ہی محسوس ہوتے۔ اگر آپ کے ہمراہ کوئی آدمی ہوتا تو بھی ظاہری جسامت کے سبب آپ ہی دراز قد لگتے۔ دو لمبے افراد بھی آپ کے ساتھ ہوتے تو آپ ہی طویل القامت محسوس ہوا کرتے ہے۔(31)

سفر معراج پر رسول اللہ ﷺ کی مختلف آسمانوں پر انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ واپسی پر اس کی روداد اپنے اصحاب سے بیان کی۔ اس دوران میں آپ ﷺ نے حضرت عیسی علیہ السلام کی صفت بھی یہی بتائی تھی:

رَأَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ مَرْبُوعَ الْخَلْقِ(32)

''میں نے عیسی ابن مریم علیہ السلام کو دیکھا وہ درمیانے قد کے تھے۔''

آنحضرت ﷺ کی زلفیں اور سر مبارک

یہاں تک رسول اللہ ﷺ کی عمومی جسمانی صفات کا تذکرہ ہوا، جیسے رنگت، قد کاٹھ اور حسن و جمال۔ یہاں سے رسول اللہ ﷺ کے سراپائے اقدس کے مختلف گوشوں کے بارے میں الگ الگ معلومات درج کی جاتی ہیں، تا کہ آپ ﷺ کے حسن و جمال اور آپ کے کامل و اکمل انسان ہونے کے متعلق خوب آگہی ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک خوبصورت اور مناسب حد تک بڑا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں:

ضَخْمُ الرَّأْسِ یعنی رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک بڑا مناسب تھا۔(33)

ایک حدیث میں آپ کی اس صفت کو ''عَظِيمُ الرَّأْسِ'' کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح عَظِيمَ الْهَامَةِ اور ضَخْمَ الْهَامَةِ کے الفاظ بھی منقول ہیں۔ ان چار طرح کے الفاظ کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان تمام کا ایک ہی مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک خوبصورت اور مناسب حد تک بڑا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ ایسے ہی الفاظ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ یہی صفت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیان فرمائی کہ ان کا سر قدرے بڑا تھا۔(34)

جہاں تک نبی کریم ﷺ کے سر مبارک پر بھی زلفوں کا تعلق ہے تو وہ ریشمی لڑیوں کے مانند انتہائی خوبصورت تھیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بال نہ زیادہ گھنگریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے۔(35)

بقول سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بال قدرے گھنگھریالے تھے۔(36)

آپ ﷺ کے موئے مبارک انتہائی خوبصورت، گھنے، معطر اور کالے سیاہ تھے۔(37)

کالے سیاہ بال خوبصورتی کا باعث ہوتے ہیں۔حضرت جبرائیل علیہ السلام جب آپ ﷺ کی خدمت میں انسانی صورت میں حاضر ہوتے،تب ان کے بال بھی کالے سیاہ ہوتے۔(38)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے خوبصورت،ریشمی اور حسین بالوں کو الفاظ کی لڑی میں پروتی ہیں، بیان کرتی ہیں: آپ ﷺ کے بال مبارک خوبصورت تھے،نہ تو زیادہ پیچ دار تھے اور نہ بالکل سیدھے۔جب آپ کا بالوں میں کنگھی کیا کرتے تو یوں محسوس ہوتے جیسے ہوا چلنے سے ریت کے ٹیلے پر یا پانی کے تالاب پر ہلکی ہلکی لہریں نمودار ہوتی ہوں۔کنگھی نہ کرنے کی صورت میں بال آپس میں مل کر یوں لگتے جیسے انگوٹھی کی طرز کے حلقے ہوں۔(39)

رسول اللہ ﷺ کے بال لمبے ہوا کرتے تھے۔ان کی لمبائی کے بارے میں چار طرح کی روایات ہیں:

① کانوں اور کندھوں کے درمیان نصف گردن تک (40) ② نصف کانوں تک (41)

③ کانوں کی لو تک (42) ④ کندھوں تک۔(43)

ان چار طرح کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک چھوٹے سے چھوٹے نصف کانوں تک اور بڑے سے بڑے کندھوں تک ہوا کرتے تھے۔عربی میں لمبے بالوں کے لیے لامہ،جمہ اور وفرہ تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَوقَ الْوَفْرَةِ وَدُونَ الْجُمَّةِ (44)

رسول اللہ ﷺ کے بال وفرہ سے بڑے اور جمہ سے چھوٹے ہوتے تھے۔

امام ابن قیم کے بقول نبی ﷺ نے زندگی بھر صرف چار بار اپنے بال منڈوائے ہیں۔(45)

رسول اللہ ﷺ اپنے بالوں کا خاص خیال رکھا کرتے جس کے لیے آپ کنگھی کیا کرتے۔بالوں کو خوب تیل لگایا کرتے اور خوشبو سے بھی معطر کر لیا کرتے تھے۔(46)

بال سنوار کر رکھنے کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے۔

إن اتَّخَذْتَ شَعْرًا فأَكْرِمْهُ (47)

''اگر بال رکھتے ہیں تو ان کی دیکھ بھال بھی کرتا۔''

رسول اللہ ﷺ اپنے بالوں کی چار مینڈھیاں بھی کر لیا کرتے اور ان کی حفاظت کی غرض سے لیس دار چیز سے سر پر لیپ کر لیا کرتے تھے۔(48)

مشرکین اپنے بالوں کی مانگ نکالا کرتے تھے جبکہ یہود بغیر مانگ نکالے یوں ہی چھوڑ دیا کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ چونکہ غیر منصوص امور میں اہل کتاب کی موافقت پسند کیا کرتے تھے،اس لیے آپ بھی پہلے مانگ نکالے بغیر ہی بال رہنے دیا کرتے لیکن پھر اہل کتاب کی مخالفت کے طور پر مانگ نکالا کرتے۔آپ سر کے درمیان سے مانگ نکالتے تھے۔(49)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے مانگ نکالنے کی ایک وجہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں مانگ نکالے ہوئے حاضر ہونا ہے۔(50)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "یہود ونصاری اپنے بال نہیں رنگتے،اس لیے تم ان کی مخالفت میں بال رنگا کرو۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اپنے چند بال سفید ہونے پر بھی رنگا کرتے تھے۔(51)

رسول اللہ ﷺ نے امور خیر میں دائیں جانب اختیار کرنے کی بہت اہمیت بیان فرمائی ہے۔

آپ ﷺ اپنے سر مبارک کے بال کٹواتے ہوئے بھی پہلے دائیں جانب کے بال کٹواتے، پھر بائیں جانب کے۔اس کے بعد کٹوائے ہوئے بال تبرک کے طور پر لوگوں میں تقسیم کر دیے جاتے۔(52)

سر کے بال اتنے خوبصورت ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ اپنی زلفیں ڈھانپ کر رکھا کرتے تھے۔آپ ﷺ سر مبارک پر عمامہ پہنے رکھتے۔کبھی ٹوپی پر عمامہ پہن لیا کرتے اور بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ باندھ لیتے۔اسی طرح بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی پہن لیتے تھے۔(53)

رسول اللہ ﷺ کے اس اہتمام کی وجہ سے شیخ البانی سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کو بہتر خیال کرتے ہیں اور عام حالات میں بھی سر ننگا رکھنے کو اغیار کی نقالی بتاتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ سر ڈھانپ کر نماز ادا کرنے کا ہے۔مزید کہتے ہیں کہ اہل ایمان کو جوتے پہن کر نماز ادا کرنے کا حکم یہود کی مخالفت کی بنا پر ہے۔یہود کی جب مخالفت میں جوتا پہننے کا حکم ہے تو پھر عیسائیوں کی مخالفت میں سر ڈھانپنے کا بالا ولی اہتمام کرنا چاہیے،کیونکہ ننگے سر عبادت کرنا عیسائیوں کا طریقہ ہے۔(54)

رسول اللہ ﷺ کی مونچھیں اور داڑھی مبارک

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کے حوالے سے کتب احادیث میں تین طرح کے الفاظ مذکور ہیں:

كَثُّ اللِّحْيَةِ، عَظِيمُ اللِّحْيَةِ اور ضَخْمُ اللِّحْيَةِ(55)

ان الفاظ کا مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک گھنی، بڑی اور بھرپور تھی جو رخ زیبا کو قدرے ڈھانپے

ہوئے تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریشمی سیاہ زلفوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ زیبا پر بھی ریش مبارک بھی سیاہ تھی۔(56)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک اس قدر بھی تھی کہ سینے مبارک کو ڈھانپے ہوئے تھی۔(57)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک بچہ داڑھی اور نیچے والے ہونٹ سے متصل نہ تھی بلکہ ان میں فرق تھا۔ بچہ داڑھی کے گرد بال نہ ہونے کی وجہ سے وہ حصہ یوں چمکتا جیسے سفید موتی ہوں۔ بچہ داڑھی کے چند بال سفید تھے،اس کے نیچے کے چند بال داڑھی سے متصل تھے جو داڑھی ہی کا حصہ محسوس ہوتے تھے۔(58)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی داڑھی مبارک اور بچہ داڑھی کے بال بالکل نہیں کٹوائے۔ کٹوانے کے بارے میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں وہ موضوع اور ضعیف ہیں،اس لیے قابل حجت نہیں ہے۔(59)

بلکہ متعدد احادیث میں آپ انے داڑھی نہ کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔(60)

داڑھی کے برعکس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کی مخالفت میں مونچھیں کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔(61)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مونچھیں چھوٹی رکھا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی مونچھیں کاٹا کرتے اور بتایا کرتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مونچھیں کاٹ کر پست کرتے دیکھا تھا۔(62)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مونچھیں کاٹا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی مونچھیں کاٹتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مونچھیں پست کرنا امور فطرت میں سے بتایا ہے۔(63)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی بڑی مونچھیں دیکھتے تو خود اپنے دست مبارک سے اس کی مونچھیں پست کردیا کرتے تھے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی مونچھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کاٹیں۔(64)

لمبی مونچھوں والا ایک آدمی آپ کے ہاں آیا،اس کی مونچھیں بھی آپ نے خود پست کیں۔(65)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مونچھیں چھوٹی نہ کرنے والے کا ہم سے کیا تعلق۔(66)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مونچھوں اور داڑھی کے درمیان والے بال بھی کاٹا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل کتاب اور مجوس کی مخالفت کی بنا پر مونچھوں کے داڑھی سے متصل بال کاٹنے کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ بال کاٹنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک اور مونچھوں کے درمیان والا حصہ نہایت خوبصورت اور چمکدار دکھائی دیا کرتا تھا۔(67)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کے سیاہ، گھنے اور لمبے بال،سیاہ اور بھرپور ریش مبارک اور تراشیدہ مونچھوں سے سجا روئے تاباں حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھا۔

آنحضرت ﷺ کی پیشانی اور ابرو مبارک

آنحضرت ﷺ کی ریشمی سیاہ زلفیں اور گھنی ریش مبارک تھی۔ ان زلفوں اور ریش کے درمیان متوازن، پرنور، کشادہ پیشانی سے آپ مزید حسین وجمیل دکھائی دیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی پیشانی کشادہ تھی۔(68)

آپ ﷺ کی پرنور، چمکدار پیشانی مبارک نزول وحی کے موقع پر یا غصے کی حالت میں خوشبودار پسینہ بہاتی اور سرخ ہو جایا کرتی تھی۔ اس طرح کسی فرحت بخش امر پر خوشی سے آپ کی پیشانی کے خطوط کرنوں کی طرح جگمگا اٹھتے تھے۔(69)

جب آپ ﷺ گھر تشریف لے جاتے یا اپنے اصحاب کے ہاں تشریف لاتے تو سیاہ چمکدار بالوں میں آپ کی پُر نور، کشادہ پیشانی یوں جگمگاتی محسوس ہوتی جیسے چراغ سے روشنی پھوٹ رہی ہو۔(70)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی اس صفت کو یوں بیان کیا ہے۔

مَتٰى يَبْدُ فِي الدَّاجِي الْبَهِيمِ جَبِينُهُ   يَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَى الْمُتَوَقِّدِ

فَمَنْ كَانَ أَوْ مَنْ يَكُونُ كَأَحْمَدٍ   نِظَامٌ لِحَقٍّ أَوْنَكَالٌ لِمُلْحِدِ (71)

''جب بھی تاریک اور اندھیری شب میں آپ ﷺ کی پیشانی نمودار ہوئی، وہ ماہ تمام کی طرح جگرگاتی ہیں دکھائی دی۔ دین کے باغی کو باعث عبرت بنانے اور حق کی شان وشوکت کو برقرار رکھنے میں احمد ﷺ جیسی ہستی نہ تو کوئی ہے اور نہ ہوگی۔''

آپ کی نے نور، کشادہ پیشانی پر سجے ابرو بھی حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھے جو سیاہ، باریک، لمبے، گھنے، ہلالی اور قوس کی طرح قدرے خم کھاتے تھے۔(72)

دونوں بھوؤں کے درمیان کی جگہ چاندی کی طرح چمک دار تھی۔ اس خفیف سے نشیب میں موجود رگ غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتی، اس میں خون بھرنے سے یہ موتی کی طرح چمکتی دکھائی دیتی تھی۔(73)

آپ ﷺ کی بھوؤں کے باہم ملنے کے حوالے سے روایات ہیں۔ ایک میں ہے کہ دونوں متصل تھیں، جبکہ دوسری روایت کے مطابق دونوں میں فاصلہ تھا۔(74)

ان کی مختلف روایات میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ بھوؤں کے درمیان بال تھے لیکن بہت کم۔ دور سے دیکھنے میں

فاصلہ معلوم ہوتا جبکہ قریب اور غور سے دیکھنے والے کو متصل دکھائی دیتیں۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ پہلے یہاں بال نہ تھے بعد میں کچھ آ گئے تو ہر ایک نے اپنے اپنے مشاہدے کے مطابق بیان کر دیا۔ اگر بال تھے بھی تو بھوؤں کی نسبت کم تھے۔(75)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسین آنکھیں اور پلکیں مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پر انوار کے حسن و جمال کی ندرت اور فقید المثالی آپ کی سرمیں آنکھوں اور پرکشش پلکوں کے سبب بھی تھی۔ آپ کی آنکھیں قدرے بڑی اور بادامی طرز کی لمبی تھیں۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔ آنکھوں کی سیاہی بھی شدید تھی اور سفیدی بھی شدید۔(76)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سرمہ لگائے بغیر ہی سرمیں تھیں۔ آنکھیں سرمگیں ہونے کے باوجود آپ سوتے وقت اپنی آنکھوں میں سرمہ لگایا کرتے تھے۔(77)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنما آنکھوں پر کی پلکیں بھی دلکش تھیں۔ داڑھی اور سر مبارک کی طرح پلکوں کے بال بھی سیاہ اور گھنے تھے۔ پلکوں کے بال لمبے اور بالکل سیدھے ہونے کے بجائے خم دار تھے۔(78)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک اور کان مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک اور کان انتہائی خوبصورت اور متوازن تھے۔ نہ زیادہ لمبے اور نہ بالکل چھوٹے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک کانوں کے بارے میں بتاتے ہیں کہ آپ کے کان ہر لحاظ سے مناسب اور خوبصورت تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کان مبارک انتہائی متوازن اور خوبصورت تھے۔(79)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک مبارک بھی انتہائی خوبصورت تھی۔ سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ربیب تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی ناک مبارک باریک، لمبی، بلند اور خوب چمکدار تھی۔ دور سے اور سرسری نظر میں دیکھنے والے کو زیادہ بڑی محسوس ہوتی لیکن حقیقت میں ایسی نہ تھی۔(80)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک کانوں اور ناک سمیت تمام اعضائے جسم انتہائی خوبصورت اور خوشنما تھے، کسی عضو میں کوئی نقص یا عیب نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہن اور دندان مبارک

دیگر اعضاء کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ اور دندان مبارک بھی متناسب اور حسین وجمیل تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک میں بڑی ہی متناسب کشادگی تھی۔(81)

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بھی کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ مبارک قدرے فراخ تھا۔ امام نووی کہتے ہیں: یہاں اگرچہ دہن کا چھوٹا ہونا خوبصورتی تصور کیا جاتا ہے لیکن عرب میں منہ کا کشادہ ہونا حسن وجمال کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔(82)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک موتیوں کی طرح چمکدار اور پرکشش تھے۔(83) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک انتہائی خوبصورت اور قدرے کشادہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کے دندان مبارک میں قدرے فاصلہ تھا۔ وقت تکلم دانتوں کے درمیان سے نور جلوہ ریز ہوتا دکھائی دیتا تھا۔(84)

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کے بقول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت قدرے کشادہ اور چمکدار تھے۔(85)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موتیوں جیسے دندان مبارک میں سے ایک غزوہ اُحد میں شہید بھی ہوا تھا۔(86)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اور ہونٹ مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک نہایت شفاف اور خوشنما تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان مبارک باہر نکال کر اپنے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ہنسایا کرتے تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بچے تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گلابی زبان مبارک دیکھ کر خوب کھلکھلاتے اور آپ کی طرف لپکتے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے یوں کھیلتے دیکھ کر قریب کھڑے حضرت عیدینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ تعجب سے کہتے ہیں کہ آپ بچے سے کیسے کھیل رہے ہیں؟ اللہ کی قسم میرا بھی بچہ ہے جو صحتمند اور خوبرو ہے لیکن میں نے اسے بھی بوسہ تک نہیں دیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔(87)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک حکم الٰہی کی مکمل پابند تھی۔ جب اور جو حکم ہوتا، آپ کی زبان مبارک سے اسی قسم کے الفاظ جاری ہوتے تھے۔ آپ نزول قرآن کے موقع پر ساتھ ساتھ دہرایا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زبان ہلانے کی یہ پریشانی بھی گوارا نہ ہوئی اس لیے اس سے منع فرمادیا اور آپ کے سینۂ اطہر میں قرآن محفوظ کرنے کی ذمہ داری خود لے لی۔(88)

رسول اللہ ﷺ کے ہونٹ مبارک بھی تمام نوع انسانی کے ہونٹوں سے بڑھ کر حسین وجمیل تھے۔(89)

ایک دفعہ نبی ﷺ نے حجر اسود کے پاس آ کر اسے چوما۔ آپ نے اپنے ہونٹ مبارک حجر اسود پر چسپاں کر دیے اور یوں دیر تک روتے رہے۔ جب سر مبارک اُٹھا کر پیچھے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی، وہ بھی زار وقطار رو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "یہی آنسو بہانے کا مقام ہے۔(90)

رسول اللہ ﷺ کی گردن مبارک

مناسب لمبی گردن حسن و جمال کی علامت ہے۔ سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی گردن مبارک خوبصورت اور قدرے دراز تھی۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ کی گردن مبارک چاندی کی طرح چمکدار، خوبصورت اور قدرے لمبی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گردن مبارک چاندی کی صراحی کی طرح چمکدار، قدرے لمبی اور پتلی تھی۔(91)

حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنی قوم کو رسول اللہ ﷺ کی تصدیق و تائید اور آپ پر ایمان لانے کی تلقین کی۔ تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں جو وصیت کی تھی، اس میں آپ ﷺ کے سراپائے اقدس کا بھی تذکرہ تھا۔ حضرت عیسی نے رسول اللہ ﷺ کی خوشنما گردن مبارک کے بارے میں فرمایا تھا:

كَأَنَّ عُنُقَهُ إِبْرِيقُ فِضَّةٍ، وَكَأَنَّ الذَّهَبَ يَجْرِي فِي تَرَاقِيهِ(92)

''آپ کی گردن چاندی کی صراحی کی طرح ہوگی اور یوں محسوس ہوگا جیسے آپ کے گلے میں سونا رواں دواں ہو۔''

رسول اللہ ﷺ کے کندھے اور سینہ مبارک

آنحضرت ﷺ کے کندھے اور سینہ مبارک بھی حسن و جمال کا عظیم شاہکار تھے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ طویل تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے بھی بعینہٖ یہی الفاظ مروی ہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک خوب چوڑا تھا اور اندر کو دھنسا ہوا ہونے کے بجائے قدرے ابھرا ہوا تھا۔ انھی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا سینہ چوڑا، بالکل صاف اور متوازن تھا۔ شیشے کی طرح ملائم اور مضبوط تھا۔ کہیں سے گوشت غیر متناسب بڑھا ہوا نہ تھا۔ سینہ خوبصورت اور چمکدار بھی تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے شانے اور کندھے گوشت سے پر اور مضبوط تھے۔(93)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کندھے سے کپڑا ہٹنے پر آپ کا کندھا یوں حسین و

جمیل اور چمکدار دکھائی دیتا جیسے پگھلائی ہوئی چاندی ہو۔غزوۂ حسنین کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔تقسیم کے دوران میں لوگوں نے آپ پر اس قدر بھیڑ کر دی کہ کپڑا آپ کے شانہ مبارک سے ہٹ گیا۔تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کندھا مہتاب کی طرح خوبصورت اور چمکدار دکھائی دے رہا تھا۔(94)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک شق کر کے آپ کام کے قلب اطہر کو آب زم زم سے دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھری گئی تھی۔(95)

قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک کا متعدد بار تذکرہ ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیٹ اور ناف مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیٹ اور ناف مبارک بھی خوبصورت اور چمکدار تھی۔حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیٹ اور سینہ مبارک برابر تھے۔آپ کا پیٹ بڑھا ہوا نہ تھا۔لمبی لکیر تھی۔پیٹ مبارک بالوں سے بالکل صاف تھا،صرف سینے کے گڑھے سے لے کر ناف مبارک تک بالوں کی باریک لمبی لکیر تھی۔(96)

سیدنا براء بن عازب بھی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احزاب میں خندق کی کھدائی کے موقع پر رسول اللہ بھی مٹی باہر نکال رہے تھے۔تب آپ کا خوبصورت اور چمکدار پیٹ مٹی سے اٹا ہوا تھا۔(97)

یہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو قصاص کے لیے پیش کیا تھا۔یہ ایک طویل واقعہ ہے۔اس میں مذکور ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا: مجھ سے جس پر زیادتی ہوئی ہو، وہ قصاص لے سکتا ہے۔کوئی کھڑا نہ ہوا۔یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا۔آخر حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردمیں پھلانگتے ہوئے آپ کے قریب پہنچ گئے۔عرض کی: اے اللہ کے رسول! ایک غزوے میں آپ کی چھڑی مجھے لگی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو قصاص کے لیے پیش کر دیا۔

یہ دیکھ کر صحابہ کرام میں نظام بے قرار اور پریشان ہو گئے۔سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ اس وقت میرا پیٹ ننگا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیٹ مبارک سے کپڑا ہٹا دیا۔حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ آپ کا چمکدار، سفید اور حسین و جمیل پیٹ مبارک دیکھتے ہی بے ساختہ لپکے اور جھپٹ کر اس کے بوسے لینے لگے۔اس دوران میں ان کے لبوں پر یہ الفاظ تھے: آپ پر تو ہمارے ماں باپ قربان ہوں! بھلا آپ کے ذمے کس کا قصاص ہو سکتا ہے۔(98)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر خوبصورت اعضائے مبارکہ کی طرح آپ کی کمر بھی حسین وجمیل تھی۔ سینے کی طرح آپ کی کمر مبارک بھی کشادہ تھی۔ حضرت مخرش رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمرہ جعرانہ کے ضمن میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس وقت آپ کی کمر مبارک دیکھی تھی جو چاندی کی طرح خوبصورت اور چمکدار تھی۔ (99)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حالتِ احرام میں ایک کندھا ننگا تھا، اس وجہ سے کمر مبارک پر جھلک پڑ رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر مبارک اس قدر خوشنما اور گداز تھی کہ چار پائی پر بچھے بستر پر لیٹنے سے بھی کمر پر نشانات پڑ جاتے تھے۔ (100)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر مبارک پر کندھوں کے درمیان مہر نبوت بھی تھی جو آپ کے خاتم النبیین ہونے کی علامت تھی۔ (101)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازو، بغلیں اور کلائیاں مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو مبارک بھی خوبصورت پر گوشت اور موٹے تھے۔ (102)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغلیں مبارک بھی صاف اور چمکدار تھیں۔ بغلوں کی سفیدی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف مواقع پر دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نماز استسقاء کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چمکدار بغلیں دیکھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لیے بازو بلند کیے ہوئے تھے۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک بلند کرنے پر اُن خوبصورت بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ (103)

سیدنا عبداللہ بن اقرم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے دورانِ نماز سجدے کی حالت میں اپنے بازو مبارک کھولے۔ آپ بازو اس قدر کھولا کرتے تھے کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگتی تھی۔ (104)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغلوں کا پسینہ بھی کستوری کی طرح خوشبودار تھا۔ بنوحریش کے ایک آدمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب رجم کیا گیا تب میں بھی اپنے والد کے ہمراہ وہاں موجود تھا۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو پتھر لگنے پر میں گھبرا گیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔ تب آپ کی بغل کا پسینہ مجھے لگا جس کی خوشبو کستوری سے بھی بڑھ کر تھی۔ (105)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلائیاں بھی مناسب اور خوبصورت تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلائیاں بھری ہوئی، لمبی اور چوڑی تھیں۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ اور حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبصورت کلائیوں پر معمولی سے بال بھی تھے۔(106)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور انگلیاں مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیاں بھی غیر معمولی حسن و جمال کی حامل تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیاں گوشت سے بھری ہوئی تھیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیاں، کشادہ اور موٹی موٹی تھیں۔(107)

ہتھیلیاں اس قدر گداز تھیں کہ ریشم بھی ان کی نرمی کے مقابلے میں ہیچ تھا۔ اس کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دیتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نہ تو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیوں سے بڑھ کر نرم و ملائم کوئی ریشم چھوا ہے اور نہ آپ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی عمدہ خوشبو محسوس کی ہے۔(108)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کی انگلیاں گوشت سے پر، لمبی، مخروطی اور چاندی کی طرح چمکدار تھیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیاں کشادہ، انگلیاں لمبی اور باریک تھیں جیسے چاندی کی شاخیں ہوں، جبکہ نرمی اور گداز پن میں ریشم سے بھی بڑھ کر ملائم تھیں۔(109)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رانیں، پنڈلیاں اور پاؤں مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرتا پا حسین وجمیل تھے۔ آپ کے تمام اعضاء انتہائی مناسب اور متوازن تھے۔ ان میں کوئی عیب تھا نہ کوئی نقص۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ران مبارک سے قصداً کبھی کپڑا نہیں ہٹایا تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے فرمان کے مطابق ران ستر میں شامل ہے۔(110) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ران اگر کبھی ظاہر ہوئی بھی تو بغیر ارادے کے۔ یوں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر پڑی، ان کے بقول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ران مبارک بھی دیگر اعضاء کی طرح خوبصورت اور سفید تھی۔ حضرت انس بن مالک یہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے موقع پر میں حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر سوار تھا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے ساتھ ساتھ چلے جارہے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ران مبارک سے اچانک کپڑا ہٹ گیا، میری نظر آپ کی ران پر پڑی جو نہایت خوبصورت اور سفید تھی۔(111)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان مرد کے ازار کی حد نصف پنڈلی سے لے کر ٹخنے سے اوپر تک مقرر فرمائی ہے۔ ٹخنے

سے نیچے کپڑا لٹکانے پر سخت وعید سنائی ہے۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ازار بھی نصف پنڈلی تک ہوا کرتا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے نصف پنڈلی تک ازار باندھے دیکھا۔(112)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پنڈلیاں مبارک یوں کھلی رہنے کے باوجود سفید اور خوبصورت تھیں۔حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا، آپ نے سرخ جوڑا پہنا ہوا تھا، آپ کی سفید پنڈلیاں مبارک بھی مجھے دکھائی دے رہی تھیں۔(113)

ہجرت مدینہ کے موقع پر حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ انعام کے لالچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں تھے۔ تلاش کرتے کرتے آپ کے قریب پہنچ گئے۔ بیان کرتے ہیں کہ میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک پنڈلیوں پر پڑی تو وہ یوں دکھائی دیں جیسے درخت خرما کا چربی جیسا سفید اور ملائم گودا ہو۔(114)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پنڈلیاں دیگر اعضاء کی طرح انتہائی متناسب اور نیچے سے قدرے باریک تھیں۔(115) رانوں اور پنڈلیوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک بھی خوبصورت اور گورے تھے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں بھاری اور پر گوشت تھے۔آپ انتہائی حسین وجمیل تھے۔میں نے آپ ہم سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسا حسین کوئی نہیں دیکھا۔(116)

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں پر گوشت تھے۔انگلیاں لمبی تھیں، پاؤں کے تلوے گہرے تھے۔اوپر سے پاؤں اس قدر مناسب، ہموار اور چکنائی والے تھے کہ ان پر پانی بالکل نہ ٹھہرتا تھا۔(117)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایڑیاں مبارک گوشت کم ہونے کی وجہ سے انتہائی متوازن اور ترشی ہونے کے سبب خوبصورت اور خوشنما تھیں۔حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایڑیوں کی صفت "مَنْهُوسُ الْعَقِبَيْنِ سے بیان کی ہے۔اس حدیث کے راوی حضرت شعبہ نے حضرت سماک سے اس کا مطلب پوچھا تو انھوں نے بیان کیا: قَلِيلُ لَحْمِ الْعَقِبِ ایڑیوں پر قدرے کم گوشت ہونا۔(118)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر، ہڈیاں اور جوڑ مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسامت میں میانہ اور خوشنما تھے۔نہ تو آپ لحیم وشحیم اور بھاری بھرکم تھے اور نہ لاغر کمزور اور نحیف۔حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراپائے اقدس بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدن مبارک نہ تو

موٹا اور فربہ تھا اور نہ ڈھیلا اور نحیف، بلکہ صحت مند، میانہ اور مضبوط تھا۔(119)

حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی حسین وجمیل اور گوری اجلی رنگت رکھتے تھے۔ آپ نہ تو زیادہ لمبے تھے اور نہ پستہ قد۔ آپ نہ بھاری بھرکم اور فربہ تھے اور نہ کمزور، لاغر اور نحیف۔(120)

البتہ زندگی کے آخر میں بڑھاپے کے باعث آپ کا جسم مبارک قدرے فربہ ہو گیا تھا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم بڑھاپے کے باعث بھاری ہو گیا تو زیادہ تر نفل نماز بیٹھ کر ادا کیا کرتے تھے۔(121)

ایک اور حدیث میں آپ کے لیے منبر بنانے کی وجہ بھی آپ کے جسم مبارک کا بھاری اور بوجھل ہونا بیان کی گئی ہے۔ بڑھاپے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز تہجد کم ادا کرنے کا تذکرہ بھی بعض کتب حدیث میں ملتا ہے۔(122)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کی ہڈیاں اور ہڈیوں کے جوڑ بھی حسن و جمال کا نمونہ تھے۔ حضرت علی اور حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہڈیوں کے جوڑ مضبوط اور موٹے تھے جبکہ آپ کی ہڈیاں لمبی اور بڑی بڑی تھیں۔(123)

ہڈیاں بڑی ہونے سے مراد کلائی، بازو، ران اور پنڈلی جیسی ہڈیوں کا قدرے لمبا ہونا ہے جس سے آدمی قد و قامت میں خوشنما اور خوبصورت لگتا ہے۔ ہڈیاں چھوٹی اور پتلی ہونے کی صورت میں انسان پستہ قد اور عیب دار محسوس ہوتا ہے جس سے سرتاج رسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبرا اور پاک تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال مبارک

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق میں بھی اجمل و اکمل تھے اور خلق میں بھی اعلیٰ و برتر تھے۔ آپ چال ڈھال اور بات چیت میں غرور و تکبر اور فخر و ریا جیسی تمام غیر اخلاقی عادات و اطوار سے پاک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال عاجزانہ اور آواز پست ہوا کرتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے کو ذرا جھک کر تیزی سے چلا کرتے، یوں محسوس ہوتا، جیسے ڈھلان سے نیچے کی طرف تشریف لا رہے ہوں۔(124)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاؤں جما جما کر یوں چلتے جیسے بلندی سے نشیب کی طرف اتر رہے ہوں۔ پلٹ کر دیکھتے تو مکمل پلٹتے، صرف چہرہ نہ موڑتے۔ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ خاتم النبیین تھے۔ آپ سب سے زیادہ سخی، سب سے بڑھ کر سچے، سب سے زیادہ نرم مزاج اور رہن سہن میں سب سے بہتر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچانک دیکھنے والا مرعوب ہو جاتا تھا لیکن جان پہچان کے بعد آپ کے ساتھ گھل مل کر آپ ہی کا

ہوکر رہ جاتا۔(125) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر میں نے حسین وجمیل کوئی نہیں دیکھا، یوں لگتا جیسے آپ کے رخ زیبا پر سورج نمودار ہو رہا ہو۔ میں نے چلنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا، یوں محسوس ہوتا جیسے زمین ہی آپ کی خاطر سمٹ گئی ہو۔ آپ کے ہمراہ چلتے ہوئے ہمیں تو زحمت اُٹھانا پڑتی لیکن آپ وقت محسوس کیے بغیر آرام سے چلے جا رہے ہوتے۔(126)

محبوب عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز مبارک بھی بہت خوبصورت اور بے مثل تھی۔ عمومی طور پر آواز پست ہی ہوتی لیکن بوقت ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باآواز بلند بھی وعظ ونصیحت کیا کرتے حتیٰ کہ آپ کی آواز مدینہ کے گرد ونواح کے محلوں میں بھی سنائی دیا کرتی۔ نماز میں تلاوت قرآن کی آواز بھی دور دور تک سنائی دیا کرتی تھی۔(127)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر مبعوث کیے، وہ سب حسین وجمیل اور خوبصورت آواز والے تھے۔ تمہارے پیغمبر بھی حسین وجمیل اور خوبصورت آواز کے مالک ہیں۔(128)

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میٹھی اور بالکل واضح تھی۔ آپ کے کلام کے الفاظ ہوں صاف اور الگ الگ ہوتے جیسے لڑی میں موتی پروئے ہوں۔ آپ کی آواز رعب دار، خوبصورت اور مسرور کن تھی۔(129) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ہی خوبصورت آواز والے تھے۔(130)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز عشاء میں سورۃ التین قراءت کرتے سنا، پھر کہتے ہیں:

فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ میں فِي صَوْتًا مِنْهُ"(131)

''میں نے آپ سے بڑھ کر خوبصورت آواز کسی کی نہیں سنی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں نسوانیت اور بار کی نہ تھی بلکہ آواز مردانہ، بارعب اور گرجدار تھی جس کے لیے روایت میں فِي صَوْتِهٖ صَحَلٌ کے الفاظ مذکور ہیں۔(132)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دوران خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہو جاتی اور غصہ نمایاں دکھائی دیا کرتا، یوں محسوس ہوتا جیسے آپ کسی دشمن کے حملہ آور ہونے سے ڈراتے ہوئے فرما رہے ہوں کہ لشکر صبح تم پر حملہ کرنے والا ہے یا رات کو شب خون مارنے والا ہے۔(133)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قدر بآواز بلند خطبہ دیا کہ گھر کے گوشے میں لگے پردے کے اندر موجود دوشیزگان کو بھی آپ کی آواز سنائی دی۔ آپ ہم نے فرمایا: اے وہ لوگو جو صرف زبان سے مسلمان ہوئے ہو اور ایمان ابھی دل میں جاگزیں نہیں ہوا! اہل ایمان کو ایذا مت دیا کرو اور نہ ان کے عیبوں کی ٹوہ میں لگے رہا کرو۔ جو بھی اپنے بھائی کے عیب تلاش کرنے کی جستجو میں رہتا ہے، اللہ عزوجل اس کے عیب نمایاں کر دیتے ہیں اور جس کے عیب اللہ ظاہر کر دے، وہ ذلیل ورسوا ہی ہوگا اگر چہ اپنے گھر ہی میں چھپ کر رہ رہا ہو۔(134)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند آہنگی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ جمعے کے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ مسجد سے دور بنوغنم کے محلے میں تھے۔ ان کے کانوں میں بھی آپ اللہ کی یہ آواز پڑی۔ وہ آپ کی آواز سن کر وہیں بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے بیٹھنے کی وجہ رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائی۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد میں پہنچے جب اقامت کہی جارہی تھی۔ آپ ق نے تاخیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے صورت حال آپ کے گوش گزار کی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار فرمایا۔(135)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچازاد حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے رات کو اپنے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کی آواز سنائی دیا کرتی تھی۔(136) گویا بوقت ضرورت بآواز بلند کوئی بات کی جاسکتی ہے۔ وعظ وخطبہ میں آواز کا بلند ہونا مصلحت کے تحت روا ہے لیکن عمومی حالات میں بلند آہنگی شریعت میں مذموم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بال مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور داڑھی مبارک کے بال گھنے، سیاہ، چمکدار، معمولی خمدار اور انتہائی خوبصورت تھے۔ آخر عمر میں آپ کے سر مبارک اور داڑھی کے چند بال سفید ہوئے تھے۔ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ کے سفید بالوں کے بارے میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی اور سر مبارک میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ ہیثم بن زہیر کے بقول آپ کے تیس بال سفید تھے۔(137)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک بار میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داڑھی اور سر مبارک کے سفید بال شمار کیے جن کی تعداد چودہ تھی۔(138) عموماً بیس سے کم والی روایات ہی ذکر کی جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے ہیثم کی تیس والی روایت کو ضعیف اور بیس سے کم والی روایت ہی کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔(139)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کہتے ہیں کہ تیل لگانے اور کنگھی کرنے کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بال نمایاں نہ ہوتے تھے جبکہ سر مبارک پر گرد پڑنے سے سفید بال بالکل واضح دکھائی دیتے تھے۔(140)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید نقرئی بال مبارک کچھ بچہ داڑھی میں تھے، کچھ کنپٹی پر اور کچھ سر مبارک کے سامنے سے مانگ نکالنے کے مقام پر۔ ان پر۔ ان تمام کا احادیث میں تذکرہ موجود ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچہ داڑھی میں کچھ بال سفید تھے، کچھ کنپٹی میں تھے اور کچھ سر مبارک میں۔(141)

کمال تو یہ ہے کہ سرتاج رسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار آپ سے کس قدر محبت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے آپ کا کوئی پہلو بھی امت سے مخفی نہیں رہنے دیا، تمام طرح کی معلومات امت تک پہنچائیں۔

باقی رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے سفید بالوں کو رنگنا تو اس بارے میں بھی مختلف روایات ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سفید بال رنگا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ کو بال رنگنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی، آپ کی داڑھی مبارک میں چند سفید بال تھے۔ اس کے بعد انھوں نے حضرت ابوبکر اور عمر ہی رضی اللہ عنہما کے بارے بتایا کہ یہ دونوں اپنے سفید بال رنگا کرتے تھے۔(142)

حضرت انس رضی اللہ عنہ دلیل یہ بیان کرتے ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مدینہ تشریف لائے تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے بال سفید نہ تھے، کیونکہ یہ سب سے عمر رسیدہ تھے۔(143)

حضرت عثمان بن موہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اُم المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گیا۔ انھوں نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال دکھائے جو رنگے ہوئے تھے۔ حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد محترم کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی داڑھی مبارک مہندی سے رنگی ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت میں ہے کہ حج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بال مبارک منڈوا کر اپنے اصحاب میں تقسیم کیے جو مہندی اور کتم بوٹی سے رنگے ہوئے تھے۔(144)

ان دو طرح کی روایات کی بنا پر آرا بھی دو طرح کی ہیں: ایک نفی کے قائل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بال نہیں رنگے جن کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جبکہ دیگر احادیث میں رنگنے کا ذکر ہے، ان دو طرح کی احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ کبھی آپ سلام رنگ لیا کرتے تھے اور کبھی نہ رنگتے۔ جس نے آپ کو جس حالت میں دیکھا، اس نے وہی بیان کر دی۔(145)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بال نہ رنگنے والی روایت کی توجیہ ان کی دیگر روایت سے بھی ہوتی ہے۔اس میں ہے کہ کثرت خوشبو کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بال رنگے ہوئے لگتے تھے، کیونکہ کثیر خوشبو استعمال کرنے سے ان کی رنگت تبدیل ہوگئی تھی۔(146) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خیال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بالوں کی رنگت بدلنے کی وجہ کثرت خوشبو تھی، جبکہ دراصل یہ تبدیلی بال رنگنے کی وجہ سے تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک نہایت خوشبودار اور موتیوں کی طرح چمکدار تھا۔آپ کو پسینہ عام معمول سے زیادہ آتا تھا۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ سفید اور چمکدار تھا، آپ کا پسینہ موتیوں کے مانند تھا۔میں نے آپ کے پسینے کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔کستوری اور عنبر سے بھی عمدہ آپ کی خوشبو تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسینہ قدرے زیادہ آتا تھا۔(147)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک کستوری کی طرح خوشبودار تھا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! میں نے نہ تو سنا کہ کوئی آپ جیسا حسین ہوگزرا ہے اور نہ آپ کے بعد کوئی آپ جیسا دیکھا۔(148) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہک ہی سے آپ کی آمد کا پتہ چل جایا کرتا تھا۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جس راستے سے بھی گزر ہوتا، آپ کے بعد وہاں سے گزرنے والے کو آپ کے مبارک پسینے کی خوشبو ہی سے پتہ چل جاتا آپ ادھر سے گزرے ہیں۔(149)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے رخسار پر اپنا دست مبارک پھیرا۔میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کی ٹھنڈک یا خوشبو محسوس کی اور وہ بھی یوں جیسے آپ نے ابھی اپنا ہاتھ مبارک عطار کے خوشبودان سے نکالا ہو۔حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معطر پسینہ مبارک شیشی میں اکٹھا کر کے محفوظ کرلیا کرتی تھیں۔ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاں چمڑے کے بستر پر آرام فرما رہے تھے۔اس پر گرنے والا آپ کا پسینہ مبارک حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا پونچھ کر شیشی میں ڈال رہی تھیں کہ آپ کی آنکھ کھل گئی۔آپ نے ان سے پسینہ اکٹھا کرنے کی وجہ پوچھی تو عرض کرنے لگیں:

هٰذَا عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِي طِيبِنَا وَ هُو مِنْ أَطْيَبِ الطِّيبِ (151)

''آپ کا یہ پسینہ ہم اپنی خوشبو میں ملاتے ہیں جس سے ہماری خوشبو تمام خوشبوؤں سے عمدہ اور ممتاز ہو جاتی ہے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوع انسانی میں رب تعالیٰ کی محبوب ترین ہستی ہیں۔ پوری انسانیت حتیٰ کہ انبیاء ورسل علیہم السلام سے بڑھ کر آپ ہی کا مقام ومرتبہ ہے۔ آپ کو رب کائنات نے سب سے بڑھ کر حسین وجمیل پیدا فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق میں اکمل اور خلق میں اجمل تھے۔ آپ معالم ہر طرح کے ظاہری اور باطنی عیوب ونقائص سے پاک تھے۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر اختتام دنیا تک نہ آپ جیسا کوئی آیا ہے اور نہ آئے گا۔ کسی صاحب بصیرت نے کیا خوب کہا ہے۔

مَضَتِ الدُّهُورُ وَمَا أَتَيْنَ بِمِثْلِهِ وَلَقَد أتى فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهِ (152)

''صدیاں بیت گئیں لیکن آپ جیسا کوئی پیدا نہ ہوسکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد اب آپ جیسا کوئی دوسرا پیدا بھی نہیں ہوسکے گا۔''

حواله جات

1۔شرح دیوان حسان،ص:۴۲

2۔صحیح مسلم ۲۳۳۷

3۔سنن الترمذی۲۸۱۱

4۔صحیح البخاری:۳۰۴۰

5۔أحمد بن حنبل،المسند:۱۲۰۲۰

6۔سنن الترندی:۱۳۸۵

7۔الحاکم المستدرک:۴۲۸۵

8۔صحیح مسلم:۲۳۴۴

9۔صحیح البخاری:۳۵۵۲

10۔صحیح مسلم:۴۱۹

11۔صحیح البخاری:۴۶۷۷

12۔صحیح البخاری:۳۵۴۷

13۔صحیح مسلم:۲۳۳۰

14۔احمد بن حنبل،المسند:۷۴۴

15۔صحیح مسلم:۲۳۲۳

16۔صحیح البخاری:۱۰۰۸،۱۰۰۹

17۔أحمد بن حنبل،المسند:۷۴۴

18۔سنن الترمذی:۱۷۵۳

19۔صحیح البخاری ۳۵۴۷

20۔سبل الهدی:۱۲ / ۱۵

21۔فتح الباری،ج ۲ / ۵۲۹

22۔طبراني ،معجم الکبیر ۱۵۵ / ۲۳

23۔الطبقات الکبری:۴۱۰ / ۱

24۔شرح المواهب:۵ / ۲۳۸

25۔سبل الهدی:۲۹ / ۲

26۔صحیح مسلم:۵۸۲

27۔سنن أبي داود:۹۳۳

28۔صحیح البخاری:۳۵۴۷

29۔صحیح البخاری:۳۵۴۸

30۔سنن الترمذی:۳۶۳۸

31۔صحیح البخاری:۵۸۴۸

32۔بیهقی،دلائل النبوه:۱ / ۲۹۸

33۔صحیح البخاری:۳۲۳۹

34۔سنن الترمذی:۳۶۳۷

35۔الحاکم،المستدرک:۴۱۷۵

36۔صحیح البخاری:۳۵۴۷

37۔سنن الترمذی:۳۶۳۸

38۔صحیح مسلم:۳۲۹

39۔صحیح مسلم:۸

40۔دلائل النبوۃ،ج۱،ص ۳۰۰

41۔صحیح البخاری:۵۹۰۵

42۔صحیح مسلم:۲۳۳۸

43۔سنن ابی داؤد:۸۱۸۵

44۔سنن النسائی:۵۲۴۵

45۔سنن ابی داؤد:۴۱۸۷

46۔زادالمعاد:۱ / ۱۶۷

47۔صحیح البخاری:۲۰۲۸

48۔کنز العمال:۱۷۱۷۸

49۔صحیح البخاری:۵۹۱۴

50۔صحیح البخاری:۳۹۴۴

51۔دلائل النبوۃ:/۳۰۰

52۔صحیح مسلم:۱۳۰۵

53۔صحیح البخاری:۵۸۹۹

54۔الالبانی،تمام المنہ ص ۱۶۴

55۔سنن النسائی:۵۲۳۴

56۔الطبقات الکبری:۴۳۳ / ۱

57۔أحمد بن حنبل،المسند:۳۴۱۰

58۔بیهقی،دلائل النبوۃ:۳۰۳ / ۱

59۔السلسلة الضعيفة:۲۸۸

60 صحیح البخاری:۵۸۹۲

61۔صحیح البخاری:۵۸۹۲

62۔صحیح البخاری:۵۸۹۳و

63۔أبویعلی المسند:۲۷۱۵

64۔أحمد بن حنبل،المسند:۵۹۸۸

65۔،السنن الکبری:۶۹۵

66۔ابن حبان،الصحیح ۵۴۷۷

67۔احمد بن حنبل،مسند، ۲۲۲۸۳

68۔طبراني ،معجم الکبیر : ۱۴ / ۲۲

69۔صحیح البخاری:۱۴۳۷،

70۔شرح المواهب:۲۷۸ / ۵

71۔البرقوقی شرح دیوان حسان ص،۹۸

72۔دلائل النبوه:۲۱۳ / ۱

73۔أحمد بن حنبل والمسند ۱۷۵۲۹
74۔أحمد بن حنبل، المسند: ۱۳۹۹
75۔الصالحی سیل الہدی ۲۲ / ۲
76۔صحیح مسلم: ۲۳۳۹
77۔سنن الترندی: ۳۶۴۵
78۔سنن الترمذی: ۳۶۳۸
79۔ابن سعد، الطبقات الکبری: ۳۱۵
80۔الترمدی، الشمائل ہیں ۲۳۰
81۔سنن الترندی: ۳۹۴۷
82۔الطبر انی المعجم الکبیر / ۱۵۵
86۔النووی شرح مسلم: ۹۳ / ۱۵
84۔طبرانی، معجم الأ وسط ۱۳۱۸
85۔ابن سعد، الطبقات الکبری ۲۲۲ / ۱
86۔صحیح البخاری ۲۹۰۳
87۔ابن حبان، الصحیح: ۵۵۹۶
88۔القیامۃ ۱۹ / ۷۵
89۔قسطلانی، المواہب اللدنیہ ۱۷ / ۲
90۔سنن ابن ماجہ: ۲۹۴۵
91۔طبرانی معجم کبیر ۱۵۰
92۔دلائل النبوۃ ۳۷۸ / ۱
93۔صحیح البخاری: ۳۵۵۱
94۔البیہقی، دلائل النبو ۱ / ۲۷۵
95۔صحیح البخاری: ۷۵۱۷
96۔سنن الترمذی: ۳۶۳۷
97۔صحیح البخاری: ۲۸۳۷
98۔الطبر انی المعجم الکبیر ۱۳۷۶
99۔احمد بن حنبل، المسند۱۱ ۔ ۵۱۲
100۔صحیح مسلم: ۲۳۹۸
101۔صحیح البخاری: ۱۹۰
102۔تاریخ الخمیس: ۲۱۰ / ۱
103۔صحیح البخاری: ۱۰۳۱
104۔سنن الترمذی: ۲۷۴
105۔الدارمی، المسند: ۶۴
106۔أحمد بن حنبل، المسند: ۸۳۵۲
107۔صحیح البخاری: ۵۹۱۱
108۔صحیح البخاری ۱۹۷۳
109۔دلائل النبوہ ص: ۳۸۰
110 سنن ابی داود: ۴۰۱۴
111۔صحیح البخاری: ۳۷۱
112۔سنن أبی داود
113۔صحیح مسلم: ۵۰۳
114۔الطبر انی المعجم الکبیر ۲۲۰
115۔سنن الترمذی: ۳۶۴۵
116۔صحیح البخاری: ۵۹۰۷
117۔الطبر انی المعجم الکبیر ۲ / ۱۵
118۔صحیح مسلم: ۲۳۳۹
119۔سنن الترمذی: ۳۶۳۸
120۔صحیح مسلم: ۲۳۴۰
121۔صحیح البخاری: ۴۸۳۷
122۔سنن أبي داود: ۱۳۴۶، ۱۰۸۱
123۔سنن الترمذی: ۳۶۳۸، ۳۶۳۷
124۔أحمد بن حنبل، المسند: ۱۰۵۲
125۔سنن الترندی: ۳۶۳۸
126۔أحمد بن حنبل، المسند ۸۲۰۴
127۔سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۹
128۔شرح المواہب: ۱۴۰ / ۱۴۱۸
129۔القاضی عیاض، الشفا: ۱ / ۸۱
130۔شرح المواہب: ۴۳۷ / ۵
131۔صحیح البخاری: ۷۵۴۶۷۶۹
132۔طبرانی، معجم کبیر
133۔صحیح مسلم: ۸۲۷
134۔الطبر انی المعجم الکبیر 11444
135۔الطبر انی المعجم الأ وسط: ۹۱۳۸
136۔صحیح البخاری: ۵۹۰۰۰۳۵۴۷
137۔الأ حادیث المختارہ: ۱۸۰۳
138۔ابن حجر، فتح الباری: ۵۹۰۰
139۔سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۹
140۔صحیح مسلم: ۲۳۴۴
141۔صحیح مسلم: ۲۳۴۱
142۔صحیح مسلم: ۲۳۴۱
143۔صحیح البخاری: ۳۹۲
144۔صحیح البخاری: ۵۸۹۷
145۔النووی، شرح مسلم: ۹۵ / ۱۵
146۔الحاکم، المستدرک: ۳۲۵۷
147۔صحیح مسلم: ۲۳۳۲، ۲۳۳۰
148۔الہندی، کنز العمال ۵۷۱۸۵۷۱
149۔الطبر انی، المعجم الأ وسط: ۲۷۵۱
150۔صحیح مسلم: ۲۳۲۹
151۔صحیح البخاری ۱۳۸۱
152۔بہاء الدین العاملی، الکشکول ص: ۳۰۰

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رنگ کے بارے میں احادیث میں کتنے الفاظ آئے ہیں۔

....

....

2. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال کس قدر لمبے تھے؟

....

....

3. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کی بڑی مونچھیں تراش دیں؟

....

....

4. حضرت عیسی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنما گردن مبارک کے بارے کیا فرمایا تھا:

....

....

5. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان مرد کے ازار کی حد کتنی مقرر فرمائی ہے۔

....

....

6. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بال مبارک کتنے تھے؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خیال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بالوں کی رنگت بدلنے کی وجہ کثرت...... تھی

نوم ☐ غسل ☐ خوشبو ☐ طعام ☐

2. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں ...... کے درمیان مہر نبوت تھی

کانوں ☐ آنکھوں ☐ رخساروں ☐ کندھوں ☐

3. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے فرمان کے مطابق...... ستر میں شامل ہے۔

ران ☐ کان ☐ زبان ☐ ناک ☐

4. یہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو...... کے لیے پیش کیا تھا

مقدمے ☐ قصاص ☐ دیکھانے ☐ منانے ☐

5. حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی...... تھی۔

سپاٹ ☐ سیدھی ☐ ابھری ☐ کشادہ ☐

6. امام ابن قیم کے بقول نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی بھر صرف...... بار اپنے بال منڈوائے ہیں۔

پانچ ☐ چار ☐ تین ☐ دو ☐

روزمرہ کے عادات وخصائل

خلاصۂ سبق

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت ورسالت سے نوازے جانے سے قبل از نبوت بھی جود وسخا، صلہ رحمی، ہمدردی، خیر خواہی، مہمان نوازی اور دیگر ہر قسم کی صفات عالیہ سے بہرہ ور اور بری عادات واطوار سے مکمل کنارہ کش تھے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات جمیلہ

عادات وخصائل کے پختہ ہونے میں آدمی کی ذاتی سوچ، طبعی میلان، ماحول، معاشرے اور خاندان کا اہم کردار ہوتا ہے، لیکن آفرین ہے رہبر کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ آپ اپنے عہد کے بدترین ماحول اور بری عادات سے بالکل متاثر نہیں ہوئے بلکہ معاشرتی اور خاندانی رسم ورواج کے خلاف بھی علم بلند کرنا پڑا تو اس سے دریغ نہ کیا۔ اہل عرب خاندانی عصبیت، لوٹ کھسوٹ قتل وغارت، شراب نوشی اور قمار بازی جیسی گھناؤنی عادات میں مبتلا تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بری عادات کے قریب تو کیا ان کے تصور سے بھی مکمل کنارہ کش رہے۔ آپ کی تمام عادات جمیلہ کے پیکر اور خصائل حمیدہ کا مجسمہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ماحول سے متاثر ہونے کے بجائے انھیں متاثر کرنے میں کامیاب ٹھہرے جس کی شہادت خود مشرکین مکہ بھی دیا کرتے تھے۔

یہ بات بھی انتہائی اہم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت ورسالت سے نوازے جانے کے بعد ہی اچھی عادات وخصائل سے متصف نہ ہوئے بلکہ قبل از نبوت بھی جود وسخا، صلہ رحمی، ہمدردی، خیر خواہی، مہمان نوازی اور دیگر ہر قسم کی صفات عالیہ

سے بہرہ وراور بری عادات واطوار سے مکمل کنارہ کش تھے، حالانکہ وہ معاشرہ برائیوں سے اٹا ہوا تھا۔ان صفات عالیہ کی گواہی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پہلی وحی کے نزول کے موقع پران الفاظ سے دی: اللہ کی قسم! اللہ کبھی آپ کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ تو بلاشبہ صلہ رحمی کرتے ہیں، اوروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، بے کس کو کما کر کھلاتے ہیں، مہمان کی عزت وتکریم کرتے ہیں اور مصائب وآلام میں دوسروں کی نصرت ومعاونت کرتے ہیں۔(1)

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں ابشر اور تصدق الحدیث کے الفاظ بھی ہیں۔(2)

اس کا مطلب ہے کہ آپ پریشان ہونے کے بجائے اپنے حسن اخلاق پر خوش ہوں کیونکہ آپ تو صدق مقال کے بھی خوگر ہیں۔ ذیل میں آپ علم کی ان عادات وخصائل کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کیا جاتا ہے:

صلہ رحمی

رشتہ داری کا پاس رکھنے اور باہمی میل جول پر شریعت اسلامیہ نے بہت زور دیا ہے۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس صفت سے کامل درجہ متصف تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلہ رحمی کا بے حد خیال رکھا کرتے تھے۔آپ کے عزیز واقارب نے آپ کی دعوت کی شدید مخالفت کی۔اس کے باوجود آپ نے ان سے تعلق داری کے بارے میں فرمایا تھا

لَهُمْ رَحِمٌ أَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا (3)

''ان سے میرا رشتہ ناتا ہے جس کو میں حتی الامکان تروتازہ رکھوں گا۔''

اس صلہ رحمی کی ایک مثال ملاحظہ کریں۔قریش مکہ کے ظلم وستم سے نبی کریم س صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ ان کے خلاف ہاتھ اٹھا دیے۔کفار اس قدر قحط سالی سے دوچار ہوئے کہ بھوک کے مارے لوگ ہلاک ہونے لگے۔زندگی بچانے کے لیے مردار اور ہڈیاں تک کھانے لگے۔قریش مکہ کے سردار ابوسفیان نے آپ کے ہاں آ کر عرض کی: اے محمد! آپ تو صلہ رحمی کا درس دیتے ہیں۔آپ کی قوم قحط سالی سے ہلاک ہو رہی ہے۔اللہ عزوجل سے دعا ہی کر دیں۔آپ سلام نے تمام طرح کی مخالفت کے باوجود صلہ رحمی کا لحاظ رکھتے ہوئے دعا فرمائی اور اللہ تعالی نے بارش نازل فرما دی۔(4)

اسی طرح سرخیل یمامہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو انھوں نے یمامہ سے مکہ کی طرف ایک خوشہ گندم لانے پر بھی پابندی عائد کر دی۔مکہ والے انتہائی برے حالات سے گزرے۔اہل مکہ نے پریشان کن صورت حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صلہ رحمی کا واسطہ دیتے ہوئے مدینہ خط بھیجا: آپ تو صلہ رحمی کا درس دیتے ہیں اور آپ نے خود ہی ہم سے قطع تعلقی کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔(5)

اہل مکہ کا یہ خط پڑھتے ہی آپ ﷺ نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اس اقدام سے منع کر دیا۔ یوں آپ مکہ کیا ہم نے دشمن سے بھی صلہ رحمی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کے اعلیٰ مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ علانیہ دعوت کا حکم ملتے ہی آپ نے سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اکٹھا کر کے انھیں دعوت دین دی اور فرمایا: خود کو آتش دوزخ سے بچالو۔(6)

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے رشتہ داروں سمیت تمام مشرکین کو معاف فرما دیا۔(7)

آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو بھی صلہ رحمی کا درس دیا۔ رشتے ناتے کا پاس رکھنے کے سلسلے میں چند فرامین تو یہ درج ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو رزق میں خیر و برکت اور عمر میں اضافے کا متمنی ہے، وہ صلہ رحمی کیا کرے۔(8)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: سلام عام کرو، کھانا کھلایا کرو، صلہ رحمی کیا کرو اور رات کو لوگ اب سوئے ہوئے ہوں، تم نماز تہجد ادا کیا کرو تو جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ گے۔(9)

مزید بتایا کہ صلہ رحمی کرنے کے صلے میں اللہ تعالیٰ دنیا میں جلد ہی نوازتا ہے اور قطع تعلق کرنے پر دنیا میں جلد ہی مبتلائے عذاب بھی کرتا ہے۔(10)

مزید فرمایا: غیر رشتہ دار مسکین پر خرچ کرنے سے ایک اجر ملتا ہے جبکہ رشتہ دار پر خرچ کرنے سے دگنے اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے، ایک خرچ کرنے کا اور دوسرا صلہ رحمی کرنے کا۔(11)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے محبوب عالم نے مجھے وصیت کی کہ ایک تو میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ گھبراؤں اور دوسرا صلہ رحمی کروں اگرچہ میرے رشتے دار مجھ سے دور ہی بھاگیں۔(12)

ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر دخول جنت کے اسباب کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرنا، اس کے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کرنا، نماز پڑھنا، زکوۃ ادا کرنا اور صلہ رحمی کرتا ہے۔(13)

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حقیقی صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو برابری کی سطح پر صلہ رحمی کرتا ہے بلکہ حقیقی صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے اس کے رشتہ دار ناتا توڑیں تو وہ انھیں قریب کرے۔(14)

آج امت مسلمہ کو باہمی اتفاق و اتحاد کی اشد ضرورت ہے اور اس اجتماعیت کی اہم ترین کڑی صلہ رحمی ہے جس کی لاج رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

اوروں کا بوجھ اُٹھانا

دوسروں کا بوجھ اُٹھانے سے مراد لوگوں سے تعاون کرنا ہے۔ یہ اچھی خصلت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ بعثت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیرون ملک تجارتی سفر کیے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر آپ کا شام بھی گئے تھے۔ اس کا مقصد سردار ابو طالب کی معاونت تھی، کیونکہ وہ کثیر العیال تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت بھی انھوں نے کی تھی۔ ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: اے میرے بھتیجے! میرے پاس مال و متاع نہیں، گزران زندگی مشکل تر ہوتی جارہی ہے۔ کیا آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان تجارت لے کر شام جانے پر راضی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہار آمادگی فرمایا، پھر حضرت خدیجہ سے بات کی گئی تو انھوں نے بھی آمادگی ظاہر کی۔ اس سفر میں آپ کی ٹیم کو کثیر نفع ملا جو ابو طالب کا بوجھ ہلکا کرنے میں معاون ثابت ہوا۔ (15)

اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گلہ بانی کے ذریعے بھی اپنے چچا ابو طالب کی معاونت کی تھی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لینا بھی ابو طالب کا معاشی بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب کا صرف بوجھ ہی ہلکا نہیں کیا بلکہ انھوں نے جو آپ کا م کی کفالت کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت کر کے چچا کے احسان کا بدلہ بھی چکا دیا۔ مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف کفالت ہی نہ کی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اچھی تربیت بھی فرمائی اور انھیں دامادی کے شرف سے بھی نوازا۔

دور جاہلیت میں خانہ کعبہ کی تعمیر نو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھرپور کردار ادا کیا۔ دیگر افراد کی طرح آپ نے بھی اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مبارک کندھوں پر پتھر اٹھا کر لاتے رہے۔ (16)

پھر آپ نے حجر اسود نصب کرنے کا جھگڑا بھی چکا دیا۔ اسی طرح مسجد قباء اور مسجد نبوی کی تعمیر اور غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی میں بھرپور تعاون فرمایا۔ ایسے پُر مشقت امور میں بنفس نفیس شرکت کر کے اہل ایمان کے جذبات کو گرمایا اور معاونت سے ان کا بوجھ بھی ہلکا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سمال ڈیم کی یہی خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ (17)

''آپ لوگوں پر سے ان کا بوجھ اتارتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی مدد فرماتے، نیز امور خانہ میں اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ہاتھ بٹا کر ان کا بوجھ ہلکا کیا کرتے تھے۔ اس کی گواہی خود ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دیتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امور خانہ میں ہمارے ساتھ

تعاون کیا کرتے تھے، لیکن جیسے ہی نماز کا وقت ہوتا، آپ فوراً نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔(18)

حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہمیں سفر و حضر میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ ہمارے بیمار کی خبر گیری کے لیے تشریف لاتے، ہمارے جنازوں میں شرکت کیا کرتے، ہمارے ساتھ شریک جہاد ہوا کرتے اور ہمیں حاصل شدہ مال کے تناسب سے تھوڑے یا زیادہ مال و متاع سے بھی نوازا کرتے۔(19)

آنحضرت ﷺ کی اختیار کردہ یہ تمام صورتیں امت کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تھیں، وہ بوجھ چاہے مادی ہو یا روحانی۔ آپ نے اپنی امت کو بھی باہمی تعاون کی تاکید کی، جیسے حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے کسی مومن بھائی کو دنیا کی کسی مصیبت و پریشانی سے بچاتا ہے، روز قیامت اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی ہولناکی سے محفوظ رکھے گا، جو کسی جنگ دست کے لیے آسانی کا سبب بنتا ہے، اللہ عز وجل دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانیاں پیدا کرے گا اور جو اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے عیوب چھپا کر رکھے گا۔ مزید فرمایا:

اَللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ(20)

''اللہ تعالیٰ تب تک اپنے بندے کی نصرت و مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کا معین و مددگار بنا رہتا ہے۔''

اہل ایمان کی اس خوبی کو آپ ﷺ نے یوں بھی اجاگر کیا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا (21)

''ایمان والے تو ایک دوسرے کے لیے عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔''

بے کسوں پر خرچ کرنا

رسول اللہ ﷺ کی عمومی سخاوت اور دریا دلی کے حوالے سے باب ۱۱۳ میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ یہاں صرف چند پہلو رقم کیے جائیں گے۔ عرب معاشرے میں عورت اور غلام پسے ہوئے افراد شمار ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں اس قدر عزت و شرف سے نوازا کہ دیگر مذاہب عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک موقع پر سفر کے دوران میں آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ اصحاب رسول پانی کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا کہ ایک عورت اونٹ پر پانی کی مشکیں لیے جا رہی تھی۔ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں حاضر کیا گیا، اس نے بتایا کہ میں اپنے زیر کفالت یتیم بچوں کے لیے پانی لے کر جا رہی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عورت کی اجازت سے اس کا پانی استعمال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اس کے پانی میں کچھ کمی نہ ہوئی لیکن اس کے باوجود آپ نے یتیم بچوں کی کفالت کی وجہ سے اسے مال ومتاع سے نوازا اور فرمایا:

فَاذْهَبِيْ فَأَطْعِمِي هَذَا عِيَالَكِ وَاعْلَمِي أَنَّا لَمْ نَرْزَءْ مِنْ مَائِكِ (22)

''جا کر یہ اپنے بچوں کو کھلاؤ اور جان لو کہ ہم نے تمھارا پانی کم نہیں کیا۔''

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زیر کفالت تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست تعاون بڑھاتے ہوئے ان سے ان کا اونٹ خریدا اور قیمت ادا کرنے کے بعد وہ اونٹ بھی بطور تحفہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو لوٹا دیا۔ (23)

تا کہ ان کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو اور ان کے زیر کفالت یتیم بچوں کے معاملے میں تعاون بھی ہو جائے۔

معاشرے میں قابل نفرت سمجھے جانے والے افراد سے آپ بالکل نفرت نہ کیا کرتے بلکہ ان سے حسن سلوک کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کوڑھی آدمی کو خود اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا اور اسے فرمایا: اللہ کا نام لے کر، اللہ پر اعتماد اور توکل کرتے ہوئے کھاؤ۔ (24)

مہمان نوازی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مہمان نوازی کی خوبی انتہا درجے کی تھی۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کی ہے۔ انھیں حالت کفر میں قید کر کے مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ دشمن ہونے کے باوجود آپ نے ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ اپنے اہل خانہ سے فرمایا: تمھارے پاس جو کچھ کھانے کو ہے، وہ ثمامہ کو پہنچا دو۔ مزید آپ نے دودھ دینے والی ایک بکری بھی مختص کی کہ ثمامہ کو صبح وشام اس کا دودھ پلایا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سلوک اور مہمانداری سے متاثر ہو کر انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (25)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ایک دفعہ مہمان آیا۔ اس کی ضیافت کے لیے آپ نے اپنی تمام ازواج کے ہاں پیغام بھیجا۔ لیکن سوائے پانی کے کہیں سے کھانے کی کوئی چیز نہ ملی۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ترغیب دی تو سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اس مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔ ان کے گھر میں صرف بچوں کے لیے کھانے کو کچھ تھا۔ وہ کھانا اس مہمان کے سامنے پیش کر دیا اور بچوں کو بہلا کر سلا دیا۔ سیدنا ابوطلحہ مہمان کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھے لیکن چراغ گل کرا دیا۔ ان کا

خیال تھا کہ میرے نہ کھانے کا مہمان کو علم نہ ہو اور مہمان پیٹ بھر کر کھا لے۔ رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی خاطر تواضع کا یہ عمل اللہ عزوجل کو اس قدر پسند آیا کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی مدح میں قرآن نازل فرما دیا ہے۔(26)

اس موقع پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ(27)

''وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔''

مذکورہ واقعے میں نبی کریم ﷺ کی مہمان نوازی کا اس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر ایک زوجہ محترمہ کے ہاں پیغام بھیجا۔ جب کچھ نہ میسر آیا تو صحابہ میں اعلان فرمایا:

مَنْ يُضِيفُ هَذَا اللَّيْلَةَ رَحِمَهُ اللهُ(28)

''آج رات کون اس کی مہمان نوازی کرے گا۔ اللہ اس پر رحم فرمائے۔''

آنحضرت ﷺ کے ہاں بکثرت وفود آیا کرتے تھے۔ آپ نے ان کی مہمان نوازی کے لیے حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ان کی بہترین مہمان نوازی کیا کریں۔(29)

آپ ﷺ مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان فرق کیے بغیر ہر ایک کی خوب مہمان نوازی کیا کرتے تھے۔ یہاں آپ ﷺ کے دو فرامین نقل کیے جاتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے مہمان نوازی کا حکم دیا ہے:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو بھی اللہ عزوجل پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے اپنے مہمان کی خوب اہتمام سے خاطر تواضع کرنی چاہیے۔ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! خوب اہتمام سے مہمانی کتنے روز ہو؟ آپ نے فرمایا: ایک دن، ویسے مہمان نوازی تین دن ہے۔ اس کے بعد کی مہمان نوازی اہل خانہ کے لیے صدقہ شمار ہوگی۔(30)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کا اللہ عزوجل پر اور آخرت کے دن پر ایمان ہے، وہ اپنے مہمان کی عزت و تکریم کیا کرے۔(31)

مصائب و آلام میں مدد کرنا

آنحضرت ﷺ کو آغاز اسلام ہی سے مخالفین کے شدید ردعمل، از حد مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ دعوت اسلام کی خاطر آپ نے ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو بھی ظلم و ستم کی چکی میں پیسا گیا، رسیاں باندھ کر چلچلاتی دھوپ اور جھلسا دینے والی گرمی میں پتھریلی زمین پر گھسیٹا گیا۔ آپ کے ماننے والوں پر اس

قدر ظلم ڈھائے گئے کہ چشم فلک نے ایسی ہولناکی کا کبھی مشاہدہ نہ کیا ہوگا۔ اسلام کی خاطر تکلیف والم سے دو چار ہونے والوں کو آپ کا ہم نے کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑا، جس قدر بن پڑا ان کی مدد کی۔ ان کی حوصلہ افزائی کی، انھیں بشارات دیں، صبر و استقامت کی تلقین کی اور ان کے لیے بارگاہ صمدی میں دعائیں کیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت مدینہ پر مہاجرین و انصار میں باہمی اخوت قائم کر کے انھیں مضبوط ایمانی رشتے سے منسلک کیا۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد و نصرت ہی کا ایک انداز تھا۔ مہاجرین مکہ نے اپنے اعزہ واقربا اور مال و متاع چھوڑنے کی جو پریشانی اٹھائی تھی، اس میں تخفیف ہوئی۔ تمام مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے بھائی بھائی قرار پائے۔ راہ حق میں مصائب وآلام سے دو چار اہل ایمان کی آپ مریم نے ہر طرح سے مدد کی۔

تمام غزوات و سرایا سے ملنے والا مال غنیمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے، حتیٰ کہ اپنا خاص حصہ خمس بھی آپ نادار اور ضرورت مند افراد میں تقسیم کر دیا کرتے اور اپنی ذات کے لیے کچھ بھی نہ رکھتے۔ ایک دن تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدید بھوک کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اپنے حالات سے آگاہ کیا۔ آپ اس وقت انھیں اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گئے۔ گھر میں تین بکریاں موجود تھیں۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم تینوں ان کا دودھ استعمال کرتے رہنا۔ یہ ان بکریوں کا دودھ دوہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ رکھ لیتے اور اپنا اپنا حصہ پی لیتے۔ یوں خاصی دیر یہ سلسلہ چلتا رہا۔(32)

ایک بار ایک عورت نے اپنے ہاتھ سے تیار کردہ ایک چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ آپ وہ چادر لیے تشریف لائے تو کسی آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ چادر تو بڑی خوبصورت ہے۔ آپ یہ مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ چادر اس آدمی کو دے دی۔ یہ دیکھ کر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے ملامت کی اور کہا: تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود اس چادر کی ضرورت تھی اور آپ کسی سوالی کو خالی نہیں بھیجتے، پھر تم نے یہ چادر کیوں مانگی؟ اس نے بتایا: میری خواہش تھی کہ اسے اپنا کفن بناؤں۔ پھر ایسا ہی ہوا، وہی چادر ان کا کفن بنی۔(33)

حضرت ام انس رضی اللہ عنہا نے مدینہ آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھجور کے چند درخت ہبہ کیے تا کہ آپ ان کی کھجوریں تناول فرما لیا کریں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سے زیادہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو ضرورت مند سمجھا اور وہ درخت انھیں دے دیے، کیونکہ یہ بھی ہجرت کر کے مدینہ آئی تھیں۔(34)

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اصحاب صفہ کو

بلالانے کا فرمایا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ کو بلالائے۔آپ ﷺ نے پہلے خودنوش کرنے کے بجائے ان غریب الدیار اہل ایمان کوخوب سیر کر کے پلایا اور سب سے آخر میں خودنوش فرمایا۔(35)

اصحاب صفہ کا عموماً نہ تو مدینہ میں کوئی رشتہ دار تھا، نہ گھر بار اور نہ مال ومتاع۔آنحضرت ﷺ قبول حق کی خاطر مصائب جھیلنے والے ان اصحاب کا خاص خیال رکھا کرتے۔آپ کے پاس جو بھی چیز آتی وہ اصحاب صفہ کے ہاں بھیج دیا کرتے۔اگر کوئی کھانے کی چیز ہوتی تو آپ اس میں اصحاب صفہ کو بھی شریک کیا کرتے۔اصحاب صفہ کو ضیوف الاسلام" (اسلام کے مہمان) کہا جاتا تھا۔(36)

قبول اسلام کی پاداش میں غریب الدیار کیے جانے والے اصحاب صفہ کا آنحضرت ﷺ بہت خیال رکھا کرتے تھے۔انھیں دین کی تعلیم دیتے اوران کی ہرطرح کی ضروریات پوری کرتے۔ایک روز رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ کوام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر لے گئے۔جا کر فرمایا:

يَا عَائِشَةُ أَطْعِمِينَا

''اے عائشہ!ہمیں کچھ کھانے کو دو''

آپ کے کہنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں جشیشہ نامی (گندم کا دلیہ اور اس میں گوشت یا کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے) کھانا پیش کیا جو سب نے کھایا۔آپ ﷺ نے پھر فرمایا: عائشہ! ہمیں مزید کچھ کھانے کو دو۔" حضرت عائشہ میں نے حیسہ (کھجور،گھی اور پنیر سے تیار کردہ ایک ڈش ہے) پیش کیا، وہ بھی سب نے مل کر کھایا۔اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يَا عَائِشَةُ أَسْقِينَا

''اے عائشہ!اب ہمیں پینے کو بھی کچھ دو۔''

حضرت عائشہ بھی ملا نے آپ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا جسے رسول اللہ ﷺ سمیت تمام اصحاب صفہ نے نوش کیا۔رسول اللہ ﷺ نے پھر کچھ پلانے کا فرمایا تو حضرت عائشہ نے دوبارہ دودھ کا پیالہ پیش کیا، اسے بھی سب نے نوش کیا۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اصحاب صفہ سے فرمایا: اب اگر یہاں آرام کرنا چاہتے ہو تو سو جاؤ اور اگر مسجد میں جانا چاہتے ہو تو وہاں چلے جاؤ۔اس پر یہ سب مسجد میں چلے گئے۔(37)

آنحضرت ﷺ کی تمام زندگی ہی مخلوق خدا کی خدمت سے تعبیر ہے۔حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی خاطر

مدارات میں آپ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ انھیں ہر ممکن سہولت مہیا کرنے کی جستجو کرتے اور ان سے انتہائی اعلیٰ اخلاق سے پیش آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل کے ساتھ ساتھ اپنے فرامین سے بھی مسلمانوں کو امداد باہمی کی بہت تاکید کی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ کی ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی ہر حالت میں مدد کیا کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مظلوم کی مدد تو میں کروں گا لیکن ظالم کی مدد میں کیسے کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذَٰلِكَ نَصْرُهُ (38)

"تم اسے ظلم سے روکو گے تو یہی اس کی مدد ہوگی۔"

اس ظلم میں تمام طرح کے ظلم شامل ہیں۔ چاہے وہ ظلم اخلاقی ہو یا معاشرتی، معاشی ہو یا سیاسی۔ اگر کسی مسلمان بھائی پر ظلم ہو رہا ہو تو اس کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیے اور ظالم کو ظلم سے روکنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک غلام آزاد کیا۔ اس نے اپنی آزادی پر بطور نصیحت پوچھا: اے اللہ کے رسول! میں کس کس کی مدد کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر مومن کی۔ (39)

حدیث قدسی ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا: میری وجہ سے باہمی محبت کرنے والوں کے لیے میری محبت واجب ہے۔ میری رضا کی خاطر ایک دوسرے سے میل جول رکھنے والوں کے لیے بھی میری محبت واجب ہے۔ میری رضا کی خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرنے والے بھی میری محبت کے حقدار ہیں۔ ایسے ہی میری خاطر آپس میں سچ بولنے والے بھی میری محبت کے مستحق ہیں۔ (40)

مسلمان بھائی کی امداد کرنے کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: جس کی موجودگی میں کسی مومن کو ذلیل و رسوا کیا جا رہا ہو اور وہ استطاعت کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو ایسے آدمی کو اللہ عزوجل روز قیامت ساری مخلوق کے سامنے ذلیل و رسوا کرے گا۔ (41)

باہمی نصرت و تعاون کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کچھ اس انداز سے بھی فرمایا: "مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک مسلمان اپنے بھائی کی نہ تو خیانت کرتا ہے، نہ اسے جھوٹا قرار دیتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ تمام مسلمانوں کی عزت و آبرو، مال و متاع اور خون ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ تقویٰ تو یہاں سینے میں ہے۔ آدمی کی ناکامی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے۔ (42)

اس حدیث مبارکہ میں بیان کردہ تمام صورتیں باہمی اخوت کے فروغ اور ہر طرح کے احوال وظروف میں بندہ مومن کی نصرت وحمایت سے متعلق ہیں۔

صداقت وامانت

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف بیان فرمائے تھے، ان میں یہ بھی تھے۔ آپ تو بات کے بچے اور امانتدار ہیں۔

تصدق الحدیث وتؤدی الأمانۃ(43)

رسول اللہ ﷺ کے ان اوصاف کے مشرکین مکہ بھی معترف تھے۔ وہ آپ کو صادق اور امین کہا کرتے تھے، چنانچہ وہ اپنی امانتیں آپ ﷺ کے سپرد کرتے تھے۔ آپ کے صدق دامانت سے ہر کوئی واقف تھا۔ ایک بار آنحضرت ﷺ کے مال تقسیم کرنے پر کسی نے تحفظات کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ، يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً(44)

"کیا تم مجھے امین تسلیم نہیں کرتے، میں تو آسمان کے مالک کے ہاں بھی امین ہوں۔ میرے پاس تو صبح وشام آسمان سے وحی آتی ہے۔"

ایک بار آنحضرت ﷺ نے ادھار کپڑا لینے کے لیے ایک صحابی کو کسی یہودی کے پاس بھیجا۔ اس نے جا کر یہودی سے بات کی تو وہ بولا: مجھے معلوم ہے کہ محمد (ﷺ) کیا چاہتا ہے، وہ میرا مال ہتھیانا چاہتا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس بات کا جب رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آدمی بالکل جھوٹ کہہ رہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ امانتداری کی لاج رکھنے والا ہوں۔ (45)

مشرکین مکہ آپ ﷺ کی عداوت اور دشمنی میں حد سے بڑھ گئے۔ ہجرت کی رات انھوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنالیا تھا لیکن قربان جائیں رسول امین ﷺ کے، آپ کو انھی دشمنوں کی امانتیں واپس کرنے کی فکر لاحق تھی۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لگائی اور خود اللہ تعالیٰ کے حکم پر مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے۔ (46)

بیت المقدس میں دربار ہرقل میں سردار مکہ ابوسفیان نے آپ کی صفات وعادات بیان کیں۔ جب آپ کی امانتداری اور راست گوئی کا بھی تذکرہ کیا گیا جس پر ہرقل نے کہا تھا:

هذه صفة نبی (47)

''پیغمبرانھی فضائل کے حامل ہوا کرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے صدق وامانت کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا اور اس کے بارے میں اپنی امت کو بیش بہا ہدایات بھی دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان چار صفات کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا: امانتداری، حق گوئی، حسن اخلاق اور حلال روزی۔ (48)

چھ چیزوں کی ضمانت پر آنحضرت ﷺ نے جنت کی ضمانت دی ہے۔ سچ بولنا، وعدہ پورا کرنا، امانت کا خیال رکھنا، پاکدامنی اختیار کرنا، نظر کی حفاظت کرنا اور اپنے ہاتھوں سے کسی کو تکلیف نہ دینا۔ (49)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سچا اور امانتدار مسلمان تاجر روز قیامت انبیائے کرام، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔ (50)

رسول اللہ ﷺ نے سچائی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: "سچ کو تھامے رکھو کیونکہ سچ نیکی کے راستے کھولتا ہے اور نیکی جنت کی رہنمائی کرتی ہے۔ ہمیشہ سچ بولنے والا اور سچ ہی کی جستجو میں رہنے والا بارگاہ الٰہی میں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ (51)

آپ کسی نے جھوٹ، وعدہ خلافی اور امانت میں خیانت کو منافق کی علامتیں قرار دیا ہے۔ (52)

یہاں تک آنحضرت ﷺ کی ان عادات وخصائل کا تذکرہ ہے جو ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آغاز بعثت کے وقت بیان کی تھیں۔ اب آپ ﷺ کے دیگر اوصاف عالیہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی سادہ زندگی

رسالت مآب ﷺ کی مبارک عادات وخصائل میں سے آپ کی سادگی بھی ہے۔ صبر وقناعت سے عبارت آپ کی سادگی بھی امت کے لیے مثالی اُسوہ ہے۔ آپ ﷺ کی سادگی اختیاری تھی نہ کہ اجباری۔ آپ کا اگر چاہتے تو دیگر شاہانِ عالم سے بڑھ کر شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے رضائے الٰہی کی خاطر مثالی سادہ زندگی بسر فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کی سادہ زندگی مبارک کو پروفیسر عبدالقیوم نے بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

حضرت رسول اکرم ﷺ بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُٹھنے بیٹھنے، پہننے اوڑھنے، کھانے پینے کی چیزوں میں

کوئی تکلف نہ تھا۔ جو کھانا سامنے آتا کھا لیتے، کپڑا جو مل جاتا پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے۔ سامان کی آرائش سے نفرت تھی۔ آنحضرت ﷺ مویشی کو چارا خود ڈال دیتے۔ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے۔ گھر میں صفائی کر لیتے۔ بکری دوہ لیتے، خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے، خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے۔ خود جا کر بازار سے سودا سلف خرید لیتے اور خود اسے اُٹھا لاتے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کو سلام پہلے کر دیا کرتے۔ رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے۔ ہر امیر غریب کی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ جوتا پھٹ جاتا تو خود گانٹھ لیتے اور کپڑے کو پیوند لگا لیتے تھے۔ (53)

آپ ﷺ کی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ برابر ایک ایک مہینہ ہمارے چولھے میں آگ روشن نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کا کنبہ پانی اور کھجور پر گزران کرتا۔ (54)

یہ حالت ماہ رمضان کے علاوہ تھی۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے مدینے تشریف لانے کے بعد مسلسل تین دن کی گیہوں کی روٹی کبھی نہیں کھائی تھی۔ (55)

آنحضرت ﷺ نے ہاتھ سے کام کرنے کو کبھی عار نہیں سمجھا اور نہ کبھی محنت مشقت سے جی چرایا۔ جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ ﷺ پتھر اُٹھا اٹھا کر معماروں کے پاس لاتے تھے۔ (56)

مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت بھی خود کام کرتے رہے۔ (57)

جنگ خندق کے موقع پر مدینے کے ارد گرد خندق کھودنے میں ہاتھ بٹایا اور دست مبارک سے بڑے بڑے پتھر توڑے۔ (58)

آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ بیوہ یا مسکین کے ساتھ چل کر اس کا کام بخوشی کر دیتے تھے۔ (59)

حضرت رسول اکرم ﷺ اتنی سادہ زندگی بسر کرتے تھے کہ باہر سے آنے والوں کو آپ ﷺ کو پہچاننا مشکل ہوتا تھا۔ (60)

ایک دفعہ حضرت رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفر میں تھے کہ ساتھیوں نے کھانا تیار کرنے کا ارادہ کیا۔ سب نے تھوڑا بہت کام کرنے کا ذمہ لیا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ بھی ہاتھ بٹانے کے لیے اُٹھے اور جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کرنے لگے۔ (61)

ایک دفعہ کسی نے ایک خوبصورت ریشمی جوڑا آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

عنایت فرمایا، وہ پہن کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تو اس لیے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادریں بنائی جائیں۔(62)

ایک مرتبہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی۔ آپ ﷺ نے پہن کر اتار دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی تا کہ اس کو فروخت کر دیا جائے۔(63)

9 ھجری میں جبکہ یمن سے شام تک اسلام کا ڈنکا بج چکا تھا اور اسلام کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ آنحضرت ﷺ اسلامی ریاست کے سربراہ بھی تھے اور سپہ سالار اعظم بھی۔ اس وقت بھی آپ ﷺ کے گھر میں صرف ایک کھری چار پائی اور ایک چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا۔(64)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا۔(65) چراغ کے لیے تیل ایک ہمسایہ سے مانگ کر لیا تھا۔(66)

حضرت رسول اکرم ﷺ کو سادہ زندگی سے اتنی محبت تھی کہ آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! آل محمد کو صرف اتنا دے، جتنا پیٹ میں ڈال لیں۔(67)

آنحضرت ﷺ ایک دفعہ چٹائی پر لیٹے آرام فرما رہے تھے۔ جب اُٹھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ بدن مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔ عرض کی کہ یا رسول اللہ! اجازت ہو تو آپ کے لیے کوئی گدا بنوا لائیں۔ فرمایا: "مجھ کو دنیا سے صرف اتنا تعلق ہے جتنا اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جائے، وہ اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔(68)

وعدے کی پاسداری

اللہ تعالیٰ نے وعدے کی پاسداری کو حقیقی اہل ایمان اور کامیاب لوگوں کی نشانی قرار دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ سب سے بڑھ کر وعدے کی پاسداری کرنے والے تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد یہود سے عہد و پیمان ہوئے۔ آپ ﷺ نے ہر ممکنہ حد تک ان کی پاسداری کی، لیکن یہود نقض عہد کے مرتکب ہوئے جس کی پاداش میں انھیں سزا دی گئی۔(69)

یا صلح حدیبیہ میں مشرکین مکہ سے آپ نے جو معاہدہ کیا، اس کی پاسداری میں بھی آپ نے بے مثال نمونہ پیش کیا۔ معاہدے میں طے ہوا تھا کہ مکہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مسلمانوں سے آملے گا تو اسے کفار کو واپس کر دیا جائے گا جبکہ مرتد ہونے والا شخص مسلمانوں کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ معاہدے کی اس شق کی رو سے آپ ﷺ نے اپنے صحابی حضرت

ابوجندل رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا۔ یہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے کفار کی قید سے بھاگ آئے تھے۔ یہ چیز اہل ایمان کے لیے انتہائی پریشان کن اور تکلیف دہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو واپس کرتے وقت فرمایا تھا کہ ہمارا ان لوگوں سے معاہدہ ہو چکا ہے، اس لیے ہم ان سے کیے گئے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرنا چاہتے۔ (70)

ایک بار کسی آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خرید وفروخت کا معاملہ کیا۔ اس کے ذمے ابھی کچھ اور ادائیگی باقی تھی۔ وہ آپ کو وہیں چھوڑ کر بقیہ رقم کی ادائیگی کے لیے گھر گیا لیکن کسی وجہ سے واپس آنا بھول گیا۔ تین دن بعد اچانک اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خیال آیا تو فوراً بھاگا بھاگا واپس پہنچا۔ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی جگہ بیٹھے تھے جہاں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے صرف اتنا فرمایا کہ تمہارے سبب مجھے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ تین دن سے میں تمہارا یہیں انتظار کر رہا تھا۔ (71)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایفائے عہد کی روشن مثالیں خود بھی قائم فرمائیں اور اپنی امت کو بھی اس کی تلقین کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد و پیمان اور وعدے کی پاسداری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وعدے کی پاسداری نہ کرنے والے کے دین کا اعتبار ہی نہیں۔ (72)

نقض عہد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔ (73)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فرمان ہے: میری امت کے خلاف بغاوت کر کے ان کے ہر اچھے اور برے کو قتل کرنے والے، مومن کا لحاظ نہ کرنے والے اور کسی سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو خاطر میں نہ لانے والے کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ میرا اس سے کوئی ناتا ہے۔ (74)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نقض عہد کی اس قدر سنگینی بیان فرمائی کہ جو لوگ اللہ تعالی اور اپنے پیغمبر سے کیے ہوئے معاہدوں کا لحاظ نہیں رکھتے، اللہ ان پر ایسے دشمن مسلط کر دے گا جو ان کی املاک ومقبوضات بھی لے اڑیں گے۔ (75)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جرم کی مزید ہولناکی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ قَطُّ إِلَّا كَانَ الْقَتْلُ بَيْنَهُمْ (76)

"جو بھی قوم نقض عہد کی مرتکب ہو، ان میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں کی بھی پاسداری کرتے تھے۔ عسکری مہمات کے لیے روانہ کرتے ہوئے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیا کرتے تھے۔ (77)

شرم وحیا

شرم وحیا ایک عظیم نعمت ہے۔ اس کی بدولت انسان برے اعمال کے ارتکاب سے بچتا ہے اور قابل ملامت امور سے اجتناب کرتا ہے۔ ہر سلیم الفطرت انسان اس سے متصف ہوتا ہے۔ احوال وظروف کے اعتبار سے اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ امام جرجانی کہتے ہیں: حیا کا مطلب ہے کسی چیز کے متعلق نفس میں گھٹن پیدا ہونا اور لوگوں کی ملامت کے خوف سے اسے اختیار نہ کرنا۔

حیا کی دو قسمیں ہیں:

1. نفسانی حیا
2. ایمانی حیا

نفسانی حیا سے مراد وہ حیا ہے جو اللہ عزوجل نے تمام نفوس میں ودیعت کی ہے، جیسے جسم کا قابل ستر حصہ ننگا کرنے سے حیا کرنا اور لوگوں کے سامنے خواہشات نفسانی کی تکمیل سے احتراز برتنا۔

ایمانی حیا سے مراد وہ حیا ہے جس کی بدولت بندہ مومن اپنے پروردگار سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی ترک کر دیتا ہے۔ (78)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ نے مختلف اعتبار سے حیا کی دس اقسام بیان کی ہیں جو فی الجملہ حیا کی مذکورہ دو اقسام کے تحت ہی آتی ہیں۔ (79)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں طرح کی حیا سے بدرجہ اتم متصف تھے۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا (80)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلوت نشین دوشیزہ سے بھی بڑھ کر حیادار تھے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خوبی کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

" كَانَ النَّبِيُّ ﷺ شَدِيدَ الْحَيَاءِ (81)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ہی حیادار تھے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خصلت کے حوالے سے چند مثالیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ لیٹنے کی وجہ سے آپ کی پنڈلیوں سے

کپڑا ہٹا ہوا تھا،لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہاں آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اپنے کپڑے درست کر لیے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چلے جانے کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس سے حیا کیوں نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔(82)

ایک بار کسی عورت نے غسل حیض کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا۔آپ نے شرم وحیا کی بنا پر مجمل سے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔لیکن اس کے بار بار استفسار پر آپ نے اپنا چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا۔پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کو الگ لے جا کر مسئلہ سمجھایا۔(83)

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظریں جھکا کر چلا کرتے۔کم ہی آپ اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھاتے تھے۔زیادہ تر آپ ایک نظر ہی ڈالتے تھے۔(84)

اس پاکیزہ صفت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو بھی تلقین فرمائی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: شرم وحیا ایمان کا حصہ ہے۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”حیا سے ہمیشہ خیر برآمد ہوتی ہے۔حیا ہر چیز کی خوبصورتی کا موجب ہے۔“(85)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرم وحیا کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”حیا اور ایمان لازم وملزوم ہیں۔ایک کے رخصت ہونے پر دوسرا خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔(86)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چار چیزیں شیوۂ پیغمبری بتائی ہیں: شرم وحیا،خوشبو لگانا،مسواک کرنا اور شادی کرنا۔(87)

حیا واحد پاکیزہ ایمانی جذبہ ہے جس کی بدولت انسان اور حیوان کے مابین فرق ظاہر ہوتا ہے۔اس کے بغیر ان کے عمل وکردار میں فرق کرنا ناممکن ہے۔اس لیے تو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم میں حیا نہ رہے تو پھر جو چاہو کرو۔(88)

آج نوع انسانی اس قدر شرم وحیا سے عاری ہوتی جا رہی ہے کہ روشن خیالی،ترقی اور آزادی کے پرفریب نعروں کے نیچے مسلمانی تو کیا انسانیت ہی دب گئی ہے۔

خوش طبعی

اچھی عادات میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے رفقا کے ساتھ گھل مل کر رہا جائے۔خصوصاً جب کوئی عظیم قائد یا سربراہ عام لوگوں کے ساتھ میل جول میں کوئی دقت محسوس نہ کرے اور کوئی فاصلہ نہ رکھے تو اسے بہت پذیرائی ملتی ہے۔رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کی مجالس میں شریک ہوتے تو ان سے خوش طبعی اور مزاح بھی کیا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس عادت مبارکہ کے متعلق کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزاح کیا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مزاح کرلیا کرتے تھے۔(89)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش مزاجی کے بارے میں کتب احادیث میں متعدد واقعات مذکور ہیں جن سے آپ کے اعلیٰ اخلاق حسن، کردار، خوش مزاجی اور عظیم عادات وخصائل کا خوب اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کم عمران کے ایک بھائی ابوعمیر تھے۔انھوں نے (نغیر نام کا) ایک پرندہ پالا ہوا تھا جس سے وہ کھیلا کرتے تھے۔ایک دن وہ پرندہ مرگیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں پریشان دیکھ کر وجہ پوچھی۔ بتایا گیا کہ ان کا پرندہ مرگیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مزاحاً فرمایا:

يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ

''ابوعمیر! نغیر کا کیا بنا؟

اس کے بعد جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی سے ملاقات ہوتی، آپ مزاحاً فرمایا کرتے ابوعمیر! پرندے کا کیا بنا؟(90)

حضرت زاہر بن حرام رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں، یہ مدینہ سے باہر ایک گاؤں میں سکونت پذیر تھے۔ یہ جب بھی مدینہ آتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گاؤں کا کوئی نہ کوئی تحفہ لایا کرتے۔ واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انھیں نوازا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہمارے دیہاتی دوست ہیں اور ہم ان کے شہری دوست ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ زاہر رضی اللہ عنہ زیادہ خوبصورت نہ تھے۔ ایک روز منڈی میں سامان فروخت کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے سے آکر انھیں پکڑ لیا۔وہ کہنے لگے، کون ہے؟ مجھے چھوڑو۔

بعد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں مزاحاً فرمانے لگے: یہ غلام کون خریدے گا؟ وہ بولے: اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ غلام بہت کم قیمت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجلّ کے ہاں تم کم قیمت نہیں ہو۔(91)

ایک دفعہ کسی آدمی نے سواری کے لیے آپ سے اونٹ کا مطالبہ کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزاح کرتے ہوئے فرمایا: میں تجھے سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ وہ آدمی بڑے تعجب سے کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں اونٹنی کا بچہ کیا کروں

گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔(92)

ایک بار ایک انصاری بوڑھی عورت آنحضرت ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی اور دخول جنت کی دعا کے لیے درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں کوئی بوڑھی نہیں جائے گی۔" وہ روتی ہوئی واپس جانے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: بوڑھے جوان ہو کر جنت میں جائیں گے۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ۔ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا (93)

''ان کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انھیں کنواری بنا دیں گے۔""

آپ ان کی خوش مزاجی کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے مزاح اور خوش طبعی کے رویوں میں نہ تو کسی کی دل آزاری تھی اور نہ تحقیر و مذاق۔ آپ ﷺ نے خوش طبعی کی اجازت کے ساتھ اس کی حدود بھی مقرر کی ہیں۔ خوش طبعی اور مزاح کرتے ہوئے کسی کا مذاق اڑانے کی ممانعت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہنسی مزاح میں کسی کی کوئی چیز اٹھانے یا چھپانے سے منع فرمایا ہے تاکہ آدمی پریشان نہ ہو۔ اسی طرح مزاحاً کسی کو ڈرانے دھمکانے سے بھی منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے مزاح میں بھی جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ حدیث ہے کہ آدمی کا ایمان جب تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ مزاح میں بھی جھوٹ ترک نہ کر دے بلکہ آپ ﷺ نے خوش طبعی اور مزاح میں بھی جھوٹ نہ بولنے والے کو جنت کے وسط میں کل سے نوازے جانے کی بشارت دی ہے۔(94)

آنحضرت ﷺ کا مسکرانا

خوش طبعی، مزاح اور مسکرانا لازم و ملزوم ہیں۔ مزاح کے ساتھ ساتھ آپ کا ہنسنے اور مسکرانے کا انداز بھی کتب سیرت و تاریخ میں محفوظ ہے۔ آپ کی حیات طیبہ کا کوئی گوشہ بھی امت سے مخفی نہیں اور نہ انسانی زندگی کا کوئی ایسا لمحہ اور حصہ ہے جس کے بارے میں آپ اللہ کی ہدایات موجود نہ ہوں۔ انھی میں سے ایک آپ ﷺ کا ہنسنا اور مسکرانا ہے۔ آپ کی اس عادت مبارکہ کے متعلق بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے مشاہدے کا تذکرہ کیا ہے۔ دوسروں کی نسبت انسان اپنے اہل خانہ سے بے تکلفی سے پیش آتا ہے۔ گھریلو زندگی میں آپ کی عادت مبارکہ کیا تھی؟ آپ کی رفیقہ حیات ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس قدر زور سے ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے گلے کا کوا نظر آنے لگے۔ آپ ﷺ تبسم ہی فرمایا کرتے تھے۔(95)

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اظہار فرحت کے لیے صرف مسکرا دیتے تھے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ آپ زیادہ تر مسکرایا ہی کرتے تھے۔(96)

ہنسنے کا مطلب ہے منہ کھول کر آواز سے کھلکھلانا، جبکہ مسکرانے اور تبسم کا مفہوم ہے بغیر منہ کھولے چہرے پر فرحت اور خوشی کے اثرات ظاہر ہونا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہنسنے اور تبسم فرمانے کے بارے میں متعدد روایات مذکور ہیں۔ایک روز چند قریشی خواتین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باآواز بلند باتیں کر رہی تھیں۔اس دوران میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ان کا سن کر وہ عورتیں بھاگ کر چھپ گئیں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسنے لگے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو یوں ہی خوش وخرم رکھے۔ پھر انھوں نے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو عورتیں میرے پاس ابھی موجود تھیں مجھے ان پر ہنسی آ رہی ہے، وہ تمھارے آنے پر جلدی سے چھپ گئی ہیں۔(97)

غزوہ حنین کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شریک جہاد خواتین میں سے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس خنجر دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے گا تو میں یہ خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دوں گی۔حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر آپ مسکرانے لگے۔(98)

ایک بار دوران خطبہ جمعہ کچھ لوگوں نے آپ سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔آپ نے دعا فرمائی تو ہفتہ بھر بارش ہوتی رہی۔اگلے جمعے لوگوں نے آپ سے بارش رکنے کی دعا کے متعلق درخواست کی تو یہ سن کر آپ مسکرانے لگے۔پھر بارش رکنے کی دعا مانگی جس سے مطلع صاف ہو گیا۔(99)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرے قبول اسلام کے بعد جب بھی نبی سلام کی مبارک نظریں میرے چہرے پر پڑتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرمایا کرتے۔(100)

کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھلکھلا کر بھی ہنس لیا کرتے تھے، جیسے ایک یہودی عالم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا: اے محمد! ہم نے پڑھ رکھا ہے کہ روز قیامت تمام آسمان اللہ عزوجل کی ایک انگلی پر ہوں گے، تمام زمینیں ایک انگلی پر ہوں گی، تمام درخت ایک انگلی پر ہوں گے، پانی اور تمام مال ودولت ایک انگلی پر ہوں گے اور تمام مخلوقات ایک انگلی پر ہوں گی۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: صرف میں بادشاہ ہوں۔اس یہودی عالم کی باتیں سن کر آنحضرت سلیم اس قدر کھلکھلا کر ہنسے کہ آپ کی داڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ(101)

''انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کرنے کا حق ہے، حالانکہ ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

غزوہ احد میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر جب دوبارہ حملہ ہوا، اس موقع پر ایک مشرک مسلمانوں کو خاصا نقصان پہنچا رہا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں مشرکین پر تیر برسا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں! خوب تیر برساؤ وہ مشرک سامنے آیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے بغیر پھل والا تیر مارا۔ جیسے ہی تیر اسے لگا، وہ آدمی نیچے گرا اور ننگا ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس کارنامے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب ہنسے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں مبارک دکھائی دینے لگیں۔(102)

کتب سیرت و حدیث میں ایسے خوش نصیبوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسکراہٹ کا سبب بنے، جیسے حمار لقب کے عبداللہ نامی صحابی کے بارے میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی وجہ سے کئی بار ہنسے۔(103)

اسی طرح حضرت نعیمان بن عمرو انصاری بھی لیڈ کا بھی ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش طبعی کے لیے کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ کتب میں ان کی خوش طبعی کے متعدد واقعات بھی مذکور ہیں۔(104)

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مذکور ہے کہ کبھی کبھار وہ بھی آپ کو ہنسانے کی غرض سے کوئی بات کر دیا کرتی تھیں۔(105)

منقول ہے کہ درج ذیل آیات مبارکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنسنا ترک کر دیا تھا، صرف تبسم ہی فرمایا کرتے تھے:

أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ(106)

''کیا اس بات پر تم تعجب کرتے ہو؟ ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔''

آنحضرت اللہ نے بے ہنسنے ہنسانے کے بھی اصول بیان فرمائے۔ اسلام نے بندہ مومن کو اس قدر آزاد نہیں چھوڑا کہ وہ ہنسانے کی غرض سے غلط بیانی کرے بلکہ ایسے طرز تکلم کی شدید مذمت کی اور بارہا اسے اکت و تباہی کا باعث قرار دیا۔ ارشاد نبوی ہے:

وَيْلٌ لِلَّذِىْ يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ، وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ(107)

''وہ آدمی تباہی اور بربادی کا حقدار ہے جو لوگوں کو ہنسانے کی غرض سے جھوٹ بولتا ہے۔ ایسا آدمی تباہ و برباد ہو، ایسا آدمی تباہ و برباد ہو۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے فعل پر بھی ہنسنے سے منع فرمایا جس میں آدمی کا اختیار نہ ہو اور جو انسان کی تحقیر استہزاء کا سبب بنے، جیسے آپ نے کسی کی ہوا خارج ہونے پر بھی ہنسنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: تم اس عمل پر کیوں ہنستے ہو جو تم خود بھی کرتے ہو۔" (108)

پروردگار عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوع انسانی کو فرمایا:

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا (109)

''لوگوں کو کم ہنسنا اور زیادہ رونا چاہیے۔''

ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسی مزاح کم سے کم کیا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ (110)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز گفتگو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لحاظ سے تمام نوع انسانی سے ممتاز تھے۔ عمل و کردار کے لحاظ سے بھی اور قول و گفتار کے اعتبار سے بھی۔ آپ کا انداز گفتگو انتہائی شاندار اور عدیم المثال تھا۔ آپ کی بات بالکل واضح اور جامع ہوا کرتی تھی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھاری طرح رکے بغیر اور جلدی جلدی بات نہیں کرتے تھے۔ آپ کا انداز تکلم بہت ہی واضح، آسان اور ٹھہراؤ سے مزین ہوتا تھا۔ ہر سننے والا آپ کی بات سن کر یاد کر لیتا۔ (111)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک گفتگو ایسے پروقار انداز سے ہوتی تھی کہ اگر کوئی کلمات شمار کرنا چاہتا تو کر لیتا۔ آپ اس قدر آسان اور واضح کلام فرمایا کرتے کہ ہر سننے والا سمجھ بھی لیا کرتا تھا۔ (112)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو انتہائی عمدہ، بہترین اسلوب سے مزین اور روانی سے بھرپور ہوا کرتی تھی۔ بات کی اہمیت و افادیت اور تفہیم و تعلیم کی غرض سے آپ بات کو تین بار بھی دہرایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کبھی ایک لفظ بھی بار بار دہرایا کرتے تھے۔ (113)

آپ بغیر مقصد کے بیجا بات سے گریز کرتے، اکثر خاموش ہی رہا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی بات کرتے تو آپ کی بات جوامع الکلم پر مشتمل ہوتی۔ نہ تو اس میں بے جا طوالت ہوتی اور نہ باعث تشویش اختصار ہوتا ہے۔ (114)

امام ابن قیم نبی کریم ﷺ کے انداز تکلم کے بارے میں لکھتے ہیں: نبی ﷺ تمام نوع انسانی سے بڑھ کر فصیح اللسان تھے، شیریں بیان تھے اور الفاظ کی ادائیگی اور گرفت کا اعلیٰ ملکہ رکھتے تھے۔ آپ کی بات دلوں میں اتر جایا کرتی جس سے روحیں آپ کی گرویدہ ہو جاتی تھیں۔ آپ کی اس خوبی کے معترف دشمن بھی تھے۔(115)

آنحضرت ﷺ کے کلام میں سلاست، روانی، فصاحت، بلاغت اور جامعیت جیسی تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اس کی شہادت خود آپ کی زبان مبارک سے ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ(116)

''میں عرب بھر سے فصیح اللسان ہوں۔''

آنحضرت ﷺ کا کلام مبارک دنیا بھر کے ادباء، بلغاء اور فصحاء سے بڑھ کر تھا۔ آپ ٹھہر ٹھہر کر دھیمے انداز سے گفتگو فرماتے تھے جیسے موتی جھڑ رہے ہوں۔ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: آپ ﷺ شیریں گفتار تھے۔ آپ کی بات نہایت واضح تھی، کلام میں نہ تو نقص تھا اور نہ بے جا بھرتی بلکہ اس قدر منظم کلام تھا جیسے لڑی میں پروئے ہوئے موتی ترتیب وار جھڑ رہے ہوں۔(117)

نبی مکرم ﷺ کا کلام انتہائی شیریں اور آسان ہوتا اور دل و دماغ میں جاگزین ہو جاتا۔ ابہام، الجھاؤ، تکلف اور بے اعتدالی سے پاک ہوتا۔ الفاظ سادہ اور عام فہم ہوتے۔ آپ کی اسی فصاحت و بلاغت پر سیدنا ابوبکر صدیق ہیں وہ بھی حیران ہوئے۔ انھوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو یہ سب کچھ کس نے سکھایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پروردگار نے۔(118)

صبر وتحمل

آنحضرت ﷺ کی عادات و خصائل میں سے ایک اہم ترین خصلت صبر و تحمل بھی ہے۔ پیغام ربانی کی نشر و اشاعت کے لیے صبر و تحمل انتہائی ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تبلیغ دین کی خاطر سب سے زیادہ مصائب و آلام کا سامنا کیا۔ مشرکین نے آپ پر اور آپ کے پیروکاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے۔

اہل مکہ کے اس قدر مظالم کے باوجود آپ مریم نے دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ متوقع اور ممکنہ نتائج نہ ملنے پر آپ ﷺ نے دعوت کا رخ بدلنا چاہا۔ اس کے لیے آنحضرت ﷺ اہل طائف کے ہاں گئے۔ انھوں نے عوت قبول کرنے کے بجائے اہل مکہ سے بھی بڑھ کر مظالم توڑے۔ یہ آپ ﷺ کی زندگی کا مشکل ترین موقع تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے

خود بھی اس بارے میں فرمایا ہے۔اس کے باوجود آپ نے صبر قتل کا بے شل اور پیش کیا اور فرمایا:"میرے پروردگار! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ یہ نادان ہیں۔(119)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر وتحمل کی عدیم النظیر مثالیں پیش کیں۔آپ نے اس دیہاتی کو بھی معاف کر دیا تھا جس نے آپ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر بل دیے تو آپ کی گردن پر نشانات پڑ گئے تھے۔آپ نے اس کی بدتمیزی اور بدکلامی کے باوجود اسے معاف ہی نہیں کیا بلکہ مسکراتے ہوئے اسے مال ومتاع سے بھی نوازا۔(120)

ایک بار کچھ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں آئے۔انھوں نے السلام علیکم کہنے کے بجائے السام علیکم کہا۔اس کے معنی ہیں تم پر موت طاری ہو۔ان کی اس ہرزہ سرائی پر ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں نے سخت ردعمل کا اظہار کیا،لیکن صبر وتحمل کے پیکر حضرت محمد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایسی سخت گفتگو سے منع فرمایا اوران بدکردار یہود کو کچھ بھی نہ کہا۔(121)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری ایام انتہائی پر تکلیف تھے۔مرض الوفات میں آپ پر متعدد بار غشی طاری ہوئی۔اس کے باوجود آپ نے صبر وتحمل کا دامن تھامے رکھا۔آنحضرت سلیہ نے اپنی امت کو بھی صبر وتحمل کا درس دیا اور اس کے منافی تمام امور سے بچنے کی رہنمائی فرمائی۔جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:اصل بہادری مدمقابل کو پچھاڑ نا نہیں بلکہ غصے کے وقت خود کو قابو میں رکھنا ہے۔(122)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر وتحمل کی بہت ہی عمدہ انداز میں تعلیم دی ہے۔آپ کا فرمان ہے: مومن کے تو کیا ہی کہنے! اس کے لیے ہر حال میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔خیر اور بھلائی ملنے پر اللہ تعالی کا شکر ادا کر کے اجر وثواب پا لیتا ہے اور مصیبت و پریشانی میں صبر کر کے اجر وثواب کا حقدار ٹھہرتا ہے۔(123)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فرمان ہے: جو بھی مومن اپنی آنکھوں کے چھن جانے پر اجر وثواب کی نیت سے صبر کرتا ہے،اس کا ٹھکانا صرف اور صرف جنت ہے۔(124)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو حصول نور کا باعث ،صدقہ و خیرات کو برہان اور صبر کو حصول روشنی کا سبب قرار دیا۔(125)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے مسلمان کو جہنم سے آزادی کا پروانہ عنایت کیا ہے جو بیٹیوں کی صورت میں آزمائش پر اجر وثواب کی نیت سے صبر کرتا ہے۔(126)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:" خود کو صبر کا عادی بنانے والے کو اللہ تعالیٰ نعمت صبر سے نواز دیتا ہے۔اللہ طرف سے

عطا ہونے والی نعمتوں میں سب سے بہتر اور عمدہ چیز صبر ہے۔(127)

اللہ تعالیٰ نے جن چار امور کی بنیاد پر انسان کی نجات اور فلاح و کامیابی کی ضمانت دی ہے، ان میں سے ایک تواصی بالصبر ہے۔تواصی بالصبر کا مطلب ہے: ایک دوسرے کو صبر کی تلقین و نصیحت کرنا۔

صبر و تحمل اللہ کی ایسی نعمت ہے جس کی بدولت انسان مشکل سے مشکل حالات میں بھی اپنا راستہ بنالیتا ہے اور کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔آج کے پرخطر حالات میں اسلام پر کاربند رہنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے صبر و تحمل کا خوگر بننا انتہائی ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عجز و انکسار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عجز و انکسار اور تواضع جیسی عظیم صفات سے بھی بدرجہ اتم متصف تھے۔تواضع کا مطلب ہے کہ اللہ عزوجل کے احکامات دل و جاں سے تسلیم کرتے ہوئے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔تواضع اگر انسانوں کے سامنے ہو تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ کسی کی عزت و تعظیم کی خاطر خود کو اپنے حقیقی مرتبے سے بھی کم ظاہر کرنا اور فضیلت و منصب میں اپنے سے بڑے کی عزت و تکریم کرنا۔(128)

ظاہری نمود و نمائش سے پرہیز بھی اس میں شامل ہے۔غرور و تکبر نمود و نمائش اور بڑے پن کا اظہار عجز و انکسار اور تواضع کی ضد ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام خداوندی کی بجا آوری میں سب سے بڑھ کر متواضع تھے۔لوگوں سے میل جول اور طرز زندگی میں بھی آپ نے ہمیشہ تواضع کا پہلو اختیار کیا۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے زمین پر بھی بیٹھ جایا کرتے، زمین ہی پر بیٹھ کر کھا پی لیتے۔آپ بکری خود باندھتے۔اگر غلام جو کی روٹی کی دعوت دیتا تو آپ اسے بھی قبول کر لیتے تھے۔(129)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریض کی بیمار پرسی کیا کرتے، جنازوں میں شریک ہوتے، گدھے پر سواری کرتے اور غلام کی بھی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔بنوقریظہ کے متعلق فیصلے کے دن جس گدھے پر سوار ہو کر آپ تشریف لائے اس کی لگام کھجور کی چھال کی تھی اور گدھے کا پالان بھی کھجور کی چھال کا تھا۔(130)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تواضع پسند تھے۔آپ نے کسی کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہونے سے سختی سے منع فرمایا اور ایسا چاہنے والے کو جہنم کا حقدار قرار دیا۔(131)

غزوہ احزاب سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود خندق کی کھدائی میں شریک رہے۔خندق سے مٹی اُٹھا اُٹھا کر باہر لاتے جس

کی وجہ سے آپ کا جسم مبارک مٹی سے بھر جاتا، لیکن اس میں نہ تو آپ کی ٹیم نے کراہت محسوس کی اور نہ اپنے منصب اور شان وعظمت کے منافی سمجھتے ہوئے اس سے احتراز برتا۔

اسی طرح مسجد قباء کی تعمیر اور مسجد نبوی کی تعمیر میں بھی بنفس نفیس شریک ہوئے۔

یہ بھی نبی اکرم ﷺ کے کمال تواضع کی نادر مثال ہے کہ نبوت ورسالت کی عظیم ذمہ داری کے باوجود آپ اپنے اہل خانہ کو بھر پور وقت دیا کرتے، گھر کے کام کاج میں شریک ہوتے، جوتے خود اپنے دست مبارک سے گانٹھ لیا کرتے اور کپڑوں کو ٹانکا بھی خود لگا لیتے تھے۔(132)

نبی ﷺ کی صفت تواضع کا اندازہ لگانے کے لیے یہ دعا کیا ہی شاندار ہے جو آپ اکثر کیا کرتے تھے:

اللهم أحيني مِسْكِينًا وَأُمَتِي مِسْكِينًا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

''اے اللہ! مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھنا، مسکینی کی حالت میں دنیا سے اُٹھانا اور روز قیامت مسکینوں ہی میں شمار کرنا۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس دعا کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مساکین مالدار لوگوں سے چالیس برس قبل جنت میں جائیں گے۔اے عائشہ! کبھی کسی مسکین کو خالی ہاتھ نہ بھیجنا، اگر چہ کھجور کا ٹکڑا ہی دینے کو ہو۔اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کیا کرنا اور انھیں اپنے قریب بٹھانا، روز قیامت اللہ عزوجل تمھیں اپنا قرب نصیب فرمائے گا۔(133)

رسول اللہ ﷺ نے امت کو بھی بجز وانکسار کی ترغیب دی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: صدقہ وخیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، معاف کرنے سے عزت میں اضافہ ہوتا ہے اور تواضع اختیار کرنے سے اللہ عزوجل رفعت عطا فرماتا ہے۔(134)

اسی طرح آپ ﷺ نے تواضع کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ''جو انسان قدرت ہونے کے باوجود صرف رضائے الٰہی کی خاطر تواضع اختیار کرتے ہوئے اچھا لباس پہننا ترک کر دیتا ہے، روز قیامت اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دیں گے کہ وہ جو بھی جنتی لباس پسند کرنا چاہے کرلے۔(135)

نبی ﷺ کا طریقہ ملاقات

انسانی معاشرے میں باہمی میل جول زندگی کا اہم ترین پہلو ہے۔اس بارے میں بھی آنحضرت ﷺ کے افعال

واقوال سے مزین وافر ہدایات موجود ہیں۔ باہمی میل جول اور ملاقات کے حوالے سے آپ ﷺ نے ایسا اُسوہ پیش کیا جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ آپ ﷺ نے ہر اس بات کا لحاظ رکھا جس میں انسان کی عزت وتکریم ہے اور اسے اختیار کر کے باہمی عداوت اور بدگمانی سے بچا جا سکتا ہے۔ سیرت نبوی سے اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

نبی کریم ﷺ ملاقات کے وقت سب سے پہلے سلام کرنا پسند کرتے۔ بغیر سلام کیے بات کرنے والے کو پہلے سلام کرنے کا حکم فرماتے۔ اگر کوئی اندر آنے کی اجازت لینے سے پہلے سلام نہ کہتا تو آپ اسے پہلے سلام کرنے اور پھر اندر آنے کی اجازت مانگنے کی تلقین کرتے۔(136)

آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ”ہر مسلمان ملاقات کے وقت سلام کہے۔“(137)

سلام کے ساتھ مصافحہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:”جو مسلمان ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے ہیں، جدا ہونے سے قبل انھیں معاف کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بوقت ملاقات پہلے سلام کرنے والے کو آپ نے بہتر گردانا۔(138)

آنحضرت ﷺ ملاقات کے وقت مصافحہ بھی کیا کرتے اور معانقہ بھی کر لیتے تھے۔(139)

آنحضرت ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ کے ہاں آتیں، آپ کھڑے ہو کر آگے بڑھتے۔ اپنی لخت جگر کا ہاتھ پکڑ لیتے، ان کو بوسہ دیتے اور انھیں اپنی جگہ پر بٹھا لیتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کی آمد پر اسی طرح کرتی تھیں۔(140)

مصافحہ کرتے ہوئے اگر کوئی آدمی آپ ﷺ کا دست مبارک تھام لیتا تو آپ خود سے ہاتھ نہ چھڑاتے بلکہ جب وہ چاہتا خود ہی چھوڑتا۔ آپ اس کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر باتیں کرتے، اپنا چہرہ مبارک ادھر اُدھر نہ پھیرتے اور نہ کسی کی موجودگی میں ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتے۔ آپ ملاقاتی کی طرف صرف چہرہ مبارک ہی نہ کرتے بلکہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔(141)

نبی مکرم ﷺ کسی کی آمد پر کھڑے ہو کر آگے بھی تشریف لے جاتے اور اس کا استقبال کرتے۔(142)

آنحضرت ﷺ نے معاشرے کے تمام افراد کو عزت وشرف کا مقام دیا اور انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ آپ صرف اپنے ہاں آنے والوں ہی سے حسن سلوک نہ فرماتے بلکہ جو لوگ عذر کی بنیاد پر آپ کی زیارت سے محروم تھے، ان

کے ہاں خود تشریف لے جاتے، ان کی بیمار پرسی کرتے، انھیں دلاسا دیتے اور حوصلہ افزائی کرتے۔(143)

اگر آنحضرت ﷺ کی خواتین سے ملاقات ہوتی تو آپ انھیں بھی سلام کہتے، البتہ ان سے مصافحہ نہ کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں خواتین سے مصافحہ نہیں کرتا۔"(144)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ بچوں کو بھی سلام کرتے تھے۔ سلام کے علاوہ آپ کا بچوں کے سر پر دست شفقت پھیرنا اور ان کے لیے دعا فرمانا بھی ثابت ہے۔ چھوٹے بچے کو آپ اپنی گود میں بھی بٹھا لیتے تھے۔(145)

آنحضرت ﷺ ملاقات کے لیے آنے والے مہمان کی آمد پر اس کا پُرتپاک استقبال کرتے۔ اپنی چچازاد حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا ہی ہوں اور اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے پر انھیں خوش آمدید کہتے تھے۔(146)

نبی اکرم ﷺ مہمان کی آمد پر خوش آمدید کہ کر خوشی کا اظہار فرماتے۔ اس کے علاوہ الوداع کرتے ہوئے دعا دینا بھی آپ ﷺ کا معمول تھا۔ مہمان کو رخصت کرتے وقت آپ فرماتے:

اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ(147)

"میں تمہارے دین اور تمہاری امانت کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں اور تمھارے آخری اعمال اچھے ہوں، یہ بھی اللہ کے سپرد ہیں۔"

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ کسی سے ملاقات کے لیے جاتے تو اندر آنے کی اجازت طلب کرتے۔ دروازے کے سامنے کھڑے ہونے کے بجائے دروازے سے ہٹ کر کھڑے ہوتے تھے۔(148)

ملاقات کے لیے اجازت طلب کرنے والا اپنے نام کے بجائے بس میں کہتا تو آپ ﷺ اسے اچھا نہ گردانتے تھے۔(149)

نبی کریم ﷺ نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت ملنے سے پہلے اندر جھانکنا شدید ناپسند کیا اور فرمایا: طلب اجازت کا حکم اس نظر سے بچاؤ ہی کے لیے تو دیا گیا ہے۔ مزید فرمایا: صرف تین بار اجازت مانگنی چاہیے، پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جانا چاہیے۔(150)

رسول اکرم ﷺ ملاقات کے وقت مسکراتے چہرے سے ملنا باعث اجر و ثواب قرار دیا اور مزید فرمایا: یہ کوئی حقیر عمل نہیں ہے۔(151)

آپ ﷺ کسی کی آمد پر لوگوں کے بت بن کر کھڑے ہونے کو شدید برا جانا اور اسے اپنے لیے پسند کرنے والے

کو جہنم کا حقدار ٹھہرایا۔علاوہ ازیں آپ نے کسی کی ملاقات پر سجدہ کرنے اور جھکنے سے بھی منع فرمایا۔نہ اپنے لیے کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت دی اور نہ امت کے کسی فرد کے لیے اسے جائز ٹھہرایا۔(152)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت کے بغیر کسی کی خاص نشست پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ یہ بھی فرمایا کہ جہاں کسی کا اختیار ہو وہاں کوئی اور امامت نہ کرائے۔ نیز کسی کو اس کی جگہ سے کھڑا کر کے خود وہاں بیٹھنے سے بھی منع فرمایا۔(153)

بوقت ملاقات یہود و نصاری کو پہلے سلام کہنے سے منع کیا۔اہل کتاب کے خبث باطن کی وجہ سے ان کے سلام کے جواب میں صرف وعلیکم کہنا ہی کافی قرار دیا۔(154)

تین افراد پر مشتمل مجلس میں ایک کو چھوڑ کر دو کا باہم سرگوشی کرنا بھی ممنوع ٹھہرایا ہے۔(155)

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیاسی تدبیر

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عمدہ عادات وصفات کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی بصیرت و حکمت بھی مثالی تھی۔آپ کے سیاسی تدبر وہم کو پروفیسر عبدالقیوم نے ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے نظیر سیاسی تدبر اور حکمت و دانش کے مالک تھے۔جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو بہت تنگ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے لیے ملک حبشہ کو انتخاب فرما کر مثالی سیاسی بصیرت و تدبر کا ثبوت دیا۔اس وقت اور بھی علاقے تھے،خود جزیرۂ عرب کے بہت سے قبائل تھے۔نجران اور یمن بھی موجود تھے۔ملک شام و مصر بھی تھے۔مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے کسی کو پسند نہ فرمایا۔ ہر جگہ کوئی نہ کوئی خطرہ نظر آیا۔صرف حبشہ کا علاقہ ایسا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی بصیرت نے وہاں کوئی خطرہ نہ دیکھا۔چنانچہ واقعات نے آنحضرت علی ایم کے سیاسی تدبر اور حسن انتخاب کی داد دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی حکمت عملی بھی کچھ کم حیرت افزا نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی تو جو راستہ اختیار کیا وہ بھی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔اوّل تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاہراہ کو چھوڑ کر ایک غیر معروف راستے پر گامزن ہوئے۔ پھر کبھی ادھر مڑ جاتے کبھی اُدھر۔کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمندر کے کنارے کنارے چلتے اور کبھی بہت دُور ہٹ کر اندرون ملک میں نکل جاتے۔مختلف وادیوں اور پہاڑی راستوں کو طے کرتے،پر پیچ راہوں سے گزرتے اور راستے بدلتے ہوئے آپ سلام دادی تحقیق میں داخل ہوئے اور وہاں سے قباء میں جا پہنچے۔مقصد یہ تھا کہ تعاقب کرنے والا دشمن نشان پا کر سراغ نہ لگا سکے۔

مدینے پہنچ کر آپ ﷺ نے سب سے پہلے معاہدہ مدینہ کی داغ بیل ڈالی۔اس معاہدہ کی رو سے مسلمانوں کو ایک مستقل اور الگ قوم قرار دیا۔ان کے حقوق و فرائض اور باہمی تعلقات کی وضاحت کردی۔ پھر اسی معاہدے کی رُو سے مدینے کے یہودیوں کے حقوق و فرائض متعین کیے۔

درحقیقت یہ معاہدہ ایک جماعتی منشور تھا جس کے ذریعے اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کی گئی اور مختلف شہری اور دیہاتی باشندوں کے حقوق کی وضاحت اور تعیین کردی گئی۔ایک طرف تو یہ معاہدہ اسلام کے سیاسی نظام میں پہلا سنگ میل ہے اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کے حسن تدبر اور سیاسی بصیرت کا آئینہ دار۔جزیرہ عرب کیا، بلکہ ساری دُنیا میں اس منشور نے نئے سیاسی فکر و نظر کی بنیاد رکھی۔اب خاندانی،قبائلی اور وطنی تعلقات کو توڑ کر دینی اور فکری و نظری تعلقات پر حکومت کی بنیادیں اٹھائی گئیں۔

رنگ و نسل کے امتیازات مٹا کر دین اسلام اور عقیدہ توحید کو قومی وحدت کا ذریعہ ٹھہرایا۔خاندانی شرافت اور قبائلی فخر وغیرہ کا خاتمہ کر کے ذاتی کردار اور انفرادی اعمال کو شرافت وعزت کا معیار قرار دیا۔ مدینے میں قدم رکھتے ہی آپ ﷺ نے اپنے سیاسی تقدیر سے مسلمانوں کو ایک الگ قوم قرار دیا۔مختلف عناصر مدینہ کی شہری آزادی کا اعلان فرمایا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے شہری حقوق و فرائض کی حدود مقرر کر کے اسلامی نظام حکومت کی بنیاد رکھی۔

آنحضرت ﷺ کے سیاسی تدبر و بصیرت کی بہترین مثال صلح حدیبیہ سے ملتی ہے۔مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے صلح نامہ کی شرائط طے کر کے اس بات کا اقرار کیا کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہے۔اسلام ایک قوت اور طاقت کا نام ہے۔

آنحضرت ﷺ ایک جماعت کے قائد اور حکمران ہیں۔ بین الاقوامی قانون کی رُو سے قریش مکہ نے صلح نامہ پر دستخط کر کے کم از کم اتنا ضرور اعتراف کیا کہ آپ ﷺ ان کے برابر کے اقتدار و حکومت کے مالک ہیں۔

بدترین دشمنوں سے عفو و درگزر کر کے ان سے بہترین سلوک اور تالیف قلوب آپ ﷺ کے سیاسی تدبر کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ان عادات و خصائل اور کردار و گفتار کو اختیار کر کے حقیقی اسلامی معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے اور حسن معاشرت کی خیر و برکات سمیٹی جا سکتی ہیں۔(156)

حوالہ جات

1_صحیح مسلم:۱۹۰
2_صحیح البخاری:۴۹۵۳
3_صحیح البخاری ۵۹۹۰
4_صحیح البخاری:۱۰۲۰
5_أحمد بن حنبل المسند:۷۳۶۱
6_صحیح البخاری ۲۷۵۳
7_بیہقی سنن الکبری:۱۸۲۷۵
8_صحیح البخاری:۲۰۶۷
9_سنن ابن ماجہ ۳۳۵۱
10_بیہقی، السنن الکبری:۱۹۸۷۰
11_سنن النسائی:۲۵۸۴
12_ابن حبان، ج ا ص ۲۴۹
13_صحیح البخاری:۱۳۹۶
14_صحیح البخاری:۵۹۹۱
15_دلائل النبوۃ ص:۹۹
16_السیرۃ النبویہ:۲۵۱
17_الاعراف
18_صحیح البخاری ۶۷۶
19_أحمد بن حنبل المسند:۲۵۰۴
20_صحیح مسلم:۲۶۹۹
21_صحیح البخاری:۱۳۳۶
22_صحیح البخاری:۳۴۴
23_صحیح البخاری:۲۰۹۷
24_سنن أبي داود:۳۹۲۵
25_صحیح مسلم:۱۷۶۴
26_صحیح البخاری:۳۷۹۸
27_الحشر:۹/۵۹
28_صحیح مسلم ۲۰۵۴
29_الطبقات الکبری ۳۲۳/۱
30_صحیح مسلم
31_صحیح البخاری:۲۰۱۸
32_صحیح مسلم ۲۰۵۵
33_صحیح البخاری:۶۰۳۶
34_صحیح البخاری:۲۶۳۰
35_صحیح البخاری:۶۲۴۶
36_صحیح البخاری:۶۳۵۳
37_سنن ابي داود:۵۰۴۰
38_صحیح البخاری:۶۹۵۲
39_سنن ابي داؤد ۲۵۱۹
40_احمد بن حنبل المسند:۱۹۴۳۸
41_احمد بن حنبل المسند:۱۵۹۸۵
42_سنن الترمذی ۱۹۲۷
43_صحیح البخاری ۲۹۵۳
44_صحیح البخاری:۴۳۵۱
45_سنن الترمذی ۱۳۱۳
46_بیہقی، سنن کبری:۱۳۲۹۶
417_صحیح البخاری:۲۶۸
48_احمد بن حنبل المسند ۶۶۵۲
49_أحمد بن حنبل المسند:۲۷۷۵
50_سنن ابن ماجہ:۲۱۳۹
51_صحیح مسلم:۲۶۰۷
52_صحیح البخاری:۳۳
53_سبل الہدی:۴۱۷۳۱/۷
54_صحیح مسلم:۲۹۷۲
55_صحیح البخاری:۵۴۱۶
56_ابن الجوزی، الوفا:/۱۱۸
57_صحیح البخاری:۳۹۳۲
58_صحیح البخاری:۴۱۰۱
59_صحیح مسلم:۲۳۲۶
60_صحیح البخاری:۳۹۰۶
61_إمتاع الاسماع:۲/۱۸۸
62_صحیح مسلم:۲۰۷۱
63_صحیح مسلم ۲۰۷۰
64_إمتاع الاسماع:۱۰۹۱۷
65_صحیح البخاری:۳۰۹۷
66_سبل الہدی ۲۵۰/۱۲
67_صحیح البخاری:۶۳۶۰
68_عبدالقیوم، تاریخ اسلام، ص:۲۱۰
69_صحیح البخاری:۴۰۲۸
70_السیرۃ النبویہ:۳۲۲/۳
71_سنن أبي داود:۳۹۹۲
72_أحمد بن حنبل، المسند:۱۲۵۶۷
73_صحیح البخاری:۲۴۵۹
74_صحیح مسلم:۱۸۲۸،۵۸
75_سنن ابن ماجہ ۴۰19
76 الحاکم، المستدرک:۲۶۲۳
77_صحیح مسلم:۱۷۳۱
78_الجرجانی، التعریفات ص ۹۴

79۔ مدارج السالکین ۲۰/۲۰۴

80۔ صحیح البخاری:۳۵۶۲

81۔ صحیح البخاری:۴۷۹۳

82۔ صحیح مسلم:۲۴۰۱

83۔ صحیح البخاری:۳۱۵

84۔ طبرانی،معجم کبیر ۲۲/۱۵۵

85۔ صحیح البخاری:۶۱۱۷

86۔ الحاکم المستدرک:۲۶

87۔ سنن الترمذی:۱۹۸۰

88۔ صحیح البخاری:۶۱۲۰

89۔ اخلاق النبی ﷺ ۶۷

90۔ صحیح البخاری:۶۲۰۳

91۔ احمد بن حنبل المسند:۲۶۲۸

92۔ سنن الترمذی:۱۹۹۱

93۔ الواقعہ ۵/۳۲۳۵۲

94۔ سنن أبی داود:۵۰۰۳

95۔ صحیح البخاری:۲۰۹۲

96۔ سنن الترمذی:۳۶۴۲

97۔ صحیح البخاری:۳۶۸۳

98۔ صحیح مسلم ۱۸۰۹

99۔ صحیح البخاری:۱۰۲۱

100۔ صحیح البخاری ۱۳۸۲

101۔ الزمر:۳۹/۶۷ و صحیح البخاری:۲۸۱۱

102۔ صحیح مسلم:۴۲

103۔ صحیح البخاری:۶۷۸۰

104۔ الاعلام: ج۸،ص۴۱

105۔ الطبقات الکبریٰ: ج۸،ص۵۴

106۔ النجم:۵۹،۶۰

107۔ سنن ابی داؤد:۴۹۹۰

108۔ صحیح البخاری:۴۹۴۲

109۔ التوبہ:۹/۸۲

110۔ سنن الترندی:۳۳۰۵

111۔ صحیح البخاری:۳۵۶۸

112۔ صحیح البخاری:۳۵۶۷

113۔ صحیح البخاری:،۴۶۹۸

114۔ أحمد بن حنبل، المسند ۲۰۸۱۰

115 ابن القیم، زاد المعاد:۱/۱۷۵

116 الزرقانی، شرح المواھب:۵/۱۳۹۶

117 الحاکم، المستدرک:۳۳۳

118 السہمی، تاریخ جرجان ج:۱۸۸

119۔ صحیح البخاری ۳۲۷۷

120 صحیح ابخاری:۵۸۰۹

121۔ صحیح البخاری:۶۰۲۴

122۔ صحیح البخاری:۲۱۱۴

123۔ صحیح مسلم ۲۹۹۹

124۔ صحیح البخاری:۵۶۵۳

125۔ صحیح مسلم:۲۲۳

126۔ سنن الترمذی:۱۹۱۳

127۔ صحیح البخاری:۱۴۶۹

128۔ فتح الباری:۱۱/۳۳۹

129۔ طبرانی معجم کبیر ۱۳۲۹۴

130۔ سنن الترمذی:۱۰۱۷

131۔ سنن الترمذی:۲۷۵۵

132۔ صحیح البخاری:۶۷۶

133۔ سنن الترمذی:۲۳۵۲

134۔ صحیح مسلم:۲۵۸۸

135۔ سنن الترمذی:۲۴۸۱

136۔ سنن الترمذی:۲۷۱۰/۲۶۹۹

137۔ صحیح مسلم:۲۱۶۲

138۔ صحیح البخاری:۶۰۷۷

139۔ سنن ابی داود:۵۳۱۴

140۔ سنن ابی داود:۵۲۱۷

141۔ سنن الترمذی:۲۴۹۰

142۔ سنن الترمذی:۲۷۳۲

143۔ صحیح البخاری:۵۲۶۳

144۔ صحیح مسلم:۱۸۶۶

145۔ صحیح البخاری ۱۲۴۷

146۔ صحیح البخاری ۳۶۲۳

147۔ سنن ابی داود:۲۶۰۰

148 سنن الترمذی:۲۶۹۹

149۔ صحیح البخاری:۶۲۵۰

150۔ صحیح البخاری:۶۲۴۱

151 صحیح مسلم:۲۶۶۲

152۔ سنن ابی داود:۲۶۰۰

153۔ صحیح البخاری:۶۲۶۹

154۔ صحیح البخاری:۵۲۳۳

155۔ صحیح البخاری:۶۲۸۸

156۔ عبد القیوم، تاریخ اسلام ص:۲۱۲،۲۱۷

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. غیر رشتہ دار مسکین پر خرچ کرنے سے کتنا اجر ملتا ہے؟

....

....

2. حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کیسے ایمان لائے؟

....

....

3. جشیشہ اور حیسہ سے کیا مراد ہے؟

....

....

4. چھ چیزوں کی ضمانت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی ضمانت دی ہے۔ وہ کون سی ہیں؟

....

....

5. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نقص عہد کی کتنی سنگینی بیان فرمائی؟

....

....

6. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں شیوۂ پیغمبری ہیں، وہ کون سی ہیں؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. رسول اللہ ﷺ بھی......کرلیا کرتے تھے۔

قیلولہ ☐ مزاح ☐ طنز ☐ پیار ☐

2. رسول اللہ ﷺ اظہار فرحت کے لیے صرف......دیتے تھے۔

دعا ☐ اشارہ ☐ مسکرا ☐ تحفہ ☐

3. حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس کارنامے پر آنحضرت ﷺ خوب ہنسے حتیٰ کہ آپ کی......مبارک دکھائی دینے لگیں۔

داڑھیں ☐ چھاتی ☐ داڑھی ☐ مہر ☐

4. آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں عرب بھر سے......ہوں۔

کریم الاخلاق ☐ نفیس الکلام ☐ فصیح اللسان ☐ رفیع الدرجات ☐

5. تواصی بالصبر کا مطلب ہے: ایک دوسرے کو......کی تلقین و نصیحت کرنا۔

رحم ☐ شکر ☐ صدق ☐ صبر ☐

6. آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ''ہر مسلمان ملاقات کے وقت......کہے۔

سبحان اللہ ☐ الحمدللہ ☐ سلام ☐ اللہ اکبر ☐

سبق نمبر 26

ملبوسات اور نبوی تعلیمات

خلاصۂ سبق

(اسلام کا نظام ستر وحجاب، شرم وحیا اور عفت وعصمت کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔لباس ستر پوشی کے ساتھ ساتھ زیب وزینت کا بھی ذریعہ ہے۔ یہ تمام مخلوقات میں صرف انسان ہی کی ضرورت اور اس کی ایک وجہ امتیاز ہے۔بعض فطرتی چیزیں انسانیت کے خواص سے تعلق رکھتی ہیں، ان میں سے ایک لباس بھی ہے۔زیر نظر باب میں مسنون لباس اور اس کے آداب بیان ہوئے ہیں اور اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملبوسات کی تفصیل آرہی ہے۔)

نیا لباس کب پہنا جائے؟

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جب نیا لباس مہیا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے جمعہ کے دن زیب تن فرمایا کرتے تھے۔(1)

جمعہ والے دن اچھے کپڑے پہننے چاہئیں۔(2)

اور ہر چند نیا کپڑا اچھا ہی ہوتا ہے۔

نیا لباس پہننے کی دعا

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب نیا کپڑا میسر آتا تو آپ اس کا نام لیتے کہ یہ کرتہ ہے یا پگڑی۔پھر آپ یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ کَسَوْتَنِیْهِ أَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِهٖ وَخَیْرِ مَا صُنِعَ لَهٗ (3)

’’اے اللہ! تیری ہی تعریف ہے،تو نے مجھے یہ لباس عطا فرمایا۔ میں تجھ سے اس لباس کی اور جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کی خیر و بھلائی کا طلبگار رہوں ۔ میں اس لباس کے اور جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں ۔‘‘

"رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے: جو شخص لباس پہنے اور وہ یہ دعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ

’’تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کپڑا پہنے کے لیے دیا، میری کوشش اور قوت کے بغیر یہ لباس عطا فرمایا۔‘‘

تو اس کے پچھلے تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں ۔(4)

لباس میں سادگی

نبی کریم ﷺ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے ۔ آپ ﷺ عاجزی اور سادگی کو پسند فرماتے تھے۔ بعض دفعہ سادگی سے معمور آپ ﷺ کی زندگی کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھیں بھر آتی تھیں ۔(5)

فخر انسانیت ﷺ کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ہی کرتہ تھا۔(6)

ابوبردہ بن ابوموسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے یمن کا بنا ہوا ایک موٹا تہبند نکال کر دکھایا۔ ایک اوڑھنے والی چادر بھی دکھائی جو خستہ حال تھی ۔ پھر قسم کھا کر فرمانے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھی دو کپڑوں میں وفات پائی ہے ۔(7)

عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا بیعت رضوان میں آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں ۔ میں نے کہا: اس دن آپ ﷺ کا لباس کیسا تھا؟ انھوں نے فرمایا: آپ ﷺ نے سوتی قمیص پہن رکھی تھی اور ایک جبہ زیب تن فرمایا تھا جس میں روئی بھری ہوئی تھی ۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کے پاس ایک چادر تھی ۔(8)

خوش لباس ہونا معیوب نہیں

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مواقع پر قیمتی اور دلکش لباس زیب تن فرما کر اپنی امت کے لیے آسانی پیدا فرما دی۔ باوجود اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت سادگی کی طرف مائل تھی۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر اور خودنمائی ہوگی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک صحابی نے عرض کی: اللہ کے رسول! آدمی تو پسند کرتا ہے کہ اس کا جوتا اور کپڑے اچھے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (9)

''بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ تکبر ہے حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔''

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین اور جمعۃ المبارک کے موقع پر خوبصورت لباس پہنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبز دھاری دار دو چادریں زیب تن فرمائی تھیں۔ (10)

سیدنا سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں انمار کے علاقے کی اون سے بنا ایک جذبہ پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے زیب تن فرمایا تو آپ کو بہت پسند آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر ہاتھ پھیرتے فرمانے لگے:

انظُرُوا مَا أَحسَنَهَا

دیکھو، یہ کتنا خوبصورت ہے!"

حاضرین مجلس میں ایک اعرابی تھا۔ اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ جبہ مجھے عنایت فرما دیجیے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی وقت وہ جبہ اتارا اور اس اعرابی کو تحفے کے طور پر دے دیا۔ (11)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ لباس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لباس میں سب سے زیادہ کرتہ پسند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر دھاری دار لباس پہنا کرتے تھے۔ رنگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفید رنگ محبوب تھا۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ پر سفید پوشاک تھی۔ (12)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفید کپڑا پہننے کی ترغیب بھی دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سفید کپڑے پہنا کروں یہ زیادہ پاکیزہ اور عمدہ ہوتے ہیں۔ (13)

دوسرے مقام پر فرمایا: سفید لباس پہنا کرو، یہ تمھارے ملبوسات میں بہترین لباس ہے۔ اپنے مردوں کو بھی سفید کفن پہنایا کرو۔(14)

کون سا لباس ممنوع ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ ایسے افراد پر آپ نے لعنت کی ہے۔ مشابہت سے مراد چال ڈھال، رہن سہن اور وضع قطع میں یکسانیت ہے۔ لباس بھی اسی میں شامل ہے۔ مرد کے لیے زنانہ لباس اور عورت کے لیے مردانہ لباس پہننا جائز نہیں۔ مرد کے لیے ریشمی لباس پہننا حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔(14)

اسی طرح مرد کے لیے سرخ اور زرد رنگ کا کپڑا پہننا بھی جائز نہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو ی تشنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے زرد رنگ کے کپڑے پہنے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ کافروں کا لباس ہے، اسے مت پہنو۔(15)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کو سرخ کپڑے پہنے دیکھا تو آپ نے حکم دیا کہ انھیں جلا ڈالو۔(16)

امام ابن قیم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سخت ناگواری کا اظہار مرد کے لیے سرخ رنگ کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔(17)

مردانہ سوٹ پر کڑھائی

قلیل مقدار میں مرد کے لیے ریشم استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ سیدنا عمر بھی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کے لیے دو، تین یا چار انگلیوں کے برابر ریشم استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔(18)

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنے آزاد کردہ غلام عبداللہ بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ تین چیزوں کی حرمت کا فتوی دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ لباس میں تھوڑا سا ریشم استعمال کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ ابن کیسان حضرت ابن عمر کے ہاں گئے اور سیدہ اسماء کے تحفظات سے آگاہ کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے موقف کے بارے میں بتایا۔ ابن کیسان نے واپس جا کر اس کے متعلق سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو

اطلاع دی۔ اب سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک جبہ مبارک نکال کر دکھایا جو طیلسان (سبز رنگ) کا ایرانی طرز کا تھا۔ اس پر ریشم کی کڑھائی ہوئی تھی اور اس کے دونوں پلوؤں پر باریک ریشم لگا ہوا تھا۔ فرمانے لگیں کہ یہ جبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ جب وہ وفات پا گئیں تو یہ میں نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اب ہم مریضوں کے لیے یہ دھوتے ہیں اور اس دھوون سے شفا حاصل کرتے ہیں۔ (20)

لباس کی کیفیت

لباس ڈھیلا ڈھالا اور مکمل ستر پوش ہونا چاہیے۔ ایسا تنگ اور چست لباس پہننا درست نہیں جس سے جسم کے خدوخال نظر آئیں۔ خاص طور پر عورتوں کے لیے ایسا لباس موجب عذاب ہے۔ فرمان نبوی کے مطابق لباس پہنے ہوئے بھی برہنہ نظر آنے والی اور بے حیائی کی طرف مائل کرنے والی عورتیں جنت میں جانا تو دور کی بات اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی۔ (21)

مردوں کے لیے شہرت اور تکبر کا لباس پہننا حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے شہرت کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ذلت کا لباس پہنائے گا۔ (22)

اسی طرح ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کی بھی وعید آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے اپنا ازار (شلوار، پینٹ اور پائجامہ وغیرہ) ٹخنوں سے نیچے رکھا تو جسم کا وہ حصہ جہنم میں ہوگا۔ (23)

اسی طرح کرتہ یا قمیص کی لمبائی بھی مناسب ہونی چاہیے اور پگڑی کا شملہ بھی زیادہ نیچے تک نہیں چھوڑنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: (حد سے زیادہ شلوار، پینٹ) تہبند، قمیص اور پگڑی کا کپڑا لٹکانا (منع ہے)۔ جو شخص تکبر کرتے ہوئے ان میں سے کسی چیز کو لٹکائے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ (24)

آدمی کے پاس ستر ڈھانپنے کے لیے صرف ایک ہی چادر ہو تو اسے ستر والے حصے پر اس طرح باندھ لے کہ برہنہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ زمین پر بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے چادر اوڑھنا بھی منع ہے۔ اسی طرح ایسا لباس پہننا یا اس انداز سے چادر اوڑھنا کہ ہاتھ پاؤں جکڑے جائیں، یہ بھی منع ہے۔ (25)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملبوسات

لباس کے متعلق یہ چند شرعی آداب بیان ہوئے ہیں جن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے۔ اب ان

ملبوسات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے تھا۔ ان ملبوسات میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کے لباس سے لے کر پاؤں مبارک کے لباس تک کا تذکرہ موجود ہے۔

کرتہ مبارک

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کپڑوں میں سے کرتہ سب سے زیادہ پسند تھا۔(26)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کرتہ زیب تن فرماتے تھے جس کی آستینیں چھوٹی ہوتی تھیں اور کرتے کی لمبائی بھی کم ہوتی تھی۔(27)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مصری کپڑے کا ایک کرتہ مبارک تھا۔ اس کی لمبائی بھی کم تھی اور اس کی باہیں بھی چھوٹی تھیں۔(28)

سیدہ اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرتہ مبارک کی آستینیں کلائی (پہنچوں) تک آتی تھیں۔(29)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کرتہ زیب تن فرمایا۔ وہ گھٹنوں کے اوپر تھا اور اس کی باہیں انگلیوں تک تھیں۔(30)

ابوالشیخ اصبہانی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو قمیص زیب تن فرماتے تھے وہ گھٹنوں سے اوپر ہوتی تھی اور اس کی آستینیں ہاتھوں کی انگلیوں کے پوروں تک ہوتی تھیں۔(31)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرتہ مبارک میں گریبان بھی بنا ہوتا تھا اور بٹن بھی لگے ہوتے تھے۔ حضرت قرہ بن ایاس مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرتے کے بٹن کھلے تھے۔(32)

مجبوری یا گرمی کی وجہ سے قمیص کے بٹن کھولے جا سکتے ہیں۔ البتہ تکبر اور خودنمائی کی غرض سے ایسا کرنا جائز نہیں۔

جبہ مبارک

جبے کو عبا بھی کہتے ہیں۔ یہ قمیص اور کرتے ہی کی طرح کا ایک لباس ہے، مگر یہ نصف پنڈلیوں تک یا ٹخنوں سے تھوڑا اوپر تک لمبا ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبہ بھی زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔آپ ﷺ نے رومی جبہ پہنا ہوا تھا جس کی آستینیں بہت تنگ تھیں۔آپ ﷺ نے اسی میں ہمیں نماز پڑھائی۔اس کے علاوہ آپ ﷺ پر اور کوئی کپڑا نہیں تھا۔(33)

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ابو عمر عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ اسماء نے اپنی کنیز سے کہا: میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا جبہ لاؤ۔ وہ آپ ﷺ کا جبہ مبارک لائی جو طیلسان (سبز رنگ) کا تھا۔ اس کے گریبان، دونوں کنوں اور دونوں جانب کے چاکوں پر ریشم کی کڑھائی ہوئی تھی۔(34)

سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو ایک شامی جبہ اور موزے بطور تحفہ پیش کیے، چنانچہ آپ ﷺ نے جبہ بھی زیب تن فرمایا اور موزے بھی پہن لیے۔(35)

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے شامی جبہ پہن رکھا تھا۔اس کی آستینیں تنگ تھیں۔ مجھے آپ ﷺ کو وضو کرانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ وضو کے دوران میں جب آپ بازو دھونے لگے تو آستینیں تنگ ہونے کی وجہ سے وہ اوپر نہ چڑھ سکیں، اس لیے آپ ﷺ نے جبہ مبارک سے بازو نکال کر دھوئے۔اس کے بعد موزوں پر مسح کیا۔(36)

روم کے بادشاہ نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں باریک ریشم کا جبہ بھیجا۔آپ ﷺ سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لائے اور اسے پہننے کے بارے میں ان سے مشورہ کیا۔شیخین نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہماری رائے یہ ہے کہ آپ اسے زیب تن فرمائیں۔اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کے دشمنوں کو ذلیل ورسوا کرے گا اور مسلمانوں کو فرحت وشادمانی نصیب فرمائے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ وہ پہن کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ ﷺ تو پہلے ہی حسن و جمال میں بے مثال تھے۔ وہ جبہ پہن کر آپ کے چہرہ انور کی نیز تابانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور وہ جبہ اتار دیا۔اس کے بعد سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے وہ جبہ انھیں بطور تحفہ عطا فرما دیا۔(37)

حلہ مبارک

ایک ہی قسم کے مکمل لباس کو حلہ کہتے ہیں، جیسے شلوار قمیص یا تہبند باندھ کر چادر اوڑھ لینا۔ ایسا جبہ یا چغا بھی حلہ کہلاتا ہے جو مکمل لباس کے طور پر کفایت کرے۔ نبی کریم ﷺ حلہ بھی زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سرخ دھاریوں والا حلہ زیب تن کیے دیکھا۔ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ

حسین وجمیل کسی انسان کونہیں پایا۔(38)

سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے حلہ زیب تن فرمانے کی منظرکشی کرتے ہیں کہ آپ ﷺ مکہ کے قریب ابطح نامی جگہ پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔آپ سرخ دھاری دار حلہ پہن کرنماز کے لیے تشریف لائے۔اس حلے سے آپ ﷺ کی منور پنڈلیاں نظر آنے کا منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔(39)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ذی یزن کے بادشاہ نے ۳۳ ۱اونٹوں کے عوض ایک حلہ خرید کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کیا۔آپ ﷺ نے یہ تحفہ قبول فرما لیا۔(40)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ۲۷ اونٹنیوں کے عوض ایک حلہ خرید کر زیب تن فرمایا۔(41)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کا نام کو بہترین حلہ زیب تن کیے دیکھا۔(42)

قبا مبارک

یہ آچکن اور شیروانی نما ہوتی ہے جو عموماً لباس کے اوپر پہنی جاتی ہے۔نبی کریم ﷺ نے بھی یہ زیب تن فرمائی ہے۔سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی قبا پیش کی گئی۔آپ ﷺ نے وہ زیب تن فرما کر نماز ادا کی۔پھر آپ ﷺ واپس گئے اور سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے اتار دیا اور فرمایا: یہ لباس متقی لوگوں کو زیب نہیں دیتا۔(43)

رسول اللہ ﷺ کے قبا زیب تن فرمانے کا ایک اور واقعہ بھی ہے۔سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قبائیں آئیں جو آپ نے صحابہ میں تقسیم فرما دیں۔میرے والد محترم قبا سے محروم رہ گئے۔انھوں نے کہا: بیٹے! مجھے بارگاہ رسالت میں لے چلو ممکن ہے آپ مال پر ہمیں بھی کوئی قبا عنایت فرما دیں۔ہم نکلے اور کاشانہ نبوی پہنچ گئے۔ہم دروازے پر کھڑے ابھی محو گفتگو تھے کہ آپ ﷺ نے میرے والد محترم کی آواز پہچان لی اور باہر تشریف لے آئے۔آپ ﷺ نے قبا پہن رکھی تھی جس میں آپ بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔آپ ﷺ نے وہ قبا اتاری اور میرے والد مخرمہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرما دی۔(44)

شلوار مبارک

شلوار ضروری لباس میں شامل ہے۔یہ ناف سے نصف پنڈلیوں تک یا ٹخنوں سے اوپر تک ہوتی ہے۔نبی کریم

ﷺ کے ملبوسات میں شلوار بھی شامل تھی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بازار گیا۔ آپ ﷺ نے چار درہموں کی ایک شلوار خریدی۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ بھی شلوار پہنتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! مجھے ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے اور میں نے دیکھا کہ سب سے زیادہ ستر پوشی کا ذریعہ شلوار ہے، اس لیے رات دن اور سفر وحضر میں میں شلوار پہنتا ہوں۔(45)

سیدنا سوید بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور مخرمہ عبدی رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے مکہ آئے۔ ہمارے پاس مقام ہجر کا بنا ایک خاص قسم کا کپڑا تھا۔ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ایک شلوار کا سودا کیا۔ آپ ﷺ نے وزن کرنے والے سے فرمایا: "جھکتا ہوا تولا کرو۔(46)

٦۔ عمامہ اور ٹوپی مبارک

سر ڈھانپنا عزت وشرف کی علامت سمجھا جاتا ہے، بلکہ پگڑی باندھنا یا سر پر ٹوپی پہنا مسنون عمل ہے۔ نبی کریم ﷺ زیادہ تر عمامہ باندھا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "پگڑیاں باندھا کرو، کیونکہ یہ فرشتوں کی نشانی ہے۔ پگڑی کا شملہ پیچھے کی طرف لٹکایا کرو۔(47)

نبی کریم ﷺ کا عمامہ مبارک اکثر اوقات سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی آپ کسی اور رنگ کا عمامہ بھی باندھ لیا کرتے تھے۔ سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، اس وقت آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔(48)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر سیاہ رنگ کی پگڑی باندھ رکھی تھی۔(49)

نبی کریم ﷺ کا ایک عمامہ مبارک تھا جسے "سحاب'' کہا جاتا تھا۔ آپ بار کبھی ٹوپی پہن کر اوپر عمامہ باندھ لیتے اور کبھی صرف ٹوپی پہن لیتے۔ بعض اوقات صرف عمامہ مبارک باندھ لیتے تھے۔(50)

نبی ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکتا رہتا تھا۔(51)

اسی طرح آپ ٹوپی کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سفید ٹوپی پہنتے تھے۔(52)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سفید شامی ٹوپی پہنتے تھے۔(53)

چادر مبارک

نبی کریم ﷺ چادر بھی اوڑھتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سیاہ چادر اوڑھ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے سیاہ چادر اوڑھی تو میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ پر یہ کتنی خوبصورت لگ رہی ہے! اس کالی کملی میں آپ کا گورا رنگ اور بھی نمایاں لگ رہا ہے۔(54)

نبی کریم ﷺ دھاری دار چادر پسند فرماتے تھے۔(55)

آنحضرت ﷺ کے پاس ایک سرخ (دھاری دار) چادر تھی جو آپ عیدین اور جمعۃ المبارک کے موقع پر زیب تن فرماتے ہیں۔(56)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے موٹے موٹے حاشیے والی نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اتنے میں ایک بدو آیا اور اس نے آپ کو چادر سے پکڑ کر اس قدر زور سے کھینچا کہ آپ کے کندھے پر چادر کے حاشیے کا نشان چھپ گیا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ اللہ نے آپ کو جو مال عطا کیا ہے اس میں سے مجھے بھی دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کے اس ناقابل برداشت رویے پر بھی مسکرا دیے اور اسے مال عطا کرنے کا حکم فرمایا۔(57)

حضرت سلیمان بن جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ آپ صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے جو چادر اوڑھ رکھی تھی اس کی جھالر آپ کے قدموں کو چھو رہی تھی۔(58)

ایک خاتون کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے دھاری دار چادر بنی اور بڑی عقیدت سے بارگاہ رسالت میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے اس کا تحفہ قبول کیا اور تہبند کے طور پر وہ چادر زیب تن فرمالی۔ ایک صحابی نے اس چادر کی تعریف کی تو آپ نے وہ اسے دے دی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اسے ملامت کرنے لگے کہ تم جانتے بھی تھے کہ آپ ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی اس کے باوجود تم نے مانگ لی! اس نے کہا: یہ میں نے پہننے کے لیے نہیں بلکہ اپنے کفن کے لیے لی ہے۔ جب اس صحابی کی وفات ہوئی تو اسے اسی چادر میں کفن دیا گیا۔(59)

نبی کریم ﷺ کا تبوک کے سفر میں حجر کے علاقے سے گزر ہوا جہاں قوم ثمود پر عذاب نازل ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارا کسی ایسی قوم کی بستی سے گزر ہو جو اپنی سرکشی کی وجہ سے عذاب سے دوچار ہوئی ہو تو وہاں سے روتے ہوئے گزرا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی ان جیسی مصیبت ٹوٹ پڑے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک

پر چادر ڈالی اور چہرہ ڈھانپ کر وہاں سے جلدی تشریف لے گئے۔(60)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مرض وفات میں ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آئے۔اس وقت آپ کی ٹیم نے اپنے کندھوں پر چادر اوڑھ رکھی تھی اور سر مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔(61)

جرابیں اور موزے مبارک

جرابوں اور موزوں میں فرق ہے۔موزے چمڑے سے بنتے ہیں اور جرابیں اونی یا سوتی کپڑے سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موزے بھی پہنتے تھے اور جزا میں بھی۔سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوران وضو موزوں پر مسح کیا۔دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جرابوں اور پاپوش مبارک پر مسح کیا۔(62)

ابوداؤد شریف کی اس روایت میں 9 جلیل القدر صحابہ کرام کا جرابوں پر مسح کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سیاہ رنگ کے سادہ موزے بھیجے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (وضو کرکے) وہ پہن لیے۔جب دوبارہ وضو کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر مسح کیا۔(63)

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے موزے منگوائے۔ابھی ایک پہنا تھا کہ ایک کوا آیا اور دوسرا موزہ لے اڑا۔جب اس نے پھینکا تو اس میں سے سانپ نکلا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"کوئی بھی مومن اس وقت تک موزے نہ پہنے جب تک انھیں جھاڑ نہ لے۔(64)

جوتا مبارک

جوتا پاؤں کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ زیب و زینت کا ذریعہ بھی ہے۔مختلف روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاپوش مبارک کا تذکرہ ملتا ہے۔سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گائے کے چمڑے سے تیار شدہ جوتے میں نماز ادا فرما رہے تھے۔(65)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوتا کیوں پہنتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ بھی ایسا ہی جوتا پہنتے تھے۔(66) سبتی جوتا بغیر بالوں کے چمڑے سے تیار کیا جاتا تھا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوتا مبارک تسموں والا تھا۔(67)

عیسی بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ تسموں والا ایک جوتا لائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ یہ پاپوش مبارک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔(68)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل ہے۔ یہ اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی مجلس میں جاتے تو یہ آپ علم کا جوتا مبارک اتار کر اپنے پاس رکھ لیتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس برخاست کر کے جانے لگتے تو یہ آپ کو جوتا پہنا دیتے۔(69)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بیٹھ کر جوتا پہن لیتے اور کبھی کھڑے ہو کر۔(70)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اوڑھنا بچھونا

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملبوسات کے علاوہ چند دیگر اشیاء بھی آپ کے زیر استعمال تھیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ا۔ بستر مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر مبارک نہایت سادہ تھا۔ کھجور کے پتوں سے بھرا گدا اور سرہانہ، کھردرے بان کی چار پائی جو بغیر بستر چادر کے ہوتی تھی۔ اس چار پائی پر آرام فرمانے کی وجہ سے بان کے نشان آپ کے جسم مبارک پر چھپ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سب سے نرم بستر کون سا بچھاتی تھیں؟ فرمانے لگیں: ہمارے پاس ایک موٹی چادر تھی جو ہمیں خیبر سے ملی تھی۔ میں روزانہ رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وہ بچھاتی اور آپ اس پر آرام فرماتے۔ ایک مرتبہ میں نے وہ چوتہ (چوہری) کر کے بچھا دی۔ صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: رات کو کون سا بستر تھا؟ اس کی وجہ سے میری تہجد کی نماز میں خلل پڑا ہے، لہٰذا پہلے جیسا بستر ہی بچھایا کرو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سن کر بے اختیار رو پڑے۔(71)

۲۔ چار پائی مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اپنے میزبان سیدنا ابوایوب انصاری بھی اللہ سے پوچھا: کیا تمھارے پاس چار پائی نہیں ہے؟ انھوں نے عرض کی: جی نہیں۔ سیدنا سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چار پائی کا بندوبست کیا۔ آپ تاحیات اسی پر سوتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے

اپنے اپنے دور میں وہ چار پائی بطور تبرک اپنے پاس رکھی۔(72)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پتوں سے بنے موٹے اور کھردرے بان کی ایک چار پائی تھی۔اس کے اوپر سیاہ چادر بچھی ہوتی تھی۔(73)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ کھجور سے بنے کھردرے بان کی چار پائی پر استراحت فرما رہے تھے۔چار پائی پر بستر چادر بھی نہیں تھی۔اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سادگی دیکھ کر رو پڑے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: عمر کیوں رو رہے ہو؟ عرض کی: اللہ کے رسول! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ قیصر و کسریٰ سے کہیں معزز و مکرم ہیں، لیکن وہ دونوں عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کے لیے نرم بستر بھی میسر نہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمر! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے لیے جو کچھ ہے وہ دنیا ہی میں ہے اور ہمارے لیے آخرت کی زندگی ہے۔(74)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات میں سے جو چیزیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھیں ان میں کھجور کی رسی سے بنی ایک چار پائی بھی تھی۔

۳۔تکیہ مبارک

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک تکیہ تھا جس کے ساتھ آپ ٹیک لگاتے تھے۔یہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔(75)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات موجود تھے۔ان میں تکیہ بھی تھا۔(76)

۴۔بچھونا مبارک

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چمڑے کا ایک بچھونا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔(77)

۵۔لحاف اور چادر مبارک

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ہی لحاف میں لیٹ جایا کرتی، حالانکہ میں حالت ماہواری میں ہوتی تھی۔(78)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک چادر تھی جسے جھالر لگی ہوئی تھی۔(79)

۶۔ کمبل مبارک

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے خاص ایام میں بھی ایک ہی کمبل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لیٹ جایا کرتی تھی۔(80)

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے کہ میرے ایام ماہواری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میں ایک ہی کمبل میں سو جایا کرتے تھے۔(81)

۷۔ چٹائی مبارک

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک چٹائی تھی۔ تہجد کے وقت اسے دوہری کر کے آپ اس پر نماز ادا فرماتے اور دن کے وقت بیٹھنے کے لیے اس کی یہ کھول کر بچھا لیتے تھے۔(82)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چٹائی پر استراحت فرما رہے تھے۔ آپ کے پہلو مبارک پر اس کے نشان چھپ گئے۔ ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے لیے نرم بستر کا انتظام کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرا دنیا داری سے کیا واسطہ! اس دنیا میں میری مثال ایک راہ چلتے مسافر کی طرح ہے جو شدید گرمی کے موسم میں سفر کرتا ہے اور دوپہر کے وقت کسی درخت کے سائے میں آرام کرتا ہے، پھر کچھ دیر ستانے کے بعد اپنی راہ لیتا ہے۔(83)

۸۔ کرسی مبارک

سیدنا ابو رفاعہ عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ایک اجنبی آدمی اپنے دین کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام خطبہ چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہوئے۔ آپ کے لیے ایک کرسی لائی گئی۔ اس کرسی کے پائے لوہے کے تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ کرسی کے پائے کالی لکڑی کے تھے مگر دیکھنے والے نے گمان کیا کہ یہ لوہے کے ہیں۔ رسول اللہ لی لی ام اس کرسی پر جلوہ افروز ہوئے۔ پھر آپ نے وہی کچھ مجھے سکھایا جو اللہ کے عطا کردہ علم میں سے مجھے

سکھایا۔ اس کے بعد آپ مریم جو خطبہ ارشاد فرما رہے تھے وہ مکمل کیا۔ (84)

زیب وزینت کے لوازمات

اسلام لطافت و نظافت کی ترغیب دیتا ہے۔ زیب و زینت اور بناؤ سنگھار تقویٰ اور پرہیز گاری کے منافی نہیں، بشرطیکہ حد سے متجاوز نہ ہو۔ عنایت ربانی کے باوجود اگر کوئی اظہار نعمت سے کتراتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی یہ بے جا سادگی پسند نہ کرتے بلکہ آپ فرماتے کہ جسے اللہ نوازے وہ اس کا اظہار بھی کرے۔

صحیح سلامت جسم بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، لہذا اسے پاک صاف اور بنا سنوار کر رکھنا چاہیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر اور گھر میں ہر وقت یہ چیزیں اپنے پاس رکھتے تھے، تیل، کنگھی، آئینہ قینچی، سرمہ دانی اور مسواک۔ (85)

تیل اور کنگھی

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوتے وقت مسواک اور کنگھی پاس رکھتے تھے۔ جب رات کو اٹھتے تو مسواک کرکے وضو کرتے اور پھر کنگھی کرتے تھے۔ (86)

ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارک کی درز سے اندر جھانک رہا تھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنگھی کے ساتھ اپنا سر مبارک کھجا رہے تھے۔ آپ اللہ نے فرمایا: اگر مجھے تمھارے جھانکنے کا علم ہو جاتا تو یہیں کنگھی تمھاری آنکھ پر دے مارتا۔ اجازت لینے کا یہی تو مقصد ہے کہ اندر نہ جھانکا جائے۔ (87)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے بالوں میں تیل لگا کر اور کنگھی کر کے کسی سفر پر روانہ ہوئے۔ (88)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داڑھی اور سر مبارک کے بالوں کو تیل لگایا کرتے تھے۔ (89)

سرمہ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو سوتے وقت دونوں آنکھوں میں سرمے کی تین تین سلائیاں ڈالتے تھے۔ (90)

ایک روایت میں کالے سرمے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ (91)

آئینہ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آئینے میں اپنا چہرہ مبارک دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ کَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ (92)

اے اللہ! جیسے تو نے میری تخلیق اچھی کی ہے اسی طرح میرا اخلاق بھی اچھا کر دے۔"

آئینہ دیکھنے کے الفاظ کے علاوہ یہ دعا صحیح سند سے ثابت ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کی حالت میں بھی آئینہ دیکھ لیتے تھے۔(93)

خوشبو اور اس کا استعمال

خوشبو کا استعمال انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرمان نبوی بیان کرتے ہیں کہ چار چیزیں پیغمبروں کی سنت ہیں: شرم و حیا کا دامن تھامے رکھنا، خوشبو کا استعمال، مسواک کی پابندی اور نکاح کرنا ہے مشکوۃ شریف میں حیا کے لفظ کی جگہ ختنے کا ذکر ہے۔

خوشبو لگائے بغیر بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر معطر رہتا تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں آپ کی تشریف آوری کا آپ کی خوشبو ہی سے پتہ چل جاتا تھا۔(94)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشبو لگاتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کستوری اور عنبر کی خوشبو استعمال فرماتے تھے۔(95)

دوسری روایت میں بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگاتی، پھر آپ اپنی دیگر ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذریرہ (مختلف خوشبوؤں کا مرکب) لگاتی تھی۔(96)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاکیزگی اور خوشبو کو پسند فرماتے تھے۔ بعض خوشبوئیں ایسی تھیں جو آپ کو بے حد پسند تھیں، جیسے کستوری وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: کستوری عمدہ ترین خوشبو ہے۔(97)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشبو حاصل کرنے کے لیے بخور، عود اور کافور کا دھواں اپنے کپڑوں میں بساتے تھے۔(98)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشبو کا تحفہ قبول فرماتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ بارگاہ رسالت میں خوشبو کا تحفہ پیش کیا گیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ قبول نہ فرمایا ہو۔(99)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو والے پھول بہت پسند تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو پھول کا تحفہ دیا جائے تو وہ قبول کرے۔(100)

انگوٹھی مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی جس میں حبشی نگینہ جڑا ہوا تھا اور انگوٹھی پر محمد رسول اللہ کندہ کیا گیا تھا۔

زلفیں مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زلفیں رکھنا پسند فرماتے تھے۔ حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر منڈانے کا ذکر نہیں ملتا۔(101)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زلفیں کانوں کی لو سے نیچے اور کندھوں سے ذرا اوپر تک تھیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زلفیں کانوں اور کندھوں کے درمیان تک تھیں۔(102)

مردوں کے لیے شریعت میں مقرر کردہ حد سے لمبے بال رکھنا جائز نہیں۔ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میرے لیے بال دیکھ کر ایسے الفاظ ارشاد فرمائے کہ میں آپ کا مقصد سمجھ گیا۔ میں وہاں سے نکلا، بال چھوٹے کرائے اور پھر اگلے دن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تم نے اچھا کیا ہے۔(103)

بال کٹواتے وقت قزع سے بچنا چاہیے۔ قزع یہ ہے کہ سر کا کچھ حصہ مونڈا جائے اور کچھ حصے پر بال رہنے دیے جائیں۔ چاہے یہ باطل نظریات وعقائد کی بنا پر ہو یا فیشن کے طور پر۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قزع سے منع فرمایا ہے۔(104)

بالوں پر لیپ (Gell) وغیرہ لگائی جاسکتی ہے۔ سیدہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ میں فاتح کی حیثیت سے تشریف لائے اس وقت آپ کی زلفوں کی چار لٹیں تھیں اور بال گندھے ہوئے تھے۔(105)

سر میں مانگ نکالنا بھی ثابت ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے بالوں کو کھلا چھوڑ دیتے تھے، یعنی مانگ نکالے بغیر پیچھے کی طرف لڑکا لیتے تھے، پھر مانگ نکالنے لگے۔(106)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک میں مانگ نکالتی تو بال دو حصوں میں برابر تقسیم کر کے دونوں آنکھوں کے درمیان جبین مبارک پر ڈال دیتی (پھر سر کے عین درمیان سے مانگ نکالتی) تھی۔(107)

خضاب

خضاب بال رنگنے کو کہتے ہیں۔مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ اگر ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو جائیں تو انھیں رنگا جائے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہودی اور عیسائی بالوں کو نہیں رنگتے ،لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو گے۔(108)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی داڑھی مبارک زرد (زعفرانی) رنگ سے رنگتے دیکھا ہے۔عثمان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔انھوں نے مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند بال مبارک نکال کر دکھائے جو مہندی اور کتم سے رنگے ہوئے تھے۔(109)

کتم ایک پودا ہے جس کے بیجوں سے روشنائی تیار کی جاتی تھی اور یہ خضاب کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔چونکہ بالوں کو سیاہ کرنا منع ہے اس لیے کتم میں مہندی شامل کر لینے سے بال سرخی مائل ہو جاتے ہیں۔

۹۔حجامت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم حج کے موقع پر قربانی سے فارغ ہوئے۔آپ نے حجام کو سر مونڈنے کا حکم دیتے ہوئے اشارہ کیا کہ پہلے دائیں طرف سے شروع کرو پھر بائیں طرف سے۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک لوگوں میں تقسیم کر دیے گئے۔(110)

دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حجام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک حاصل کرنے کی جستجو میں دیوانہ وار ارد گرد گھوم رہے تھے۔(111)

۱۰۔ناخن تراشنا اور غیر ضروری بال مونڈنا

ناخن تراشنا اور جسم کے بعض حصوں کے بال کاٹنا،ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ مسنون بھی ہے۔جن میں سر، مونچھوں،بغلوں اور زیر ناف کے بال شامل ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: پانچ چیزیں فطرت سے ہیں ختنہ کرانا، زیر ناف اور بغلوں کے بال صاف کرنا،مونچھیں کاٹنا اور ناخن تراشنا"(112)

سید نا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مونچھیں تر شواتے تھے اور سید نا ابراہیم علیہ السلام بھی۔(113)

مونچھیں منڈائی بھی جاسکتی ہیں، البتہ لمبی مونچھیں رکھنا درست نہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بال اور ناخن کٹوا کر بقیع میں دفن کر دیتے تھے، مگر محققین نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔(114)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ سے یا دائیں طرف سے کام کرنے کو پسند فرماتے تھے، لہٰذا حجامت کراتے ہوئے بھی اس کا خیال رکھا جائے اور ناخن تراشتے وقت بھی دائیں ہاتھ کے ناخن پہلے کاٹے جائیں۔

تبرکات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات کے حصول کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ آپ وضو فرماتے تو صحابہ وضو کا پانی اپنے جسموں پر مل لیتے حتیٰ کہ ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہ دیتے۔ آپ حجامت کراتے تو صحابہ آپ کے موئے مبارک ہاتھوں ہاتھ لے جاتے۔ ایک مرتبہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک ایک شیشی میں جمع کرنے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اور دریافت فرمایا: ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟ عرض کرنے لگیں: اللہ کے رسول! ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک اپنی خوشبو میں ملا لیتے ہیں جس سے وہ خوشبو سب سے عمدہ اور بہترین بن جاتی ہے۔(114)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو انگوٹھی مبارک پہنتے تھے وہ آپ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہی۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کے بعد یہ بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس رہی۔ آخر وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بئر اَریس میں گر گئی۔(115)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے شاگردوں کو تسموں والا جوتا نکال کر دکھایا اور کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوتا مبارک ہے۔(116)

ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے لکڑی کا ایک پیالا نکالا جس کے اوپر لوہے کا کڑا چڑھا ہوا تھا۔ فرمانے لگے: اے ثابت! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیالا ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس میں شہد، نبیذ، دودھ اور پانی پلایا کرتا تھا۔(117)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات میں سے کچھ چیزیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر کے ایک کمرے میں

محفوظ کر رکھی تھیں۔ اگر قریش میں سے کوئی شخص ان کے پاس آتا تو یہ اسے ان تبرکات کی زیارت کراتے اور کہتے۔ یہ اس عظیم ہستی کی میراث ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے تمھیں عزت وشرف سے نوازا ہے۔ وہ تبرکات یہ تھے۔ گھاس پھوس کے بنے موٹے بان کی چار پائی، کھجور کے پتوں سے بھرا تکیہ، کھجور کی چھال سے بھرا چمڑے کا گدا، چادر، عصا، پیالا، گلاس، چکی اور ایک ترکش جس میں کچھ تیر بھی تھے۔ یہ سامان اون کے کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا۔ اس کپڑے کے متعلق آتا ہے کہ اسے دھو کر اس کا پانی ایک مریض کی ناک میں ڈالا گیا تو وہ صحت یاب ہو گیا۔ (118)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ تبرکات سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، جن میں چار پائی، عصا، پیالا، گلاس، کھجور کے پتوں سے بھرا تکیہ، جھالر والی چادر اور کجاوہ تھا۔ (119)

حوالہ جات

۔البغوی،شرح السنہ:۳۱۱۵

2۔سنن أبي داود:۳۴۴۷

3۔سنن ابی داود:۴۰۲۰

4۔سنن ابی داؤد:۴۰۲۳وسنن الترمذی:۳۴۵۸ج

5۔صحیح البخاری:۲۹۱۳،وصحیح مسلم:۱۴۷۹

6۔البزار،المسند:۴۴۰

7۔صحیح مسلم:۲۰۸۰

8۔الطبرانی،المعجم الکبیر ۱۳۵۷۸

9۔صحیح مسلم 91

10۔ابن القیم،زادالمعاد۴۲۶/۱

11۔الشیخ الاصبہانی،اخلاق النبی ص:۲/۲۱۷

12۔صحیح البخاری:۵۸۲۷

13۔سنن النسائی:۱۸۹۷

14۔سنن ابی داؤد:۳۸۷۸

15۔صحیح البخاری:۵۸۸۵

16۔صحیح البخاری:۵۸۳۰

17۔صحیح مسلم ۲۰۷۷

18۔ابن القیم،زادالمعاد:۴۲۶/۵۱

19۔صحیح مسلم:(۲۰۲۹)۵۴۱۷

20۔صحیح مسلم:(۲۰۶۹)۵۴۰۹

21۔صحیح مسلم:۲۱۲۸

22۔سنن أبي داود:۳۰۲۹وسنن ابن ماجہ:۳۶۰۲

23۔صحیح البخاری۵۷۸۷

24۔سنن النسائی:۵۳۳۶

25۔صحیح مسلم:(۲۰۹۹)۵۵۰۰

26۔سنن ابی داود:۳۰۲۵

27۔سنن ابن ماجہ:۳۵۷۷

28۔عبدبن حمید،المسند،۲۱۳۳۰

29۔سنن ابی داود:۴۰۲۷

30۔المقریزی،إمتاع الأسماع:۷/۳۷۸

31۔سنن ابی داود:۲۰۸۳

32۔سنن ابن ماجہ:۳۵۷۸

33۔سنن ابن ماجہ:۳۵۶۳

34 سنن ابی داؤد:۴۰۵۴

35۔سنن الترمذی

36۔صحیح البخاری:۴۴۲۱

37۔ابن قانع،معجم الصحابہ:۲۱۷/۲

38۔صحیح البخاری:۱۳۵۵۱

39۔صحیح البخاری:۳۵۶۶

40۔سنن ابی داود:۴۰۳۴

41۔ابن الجعد،المسند:۳۱۰۸

42۔سنن ابی داود ۴۰۳۷

43۔صحیح البخاری:۵۷۵۳وصحیح مسلم:۲۰۷۵

44۔صحیح البخاری:۲۶۵۷وصیح مسلم:۱۰۵۸

45۔الطبرانی،المعجم الاوسط:۲۵۹۴

46۔سنن ابی داؤد:۳۳۳۶

47۔البیہقی،شعب الایمان ۵۸۵۱

48۔صحیح مسلم:۱۳۵۸

49۔صحیح مسلم:۱۳۵۹

50۔ابن القیم،زادالمعاد:۱۳۰/۱

51۔صحیح مسلم:۱۳۵۹

52۔أبوالشیخ الاصبہانی،اخلاق النبی ص ۲۰۵

53۔الخرکوشی،شریف المصطفیٰ:۳/۳۱۸

54۔ابن حبان،۱:۱۳۹۵

55۔صحیح البخاری ۵۸۱۳وصحیح مسلم:۲۰۷۹

56۔سنن أبي داود:۴۰۷۳۰

57۔صحیح البخاری:۱۴۹۳وصحیح مسلم:۱۰۵۷

58۔ابوالشیخ الاصبہانی،اخلاق النبی ص:۱۶۸

59۔صحیح البخاری۱۲۷۷

60 صحیح البخاری:۳۳۸۰وصحیح مسلم:۲۹۸۰

61۔سنن أبي داؤد:۱۵۵وسنن الترمذی:۲۸۲۰

62۔صحیح البخاری:۳۸۰۰۰۹۲۷

63۔صحیح البخاری:۱۸۰وسنن ابی داؤد:۱۵۹

64۔الطبرانی، المعجم الکبیر :۷۶۲۰

65۔البیہقی، السنن الکبری:۴۱۹۰

66۔صحیح البخاری:۱۲۶ صحیح مسلم:۱۱۸۷

67۔ابوالشیخ الاصبہانی، اخلاق النبی ص ۳۲۴

68۔صحیح البخاری:۵۸۵۸

69۔الصالحی، سبل ال※ دی:۷/۳۱۸

70۔البیہقی، شعب الایمان:۵۵۸۵

71۔أبوالشیخ اصبہانی، اخلاق النبی ص:۵۰۴

72۔الفرکوشی، شرف المصطفی ۳/۲۷۵

73۔ابن حبان، الصحیح ۷۰۴

74۔أحمد بن حنبل، المسند ۱۳۹۷

75۔صحیح مسلم:۲۸۲

76الصالحی سبل الہدی:۷/۳۵۴

77۔صحیح مسلم:(۲۰۱۲)۵۴۳۷

78۔صحیح البخاری:۲۹۸وصحیح مسلم:۲۹۶و

79۔ضیاءالدین المتقدسی، الأحادیث المختارہ:۱۷۰۵

80۔الطبرانی المعجم الاوسط ۷۵۵۲

81۔صحیح مسلم ۲۹۵

82۔صحیح البخاری:۵۸۶ صحیح مسلم ۷۸۲

83۔ابویعلی المسند ۵۲۹۳

84۔صحیح مسلم ۸۷۲وابن خزیمہ، الصحیح ۱۸۰۰

85۔الطبرانی، الاوسط ۵۲۴۴۲۳۵۲

86۔البیہقی، السنن الکبری(۹۸

87۔صحیح البخاری:۵۹۲۴وصحیح مسلم:۲۱۵۶

88۔صحیح البخاری ۱۵۴۵

89۔البیہقی، شعب الایمان:۱۰۴۴

90۔سنن الترمذی:۲۰۲۸

91۔ابواشیخ الاصبہانی، اخلاق النبی ۱۲۸۵/۳

92۔ابوالشیخ الاصبہانی، اخلاق النبی ص:۸۸

93۔البیہقی، معرفۃ السنن والآثار:۹۷۲۵

94۔سنن الترمذی:۱۰۸۰

95۔البغوی، شرح السنہ ۳۶۶۲

96۔سنن النسائی:۵۱۱۹

97۔صحیح البخاری:۵۹۳۰،۲۶۷وصحیح مسلم:۱۱۹۲

98۔صحیح مسلم:۲۲۵۲

99۔صحیح البخاری:۵۹۲۹وأحمد بن حنبل، المسند:۱۳۹۱۷

100۔صحیح مسلم ۲۲۵۳

101۔ابن القیم، زاد المعاد ۱۱۷

102۔سنن ابن ماجہ:۳۱۳۲۳۱۳۵

103۔سنن أبي داؤد:۴۱۹۰

104۔سنن أبي داؤد:۳۱۹

105۔صحیح البخاری:۵۵۸۳وصحیح مسلم:۲۳۳۶

106۔سنن ابی داؤد:۸۹۳وسنن ابن ماجہ ۳۹۳۳

107۔صحیح البخاری ۵۸۹۹ صحیح البخاری ۵۸۵۷

108۔صحیح البخاری ۵۸۹۷وسنن ابن ماجہ ۳۶۲۳

109۔صحیح مسلم ۲۱۰۲

110۔صحیح مسلم:۱۳۰۵

111۔صحیح البخاری:۱۲۹۷وصحیح مسلم:۲۵۷

112۔الطحاوی، شرح معانی الآثار:۶۵۵۸

113۔ابوالشیخ واصبہانی، اخلاق النبی ص، ۱۴

114۔صحیح مسلم:۲۳۳۱

115۔صحیح البخاری ۵۸۲۶

116۔صحیح بخاری:۵۸۵۸

117۔مسلم:۲۰۰۸

118۔ابونعیم، حلیۃ الاولیا 122

119۔الصالحی، سبل الہدی ۷/۳۵۴

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لباس میں سب سے زیادہ کیا پسند تھا؟

....

....

2. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلہ مبارک کیسا تھا؟

....

....

3. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ٹوپی کیسی تھی؟

....

....

4. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیاداری میں اپنی مثال کیسے دی؟

....

....

5. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون سی خوشبو سب سے زیادہ پسند تھی؟

....

....

6. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالوں میں مانگ کیسے نکالتے تھے؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہودی اور عیسائی بالوں کو نہیں رنگتے، لہٰذا تم ان کی......کرو گے۔

موافقت ☐ مشابہت ☐ مخالفت ☐ متابعت ☐

② سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی......کانوں اور کندھوں کے درمیان تک تھیں۔

چادر ☐ قمیص ☐ زلفیں ☐ تلوار ☐

③ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ داڑھی اور سر مبارک کے بالوں کو......لگایا کرتے تھے

خضاب ☐ زعفران ☐ ورس ☐ تیل ☐

④ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریم ﷺ کے......موجود تھے۔

جوتے ☐ تبرکات ☐ موزے ☐ معجزات ☐

⑤ سبتی جوتا بغیر بالوں کے......سے تیار کیا جاتا تھا۔

لکڑی ☐ کنکر ☐ چمڑے ☐ مٹی ☐

⑥ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سفید شامی......پہنتے تھے۔

قمیص ☐ شلوار ☐ چادر ☐ ٹوپی ☐

ماکولات ومشروبات
اور
نبوی تعلیمات

سبق نمبر
27

خلاصۂ سبق

زیرِ نظر تحریر میں نبی کریم ﷺ کی معمول کی غذاؤں اور مرغوب کھانوں کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کے آداب اور دیگر نبوی ہدایات بیان ہوئی ہیں

کاشانۂ نبوی میں فاقہ کشی

سرکارِ دو عالم ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ کئی کئی دن فاقوں سے گزرتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے اور پوچھا: عائشہ! تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کھانے کی کوئی بھی چیز موجود نہیں۔ آپ ﷺ فرمانے لگے: اچھا، تو پھر میرا روزہ ہے۔ (1)

نبی کریم ﷺ اکثر اوقات روزے سے ہوتے تھے۔ بعض اوقات آپ ﷺ اتنی کثرت سے روزے رکھتے کہ دیکھنے والا کہتا: اللہ کی قسم! آپ ﷺ کوئی ناغہ نہیں کریں گے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سیدنا داؤد علیہ السلام کے روزے بہت پسند تھے، یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن ناغہ۔ (2)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تاحیات کبھی بھی تین دن مسلسل پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ (3)

دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے گھروں میں دو دو ماہ تک دو تین مرتبہ بمشکل چولھا جلتا تھا۔ (4)

میسر غذا پر قناعت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر والوں کو صرف اتنا رزق عطا فرما جس سے وہ زندہ رہ سکیں۔(5)

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ لوگوں سے کہنے لگے تم قسما قسم کی کھجور اور مکھن پر بھی راضی نہیں، کیا تمہیں اپنی مرضی کا کھانا پینا میسر نہیں ہے؟ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے پاس ہلکی قسم کی کھجوریں بھی اتنی نہیں ہوتی تھیں جن سے آپ اپنا پیٹ بھر سکیں۔(6)

مرغوب غذائیں

یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معروف پسندیدہ غذاؤں کا تذکرہ کیا جاتا ہے

ا۔ کھجور مع کھیرا یا تربوز

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھجور کے ساتھ ککڑی (کھیرا یا ر) تناول فرماتے ہوئے دیکھا۔(7)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے ساتھ تربوز بھی تناول فرماتے تھے۔(8)

کھجور کی تاثیر گرم ہے اور کھیرے، تر یا تربوز کا مزاج ٹھنڈا ہے۔لہٰذا گرم اور ٹھنڈی چیزیں ملا کر کھانے سے ان کی تاثیر معتدل ہو جاتی ہے۔ کھجوروں میں سے عجوہ کھجور سب سے زیادہ فضیلت واہمیت کی حامل ہے۔فرمان نبوی ہے: جو شخص روزانہ صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھالے اسے نہ زہر نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ جادو۔(9)

۲۔ دودھ

دودھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرغوب غذاؤں میں سے تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دودھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ مشروب تھا۔(10)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ کا تحفہ لازماً قبول فرماتے تھے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوس میں کچھ انصار رہتے تھے۔ وہ آپ کی خدمت میں دودھ بھیجتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا تحفہ قبول فرماتے اور آپ وہ دودھ ہمیں بھی پلاتے تھے۔(11)

حدیث مبارکہ ہے کہ صرف دودھ ہی ہے جو کھانے اور مشروب دنوں کا فائدہ دیتا ہے۔ (12)

۳۔ شہد اور میٹھی اشیا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہد اور دیگر میٹھی چیزیں بہت پسند تھیں۔ (13)
شہد غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ اس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ (14)

۴۔ زیتون

اللہ تعالی نے اس کی قرآن میں قسم بھی کھائی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فاقہ کشی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور زیتون کے تیل سے کبھی سیر نہیں ہوئے حتی کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (15)

سیدنا ابو اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زیتون کا تیل کھاؤ اور اس سے مالش بھی کرو، کیونکہ یہ ایک مبارک درخت کا تیل ہے۔ (16)

۵۔ ثرید

روٹی کے ٹکڑے شوربے میں بھگونا ثرید کہلاتا ہے۔ یہ کھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا مرغوب تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کھانے کی تشبیہ اپنی سب سے محبوب بیوی سے دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کی فضیلت باقی عورتوں پر ایسے ہی ہے جیسے ثرید کو باقی کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (17)
سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک غلام کے ہاں تشریف لے گئے جو درزی تھا۔ اس نے آپ کی خدمت میں ثرید کا ایک پیالا پیش کیا۔ (18)

۶۔ حَیس

کھجور، پنیر اور گھی کے محلول کو حیس کہتے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسندیدہ کھانوں میں میں بھی شامل تھا۔ (19)
سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر سے واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولیمے پر حیس پیش کیا گیا۔ (20)

۷۔خزیرہ

یہ قیمے میں آٹا ڈال کر پکایا جاتا ہے۔اس کا تذکرہ سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ملتا ہے۔سیدنا عتبان رضی اللہ عنہ کی نظر کافی کمزور ہوگئی۔انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگی اور آپ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ان کے گھر تشریف لے گئے۔آپ نے ان کے گھر ایک جگہ نماز ادا کر کے ان کے لیے نماز پڑھنے کی جگہ مقرر فرما دی۔بعد میں انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیافت کے لیے خزیرہ پیش کیا۔(21)

۸۔حریرہ

یہ دودھ، آٹے اور گھی سے تیار کردہ حلوہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر سیدہ فاطمہ، پتھر کی ہانڈی میں حریرہ تیار کر کے لائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کو بھی بلاؤ۔چنانچہ سیدنا علی اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے مل کر حریرہ تناول فرمایا۔(22)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوس میں کچھ انصار رہتے تھے۔وہ کبھی آپ کی خدمت میں خزیرہ بھیج دیتے اور کبھی حریرہ۔(23)

۹۔تلبینہ

یہ حریرہ جیسا ہی ایک کھانا ہے مگر اس میں شہد بھی ڈالتے ہیں۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تلبینہ مریض کو دلی سکون دیتا اور اس کا غم دور کرتا ہے۔(24)

۱۰۔پنیر

یہ دودھ کو پھاڑ کر تیار کیا جاتا ہے۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پنیر پیش کیا گیا۔آپ نے چھری منگوائی، اللہ کا نام لے کر اسے کاٹا اور تناول فرمایا ہے۔(25)

۱۱۔سرکہ

یہ گنے یا انگور کے شیرے سے بنتا ہے۔سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہلخانہ سے سالن کا پوچھا۔گھر والوں نے عرض کیا کہ صرف سرکہ موجود ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرکہ منگوا کر اسی سے کھانا تناول کیا

اورفرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے۔(26)

۱۲۔ستو

ستو جو سے بنتے ہیں۔ یہ کھانے کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں اور مشروب کے طور پر بھی۔ سیدنا سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیبر کے پاس مقام صہباء پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا طلب فرمایا، لیکن ستوؤں کے سوا کچھ نہ ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی پھانک لیے، پھر پانی منگوا کر کلی کی اور نماز ادا فرمائی۔(27)

۱۳۔کدو

اس سے گھیا اور لو کی دونوں مراد ہیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک غلام کے پاس تشریف لے گئے جو درزی تھا۔ اس نے آپ کی خدمت میں کدو کا سالن پیش کیا اور آپ نے وہ تناول فرمایا۔ جب سے میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو پسند ہے تو اس دن سے میں بھی بڑے شوق سے یہ کھاتا ہو۔(28)

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام سبزیاں پسند فرماتے تھے۔(29)

۱۴۔روٹی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گندم کی روٹی بھی تناول فرماتے تھے اور جو کی بھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاحیات مسلسل تین دن گندم کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے۔ دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل خانہ کی صبر آزما گھڑیوں کا تذکرہ ہے، بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دن مسلسل جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔(30)

۱۵۔گوشت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو سب سے زیادہ مرغوب گوشت تھا اس کا بھی یہاں تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ ان جانوروں کا ذکر بھی آیا ہے جن کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوشت تناول فرمایا ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بکری کا ہڈی والا گوشت بہت پسند تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دستی کا گوشت بھی بہت پسند تھا۔ اسی لیے یہودیوں نے بکری کی دستی زہر آلود کر کے آپ کی خدمت میں پیش کی تھی۔(31)

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ چند صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ وہ آپ کی خدمت میں اونٹ کا عمدہ اور بہترین گوشت پیش کر رہے تھے۔ آپ ﷺ فرمانے لگے: "سب سے عمدہ گوشت چانپ کا ہوتا ہے۔" (32)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے ایک گائے کی قربانی کی۔ (33)

اس سے آپ ﷺ کے گائے کا گوشت کھانے کا اشارہ ملتا ہے۔ سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ مرغی کا گوشت تناول فرما رہے تھے۔ (34)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مچھلی کا گوشت تناول فرمایا۔ (35)

نبی کریم ﷺ کو بھنا ہوا گوشت بہت مرغوب تھا۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے خرگوش کا گوشت بھون کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے ان کا یہ تحفہ قبول کیا اور خرگوش کا گوشت تناول فرمایا۔ (36)

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سُرخاب یا تلور کا گوشت بھی تناول فرمایا۔ (37)

۱۶۔ پیلو کا پھل

پیلو کے درخت کی جڑ اور شاخ سے مسواک بھی بنائی جاتی ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مرالظہر ان نامی جگہ پر موجود تھے۔ ہم وہاں پیلو کا پھل چننے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سیاہ رنگ کا پھل چنو، یہ زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ (38)

مشروبات

مشروبات میں رسول اللہ ﷺ کو ٹھنڈا اور میٹھا مشروب زیادہ پسند تھا۔ (39)

آپ ﷺ درج ذیل مشروبات زیادہ تر نوش فرماتے تھے۔ (40)

۱۔ شہد کا مشروب

نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ روزانہ نماز عصر کے بعد اپنی تمام بیویوں کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ جب آپ ﷺ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے تو وہ آپ کی خدمت میں شہد کا شربت بنا کر پیش کرتیں اور آپ

وہ نوش فرماتے تھے۔(41)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہد کا شربت پینے کے متعلق ازواج مطہرات کے مابین ایک واقعہ بھی پیش آیا تھا، جس کا تذکرہ باب: ۳۳۶ میں ہوا ہے۔

۲۔ دودھ کا شربت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ میں نے بکری کا دودھ دوھ کر اس میں کنویں کا ٹھنڈا پانی ملایا اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب ایک دیہاتی بیٹھا تھا اور بائیں جانب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ آپ نے وہ شربت نوش فرما کر پیالا اس دیہاتی کو پکڑا دیا اور فرمایا: دائیں طرف سے شروع کرنا چاہیے۔(42)

۳۔ نبیذ

کھجور یا منقے کو کچھ دیر پانی میں بھگو کر نرم کرنا اور پھر اس کا شربت بنانا نبیذ کہلاتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک مشکیزے میں نبیذ تیار کیا جاتا تھا۔ صبح کا رکھا ہوا آپ شام کو نوش فرما لیتے اور شام کا رکھا ہوا صبح کو۔(43)

سیدنا ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ آپ ان کے ہاں تشریف لائے۔ انھوں نے آپ کی خدمت میں مشروب کے طور پر نبیذ پیش کیا۔(44)

ایسا نبیذ حرام ہے جس میں نشہ پیدا ہو جائے۔ چاہے وہ کچے پھل کی وجہ سے ہو، جوش دینے سے ہو یا زیادہ دنوں تک رکھنے کی وجہ سے ہو۔

کھانے پینے کے آداب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو کھانے پینے کے آداب بھی بتائے ہیں۔ ان پر عمل کرنا مثالی مسلمان کی پہچان اور اچھی صحت کی ضمانت ہے۔ یہ آداب ذیل میں ذکر کیے جا رہے ہیں۔

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے چاہئیں۔ امام ابوداؤد نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے متعلق باب قائم کیا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ منہ دھونا چاہیے۔(45)

کھانا دائیں ہاتھ کے ساتھ اپنے آگے سے اور بیٹھ کر کھانا چاہیے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر کھانے پینے سے منع فرمایا ہے، بلکہ آپ ڈانٹتے تھے۔ اس روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ کھڑے ہو کر کھانا بہت نقصان دہ ہے۔(46)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میز پر کبھی کھانا نہیں کھایا، بلکہ آپ دستر خوان پر کھانا تناول فرماتے تھے۔(47)

پیٹ میں گنجائش رکھ کر کھانا کھانا چاہیے، البتہ پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے۔(48)

کھانا کھاتے وقت کسی چیز شے پر ٹیک نہ لگائی جائے۔(49)

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے۔(50)

کھانے میں عیب نکالنا درست نہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا۔ اگر آپ کا جی چاہتا تو تناول فرما لیتے اور کھانا پسند نہ ہوتا تو چھوڑ دیتے۔(51)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیے کے طور پر پیش کیا گیا کھانا بغیر تحقیق کے تناول نہیں فرمایا کرتے تھے۔(52)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔(53)

کھانے کے بعد کلی کرنا بھی ثابت ہے۔ کھانا کھانے کی دعائیں اسی باب میں شب و روز کے وظائف کے تحت ذکر ہوئی ہیں۔(54)

حوالہ جات

1_صحیح مسلم:۱۱۵۴

2_صحیح البخاری:۱۹۷۱وصحیح مسلم:۱۱۵۷

3_صحیح البخاری:۱۱۳۱وصحیح مسلم:۱۱۵۹

4_صحیح مسلم:۲۹۷۰(۷۴۵۲۰۷۴۴۴)

5_صحیح البخاری:۶۴۶۰

6_صحیح مسلم:۱۰۵۵(۷۴۴۰)

7_صحیح مسلم:۲۹۷۷(۷۴۶۰۰۷۴۵۹)

8_صحیح البخاری:۵۴۴۰وصحیح مسلم:۲۰۴۳۰

9_سنن ابی داؤد:۳۸۳۶

10_صحیح البخاری:۵۴۴۵وصحیح مسلم:۲۰۴۷

11_أبوقیم الأ صفہانی،الطب النبوی:۷۴۵

12_صحیح البخاری:۲۵۶۷وصحیح مسلم:۲۹۷۲(۷۳۵۲

13_سنن ابی داؤد:۳۷۳۰وسنن الترمذی:۳۳۵۵

14_صحیح البخاری:۵۴۳۱وصحیح مسلم ۱۴۷۴۰

15_النحل:۶۹

16_صحیح مسلم:۲۹۷۴

17_سنن الترمذی:۱۸۵۲

18_صحیح البخاری:۱۳۲۳۳وصحیح مسلم:۲۴۳۱

19_صحیح البخاری:۵۴۲۰

20_البیھقی،شعب الایمان:۵۵۱۳

21_صحیح البخاری۳۷۱

22_صحیح البخاری:۲۴۲۵ صحیح مسلم ۳۳۰

23_أحمد بن حنبل،فضائل الصحابہ:۲/۵۸۷

24_اسحاق بن راہویہ،المسند:۸۵۱

25_صحیح البخاری:۵۴۱۷وصحیح مسلم:۲۲۱۶

26_سنن ابی داؤد:۳۸۱۹

27_صحیح مسلم:۲۰۵۲

28_صحیح البخاری:۲۹۸۱

29_صحیح البخاری:۵۴۳۳وصحیح مسلم:۲۰۴۱

30_أبوالشیخ الاصبہانی،اخلاق النبی ص ۲۰۲

31_صحیح مسلم:۲۹۷۰(۷۴۴۴،۷۴۴۵)

32_سنن ابی داؤد:۳۷۸۱،۳۷۸۰

33_سنن ابن ماجہ:۳۳۰۸

34_صحیح البخاری:۲۹۴

35_صحیح البخاری۵۵۱۷

36_صحیح البخاری:۴۳۶۲وصحیح مسلم:۱۹۳۵

37_صحیح البخاری:۲۵۷۲

38_سنن ابی داؤد:۳۷۹۷

39_صحیح البخاری ۵۴۵۳وصحیح مسلم:۲۰۵۰

40_سنن الترمذي:۱۸۹۵

41_صحیح البخاری ۱۳۹۳ صحیح مسلم:۱۴۷۴(۳۶۷۹)

42_صحیح البخاری ۵۱۱۳وصحیح مسلم ۲۰۲۹

43_صحیح مسلم:۲۰۰۵

44_صحیح البخاری:۵۵۹۱وصحیح مسلم:۲۰۰۶

45_سنن ابن ماجہ ۳۲۶۰

46_صحیح البخاری:۵۳۷۷وصحیح مسلم:۲۰۲۴۰

47_صحیح البخاری:۵۳۸۶

48_صحیح البخاری:۵۳۹۳

49_صحیح البخاری:۵۳۹۸

50_صحیح مسلم:۲۰۳۲

51_صحیح البخاری:۵۴۰۹

52_صحیح البخاری:۳۷۶۲

53_سنن ابی داؤد:۳۷۸۲وسنن ابن ماجہ:۳۲۸۸

54_صحیح البخاری:۵۴۵۴

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا دعا کیا کرتے تھے؟

....

....

2. ثرید کس کھانے کو کہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس سے تشبیہ دی؟

....

....

3. سرکہ کیسے بنتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں کیا فرمایا؟

....

....

4. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کن کن جانوروں کا گوشت تناول فرمایا:

....

....

5. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنی انگلیوں سے کھانا نوش فرماتے تھے؟

....

....

6. نبیذ کا کیا حکم ہے؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① نبی کریم ﷺ ...... کے طور پر پیش کیا گیا کھانا بغیر تحقیق کے تناول نہیں فرمایا کرتے تھے۔

صدقے ☐ ہدیے ☐ فدیے ☐ فطرانے ☐

② پیلو کے درخت کی جڑ اور شاخ سے ...... بھی بنائی جاتی ہے۔

قلم ☐ دیوار ☐ مسواک ☐ چھت ☐

③ ... مریض کو دلی سکون دیتا اور اس کا غم دور کرتا ہے۔

حریسہ ☐ زیتون ☐ سرکہ ☐ تلبینہ ☐

④ اس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ ...... میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔

تلبینہ ☐ منقی ☐ دودھ ☐ شہد ☐

⑤ نبی کریم ﷺ اکثر اوقات ...... سے ہوتے تھے۔

فاقے ☐ روزے ☐ کھوئے ☐ پریشان ☐

⑥ حدیث مبارکہ ہے کہ صرف ...... ہی ہے جو کھانے اور مشروب دنوں کا فائدہ دیتا ہے۔

شہد ☐ دودھ ☐ ثرید ☐ چائے ☐

سبق نمبر 28

نبی کریم ﷺ کے یومیہ معمولات

خلاصۂ سبق

اس عنوان کے تحت آپ ﷺ کے وہ مبارک معمولات بیان کرنے مقصود ہیں جو آپ کو شب و روز پیش آتے تھے۔ رہے وظائف واذکار تو وہ علیحدہ سے ایک باب میں دیے گئے ہیں۔ جہاں تک سال بعد روزوں، حج یا جہادی اسفار، اقدامات اور معمولات کا تذکرہ ہے وہ اپنے اپنے مقام پر بیان ہو چکے ہیں۔ اس مقالے سے واضح ہوگا کہ آپ ﷺ کون سا کام کس وقت اور کتنے دورانیے میں کیا کرتے تھے اور آپ کی ترجیحات کیا تھیں۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے افعال کے ساتھ ساتھ اقوال کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے کیونکہ آپ ﷺ اپنی تعلیمات پر سب سے بڑھ کر عمل پیرا ہونے والے تھے۔

تہجد کے لیے بیداری

نبی ﷺ حکم الٰہی کے مطابق زندگی کے آخر تک تہجد کا اہتمام فرماتے رہے حتیٰ کہ اسفار میں بھی آپ رات کی نماز ادا کرتے۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رات کے وقت حالت سفر میں سواری پر آپ ﷺ کو نفل پڑھتے دیکھا۔(1)

حسب ذیل روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رات کی آخری تہائی یا اس سے پہلے بیدار ہو جایا کرتے تھے۔

1. سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری۔ جب رات کا

آخری تہائی حصہ شروع ہوا تو آپ ﷺ بیدار ہو گئے۔(2)

② نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب رات کی آخری تہائی ہوتی ہے تو اللہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔(3)

اس حدیث میں اس وقت دعا مانگنے کی ترغیب ہے اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ ﷺ اس وقت آرام فرما ہوں۔

سیدنا مسروق رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ (قیام اللیل کے لیے) کب اٹھتے تھے؟ وہ فرمانے لگیں۔آپ ﷺ اس وقت بیدار ہوتے تھے جب مرغ کی آواز سن لیتے تھے۔(4)

یہ یاد رہے گھروں میں ان دنوں چراغ نہیں ہوتے تھے۔(5)

ہے جب آپ ﷺ بیدار ہوتے تو وضو کا پانی اور مسواک آپ کے سرہانے کے پاس موجود ہوتے۔تہجد سے پہلے آپ مسلم قضائے حاجت سے فارغ ہوتے۔(6)

اور مسواک کیا کرتے تھے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

إِذَا قَامَ الرَّجُلُ يَتَوَضَّأُ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ وَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى أَطَافَ بِهِ الْمَلَكُ وَدَنَا مِنْهُ حَتَّى يَضَعَ فَاهُ عَلَى فِيهِ(7)

''جب آدمی رات یا دن کو بیدار ہو کر وضو کرتا ہے، وضو اچھے انداز سے کرتا ہے اور مسواک بھی کرتا ہے، پھر نماز شروع کرتا ہے تو فرشتہ اسے گھیر لیتا ہے اور اس کے قریب ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ لیتا ہے۔''

علاوہ ازیں آپ مسلم رات کو یا دن کو جب بھی بیدار ہوتے مسواک ضرور کرتے۔(8)

نمازِ تہجد

رسول اکرم ﷺ عموماً تہجد کی گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔(9)

جب کہ ۱۳ رکعات پڑھنے کا تذکرہ بھی سنداً ثابت ہے۔(10)

آپ آیت رحمت پر ٹھہر کر (رحمت کا) سوال بھی کرتے اور آیت عذاب پر ٹھہر کر عذاب سے پناہ بھی مانگتے۔(11)

اس طرح کم و بیش سوا دو سے ڈھائی گھنٹے بنتے ہیں۔

یہ تو عمومی صورت حال تھی۔بعض اوقات تہجد میں آپ ﷺ طویل قیام بھی فرماتے۔آپ ﷺ رات کی نماز کی ایک رکعت میں سورۃ بقرہ، سورۂ نساء اور سورۃ آل عمران پڑھنا بھی ثابت ہے۔(12)

عموماً ایک سجدہ ۵۰ آیات پڑھنے کے بقدر لمبا ہوتا۔(13)

نماز تہجد کے بعد

نبی کریم ﷺ تہجد کے بعد اذان فجر سے پہلے آرام فرماتے تھے۔اس کی ایک دلیل تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ میرے ہاں جب بھی آپ ﷺ سحری کا وقت ہوتا تو آپ آرام فرما رہے ہوتے۔(14)

دوسری دلیل یہ ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے قیام کو آپ ﷺ نے پسندیدہ قرار دیا ہے۔ وہ نصف رات کو بیدار ہوتے، رات کا تہائی حصہ قیام فرماتے اور آخری چھٹے حصے میں آرام کرتے۔(15)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے معمول کے متعلق بتاتے ہیں: آپ ﷺ نے تہجد کی نماز پڑھی اور آرام کیا، پھر مؤذن آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ اُٹھے، نماز پڑھائی اور آپ نے وضو کا اعادہ نہ کیا۔(16)

یہ وہ وقت تھا جس میں آپ ﷺ کے پاس کوئی نہیں آتا تھا۔(17)

نماز فجر

اذان فجر کے بعد آپ ﷺ ہلکی سی دو رکعتیں پڑھتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ رکعتیں اس قدر مختصر ہوتی تھیں کہ میں سوچتی: آیا آپ نے سورہ فاتحہ بھی پڑھی ہے؟(18)

فجر کی سنتوں میں آپ ﷺ کونسی سورتیں پڑھتے تھے؟ آیئے اس کا جواب اس صحابی کے الفاظ میں پڑھتے ہیں جو مہینہ بھر اس معمول کو جاننے کی جو میں رہے۔ وہ صحابی ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہ کہتے ہیں: آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں سورۃ (یَا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ) اور سورۃ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ) پڑھتے تھے۔(19)

آپ ﷺ فجر کی سنتوں کے بعد اپنے دائیں پہلو پر لیٹتے تھے۔(20)

اس کی وضاحت اس طرح بھی آئی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ فجر کی سنتیں ادا کر لیتے، پھر اگر میں جاگ رہی ہوتی تو بات چیت فرماتے، بصورت دیگر لیٹ جاتے۔ پھر آپ ﷺ کو نماز کے لیے اطلاع دی جاتی۔(21)

سنتوں کے بعد فجر کی نماز پڑھاتے۔اس میں عمومی طور پر ۶۰ سے ۱۰۰ آیات تک تلاوت فرماتے۔(22)

غرضیکہ ایک رکعت میں بھی ۶۰ سے ۱۰۰ آیات کی تلاوت ثابت ہے اور دونوں میں بھی لیکن تعداد آیات کے ساتھ تعیین نہیں کی گئی۔ یا پھر ۶۰ میں کم سے کم اور 100 میں زیادہ سے زیادہ آیات کی تلاوت کا ذکر ہے۔

نماز فجر کے بعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر کے بعد اس کے متعلقہ اور صبح کے ذکر اذکار فرماتے۔اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رات دیکھے گئے خوابوں کی تعبیر بتاتے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باقاعدہ پوچھتے

هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمُ الْبَارِحَةَ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا (23)

''کیا تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟''

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر کوئی خواب دیکھا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ بھی بیان فرماتے۔جیسا کہ صحیح بخاری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک طویل خواب کا تذکرہ ہے جو نماز فجر کے بعد آپ نے سنایا تھا۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ باب قائم کیا ہے صبح کی نماز کے بعد خواب کی تعبیر بیان کرنا۔(24)

یہ ایک دلچسپ مجلس ہوتی تھی۔بعض اوقات سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اجازت لے کر تعبیر نکالتے۔(25)

اگر رات کو کوئی وحی آئی ہوتی تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر کے بعد ہی لوگوں کو بتاتے۔جیسا کہ سیدنا کعب بن مالک اور ان کے دو رفقاء بلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کی توبہ کی قبولیت کی اطلاع بذریعہ وحی رات کو آ گئی تھی۔سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رات ہی کو سیدنا کعب کی طرف خوشخبری بھیجنے کی اجازت چاہی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہ دی بلکہ فجر کے بعد یہ اطلاع دی۔(26)

نماز فجر سے طلوع آفتاب کے دورانیے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام سے محو گفتگو بھی ہوتے۔سیدنا سماک بن حرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مجلس کیا کرتے تھے؟ وہ کہنے لگے: ہاں، بہت زیادہ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس جگہ نماز فجر پڑھتے تھے، طلوع آفتاب تک وہیں بیٹھے رہتے تھے۔

سورج طلوع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اُٹھتے تھے۔اس دوران میں صحابہ کرام آپ سے باتیں کرتے رہتے، پھر ایام جاہلیت کا تذکرہ بھی کرتے۔صحابہ کرام ان باتوں پر ہنستے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسکرا رہے ہوتے۔(27)

ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کم گو تھے۔ ہنسے بھی کم تھے۔آپ کے اصحاب آپ کے سامنے اشعار پڑھتے اور اپنے امور کا تذکرہ بھی کرتے۔(28)

اس وقت صحابہ کرام بھی نظام سے مجلس اور خوابوں کی تعبیر کے ساتھ ساتھ ذکر ونصیحت اور تذکیر وتلقین آپ علم کو بڑی پسند تھی۔ایسی نصیحت وتذکیر جس سے اللہ کی عظمت اور یاد تازہ ہو۔ارشاد نبوی ہے کہ میں نماز فجر سے طلوع آفتاب تک کسی

ایسی قوم کے ساتھ بیٹھوں جو اللہ کا ذکر کر رہے ہوں، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں اولادِ اسماعیل میں سے چار غلام آزاد کروں۔(29)

طلوعِ آفتاب کے بعد اشراق کے نفل

طلوعِ آفتاب کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضحیٰ کی نماز پڑھتے۔ یہ ۲ سے ۸ رکعات تک ہیں۔ ایک انصاری صحابی کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعات نماز بھی ادا کیں۔(30)

فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے ہاں ۸ رکعات پڑھی تھیں۔(31)

سیدہ معاذہ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ ضحیٰ کتنی رکعات پڑھتے تھے؟ کہنے لگیں: چار رکعات اور اس سے زیادہ جتنی چاہتے۔(32)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضر میں زیادہ تر نمازِ ضحیٰ مسجد ہی میں ادا فرماتے تھے۔ اس کی ایک دلیل تو سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں وضاحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضحیٰ کی نماز پڑھنے کے بعد ان کے حجرے میں تشریف لائے۔(33)

دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ فجر کے بعد اشراق تک مسجد میں بیٹھنے کی فضیلت بیان فرمائی حدیث ہے

مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ، ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ (34)

”جس نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی، پھر طلوعِ آفتاب تک اسی جگہ بیٹھا ذکر اذکار کرتا رہا، پھر اس نے دو رکعات ادا کیں تو اسے ایک حج اور عمرے جتنا ثواب ملتا ہے۔“

البتہ سفر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ اشراق گھر میں ادا فرماتے تھے۔(35)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سے یمن و برکت کا حصول

نمازِ فجر سے لے کر نمازِ اشراق تک کے دورانیے میں مدینہ منورہ کے رہائشیوں کے خادم اپنے اپنے پانی کے برتن وغیرہ لے آتے جن میں پانی بھی ہوتا۔ جو بھی برتن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا جاتا، آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے۔ سخت سردی میں بھی لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی پروا کیے بغیر ایسا ہی عمل فرماتے۔(36)

گھر واپسی اور ناشتہ

آپ فجر کی نماز پڑھانے مسجد جاتے اور سارے امور نمٹا کر جس زوجہ محترمہ کے ہاں قیام ہوتا، ان کے ہاں ہی تشریف لے جاتے۔ جیسا کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سے گئے اور واپس انھی کے ہاں ہی آئے تو وہ اپنی جگہ بیٹھی تسبیحات کر رہی تھیں۔(37)

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جانا بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ حدیث آ رہی ہے۔ اس کے بعد ناشتہ کرتے لیکن یہ گھر آتے ہی فوری نہیں بلکہ قدرے تاخیر سے ہوتا تھا کیونکہ اگر ضحیٰ کی نماز کے بعد جلد ہی ناشتہ کرنے کی عادت مبارکہ ہوتی تو سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو مصلے کی بجائے چولھے کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ مگر ناشتے میں زیادہ تاخیر بھی نہیں ہوتی تھی کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ جب میرے ہاں آتے تو پوچھتے: تمھارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ جب ہم کہتیں نہیں تو آپ ﷺ فرماتے: پھر میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔(38)

ظاہر ہے یہ روزہ رکھنا دن کے اوائل ہی میں ہوسکتا ہے۔ یاد رہے! طلوع فجر کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کے آغاز ہی میں نفلی روزہ رکھنے کا ارادہ کیا جاسکتا ہے، جب کہ فرض روزے کے لیے فجر سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے۔(39)

ان روایات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اپنی عبادت کا موقع بھی دیتے تھے اور کھانے میں تاخیر یا مطلقاً نہ ہونے کی صورت کسی ردعمل کا اظہار بھی نہیں فرماتے تھے۔

کہیں آنے جانے کا موزوں وقت

آنحضرت ﷺ ناشتے کے بعد کسی کام سے جانا ہوتا تو چلے جاتے۔ ایک دن سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں عنقریب ایسا کروں گا اور اگلے دن پہلے پہر آپ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اُن کے ہاں پہنچ گئے اور جاتے ہی نماز پڑھائی۔(40)

استدلال یہ ہے کہ جانے کا یہ وقت طلوع آفتاب کے بعد تھا کیونکہ اگر یہ وقت طلوع آفتاب سے پہلے کا ہوتا، اس وقت تو نفل نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ اس کی مزید دلیل صحیح بخاری کی اسی حدیث میں امتدّ النہار (41) کے الفاظ بھی ہیں جس کے معنی ہیں: دن چڑھ گیا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ خیبر پہنچنے کا وقت ان الفاظ میں بتاتے ہی

صَبَّحْنَا خَيْبَرَ بُكْرَةً(42)

''ہم صبح سویرے خیبر پہنچ گئے۔''

اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انصار و مہاجرین ایک سرد ترین صبح کو خندق کھودنے کے لیے نکلے۔(43)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دن کے ابتدائی حصے کے لیے برکت کی دعا مانگی تھی۔(44)

اسی لیے آپ اللہ نے کوئی لشکر روانہ کرنا ہوتا تو دن کے آغاز ہی میں بھیجتے۔(45)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ملاقات کے لیے اکثر لوگ پہلے پہر ہی آتے تھے کیونکہ سنت نبویہ کی روشنی میں وہ بھی علی الصبح دیدار نبوی کی تڑپ لیے روانہ ہوتے تھے۔ سیدنا طارق اشجعی کہتے ہیں: ایک صبح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعد ازاں ایک اور آدمی بھی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک خاتون بھی آئی۔ وہ آدمی پوچھنے لگا: اللہ کے رسول! جب میں نماز پڑھوں تو کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کہو:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَارْحَمْنِی وَاھْدِنِی وَارْزُقْنِی(46)

''اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت سے نواز اور مجھے رزق عطا فرما۔ اس دعا میں تیری دنیا اور آخرت جمع ہوگئی۔''

فیصلے اور احکامات جاری کرنے کا وقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح ہوتے ہی اہم فیصلے فرما دیتے۔ جیسے ایک نابینا صحابی نے اپنی ام ولد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کے باعث قتل کیا۔ صبح آپ کو اطلاع ملی تو آپ نے لوگوں کو اکٹھا کر لیا اور اس خاتون کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔(47)

سیدنا جبریل علیہ السلام ایک دفعہ ایک پلے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن صبح ہوتے ہی کتوں کو مارنے کا حکم دے دیا۔(48)

ایک خاتون کو رجم کرنے کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا انیس رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ صبح جا کر اعتراف کے بعد اسے سنگسار کر دینا۔(49)

ان روایات سے عہد نبوی کا یہ معمول سامنے آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناشتے سے لے کر زوال تک کے وقت میں روزانہ پیش آنے والے معاملات کے فیصلے فرماتے، مختلف احکامات جاری کرتے اور ضروری کام نمٹاتے تھے۔

نماز ظہر

آپ ﷺ کا معمول نمازوں کو اول وقت میں پڑھنے کا تھا۔ ظہر کا وقت زوال کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے وقت کے مطابق سردیوں میں ۱۲ بجے کے قریب قریب اور درمیانے موسم میں ساڑھے بارہ کے قریب آپ نماز ظہر پڑھاتے تھے۔ البتہ گرمی کی شدت میں آپ ﷺ کا معمول نماز ظہر کو قدرے تاخیر سے ادا کرنے کا تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ ایک سفر پر تھے، موذن نے ظہر کی اذان کہنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تھوڑا وقت گزرنے دو۔" اس نے کچھ دیر بعد پھر اذان دینا چاہی تو آپ ﷺ نے کچھ مزید تاخیر کا حکم فرمایا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں ٹیلوں کے سائے نظر آنے لگے۔ (50)

ظہر کی پہلی سنتوں کی آپ ﷺ نے ترغیب دی ہے۔ یقیناً آپ خود بھی پڑھتے تھے۔ نفل (سنتیں غیرہ) گھر ہی میں ادا کیا کرتے تھے۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نفلوں کی گھر میں ادائیگی کو بہترین نماز قرار دیا ہے۔ (51)

دوسرے یہ کہ سنتیں ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ مسجد تشریف لے جاتے تو صحابہ کرام جماعت کے انتظار میں ہوتے، اسی لیے آپ نے فرمایا تھا: مجھے دیکھ کر ہی (صف بندی کے لیے) کھڑے ہوا کرو۔ (52)

اس کے بعد ظہر کی نماز کی امامت فرماتے۔

ظہر کی نماز میں عموماً کتنی تلاوت فرماتے؟ اس سلسلے میں سیدنا ابوسعید خدری کے الفاظ ہماری رہنمائی کرتے ہیں، بیان کرتے ہیں: ہم نے نبی ﷺ کی ظہر اور عصر کی نماز کا اندازہ لگایا۔ چنانچہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کا دورانیہ ۳۰ آیات کی تلاوت کے برابر تھا، یعنی سورہ الم السجدہ کی تلاوت جتنا اور دوسری دو رکعتوں میں قیام اس کے نصف کے برابر (۱۵ آیات کی تلاوت جتنا) ہوتا تھا۔ عصر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام ظہر کی آخری دو رکعتوں کے دورانیے (۱۵ آیات کی تلاوت جتنا) ہوتا تھا جبکہ عصر کی آخری دو رکعات پہلی دو رکعات سے آدمی ہوتی تھیں (۸، ۷ آیات کے برابر)۔ (53)

ایک تحقیق کے مطابق ۳۰ آیات کی تلاوت میں اندازاً ۸ سے 9 منٹ لگتے ہیں، اس طرح ظہر کی پہلی ۲ رکعتوں کا دورانیہ 8 سے 9 منٹ اور دوسری ۲ رکعتوں کا ۴ سے ۵ منٹ ہوتا تھا۔ اس طرح ظہر کی نماز تقریباً ۱۵، ۱۴ منٹ پر مشتمل ہوتی تھی اور عصر کی تقریباً ۸، 9 منٹ پر۔ واللہ اعلم۔

یاد رہے! سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اختتامی تشہد کا دورانیہ شامل نہیں تھا۔ اس لیے ظہر اور عصر کی نماز

میں اضافی منٹ شامل کیے گئے ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ ذکر اذکار کر کے سنتیں ادا فرماتے۔ اس دوران بھی آپ کے ہاں مختلف وفود آئے ہوتے۔ غالب طور پر نمازوں کے اوقات میں وفود آتے کہ اس کے بعد آپ ﷺ سے ملاقات ہو جائے گی۔ ایک دوسرا پہلو یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ وفود کی خواہش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ صحابہ سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ جیسا کہ ایک دن ظہر کی نماز پر وفد عبد القیس کی آمد ہوئی اور آپ ﷺ ان میں مشغول ہو گئے۔ آپ ﷺ کی ظہر کی سنتیں بھی رہ گئیں، پھر آپ نے وہ سنتیں عصر کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ادا کیں۔(54)

قیلولہ

نبی کریم ﷺ دوپہر کے وقت آرام بھی فرماتے تھے جسے قیلولہ کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ دوپہر کے آرام کی وضاحت ان الفاظ سے کرتے ہیں: میں کسی ایک دن آپ ﷺ کی خدمت کرتا رہا، جب میں نے دیکھا کہ میں آپ ﷺ کی خدمت سے فارغ ہو چکا ہوں۔ میں نے سوچا کہ آپ ﷺ قیلولہ فرما لیں، چنانچہ میں وہاں سے چلا آیا۔ وہاں راستے میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ میں وہاں رک گیا اور ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ اتنے میں آپ ﷺ ان بچوں کے پاس پہنچ گئے اور انھیں سلام کیا، پھر مجھے بلایا اور مجھے کسی کام سے بھیج دیا۔(55)

اس روایت سے قیلولے کے متعلق کچھ باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ نبی ﷺ قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ جس کا سیدنا انس بن مالک کو اندازہ تھا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت پر مامور تھے اور وہ آپ کے مبارک معمولات سے آگاہ تھے، اس لیے انھوں نے وہ لمحات آپ ﷺ کو فراہم کیے۔ دوسرے یہ کہ قیلولہ گھنٹوں آرام کرنے کا نام نہیں ہے۔ یہ کچھ دیر آرام کرنے کا نام ہے جسے ستانے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مسند احمد میں اس کی کچھ وضاحت اس طرح ہے: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے کسی کام سے بھیجا اور خود دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہو گئے۔(56)

اس روایت سے قیلولے کے وقت کا اشارہ ملتا ہے۔ وہ اس طرح کہ آپ ﷺ دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہوئے۔ دیوار کا اتنا سایہ جس میں بیٹھا جا سکے وہ یا تو دس گیارہ بجے تک ہوتا ہے یا پھر دو تین بجے کے بعد، لہٰذا زیادہ گمان یہی ہے کہ یہ ۲، ۳ بجے کے بعد کی بات ہے اور سائے میں تشریف فرما ہونا بتا رہا ہے کہ یہ گرمیوں کی ایک دوپہر تھی۔

دراصل قیلولہ دوپہر کے کسی بھی وقت آرام کرنے کا نام ہے۔ آپ ﷺ کو دوپہر کے اوقات میں جب بھی وقت میسر آتا، آپ قیلولہ فرما لیتے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے موسم گرما میں ہفتے کے دن نماز ظہر سے پہلے اور جمعے والے دن

جمعے کے بعد آپ ﷺ کے قیلولے کا استدلال کیا ہے۔جس روایت سے اُنھوں نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے:

كَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ (57)

’’آپ ﷺ جمعے کے بعد (مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ (گھر) واپس جا کر دو رکعات پڑھتے تھے۔‘‘

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کا حوالہ دے کر رقم طراز ہیں:

بے شک آپ ﷺ جمعہ جلدی ادا کرتے تھے، اس کے بعد قیلولے کے لیے جاتے تھے۔لیکن نماز ظہر کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔گرمیوں میں) اسے آپ قدرے ٹھنڈا (تاخیر) کر کے پڑھتے اور قیلولہ اس سے پہلے کر لیا کرتے۔(58)

نبی کریم ﷺ کے دوپہر کے آرام کے وقت اور اس کے دورانیے کے اندازے کے بعد اب ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ قیلولہ اکثر کہاں فرمایا کرتے تھے۔یہ سعادت دو جلیل القدر صحابیات سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے حصے میں آتی تھی۔سیدہ ام سلیم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ اور آپ ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں۔(59)

سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا دونوں ہی ملحان کی بیٹیاں تھیں۔اس لیے یہ بھی آپ ﷺ کی رضاعی خالہ لگیں۔اس لیے آپ ﷺ ان دونوں کے لیے محرم بھی تھے اور ان کے ہاں قیلولہ بھی فرما لیتے تھے۔سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں قیلولہ کرنے کی روایت، انھی کے لخت جگر سیدنا انس بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں آیا کرتے تھے اور اُن کے ہاں قیلولہ فرماتے تھے۔وہ آپ ﷺ کے لیے بستر بچھا دیا کرتی تھیں۔اسی دوران وہ آپ ﷺ کا مبارک پسینہ بھی بطور خوشبو شیشی میں بھر لیا کرتیں۔(60)

اکثر طور پر آپ ﷺ کا قیلولہ ام سلیم کے ہاں ہوتا تھا، مگر جب کبھی آپ وادی قباء کا رخ فرماتے تو یہ سعادت ام حرام کے حصے میں آ جاتی۔یہ روایت بھی ام حرام رضی اللہ عنہا کے بھانجے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

نبی کریم ﷺ جب قبا جایا کرتے تھے تو سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ہاں جاتے۔وہ آپ کے لیے کھانا تیار کرتیں۔ایک دن جب آپ ﷺ ان کے ہاں آئے تو انھوں نے کھانا کھلایا۔آپ ﷺ کھانے کے بعد آرام فرمانے لگے۔پھر بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کی مسکراہٹ کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے اس موقع پر اسلامی بحریہ کی بشارت دی ہے۔(61)

اسی طرح نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، تب بھی آپ ﷺ نے سیدنا ابو ایوب انصاری سے کہا:

فَانْطَلِقْ فَهَيِّءْ لَنَا مَقِيلًا (62)

''جائیں اور ہمارے دوپہر کے آرام کے لیے کچھ بندوبست کریں۔''

الغرض! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر وحضر میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے اور امت کو بھی ان الفاظ سے تلقین فرمائی:

قِيلُوا فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَا تَقِيلُ (63)

''قیلولہ کیا کرو۔ بے شک شیطان قیلولہ نہیں کرتے۔''

دراصل قیلولے سے انسان ایک دفعہ پھر تازہ دم ہو جاتا ہے۔ رات تک کے بقیہ امور اچھے انداز سے نباہ سکتا ہے۔ صبح سویرے اٹھنے کے لیے بھی قیلولہ معاون ثابت ہوتا ہے۔

دوپہر کا کھانا

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قباء جاتے تو ام حرام رضی اللہ عنہا کے ہاں جاتے۔ وہ آپ کی خدمت میں کھانا پیش کرتیں اور آپ آرام فرماتے۔ یہاں ماضی استمراری کے صیغے ہیں، یعنی ایسا بارہا ہوتا آیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوپہر کے کھانے کا معمول یہی تھا۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے، یہ صبح یا شام کا کھانا ہو مگر ہم کہیں گے کہ شام کے کھانے کے بعد تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء سے پہلے سونے کو ناپسند کرتے تھے۔ (64)

یا دوسرے یہ کہ حدیث مذکور کے دوسرے طرق میں وضاحت ہے کہ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر دیکھنے لگیں۔ (65)

سر دیکھنے کا کام صبح کے وقت روشنی ہی میں ہوتا ہے۔ اُس دور میں ظاہر ہے کہ رات کو مصنوعی روشنی نہیں ہوتی تھی اور اس قدر روشنی کا تصور بھی نہیں تھا جس میں کسی کا سر دیکھا جا سکے۔ یہاں ایک اہم وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے ہاں سر دیکھنا سے مراد جوئیں نکالتا لیا جاتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی ماؤں، خالاؤں یا پھوپھیوں کو اپنے چھوٹوں پر، خواہ وہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے، جب پیار آتا ہے تو وہ سر دیکھنا شروع کر دیتی ہیں، اگر چہ سر میں ایسا کچھ نہ ہو۔ اس لیے سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کی روایت کو اسی پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم

تیسرے یہ کہ احادیث مبارکہ میں ہمیں کھانے کے دو اوقات کا تذکرہ ہی ملتا ہے۔ پہلے پہر کے کھانے کو غذاء اور شام کے کھانے کو عشاء" کہا جاتا تھا۔ سیدنا سہل بن سعد کہتے ہیں:

كُنَّا نَقِيلُ وَنَتَغَدَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ (66)

''ہم جمعے کے روز پہلے پہر کا کھانا اور قیلولہ جمعے کے بعد ہی کرتے تھے۔''

جمعہ بروقت اور مختصر ہوتا تھا، اس لیے جمعے کو صبح کا کھانا (ناشتہ) جمعے کے بعد کر لیتے۔

پہلے پہر کے کھانے کے متعلق ایک اور روایت بھی ہے۔ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آئے۔ چولہے پر ہنڈیا ابل رہی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کا ناشتہ منگوایا تو آپ کی خدمت میں روٹیاں اور پہلے سے موجود گھر کا سالن پیش کیا گیا۔آپ نے فرمایا:

الَمْ أَرَ لَحْمًا؟

''میں نے گوشت پکتا نہیں دیکھا تھا؟''

گھر والوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بات تو اسی طرح ہے مگر وہ گوشت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بطور صدقہ دیا گیا تھا تو انھوں نے ہمیں ہدیہ کر دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا وَهَدِيَّةٌ لَنَا (67)

''وہ گوشت اس کے لیے صدقہ تھا جبکہ ہمارے لیے ہدیہ ہے۔''

اس حدیث میں فدعا بالغذاء آپ نے پہلے دو پہر کا کھانا منگوایا۔ ہمارا محل استدلال ہے اور الغداء عربی میں پہلے پہر کے کھانے پر بولا جاتا ہے۔

نماز عصر

اس کے بعد عصر کا وقت ہوتا۔نماز عصر سے پہلے چار رکعات کی ترغیب بھی ثابت ہے۔دعائے نبوی

رحم الله امرأ صلى قبل العصر أربعًا (68)

''اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر سے قبل چار رکعات پڑھے۔''

اس سے واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی یہ نوافل پڑھتے تھے۔پھر عصر کی نماز پڑھاتے۔عصر کی نماز کی پہلی دو رکعتیں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے برابر ہوتیں اور آخری دو رکعتیں اس سے چھوٹی ہوتیں۔(69)

ایک تحقیق کے مطابق نماز عصر کا دورانیہ تقریباً 8 سے 9 منٹ ہوتا تھا جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔واللہ اعلم

نمازِعصر کے بعد

رسول مقبول ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی ضابطے یا شرعی علم سے آشنا کرنا ہوتا یا کسی وعظ ونصیحت سے نوازنا ہوتا تو عموماً آپ ﷺ عصر کے بعد ہی ایسا کرتے۔اس کے کئی ایک دلائل ہیں:

Ý سیدنا ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے معاملات کا ذکر کیا ہے۔(70)

Þ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم عصر کے بعد نبی کریم ﷺ کے جلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ادھر سامنے قعیقعان پہاڑ پر دھوپ پڑ رہی تھی۔اس دوران میں آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَعْمَارُكُمْ فِي أَعْمَارِ مَنْ مَضَى إِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنَ النَّهَارِ فِيمَا مَضَى مِنْهُ(71)

''تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں، ان کی اور تمھاری عمروں کا یہی تناسب ہے جیسے اب دن کا کچھ حصہ باقی ہے۔یعنی تمھاری عمریں سابقہ لوگوں کی نسبت کم ہوں گی۔''

③ فاطمہ بنت اسد مخزومیہ رضی اللہ عنہا، جن سے چوری کا ارتکاب ہو گیا تھا، سیدنا اسامہ کو اُن کی سفارش کے لیے پیش کیا گیا۔اس دن جو آپ ﷺ نے اس حوالے سے خطبہ ارشاد فرمایا، وہ بھی پچھلے پہر تھا۔حدیث میں اس کی وضاحت اس طرح ہے:

فَلَمَّا كَانَ الْعَشِيُّ قَامَ رَسُولُ اللهِ خَطِيبًا...... فَإِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ.........(73)

''پھر جب پچھلا پہر ہوا، آپ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کی وجہ یہ تھی کہ جب ان میں سے کوئی مالدار چوری کرتا.............''

اسی طرح ایک دفعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے ان کی آزادی کا معاملہ طے کیا کیونکہ وہ حالت غلامی میں تھیں۔تو ان کے مالکوں نے کچھ ناجائز شروط رکھ دیں۔نبی کریم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں عمومی ضابطہ بیان فرمایا۔اس کے لیے آپ ﷺ نے خطاب فرمایا۔

حدیث کے الفاظ ہیں:

ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ مِنَ الْعَشِيِّ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُ أُنَاسٍ يَشْتَرِطُونَ

صورت میں ہے، دوسرے یہ کہ عصر کے فوراً بعد یا سورج کے زرد ہونے سے پہلے ایک نفل کی اجازت ہے۔ ممانعت غروب آفتاب کے قریب وقت کی ہے۔(78)

ازواج کے ہاں جا کر کیا آپ ﷺ اپنے ہی آپ میں مگن رہتے تھے؟ نہیں بالکل نہیں۔ گھر کے کاموں میں اپنی ازواج کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ سیدہ عائشہ میں سے ان کے شاگرد اسود رحمۃ اللہ علیہ پوچھتے ہیں۔ نبی ﷺ کی گھر میں کیا مصروفیات ہوتی تھیں؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جواب دیتی ہیں:

يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ، تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ(80)

''نبی ﷺ گھر والوں کے کام کاج میں مصروف رہتے، یعنی ان کا ہاتھ بٹاتے۔''

آپ کا یہ اس دوران میں اپنے کام کاج بھی کر لیتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ معلم اپنے کپڑے ہی لیا کرتے تھے اور اپنے جوتے گانٹھ لیا کرتے تھے اور عام طور پر مرد گھروں میں جو کام کاج کرتے ہیں، وہ بھی کرتے تھے۔(82)

عہد نبوی میں مغرب سے پہلے کا یہ وقت عمومی طور پر گھروں میں کھانا پکانے کا ہوتا تھا کیونکہ عرب میں مغرب کے وقت تھوڑا سا پہلے یا بعد میں شام کا کھانا کھایا جاتا تھا۔ ظاہر ہے اس کی تیاری مغرب سے پہلے ہی ہوتی تھی۔ اس لیے تو آپ ﷺ نے ایک ہی وقت میں کھانا تیار ہونے اور نماز مغرب کا وقت ہو جانے کی صورت میں نماز کے بجائے کھانے سے آغاز کا حکم فرمایا ہے۔ حدیث میں شام کے کھانے اور نماز مغرب کی صراحت ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَؤُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ(83)

"جب شام کا کھانا پیش کر دیا جائے تو نماز مغرب سے پہلے اسے کھا لیا کرو۔"

نماز مغرب

آنحضرت ﷺ جب اذان سنتے تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔(84)

سیاق و سباق سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس اذان کو سن کر آپ مسجد جایا کرتے تھے، یہ مغرب کی اذان ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ باقی نمازوں میں آپ کی سنتیں گھر میں پڑھا کرتے تھے اور اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ مغرب کی نماز پڑھاتے۔ مغرب کی نماز میں عموماً چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ عہد صحابہ میں ایک شخص مغرب میں قصار مفصل (سورۃ البینہ سے الناس تک) کی تلاوت کرتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز کو

شُرُوطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ(74)

''پھر جب پچھلا پہر ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وعظ کے لیے) کھڑے ہوئے، اللہ کی ثنا بیان کی جو اس کے شایان شان ہے، پھر فرمایا: لوگوں کو کیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں رکھتے ہیں جن کی کتاب اللہ میں اجازت نہیں۔''

بہر حال العشی کے لفظ میں عصر سے پہلے اور بعد کے دونوں احتمال موجود ہیں، مگر دیگر قرائن عصر کے بعد کا اشارہ کرتے ہیں۔ ایک اہم قرینہ تو یہ ہے کہ ایسے علوم وحکم کے لیے زیادہ سے زیادہ لوگوں کا سننا زیادہ نتیجہ خیز ہوتا ہے اور عصر میں تو صحابہ نے معمول کے مطابق آنا ہی ہوتا تھا۔ عصر کے بعد عمومی نوعیت کے خطبوں کی حکمت شاید یہ ہو کہ لوگ کام کاج سے واپس آ چکے ہوتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ سن سکیں۔ واللہ اعلم

گھریلو مصروفیات

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عصر کے بعد جس دن کوئی وعظ و تذکیر کا، یا صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھنے کا ارادہ نہ ہوتا، یا وعظ و تذکیر سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر کے بعد کے ان لمحات کو گھریلو اور بھی زندگی کے طور پر گزارتے تھے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زندگی کے اس پہلو کو ان الفاظ سے بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الْعَصْرِ دَخَلَ عَلَى نِسَائِهِ فَيَدْنُو مِنْ إِحْدَاهُنَّ (75)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عصر کی نماز سے فارغ ہوتے تو اپنی ازواج کے ہاں جاتے اور ان میں سے کسی ایک کے قریب ہوتے (جن کے ہاں قیام ہوتا)۔''

اس وقت ہر ایک زوجہ محترمہ کو وقت بھی برابر دیتے۔ اس کی وضاحت مذکورہ حدیث کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: آپ کی سیدہ حفصہ بنا کے ہاں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس اس دورانیے سے زیادہ ٹھہرے جتنا آپ ٹھہرا کرتے تھے۔(76)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اندازہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک زوجہ کے ہاں عموماً اتنا ٹھہرتے ہیں، اسی لیے تو وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ اس دورانیے سے زیادہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ہاں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ازواج کے ہاں عصر کے بعد جاتے تو دو نفل پڑھتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہی روایت کرتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی عصر کے بعد میرے ہاں آتے تو دو رکعات ضرور پڑھتے۔(77)

کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ عصر کے بعد نفل کی ممانعت ہے۔ اس کا جواب ایک تو حدیث مذکور کی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ قرار دیا۔(85)

جبکہ کبھی نماز مغرب میں سورۃ مرسلات اور سورکوطور کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔(86)

شام کا کھانا

نماز مغرب کے بعد عشاء سے پہلے پہلے آپ کی ہم کھانا تناول فرما لیتے تھے۔اس کی ایک دلیل عمومی رواج کی ہے کہ تمام لوگ مغرب کے بعد یا پہلے ہی کھانا کھایا کرتے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ ایک خاص دلیل بھی ہے: حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

إِنَّ أَبَابَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ ثُمَّ لَبِثَ حَتَّى صُلِيتِ الْعِشَاءُ (86)

بے شک ابوبکر نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں شام کا کھانا کھایا، پھر عشاء کی نماز تک وہاں ہی رہے۔"

عشاء سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے کو ناپسند فرماتے تھے۔(87)

نماز عشاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد ازاں نماز عشاء پڑھاتے۔عشاء کی نماز میں آپ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاذ کو والشمس، والیل اور الاعلیٰ جیسی سورتیں پڑھنے کا کہا تھا۔(88)

اس سے عیاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء میں اس جیسی سورتیں ہی پڑھا کرتے تھے یا اس سے بھی چھوٹی۔ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز میں سورۃ التین کی تلاوت فرمائی۔(89)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے تھے۔(90)

عشاء کے بعد عام گفتگو کو ناپسند فرماتے تھے۔(91)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی ناپسند تھا کہ مسلمان بھی عشاء کے بعد عام گفتگو کریں۔سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشا کے بعد ہماری گفتگو کو معیوب قرار دیتے تھے۔(92)

ہاں کوئی علم کی بات ہوتی یا صحابہ کو کسی بات سے آگاہ کرنا ہوتا تو عشاء کے بعد بھی ان سے محو کلام ہوتے۔جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: ۶۰۱، ۶۰۰ میں واقعات مذکور ہیں اور ان پر یہ باب قائم کیا گیا ہے کہ عشاء کے بعد فقہ دین اور خیر کی باتیں کرنا۔اسی طرح کبھی ضرورت پڑنے پر رات بھر بھی صحابہ سے محو گفتگو رہے۔سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح ہونے تک ہم سے بنی اسرائیل کے متعلق محو گفتگو رہے۔ہاں صرف نماز پڑھنے کے لیے اٹھتے تھے۔اس کی

مزید وضاحت ایک اور حدیث میں اس طرح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی صحابہ کرام سے بنی اسرائیل کے متعلق عشاء کے بعد محو گفتگو ہوتے، تاکہ وہ بنی اسرائیل کو اپنے رسولوں کی نافرمانی کے باعث دنیوی اور اخروی ملنے والی سزاؤں کو اپنے سامنے رکھیں اور اس طرح انھیں نصیحت حاصل کرنے کا مواقع میسر آجائے۔(93)

عشاء کے بعد

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز پڑھاتے، پھر اپنے گھر والوں (جن کے ہاں قیام کی نوبت ہوتی) کے پاس آتے۔ پھر چار رکعات پڑھتے، پھر اپنے بستر کی طرف جاتے اور (سونے کے اذکار کر کے سو جاتے۔(94) اپنے شب و روز کے معمولات کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتے۔ حدیث ہے:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔"(95)

حوالہ جات

1_صحیح البخاری: ۱۱۰۴
2_صحیح البخاری: ۴۵۶۵
3_صحیح البخاری: ۱۱۴۵
4_صحیح البخاری ۱۱۳۲
5_صحیح البخاری: ۳۸۲
6_سنن ابی داؤد ۱۳۴۷
7_سنن ابی داؤد
8_الالبانی، صحیح الجامع الصغیر: ۷۲۵
9_صحیح البخاری ۱۱۴۷
10_صحیح البخاری: ۱۹۸
11_سنن أبي داؤد: ۲۶۴
12_صحیح مسلم: ۷۷۲
13_صحیح البخاری: ۱۱۲۳
14_صحیح البخاری: ۱۱۳۳
15_صحیح البخاری: ۱۱۳۱
16_صحیح البخاری: ۷۲۷
17_صحیح البخاری: ۱۱۸۰
18_صحیح البخاری: ۱۱۷۱
19_سنن الترمذی ۴۱۷
20_صحیح البخاری: ۱۱۲۳
21_صحیح البخاری: ۱۱۶۱
22_صحیح البخاری: ۵۹۹
23_صحیح مسلم: ۲۲۷۵
24_صحیح البخاری: ۷۰۴۷
25_صحیح مسلم: ۳۲۶۹
26_صحیح البخاری: ۴۴۱۸
27_صحیح مسلم: ۲۳۲۲
28_أحمد بن حنبل، المسند: ۲۰۸۱۰
29_سنن ابی داود: ۳۶۶۷
30_صحیح البخاری: ۱۱۷۹
31_صحیح البخاری ۳۵۷
32_صحیح مسلم: ۷۱۹
33_صحیح مسلم ۲۷۲۶
34_جامع الترمذی ۵۸۶
35_صحیح مسلم: ۷۱۷
36_صحیح مسلم: ۲۳۲۴
37_صحیح مسلم: ۲۷۲۶
38_سنن ابی داؤد: ۲۴۵۵
39_سنن أبي داؤد(۲۴۵۴
40_صحیح البخاری: ۴۲۵
41_صحیح البخاری: ۱۱۷۱
42_صحیح البخاری: ۲۸۳۴
43_صحیح البخاری: ۷۲۰۱
44_سنن ابی داود: ۲۶۰۶
45_سنن ابی داؤد: ۲۶۰۶
46_البانی، صحیح الادب المفرد: ۶۵۱
47_سنن ابی داود: ۴۳۶۱
48_سنن النسائی: ۴۲۸۳
49_صحیح البخاری: ۶۸۲۷
50_صحیح البخاری: ۵۳۹
51_سنن ابی داود: ۱۴۴۷
52_صحیح البخاری: ۶۳۷
53_سنن أبي داؤد: ۸۰۴
54_صحیح البخاری: ۱۲۳۲
55_البخاری، صحیح الأدب المفرد: ۱۱۵۴
56_أحمد بن حنبل، المسند: ۱۳۰۲۲
57 صحیح البخاری: ۹۳۷
58_ابن حجر، فتح الباری: ۱۳/ ۷۸
59_ابن حجر، فتح الباری: ۹۳/ ۵
60_صحیح البخاری: ۶۲۸۱
61 صحیح البخاری: ۶۲۸۲
62_صحیح البخاری: ۳۹۱۱
63_الطبرانی، المعجم الأوسط: ۲۳۸
64_صحیح البخاری: ۵۹۹
65_صحیح البخاری: ۲۷۸۸
66_صحیح البخاری: ۶۲۷۹
67_صحیح بخاری: ۵۴۳۰
68 سنن ابی داؤد ۱۳۷۱
69_صحیح مسلم: ۳۵۲
70 سنن الترمذی: ۲۹
71_أحمد بن حنبل، المسند: ۱۱۵۸۷
72_احمد بن حنبل، المسند ۵۹۲۶
73_صحیح البخاری ۴۳۰۳
74_صحیح البخاری ۲۱۵۵
75_صحیح البخاری ۵۲۱۶ و
76_البیہقی، السنن الکبری ۱۵۰۸۱
77_صحیح البخاري: ۵۲۱۷
78_صحیح البخاری ۵۹۳
79_سنن أبي داود: ۱۳۷۳
80_صحیح البخاری: ۶۷۲
81 ابن ماجہ، الصحیح ۵۶۴۷۰
82_صحیح البخاری ۶۷۲
83_صحیح البخاری: ۶۷۶
84 سنن النسائی ۹۸۴
85_صحیح البخاری: ۴۴۲۹
86_صحیح مسلم: ۲۰۵۷
87_صحیح البخاری: ۵۴۷
88_صحیح مسلم: ۱۰۹۸
89_سنن ابن ماجہ ۸۳۴
90 صحیح البخاری: ۵۹۹
91_صحیح البخاری: ۵۹۹
92_احمد بن حنبل المسند: ۳۸۹۳
93_سنن أبي داؤد: ۳۶۶۳
94_ابن خزیمۃ الصحیح: ۱۳۴۲
95 سنن ابی داؤد: ۱۳۴۶
96_صحیح مسلم ۸۵۲

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. سیدنا داؤد علیہ السلام کا رات کا قیام کتنا تھا؟

....

....

2. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کون خواب کی تعبیر بتاتا تھا؟

....

....

3. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلے اور احکامات کس وقت جاری کرتے تھے؟

....

....

4. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قبا جایا کرتے تھے تو کس صحابیہ کے ٹھہرتے؟

....

....

5. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس زوجہ محترمہ کے ہاں عصر کے بعد زیادہ دیر ٹھہرے تھے؟

....

....

6. کس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو کو ناپسند فرماتے تھے۔

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

1. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر......اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔

شام ▢ بدھ ▢ وقت ▢ صبح ▢

2. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک زوجہ محترمہ کو......بھی برابر دیتے۔

کھانا ▢ تعلیم ▢ درہم ▢ وقت ▢

3. اکثر طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیلولہ......کے ہاں ہوتا تھا۔

ام رومان ▢ ام سلیم ▢ ام حبیبہ ▢ ام کلثوم ▢

4. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے......کے ابتدائی حصے کے لیے برکت کی دعا مانگی تھی۔

تہجد ▢ اشراق ▢ دن ▢ رات ▢

5. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضر میں زیادہ تر نماز......مسجد ہی میں ادا فرماتے تھے۔

اوابین ▢ تراویح ▢ وتر ▢ ضحی ▢

6. عموماً ایک سجدہ......آیات پڑھنے کے بقدر لمبا ہوتا۔

40 ▢ 50 ▢ 60 ▢ 70 ▢

سبق نمبر
29

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دن اور رات کے اذکار

خلاصۂ سبق

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو لمحہ بھر کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑا۔ ہر کام کا ادب اور طریقہ سکھایا ہے۔ سونا جاگنا، کھانا پینا سب انسان کی ضرورتیں ہیں۔ اگر ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو نمونہ بنا لیا جائے تو یہ ضرورتیں عبادت کا درجہ اختیار کر جاتی ہیں۔ ضرورت پوری ہونے کے ساتھ ساتھ اجر بھی ملتا ہے۔

سونے اور نیند سے بیدار ہونے کی تعلیم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء سے پہلے سونا اور بعد میں باتیں کرنا ناپسند فرماتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کے بعد باتیں کرنے پر ہمیں ڈانٹتے تھے۔(1)

یہ بات طبی مشاہدے کے بھی عین مطابق ہے کہ رات کے پہلے پہر کی نیند جسمانی تھکاوٹ دور کرتی ہے اور دماغی صحت کے لیے مفید ہے۔ جبکہ رات گئے تک جاگتے رہنا مضر صحت اور ذہنی تناؤ کا سبب ہے۔(2)

سونے سے پہلے کرنے والے مسنون کام

سونے سے پہلے کچھ ضروری کاموں کے متعلق اسلام نے ہماری رہنمائی کی ہے۔ یہ نہ صرف مسنون ہیں بلکہ دنیاوی لحاظ سے بھی بہت مفید ہیں۔ انھیں انجام دینے میں انسان کی اپنی بھلائی ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔وضو کرنا

وضو کی کثرت بہت فائدے مند ہے۔اس سے انسانی طبیعت کا ثقل دور ہوتا ہے۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان باوضو ہو کر سو جائے ،رات کو کسی وقت اس کی آنکھ کھلے،اس وقت وہ دنیا وآخرت کی کوئی بھی چیز مانگ لےتو اللہ اسے عطا فرمائے گا۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو باوضو ہو کر سوتا ہے،اس کے پاس ایک فرشتہ رات گزارتا ہے۔جب اس شخص کی آنکھ کھلتی ہےتو فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! یہ باوضو ہو کر سویا ہے،اسے بخش دے۔(3)

۲۔بتیاں بجھانا اور دروازہ بند کرنا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:" جب رات چھا جائے تو بسم اللہ پڑھ کر گھر کا دروازہ بند کرو اور چراغ گل کردو،اللہ کا نام لینے سے شیطان گھر میں داخل نہیں ہوتا۔(4)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پر حکمت فرمان کا لازمی نتیجہ ہے کہ دروازہ بند کر لینے سے ایک تو چور سے حفاظت ہوتی ہے اور دوسرا شیطانی اثر سے گھر محفوظ ہو جاتا ہے۔اسی طرح بتیاں بجھانا بھی حکمت سے خالی نہیں۔مسلم شریف کی حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ کوئی چوہا دیے کی بتی نہ نکال لےجس سے گھر میں آگ لگنے کا خطرہ ہو۔

۳۔کھانے پینے کی چیزیں ڈھانپ کر رکھنا

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:" جب تم سونے لگو تو بسم اللہ پڑھ کر اپنے کھانے پینے کی چیزیں ڈھانپ کر رکھو۔(5)

ہر صاحب عقل اور دانشمند شخص جانتا ہے کہ اس کی کیا حکمت ہے۔نبوی تعلیم تو یہ ہے کہ اگر پانی والے برتن کو ڈھانپنے کے لیےکوئی چیز نہ ملےتو اس پر کوئی لکڑی پر رکھ دی جائے۔(6)

تاکہ اگر برتن میں کیڑا مکوڑا اگر جائےتو وہ اس لکڑی کے ذریعے سے باہر نکل آئے۔

۴۔آگ بجھا کر سونا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:" جب سونے لگو تو گھروں میں آگ جلتی نہ چھوڑو۔(7)

آگ ایک خطرناک چیز ہے۔ اس میں ذراسی لاپروائی جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے۔ آج کل گیس ہیٹر وغیرہ سے اموات کی خبریں اکثر گردش میں رہتی ہیں۔ اس کے تدارک کے لیے اسلامی تعلیمات سے شناسائی ضروری ہے۔ سوتے وقت آگ بجھانا ایک ایسی نبوی نصیحت ہے جس پر عمل کرنے میں زندگی کی بتا ہے۔

۵۔ بستر جھاڑنا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر آؤ تو اس کا ایک کونہ پکڑ کر تین مرتبہ جھاڑ لو۔ تم نہیں جانتے کہ تمھاری غیر موجودگی میں کوئی چیز گھس گئی ہو۔ پھر یہ دعا پڑھو:

بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ (8)

''اے میرے پروردگار! میں تیرا نام لے کر اپنا پہلو بستر پر رکھتا ہوں اور تیرے ہی نام سے اسے اٹھاؤں گا۔ اگر تو میری جان روک) روح قبض کرلے تو اس پر رحم کرنا۔ اگر اسے چھوڑ دے زندہ رکھے) تو اس کی حفاظت کرنا جیسے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔''

سونے کی دعائیں پڑھنا

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول سونے کی دعاؤں میں سے چند ایک ذکر کی جارہی ہیں۔

سیدنا انس بھی ان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ لی لی ہم جب اپنے بستر مبارک پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا، وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ (9)

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا، کفایت کی اور ہمارے رہنے سہنے کا بندو بست کیا۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کا کوئی مددگار اور پناہ دینے والا نہیں۔''

"سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ملالیا ہم جب رات کو اپنے بستر پر لیٹتے تو دائیں رخسار مبارک کے نیچے ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھتے:

اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَى (10)

''اے اللہ! میں تیرا نام لے کر مرتا (سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا۔"

نیند بھی موت کی ایک شکل ہے۔ اگر اللہ چاہے تو انسان کو نیند سے بیدار کردے، یا اسی حالت میں اسے ابدی نیند سلا

دے۔اس لیے انسان کو چاہیے کہ سونے سے قبل اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے۔

ایک روایت میں سونے سے پہلے آیت الکرسی پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ جو شخص آیۃ الکرسی پڑھ لے اس کے لیے اللہ کی طرف سے ایک محافظ مقرر کر دیا جاتا ہے جو صبح تک اس کی حفاظت کرتا ہے اور شیطان بھی اس کے قریب نہیں پھٹکتا ہے۔(11)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کے وقت سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات تلاوت کر لے تو یہ اس کے لیے ہر چیز سے کافی ہو جائیں گی۔(12)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر آؤ تو نماز والا وضو کرو اور دائیں پہلو پر لیٹ کر یہ دعا پڑھو:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ

"اے اللہ! میں نے اپنا چہرہ تیرے تابع کر دیا ہے اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا ہے۔اپنی پشت تیری طرف لگالی ہے، یعنی تجھے سہارا بنالیا ہے۔میری رغبت تیری طرف ہے اور میرے دل میں تیرا ہی ڈر ہے۔تیرے علاوہ نہ کوئی نجات دینے والا ہے اور نہ کوئی پناہ گاہ۔میں تیری نازل کردہ کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لاتا ہوں۔"

رات کو سوتے وقت جس کا آخری کلام یہی دعا ہو، اگر وہ اس رات مر گیا تو وہ فطرت پر وفات پائے گا۔(13)

رات کو کروٹ لیتے وقت اللہ کا ذکر کرنا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت جب کروٹ لیتے تو یہ دعا پڑھتے؟

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ (14)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا زبردست ہے۔وہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے ان سب کا پروردگار ہے۔وہ غالب اور بہت بخشنے والا ہے۔"

بیدار ہوتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ مبارک

نیند سے بیدار ہوتے وقت اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے دوبارہ زندگی بخشی ہے۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان

کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بیدار ہوتے تو ان الفاظ میں اللہ کا شکر ادا کرتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْہِ النُّشُورُ (15)

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں مار کر پھر زندہ کیا، قیامت کے دن اُسی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے بیدار ہوتے وقت کا معمول ذکر کیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرا۔ میں نے دیکھا کہ جب رات کا تیسرا پہر یعنی تہجد کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے۔ آپ ﷺ بیٹھ گئے اور اپنے چہرہ مبارک پر ہاتھ پھیر کر نیند کے اثرات زائل کرنے لگے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور سورہ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں۔(16)

مسلم شریف میں ہے کہ آخری رکوع تلاوت فرمایا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے مسواک کی اور وضو کر کے تہجد کی تیرہ رکعات ادا فرمائیں۔ پھر آپ سو گئے۔ جب صبح کی اذان ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو جگایا۔ آپ ﷺ نے ہلکی سی دو سنتیں پڑھیں اور مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ مسجد جاتے وقت آپ علی یار یہ دعا پڑھ رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِی قَلْبِی نُورًا، وَفِی بَصَرِی نُورًا، وَفِی سَمْعِی نُورًا، وَعَنْ یَمِینِی نُورًا، وَعَنْ یَسَارِی نُورًا، وَفَوْقِی نُورًا، وَتَحْتِی نُورًا، وَأَمَامِی نُورًا، وَخَلْفِی نُورًا، وَاجْعَلْ لِی نُورًا (17)

''اے اللہ! میرے دل، میری آنکھوں اور میرے کانوں میں نور پیدا فرما۔ میرے دائیں بائیں، اوپر نیچے اور آگے پیچھے نور ہی نور کر دے۔''

ربانی محبوب کی محبوب نماز

نبی کریم ﷺ کو تہجد کی نماز سے بے حد لگاؤ تھا۔ آپ اسے کسی حال میں ترک نہیں فرماتے تھے۔ آپ خود ہی اس پر کاربند نہیں تھے بلکہ اس کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: رب تعالیٰ اپنے بندے کے سب سے زیادہ قریب تہجد کے وقت ہوتا ہے۔(18)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ جب نماز تہجد ادا فرماتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد) سب سے پہلے یہ دعا پڑھتے

اَللّٰھُمَّ رَبَّ جَبْرَائِیلَ وَمِیکَائِیلَ وَإِسْرَائِیلَ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ

وَالشَّهَادَةِ أَنتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ (19)

''اے اللہ! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کے خالق! غیب اور حاضر کو جاننے والے! تیرے بندے جس چیز کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں تو ان کے درمیان (قیامت کے دن) فیصلہ فرمائے گا۔ اے اللہ! جس چیز میں اختلاف ہے تو اپنے حکم سے حق کے ساتھ میری رہنمائی فرما۔ بے شک تو جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔''

گھر میں آنے جانے کے آداب

گھر میں آنا جانا ہر انسان کا روزمرہ کا معمول ہے۔ اس کے متعلق ہمارے پاس اسوۂ نبوی موجود ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ دعا پڑھتے

اللهم إني أعوذ بك أن أصل أو أضَلَّ، أَوْ أَزِلَّ أَوْ أَزَلَّ، أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ (20)

''اے اللہ! میں اس چیز سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں کسی کو گمراہ کروں یا مجھے گمراہ کر دیا جائے۔ میں کسی کو بہکاؤں یا مجھے بہکا دیا جائے۔ میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔ میں جہالت کا ارتکاب کروں یا جہالت مجھ پر تھوپ دی جائے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی جب گھر سے نکلتے وقت یہ پڑھتا ہے:

بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ

''اللہ کا نام لے کر اور اسی پر توکل کرتے ہوئے (گھر سے نکلتا ہوں) نیکی کرنا اور گناہ سے بچنا صرف اللہ کی توفیق سے ہے۔''

اس کے جواب میں اسے کہا جاتا ہے تجھے ہدایت مل گئی، تیری کفایت کی گئی اور تجھے بچا لیا گیا ہے۔ چنانچہ شیاطین اُس سے دُور ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمھارا داؤ اس پر کیسے چل سکتا ہے جسے ہدایت مل گئی، جسے (اللہ کی طرف سے) کفایت کر دی گئی اور جو ہمارے حملوں سے بچا لیا گیا۔ (21)

ایسے ہی گھر میں داخل ہونے کے کچھ آداب ہیں۔ اللہ کا نام لے کر گھر میں پہلے دایاں قدم رکھنا چاہیے اور اہل خانہ کو سلام کہنا چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ (22)

''جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے اہل خانہ کو سلام کہو، یہ اللہ کی طرف سے بابرکت تحفہ ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکو گے جب تک مومن نہ بن جاؤ اور اس وقت تک مومن نہیں بنو گے جب تک آپس میں پیار محبت نہ کرو۔ کیا میں تمھاری ایسے کام کی طرف رہنمائی نہ کروں جس کے کرنے سے تم آپس میں محبت کرنے والے بن جاؤ؟ وہ یہ کہ تم آپس میں خوب سلام کہا کرو۔'' (23)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی جب اپنے گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ، وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا، وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا (24)

''اے اللہ! میں تجھ سے (گھر میں) داخل ہونے اور نکلنے کی خیر طلب کرتا ہوں۔ اللہ کا نام لے کر ہم داخل ہوئے اور اُسی کا نام لے کر ہم نکلے۔ ہمارا توکل صرف اللہ پر ہے، وہی ہمارا پروردگار ہے۔''

گھر میں داخل ہوتے وقت آدمی جب اسلامی تعلیمات پر عمل کرتا ہے تو شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: آدمی جب اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے، تمھارے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں اور اگر گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے، جسمیں رہنے کی جگہ مل گئی۔ (25)

مسجد میں داخل ہوتے اور باہر نکلتے وقت کی تعلیم

مسلمانوں کا مسجد کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ انھیں بار بار وہاں حاضری نصیب ہوتی ہے۔ مسجد سے محبت کرنے والوں اور اس کے آباد کاروں کی بڑی فضیلت ہے۔ فرمانِ نبوی کی رُو سے قیامت کے روز اُس شخص کو عرش کا سایہ نصیب ہو گا جسے مسجد سے بے حد لگاؤ ہے۔ (26)

جس چیز کی فضیلت و اہمیت زیادہ ہوتی ہے اس کے کچھ تقاضے اور آداب بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مسجد کی اسلام میں

بہت قدر و قیمت ہے، اس لیے قرآن و حدیث میں اس کے آداب بھی بیان ہوئے ہیں۔ چونکہ موضوع آنحضرت ﷺ کے روزمرہ کے وظائف کا ہے اس لیے صرف دعاؤں ہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

حضرت ابواسید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو (دایاں پاؤں اندر رکھے اور) یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

”اے اللہ میرے لیے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے۔“

جب مسجد سے باہر نکلے تو (بایاں پاؤں باہر رکھے اور) یہ کہے:

اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْتَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ(27)

”اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا طلب گار ہوں۔“

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت درود و سلام بھی پڑھتے تھے۔ امام بیہقی نے درود و سلام کے مختصر الفاظ یہ نقل کیے ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَی مُحَمَّدٍ(28)

”اے اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحمت و سلامتی نازل فرما۔“

کھانے پینے کی دعائیں

کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرویات میں سے ہے۔ اس کے متعلق بھی ہماری رہنمائی کی گئی ہے۔ کھانا دائیں ہاتھ سے اور بیٹھ کر کھانا چاہیے۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ میں نہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کا ربیب (بیوی کا بیٹا) تھا۔ میں کھانا کھاتے وقت برتن کے چاروں طرف سے کھا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بچے باسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ کے ساتھ اپنے آگے سے کھاؤ۔ چنانچہ میں ہمیشہ اسی طرح کھاتا رہا۔(29)

ایک حدیث میں ہے کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے۔(30)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو بسم اللہ کہے۔ اگر شروع میں بسم اللہ بھول جائے تو یاد آنے پر یہ پڑھے:

بِسْمِ اللّٰہِ أَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ(31)

''اس کھانے کی ابتدا اور اختتام اللہ کے نام سے ہے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے: یہاں تمھارے لیے کوئی کھانا نہیں۔(32)

کھانا کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کھانا کھائے اور یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور بغیر کسی کوشش اور قوت کے مجھے یہ رزق عطا فرمایا۔

یہ پڑھنے والے کے پچھلے تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔(33)

میزبان رسول سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا تناول فرماتے یا پانی نوش فرماتے تو بعد میں یہ دعا پڑھتے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَ وَسَقَى وَسَوَّغَهُ وَجَعَلَ لَهُ مَخْرَجًا (34)

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے کھلایا، پلایا، آسانی کے ساتھ کھانا حلق سے نیچے اتارا اور اس کے لیے نظام انہضام بنایا۔''

بیت الخلا میں جانے اور باہر نکلنے کا طریقہ

اسلام ایک فطرتی مذہب ہے۔اس میں انسان کی ہر ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک کافر بطور طنز کہنے لگا تمھارا نبی تمھیں ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، حتیٰ کہ بول و براز کے طریقے بھی بتاتا ہے؟! انھوں نے فرمایا: ہاں! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تمام آداب سکھاتے ہیں۔(35)

بعض کام معمولی اور بے وقعت معلوم ہوتے ہیں، مگر وہ حکمت اور فائدے سے خالی نہیں ہوتے۔ بیت الخلا میں آنے جانے کے آداب ہی کو دیکھ لیجیے، اس میں انسانی جان کو کتنا تحفظ دیا گیا ہے۔انسان جہاں قضائے حاجت کے لیے جاتا ہے وہ جگہ جنات کا مسکن ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عمومی طور پر گندی اور بے آباد جگہ سرکش جنوں کا ٹھکانا ہوتی ہے۔اسی لیے بیت الخلا میں جانے کی جو دعا ہمیں سکھائی گئی ہے اس میں سرکش جنوں اور شیطانوں سے پناہ کا ذکر ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلا تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (36)

اے اللہ! میں سرکش جنوں اور جنوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ملاالیم جب بیت الخلا سے باہر تشریف لے آتے تو یہ دعا پڑھتے:

غُفْرَانَكَ (37)

''اے اللہ! میں تجھ سے بخشش کا طلب گار ہوں۔''

مؤمن کا ہر لمحہ اللہ کی یاد میں گزرنا چاہیے۔ چونکہ بیت الخلا میں کوئی مقدس نام لینا جائز نہیں، اس لیے مومن کی رہنمائی کر دی گئی کہ اُس کا جتنا وقت اللہ کے ذکر سے خالی گزرا ہے وہ یہ دعا پڑھ کر اس کی تلافی کر لے۔ بیت الخلا میں آنے جانے کے آداب میں یہ بات تو نظر ہے کہ بیت الخلا جاتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھیں اور نکلے وقت پہلے دایاں پاؤں باہر رکھیں۔

وضو کے مسنون وظائف

نماز اسلام کا اہم رکن اور عظیم عمل ہے۔ اس کی ادائیگی کے لیے وضو شرط ہے۔ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور وضو سے پہلے بسم اللہ ضروری ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کا وضو نہیں جو بسم اللہ نہ پڑھے۔(38)

دوران وضو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی دعا ثابت نہیں، البتہ وضو کے بعد کچھ دعائیں ثابت ہیں جن کے پڑھنے کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اونٹ چرا کر عصر کے بعد واپس آیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبے کا جو اقتباس میں نے سنا وہ یہ تھا: تم میں سے جو شخص خوب اچھے طریقے سے وضو کرے، پھر دو رکعتیں اس انداز سے پڑھے کہ اس کا دل اور توجہ نماز میں ہو تو اُس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔

میں نے کہا: واہ! کیا خوب بات بیان فرمائی ہے۔ میرے آگے بیٹھے ایک صحابی کہنے لگے تمھارے آنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات بیان فرمائی تھی وہ اس سے بھی خوب ہے۔ میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے کہا: ابو حفص! اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ کہنے لگے کہ آپ نے فرمایا تھا: ''جو شخص خوب اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے اور وضو سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھتا ہے

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

یہ پڑھنے والے کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، وہ جس سے چاہے داخل ہو جائے۔(39)

مذکورہ دعا کے ساتھ یہ دعا پڑھنا بھی ثابت ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ:(40)

''اے اللہ مجھے کثرت سے توبہ کرنے والوں اور نہایت پاکیزہ رہنے والوں میں شامل فرما۔''

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص وضو کے بعد یہ دعا پڑھے

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنْتَ. أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

اے اللہ! تو پاک ہے، تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔'' یہ دعا ایک رقعے پر لکھ کر اس پر مہر لگا دی جاتی ہے اور یہ رقعہ قیامت والے دن کھولا جائے گا۔(41)

یاد رہے! وضو کی دعائیں پڑھتے وقت آسمان کی طرف دیکھنا یا انگلی اٹھانا مسنون نہیں۔

صبح وشام کے اذکار کی فضیلت واہمیت

اللہ تعالیٰ کو دعا اور ذکر بہت پسند ہے۔ پیچھے ہم نے پڑھا کہ جو اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ بھی اس کا خیال رکھتا ہے بلکہ اس کا تذکرہ اپنے فرشتوں میں کرتا ہے۔ مومن کے لیے حکم ہے کہ وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرے۔ خاص طور پر صبح اور شام کے وقت ذکر کرنے کا قرآن میں کئی مقامات پر حکم دیا گیا ہے۔ ایک جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿(42)

''اے نبی! اپنے رب کو صبح وشام یاد کیا کریں، دل ہی دل میں زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے ہلکی آواز کے ساتھ۔ آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ قرآن کے احکامات کی چلتی پھرتی تفسیر تھے۔آپ ﷺ نے اپنی امت کی دنیوی واخروی بھلائی کے لیے بہت سی دعائیں تجویز فرمائی ہیں۔ان میں سے صبح وشام کی دعائیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"حضرت اسماعیل علیہ کی اولاد سے چار غلام آزاد کرنے سے مجھے یہ چیز زیادہ محبوب ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاؤں جو نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔اسی طرح نماز عصر سے لے کر غروب آفتاب تک ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے اولاد اسماعیل سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ عزیز ہے۔(43)

دعائیں روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی بیماریوں کا علاج ہیں۔صبح وشام کی دعاؤں میں بعض ایسی بھی ہیں جو جنات، آسیب، شیطانی وساوس، نظر بد اور موذی چیزوں کے اثرات سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔

اگر کسی پر ان چیزوں کا اثر ہو چکا ہو تو ان دعاؤں اور وظائف کی بدولت زائل ہو جاتا ہے۔اس سے پہلے کہ کوئی مصیبت آئے ہم نبوی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے صبح وشام اور دیگر مسنون وظائف کو اپنی روز مرہ زندگی کا معمول بنالیں۔

صبح کی خاص دعائیں

نماز فجر سے پہلے کی دعاؤں کا ذکر گزر چکا ہے۔یہاں نماز فجر کے بعد کی دعائیں نقل کی جارہی ہیں۔ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز ادا فرمانے کے بعد یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا، وَرِزْقًا طَيِّبًا، وَعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا (44)

''اے اللہ! میں تجھ سے فائدہ مند علم، حلال روزی اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد نکلے تو آپ نے دیکھا کہ ام المومنین سیدہ جویریہ بیٹھی اپنی نماز والی جگہ بیٹھی ہیں۔آپ ﷺ کافی دیر کے بعد چاشت کے وقت واپس تشریف لائے تو وہ ابھی تک بیٹھی ذکر واذکار میں مشغول تھیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:''جب سے میں گیا ہوں تب سے ایسے ہی بیٹھی ہو؟'' انھوں نے عرض کی: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: تمھارے ہاں سے جانے کے بعد میں نے صرف چار کلمات تین مرتبہ پڑھے ہیں، اگر ان کا وزن کیا جائے تو تمھارے صبح سے اب تک کیے جانے والے وظائف سے وہ وزنی ہوں گے۔وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ(45)

''میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید (بیان کرتا ہوں) اس کی مخلوقات کی تعداد کے برابر، اس کی منشا اور رضا کے مطابق، اس کے عرش کے وزن کے برابر اور اس کے کلمات (پر صرف ہونے) والی سیاہی کے برابر۔''

ان کلمات کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کثرت سے اللہ کا ذکر کرے، کیونکہ نہ تو مخلوقات کی تعداد انسان کے شمار میں ہے، نہ وہ جانتا ہے کہ عرش کا وزن کتنا ہے۔ اسی طرح اللہ کے کلمات پر استعمال ہونے والی سیاہی کی مقدار سے بھی لاعلم ہے۔ سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ (46)

''زمین پر موجود تمام درختوں کے قلم بنا لیے جائیں اور سات سمندروں کا پانی جمع کر کے سیاہی تیار کر لی جائے تو پھر بھی اللہ کے کلمات احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتے۔''

حوالہ جات

1۔سنن ابن ماجہ:۷۰۳۷۰۱
2۔ابن القیم، الطب النبوی:۲۳۹
3۔سنن ابی داؤد، ۵۰۴۲
4۔صحیح البخاری:۳۰۴،۳۲۸۰
5۔صحیح البخاری:۶۲۹۷،۳۲۸۰
6۔صحیح مسلم:۲۰۱۲
7۔صحیح البخاری:۶۲۹۳
8۔صحیح البخاری ۷۳۹۳، ۶۳۲۰
9۔صحیح مسلم:۲۷۱۵
10۔صحیح البخاری:۶۳۱۴
11۔صحیح البخاری:۲۳۱۱
12۔صحیح البخاری:۴۰۰۸
13۔صحیح البخاری:۲۴۷
14۔الحاکم، المستدرک:۱۹۸۰
15۔صحیح البخاری:۶۳۱۴
16۔صحیح البخاری:۱۱۹۸،۴۵۶۹
17۔صحیح البخاری:۶۳۱۶
18۔سنن الترمذی۳۵۷۹.
19۔صحیح مسلم:۷۷۰
20سنن ابی ابوداؤد ۵۰۹۳
21۔سنن ابی داؤد:۵۰۹۵
22۔النور:۲۳/۹۱
23۔صحیح مسلم:۵۴۰
24۔سنن أبي داود:۵۰۹۶
25۔صحیح مسلم:۲۰۱۸
26۔صحیح البخاری۲۲۰
27۔صحیح مسلم:۷۱۳
28۔سنن الترمذی:۳۱۴
29۔صحیح البخاری۵۳۷۶
30۔صحیح مسلم:۲۰۲۰
31۔أبي داؤد:۳۷۶۷
32۔صحیح مسلم:۲۰۱۸
33۔سنن أبي داود:۴۰۲۳
34۔سنن ابی داؤد:۱۳۸۵۱
35۔البزار، المسند:۱۳۹۲
36۔صحیح البخاری:۶۳۲۲
37۔سنن أبي داؤد:۳۰
38۔سنن ابی داؤد:101
39۔صحیح مسلم:۲۳۲
40۔صحیح الجامع الصغیر:۶۱۲۷
41۔النسائی، السنن الکبری:۹۸۲۹
42۔الاعراف:۷/۲۰۵
43۔سنن أبي داؤد:۳۶۶۷
44۔سنن ابن ماجہ
45۔صحیح مسلم۲۷۲۶
46۔لقمان۲۷/۲۱

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب رات چھا جائے تو کیا عمل ارشاد فرمایا؟

....

....

2. آیت الکرسی کی فضیلت بیان کریں؟

....

....

3. گھر میں داخل ہونے کے کیا آداب ہیں؟

....

....

4. جب کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے تو شیطان کیا کہتا ہے؟

....

....

5. کس دعا کے پڑھنے سے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں؟

....

....

6. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز ادا فرمانے کے بعد کون سی دعا پڑھتے؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① . . . اسلام کا اہم رکن اور عظیم عمل ہے۔

زکوٰۃ ☐ حج ☐ نماز ☐ تلاوت ☐

② رب تعالیٰ اپنے بندے کے سب سے زیادہ قریب...... کے وقت ہوتا ہے

اشراق ☐ اوابین ☐ چاشت ☐ تہجد ☐

③ نیند بھی...... کی ایک شکل ہے۔

قیامت ☐ قبر ☐ موت ☐ جہنم ☐

④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... سے پہلے سونا اور بعد میں باتیں کرنا ناپسند فرماتے تھے۔

سفر ☐ عشاء ☐ فجر ☐ مغرب ☐

⑤ رات کو سوتے وقت جس کا آخری کلام یہی دعا ہو، اگر وہ اس رات مر گیا تو وہ...... پر وفات پائے گا۔

شریعت ☐ عقیدت ☐ فطرت ☐ ہدایت ☐

⑥ گھر میں داخل ہوتے وقت آدمی جب اسلامی تعلیمات پر عمل کرتا ہے تو...... وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔

جنات ☐ ارواح ☐ بھوت ☐ شیطان ☐

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

سبق نمبر 30

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا

خلاصہ سبق

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ درود شریف بھیجنا صرف دعا ہی نہیں یہ ایک عبادت بھی ہے۔اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا شریعت کی طرف سے مسلمانوں پر عائد کردہ ایک فریضہ بھی ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا اور آپ کے عظیم احسانات کا ایک ادنیٰ سا صلہ ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب واحترام کا تقاضا بھی ہے۔ یہ اجر وثواب اور رحمت الٰہی کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا حکم الٰہی ہے

درود وسلام کو عربی میں صلوۃ وسلام کہتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا فرض ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾(1)

''اللہ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں۔اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم بھی اُن پر درود وسلام بھیجو۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اللہ کا اپنے نبی پر درود بھیجنا یہ ہے کہ وہ فرشتوں کے ہاں آپ کی تعریف کرتے ہیں اور فرشتوں کا نبی ان پر درود بھیجنا آپ کے لیے دعا کرنا ہے۔(2)

حافظ ابن کثیر آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبر دی ہے کہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ملاءاعلیٰ کے اندر کس قدر بلند مقام ہے؟ اللہ تعالی خود اپنے مقرب فرشتوں کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتے ہیں۔فرشتے بھی آپ درود بھیجتے ہیں۔ پھر اللہ نے دنیا کے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر درود وسلام بھیجیں تاکہ

عالم علوی و سفلی آپ کی ثنا میں اکٹھے ہو جائیں۔(3)

اہل ایمان کی طرف سے درود کہنے کا مطلب ہے اللہ کے حضور آپ ﷺ کے لیے رحمت کی دعا کرنا۔قرآن کریم میں درود اور سلام دونوں کا حکم ہے،اس لیے دونوں کو اکٹھا بجالانا چاہیے۔کسی ایک پر اکتفا درست نہیں۔

نبی کے لیے درود و سلام پڑھنا مومنین کا شعار اور ایک مستقل طریقۂ عبادت ہے،اس وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ پر درود و سلام اللہ کا حکم ہے۔نبی کریم ﷺ نے اسے باعث اجر و ثواب قرار دیا ہے،چنانچہ درود ایک ایسی عبادت ہے جیسے دعا،استغفار اور ذکر الٰہی ہے۔

درود و سلام کی فضیلت اور اہمیت

درود و سلام تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کے لیے مشروع ہے،لیکن نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا مستقل اجر و ثواب کا عمل ہے جس کی ڈھیروں مقامات پر ترغیب دی گئی ہے۔یہ ترغیب اور فضیلت آپ ﷺ کے علاوہ کسی کے لیے ثابت نہیں۔درود و سلام کی فضیلتیں بتاتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے لیے کثرت سے درود و سلام بھیجنا صرف آپ ﷺ کی امت ہی کا شعار ہے اور یہ آپ ہی کے لیے مختص ہے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا افضل عبادت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بذات خود اور فرشتے اس کا اہتمام کرتے ہیں،اللہ نے اس کا مومنین کو حکم دیا ہے۔(4)

درود بھیجنا نبی اکرم ﷺ سے محبت کی علامت ہے۔نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنے سے آپ ﷺ کی محبت نصیب ہوتی ہے۔انسان کے گناہ جھڑتے ہیں۔پریشانیاں اور غم دور ہوتے ہیں۔اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔نبی اکرم ﷺ کے حقوق میں سے کم از کم ایک حق ادا ہوتا ہے۔آپ ﷺ پر درود پڑھنے سے اللہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔اذان کے بعد درود و دعا پڑھنے سے نبی اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا مستحق اُن لوگوں کو قرار دیا ہے جو آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور زندگی کے ہر چھوٹے بڑے عمل میں آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہیں۔

تفسیر سمرقندی میں ہے:

لیس شیء من العبادات أفضل من الصلاة علی النبيّ (ﷺ)، لأن سائر العبادات أمر الله تعالی بها عباده. وأما الصلاة علی النبی (ﷺ) فقد صلی علیه أولاً هو بنفسه، وأمر

الملائكة بذلك، ثم أمر العباد بذلك"(5)

''حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ اقدس پہ درود پاک پڑھنے سے افضل کوئی عبادت نہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو تمام عبادات کا حکم فرمایا- جہاں تک حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ اقدس پہ درود پاک پڑھنے کا تعلق ہے تو سب سے پہلے اللہ پاک نے خود پڑھا، فرشتوں کو اس کا حکم فرمایا، پھر اپنے بندوں کو اس کا حکم ارشاد فرمایا''-

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی حیات مبارکہ محبت وعشقِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عبارت تھی- جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پہ عُروہ (جو کفار مکہ کی طرف سے سفیر مقرر تھے) کہتے ہیں کہ اے لوگو! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں، قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے پاس گیا ہوں اور اللہ کی قسم میں نے ہرگز نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کی اس کے لوگ اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کرتے ہیں-

پھر اس نے اپنا آنکھوں دیکھا حال سنانا شروع کیا (اس نے بیان کرتے ہوئے کہا) جب بھی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لعاب مبارک پھینکتے ہیں تو وہ ان میں سے کسی نہ کسی مرد کے ہاتھ میں ہی جاتا ہے پس وہ اس لعاب کو اپنے چہرے اور اپنے بدن پر ملتے ہیں اور جب وہ ان کو کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو وہ سب تعمیل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ وضوء فرماتے ہیں تو ان کے وضوء کا بچا ہوا پانی لینے کیلئے اس طرح جھپٹتے ہیں کہ گویا ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گفتگو فرماتے ہیں تو ان کے سامنے وہ سب اپنی آوازوں کو پست کر دیتے ہیں اور ان کی تعظیم کے لئے ان کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتے-(6)

اسی طرح جب غزوہ اُحد میں ایک انصار خاتون کے والد، بھائی اور شوہر شہید ہو گئے تو اس نے پوچھا کہ میرے حبیب سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کیا حال ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خیریت سے ہیں (لیکن تمہارے والد، بھائی اور شوہر مرتبہ شہادت پا گئے) تو صحابیہ نے جو ارشاد فرمایا (وہ دل کے کانوں سے سننے کے قابل ہے) فرمانے لگیں: مجھے دکھاؤ کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہاں ہیں؟ حتٰی کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت کرلوں جب اس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت کی تو فرمانے لگیں: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سلامت دیکھنے کے بعد ہر مصیبت آسان ہے (اور مجھے کسی کی پروا نہیں)-(7)

یوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عشقِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی داستانیں رقم فرمائیں، بلکہ یوں کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کا تو اوڑھنا، بچھونا ہی حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا عشق و محبت تھا، اختصار کی خاطر انہی واقعات پہ اکتفا کیا ورنہ کئی دفتر ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے کم پڑ جاتے۔

''حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ اقدس پہ درود پاک پڑھنے سے افضل کوئی عبادت نہیں کیونکہ اللہ عز وجل نے اپنے بندوں کو تمام عبادات کا حکم فرمایا۔ جہاں تک حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ اقدس پہ درود پاک پڑھنے کا تعلق ہے تو سب سے پہلے اللہ پاک نے خود پڑھا، فرشتوں کو اس کا حکم فرمایا، پھر اپنے بندوں کو اس کا حکم ارشاد فرمایا''

اس لیے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی مسلمان کے سامنے تاجدارِ کائنات، خاتم الانبیاء شافع روزِ جزا حضور احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اسم مبارک آئے اور اس کے دل و دماغ ادبِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جھک نہ جائیں، کیونکہ ہر مسلمان کے دل و دماغ میں اللہ عز وجل نے ادبِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رقم فرما دیا ہے۔

یہ عشق مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی ہے کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ اقدس پہ درود مبارک کے حوالے سے دیگر آئمہ دین کی طرح امام سخاویؒ نے ''الْقَوْلُ الْبَدِيعُ فِى الصَّلَاةِ عَلَى الْحَبِيبِ الشَّفِيعِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' لکھی، اس طرح درود پاک کی فضیلت میں مفسرین و محدثین نے بھی کئی ابواب رقم فرمائے ہیں، انہی نقل کردہ روایات مبارکہ سے چند روایات جمع کرنے کی سعی سعید کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھا تو ہم مکہ کے کسی گوشہ میں تشریف لے گئے تو جس درخت اور پہاڑ کا آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سامنا ہوا اس نے (آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہِ اقدس میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا اور) پڑھا ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ''(8)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

''اَلدُّعَاءُ مَحْجُوبٌ عَنِ اللهِ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ، وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ''(9)

''دعا کو اللہ پاک کی بارگاہِ اقدس سے روک دیا جائے گا یہاں تک کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پہ درود پاک نہ پڑھ لیا جائے''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

''وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً كَتَبَ اللهُ لَهٗ قِيرَاطًا، وَالْقِيرَاطُ مِثْلُ أُحُدٍ''(10)

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھتا ہے اللہ پاک اس کے لیے ایک قیراط اجر لکھتا ہے اور قیراط احد پہاڑ جتنا ہے''۔

سیدہ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا روایت بیان فرماتی ہیں کہ:

''جب رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوتے تو ارشاد فرماتے:

''صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ''

(یعنی اپنی ذاتِ اقدس پہ درود پاک پڑھتے)

پھر ارشاد فرماتے:

''۔اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ''

''اے اللہ عزوجل! میرے گناہ معاف فرما اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے''

اور جب باہر تشریف لاتے تو ارشاد فرماتے

''صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ''

(یعنی اپنی ذاتِ اقدس پہ درود پاک پڑھتے)

پھر ارشاد فرماتے:

''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي، وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ''

''اے اللہ عزوجل میرے گناہ معاف فرما اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے''۔(11)

5: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

''اَلبَخِيلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ''(12)

''کنجوس وہ ہے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود پاک نہ پڑھے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ خَطِئَ طَرِيقَ الْجَنَّةِ''(13)

''جو شخص مجھ پر درود پاک پڑھنا بھول گیا وہ جنت کا راستہ بھول گیا''۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ ﷺ (14)

''دعا آسمان و زمین کے درمیان لٹکی رہتی ہے کوئی شئے اللہ عزوجل کی بارگاہِ اقدس تک نہیں پہنچتی، جب تک رسول اللہ (ﷺ) پر درود شریف نہ پڑھا جائے''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سربسجود پایا تو چپکے سے ایک طرف ہٹ گیا۔ جب آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر اقدس اٹھایا تو ارشاد فرمایا:

"إِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي فَقَالَ: مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ مِنْ أُمَّتِكَ وَاحِدَةً، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ، وَ رَفَعَهُ عَشْرَ دَرَجَاتٍ"(15)

''(اے عمر) جبریل میرے پاس آئے اور انہوں نے آکر بتایا کہ جو امتی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھے گا اللہ عزوجل اس پہ (اپنی شایانِ شان) دس مرتبہ درود پاک پڑھے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا''۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ، وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيئَاتٍ، وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ"(16)]

''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھتا ہے، اللہ عزوجل اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے دس گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے دس درجات بلند فرماتا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً"(17)

''قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے زیادہ میرے قریب وہ ہوگا جس نے مجھ پہ درود پاک زیادہ پڑھا ہو گا''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ(18)

''جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ عزوجل میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں اسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں''

حضرت عبداللہ بن ابوطلحہ رضی اللہ عنہ روایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرہ اقدس پہ خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ تو ہم نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بے شک ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرہ مبارک پہ خوشی کے آثار دیکھ رہے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: میرے پاس ایک فرشتہ آیا ہے اور اس نے کہا:

"يَا مُحَمَّدُ، إِنَّ رَبَّكَ يَقُولُ: أَمَا يُرْضِيكَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي عَلَيْكَ أَحَدٌ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا، وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ، إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا (19)

''یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رب فرما رہا ہے کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس بات پہ راضی نہیں ہیں کہ جو امتی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھے گا اللہ عزوجل اس پہ (اپنی شایانِ شان) دس مرتبہ درود پاک پڑھے گا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جو امتی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایک مرتبہ سلام پڑھے گا اللہ عزوجل اس پہ (اپنی شایانِ شان) دس مرتبہ سلام پڑھے گا''۔

دیگر کئی روایات مبارکہ کی طرح اس روایت مبارک میں واضح صلوٰۃ وسلام کے الفاظ مبارک ہیں۔

حضرت فَضَالہ بن عُبَید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی اور دعا مانگی: یا اللہ مجھے بخش دے مجھ پہ رحم فرما۔ آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: اے نمازی تو نے بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے، جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو، اللہ عزوجل کی ایسی حمد بیان کرو جیسے اس کی شایانِ شان ہے اور پھر مجھ پہ درود پاک پڑھو، پھر دعا مانگو۔

راوی فرماتے ہیں، پھر اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی اور اللہ عزوجل کی حمد بیان کی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ درود پاک پڑھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے ارشاد فرمایا:

"أَيُّهَا الْمُصَلِّي اُدْعُ تُجَبْ" (20)

''اے نمازی اب دعا مانگ، قبول ہوگی''۔

حضرت سفیان بن عُیینہؒ فرماتے ہیں کہ خلفؒ نے بیان کیا کہ ان کا ایک دوست حدیث کا طالب علم تھا، وہ فوت ہوگیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ سبز پوشاک پہنے گھوم رہا ہے۔ میں نے کہا کہ تم وہی میرے ہم مکتب نہیں ہو؟ میں تمہاری یہ حالت کیسی (خوش نما وخوش حال) دیکھ رہا ہوں؟ تو اس نے کہا میری یہ عادت تھی کہ جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ نامی لکھتا تھا وہاں درود شریف بھی لکھتا تھا۔

"فَكَافَأَنِي بِهٰذَا الَّذِي تَرَى عَلَيَّ" (21)

''یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے میرے رب نے مجھے اس عمل کا بدلہ دیا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عبدالحکمؒ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے امام شافعیؒ کوخواب میں دیکھا۔تو آپؒ سے پوچھا: اللہ عزوجل نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ آپؒ نے فرمایا: میرے رب نے مجھ پہ رحم فرمایا، مجھے بخش دیا، مجھے دلہن کی طرح آراستہ کرکے جنت میں بھیج دیا اور مجھ پہ پھول نچھاور فرمائے جس طرح دلہن پہ پھول نچھاور کیے جاتے ہیں۔تو میں نے کہا: کہ یہ عزت اور شان تم کو کس وجہ سے ملی؟ تو اس نے کہا کہ اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں جو حضور نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر مَیں نے درود پاک لکھا ہے اُس کا یہ اجر ہے۔تو میں نے کہا: وہ درود پاک کیسے ہے؟ تو فرمایا (وہ درود پاک یہ ہے):

''صلی اللہ علی محمد عدد ما ذکرہ الذاکرون وعدد ما غفل عن ذکرہ الغافلون''

''حضرت عبداللہ بن حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں بیدار ہوا اور کتاب الرسالہ کو کھولا تو وہاں بعینہ اسی طرح درود پاک لکھا ہوا تھا''۔(22)

درود پاک کتنا اور کس وقت پڑھنا چاہیے۔اس حدیث پاک میں باشعور حضرات کے لیے اس میں جواب مذکور ہے جیسا کہ حضرت اُبَی بن کَعب رضی اللہ عنہ سے مَروی ہے کہ اُنہوں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بہُت زیادہ دُرُود شریف پڑھا کرتا ہوں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بتادیجئے کہ کتنا حصہ دُرود خوانی کیلیے مقرر کردوں؟ تو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشادفرمایا: ''تم جس قدر چاہو مقرر کرلو'' حضرتِ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں اپنے اوراد و وظائف کا چوتھائی حصہ دُرودخوانی کے لیے مقرر کرلوں؟ تو سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشادفرمایا: ''تم جس قدر چاہو مقرر کرلو، اگر تم چوتھائی سے زِیادہ حصہ مقرر کرلو گے تو تمہارے لیے بہتر ہی ہوگا''۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں اپنے اوراد و وظائف کا نِصف حصہ دُرودخوانی کیلیے مقرر کرلوں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ''تم جس قدر چاہو مقرر کرلو اور اگر تم اِس سے بھی زِیادہ وَقت مقرر کرلو گے تو تمہارے لیے بہتر ہی ہوگا''۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عَرض کی: میں اپنے اوراد و وظائف کا دوتہائی حصہ مقرر کرلوں؟ حضور نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشادفرمایا: ''تم جتنا چاہو وَقت مقرر کرلو اور اگر تم اِس سے زِیادہ وَقت مقرر کرو گے تو تمہارے لیے بہتر ہی ہوگا''۔تو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میں اپنے اوراد و وظائف کا کل حصّہ دُرودخوانی ہی میں خرچ کروں گا''۔تو آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اِرشادفرمایا:

إِذًا تُكْفَى هَمَّكَ، وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ (23)

''(اگر ایسا کرو گے تو) دُرُود شریف تمہارے غموں کو دُور کرنے کیلیے کافی ہوجائے گا اور تمہارے تمام گناہوں کے

لیے کفّارہ ہوجائے گا''۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام جائز اوقات اور مناسب مقامات پہ ہر وقت درود پاک پڑھنا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إزينوا مجالسكم بالصلاة على فإن صلاتكم على نور لكم يوم القيامة(24)

''اپنی مجالس کو مجھ پہ درود پاک پڑھ کر مزین کرو مجھ پہ درود پاک تمہارے قیامت کے دن نور ہوگا''۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عیسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"من صلى على في يوم خمسين مرة صافحته يوم القيامة"(25)

''جو دن میں پچاس مرتبہ درود پاک پڑھتا ہے میں اس سے قیامت کے دن مصافحہ کروں گا''۔

درود شریف کی اہمیت وفضلیت کا اندازہ امام سخاویؒ کے اس اقتباس سے بھی لگایا جاسکتا ہے فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں نے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود پاک پڑھنے اور صدقہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان (درود پاک اور صدقہ) میں سے کون سی چیز افضل ہے تو فرمایا:

''الصلاة على محمد'' ''حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پہ درود پاک''

دوبارہ سوال کیا گیا کہ چاہے صدقہ فرضی ہو یا نفلی تب بھی درود پاک افضل ہے تو فرمایا ''ہاں'' کیونکہ (اس کی دلیل یہ ہے) وہ فرض (یعنی درود پاک) جس کو اللہ پاک نے اپنے بندوں پہ فرض فرمایا ہے، خود بھی سرانجام دیا ہے اور اس کے فرشتوں نے بھی کیا ہے وہ اس فرض (صدقہ) کی طرح نہیں ہے جس کو صرف اپنے بندوں پہ فرض فرمایا ہے (پس فریضہ درود افضل ہے۔(26)

درود وسلام کے مواقع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا صرف مشروع ہی نہیں، اس کی نہایت تاکید کی گئی ہے اور یہ بہت زیادہ باعث اجر وثواب ہے۔ احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کے کئی مواقع مذکور ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر درود بھیجنے کا طریقہ ایک مستقل عبادت کے طور پر رائج کیا ہے۔ بغیر کسی خاص موقع محل کے عام حالات میں آپ پر کثرت سے درود بھیجا جاسکتا ہے جیسے اوپر مذکور ہوا۔ مگر درج ذیل مقامات پر درود بھیجنے کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں وارد

ہے: تشہد کے آخر میں، خطبات جمعہ وعیدین میں، اذان کے بعد، دعا سے پہلے، نماز جنازہ میں، جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے، جمعہ کے دن اور مسجد میں داخل ہوتے وقت۔ درود پڑھنے کا سب سے اہم موقع تشہد کے آخر میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تشہد پڑھنے کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا:

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ اللهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ لْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ لْيَدْعُ بَعْدُ بِمَا شَاءَ (27)

''جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اللہ کی حمد وثنا سے ابتدا کرے، پھر (تشہد میں) نبی ﷺ پر درود پڑھے، پھر بعد میں جو دعا چاہے مانگے۔

درج بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا افضل طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی حمد وثنا کے بعد ہی نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا جائے، پھر دعا مانگی جائے۔ اسی طرح جمعے کے دن درود پڑھنے کی خصوصی فضیلت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فيه خُلق آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَفِيهِ قبض وَفِيهِ النَّفْخَةُ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ (28)

''تمہارا سب سے اسب سے افضل دن جمعے کا دن ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور اسی دن وہ فوت ہوئے۔ اسی دن پہلا اور دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔''

اذان کے بعد درود شریف پڑھنا اور نبی کریم ﷺ کے لیے جنت کا سب سے اعلیٰ مقام طلب کرنا مسنون ہے۔ (29)

درود نہ پڑھنے کی وعید

نبی اکرم ﷺ کا جب بھی تذکرہ ہو تو آپ ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

رغم أنف رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (30)

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

''جب چند لوگ کسی مجلس میں جمع ہوں اور اس میں اللہ عزوجل کا ذکر نہ کریں اور نہ اپنے نبی مکرم (ﷺ) پہ درود و سلام پڑھیں تو ان کی یہ مجلس قیامت کے دن ان کے لیے باعثِ حسرت وملال ہوگی۔ پس اللہ عزوجل چاہے تو ان کو عذاب دے اور اگر چاہے تو انہیں معاف فرما دے''۔ (31)

درود و سلام بھیجنے کا طریقہ

نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا ایک مختصر طریقہ ہے کہ جب آپ کا ذکر ہو تب

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''آپ ﷺ پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ہو۔''

پڑھا جائے۔ یہ ایک مختصر درود ہے۔ اسی طرح

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ

رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام ہو۔

نُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ

ہم رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

آپ ﷺ پر درود و سلام ہو۔

یہ مختصر درود و سلام بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔

امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ کا فرمان ہے:

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا

یعنی کہو

الصّلٰوةُ عَلَى الرَّسُوْلِ وَالسّلامُ (32)

نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا ایک مفصل طریقہ ہے جو نماز میں تشہد کے وقت اختیار کیا جاتا ہے اور عام حالت میں بھی اپنایا جا سکتا ہے۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ نے ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو سکھا دیا، اب ہم آپ پر اور اہل بیت پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ،
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

''اے اللہ حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی۔ یقیناً تو تعریفوں والا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی۔ یقیناً تو تعریفوں والا اور بزرگی والا ہے۔''(33)

درود پاک کے آداب

ادب و محبت کا تقاضا ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کا ذکر کرتے وقت پورے ادب و احترام کا خیال رکھا جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ: ''ابو ابراہیم یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پہ لازم ہے جب ان کے سامنے رسول اللہ (ﷺ) کا ذکر کیا جائے تو وہ ادب واحترام سے سنے اور بدن کو جنبش تک نہ دے اور خود پر اس طرح کی ہیبت و جلال طاری کرے گویا کہ وہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) کے سامنے کھڑا ہے۔

حضرت ابوسختیانی کے سامنے جب رسول اللہ (ﷺ) کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس قدر روتے کہ لوگوں کو ان کے حال پہ رحم آجاتا، جعفر بن محمدؒ کثیر المزاح اور ہنس مکھ شخص تھے مگر جب ان کے سامنے رسول اللہ (ﷺ) کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا۔ عامر بن عبداللہ بن زبیرؒ کے سامنے جب رسول اللہ کا ذکر کیا جاتا تو رونے لگتے حتیٰ کہ ان کی آنکھوں کے آنسو باقی نہ رہتے، امام زہریؒ بڑے بااخلاق اور مجلسی آدمی تھے لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ (ﷺ) کا ذکر کیا جاتا تو اس طرح گم سُم ہو جاتے کہ گویا وہ کسی کو جانتے نہیں، نہ کوئی ان کو جانتا ہے، عبدالرحمان بن مہدی کے سامنے جب حدیث مبارک پڑھی جاتی تو لوگوں کو خاموش ہونے کا حکم کرتے اور ارشاد فرماتے:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ(34)

''اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو نبی ﷺ کی آواز سے''

اور وہ فرماتے تھے جس طرح رسول اللہ (ﷺ) کے کلام کے دوران خاموشی رہنا ضروری ہے اس طرح آپ ﷺ کی حدیث مبارک کے سننے کے وقت بھی خاموش رہنا ضروری ہے کیونکہ حدیث مبارک بھی آپ ﷺ کا کلام ہے''۔(35)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے محبوب مکرم، شفیع معظم سیدنا خیرالانام ﷺ پہ زیادہ سے زیادہ درود وسلام کے نذرانے پیش کر کے صحیح معنوں میں اُمتی بننے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

چالیس درود شریف

1. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (36)

2. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ (37)

3. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (38)

4. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ (39)

5. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ و آلِ إِبْرَاهِيمَ (40)

6. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيمَ (41)

7. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (42)

8. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ نِ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (43)

9. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (44)

10. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ نِ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (45)

11. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ ، وَأَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (46)

12. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمْ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ

عَلَيْنَا مَعَهُمْ صَلَوَاتُ اللهِ وَصَلَوَاتُ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ (47)

13 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ (48)

14 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ و بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (49)

15 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (50)

16 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِك عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (51)

17 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ أَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ (52)

18 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ وَأَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (53)

19 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ وبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (54)

20 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ (55)

21 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَآلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وتَرَحَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (56)

22 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (57)

23 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اَبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ،

وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (58)

24 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ (59)

25 اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (60)

26 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (61)

27 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى أَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (62)

28 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ وَأَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (63)

29 اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الصِّدْقَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (64)

30 اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ يَغْبِطُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ (65)

31 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضاً وَلِحَقِّهٖ اَدَاءً وَاَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مِنْ اَفْضَلِ مَا جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصَّالِحِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (66)

32 اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُولِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا يَغْبِطُهُ بِهِ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (67)

33 اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ، يَا رَحِيْمُ، يَا جَارَ الْمُسْتَجِيْرِيْنَ، يَا مَامَنَ الْخَائِفِيْنَ يَا عِمَادَ مَنْ لَا عِمَادَ

لَهُ، يَا سَنَدَ مَنْ لَا سَنَدَ لَهُ، يَا ذُخْرَ مَنْ لَا ذُخْرَ لَهُ، يَا حِرْزَ الضُّعَفَاءِ، يَا كَنْزَ الْفُقَرَاءِ، يَا عَظِيمَ الرَّجَاءِ، يَا مُنْقِذَ الْهَلْكَى، يَا مُنْجِيَ الْغَرْقَى، يَا مُحْسِنُ يَا مُجْمِلُ يَا مُنْعِمُ يَا مُفْضِلُ يَا عَزِيزُ يَا جَبَّارُ يَا مُنِيرُ أَنْتَ الَّذِي سَجَدَ لَكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَضَوْءُ النَّهَارِ، وَشُعَاعُ الشَّمْسِ وَحَفِيفُ الشَّجَرِ، وَدَوِيُّ الْمَاءِ وَنُورُ الْقَمَرِ، يَا أَللّٰهُ، أَنْتَ اللّٰهُ لَا شَرِيكَ لَهُ أَسْأَلُكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ(68)

34 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ
اَللّٰهُمَّ تَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ
اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيد
اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ(69)

35 اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ الْكُبْرٰى، وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الْعُلْيَا وَاَعْطِهِ سُؤْلَهُ فِي الْآخِرَةِ وَالْاُوْلٰى كَمَا آتَيْتَ اِبْرَاهِيمَ وَمُوسٰى(70)

36 اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ، إِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ، وَرَسُولِ الرَّحْمَةِ، اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا، يَغْبِطُهُ بِهِ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ، وَاَبْلِغْهُ الْوَسِيلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيعَةَ مِنَ الْجَنَّةِ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي الْمُصْطَفِيْنَ مُحَبَّتَهُ وَفِي الْمُقَرَّبِيْنَ مَوَدَّتَهُ، وَفِي الْاَعِلِّيِّيْنَ ذِكْرَهُ، وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ(71)

37 اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَارْضَ عَنَّا رِضًا لَا تَسْخَطُ بَعْدَهُ(72)

38 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهُ(73)

39 اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، صَلِّ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ، وَاجْعَلْنَا فِي شَفَاعَتِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(74)

40 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيمًا(75)

حوالہ جات

1۔الاحزاب:۵۶
2۔صحیح بخاری:۴۷۹۶
3۔ابن کثیر،تفسیر،احزاب:۵۶
4۔قرطبی،الاحزاب:۵۶
5۔تفسیر سمرقندی،ج:3،ص:72
6. صحیح بخاری:2731
7۔سعیدیؒ،شرح صحیح مسلم،ج:1،ص:432
8۔سُنن الترمذی،ابواب المناقب،:3626
9۔البیہقی:ج:03،ص:136
10۔عبدالرزاق:51،ج:01،ص:51
11۔ابن کثیرج:06،ص:66
12۔الترمذی:3546،ج:5،ص:551
13۔ابن ماجہ:908،ج:1،ص:294
14۔سنن الترمذی،رقم الحدیث:486
15۔ابن کثیر،ج:06،ص:464
16۔النسائی،ج:03،ص:50
17۔سنن الترمذی:484
18۔ابوداؤد،:2041
19۔النسائی،ج:03،ص:44
20۔سنن الترمذی،رقم الحدیث:3476
21۔السخاوی ج:01،ص:249
22۔السخاوی،ج:1،ص:66
23۔الترمذی:2457،ج:4،ص:636
24۔فیض القدیر:4580
25۔السخاوی،ج:1،ص:133
26۔السخاوی،ج:01،ص:133
27۔سنن ترمذی:۳۴۷۷
28۔سنن النسائی۱۳۷۵
29۔صحیح مسلم:۳۸۳
30۔سنن الترمذی:۳۵۴۵
31۔النسائی،ج:03،ص:44
32۔زمخشری،الاحزاب:۵۶
33۔صحیح بخاری:۳۳۷۰
34۔الحجرات:02
35۔سعیدی،شرح صحیح مسلم،ج:1،ص:443
36۔بخاری:۳۱۱۹
37۔بخاری:۴۴۲۳
38۔بخاری:۴۷۷
39۔بخاری:۵۸۸۳
40۔بخاری:۹۴۰عن ابی سعید
41۔بخاری،عن ابی سعید،نزل:۱۶۸
42۔مسلم:۱۷۵،ابوداؤد:۱۴۱
43۔نسائی،نزل:۱۶۸
44۔مسند بزار عن ابی ہریرہ
45۔مسند حاکم،عن ابن مسعود:۱/۲۶۸
46۔ابوداؤد:۱۴۱
47۔دار قطنی عن ابن مسعود
48۔نزل:۱۷۰،احمد،ابن ماجہ،عن ابن مسعود
49۔مسند احمد والنسائی عن زید بن جاریہ
50۔ بخاری،مسلم عن کعب بن عجرہ
51۔نزل:۱۶۹،ترمذی،عن ابن مسعود
52۔ابوداؤد:۱۴۱
53۔ابوداؤد عن ابی ہریرہ
54۔نزل:۱۷۰،حاکم کعب بن عجرہ
55۔الادب المفرد عن ابی ہریرہ
56۔حاکم عن ابن مسعود:۲۶۹
57۔مسلم،عن ابن مسعود
58۔نسائی:۱۹۰
59۔بخاری،نسائی ابن ماجہ عن ابی سعید
60۔احمد عن بریرہ
61۔احمد،ابن حبان
62۔صحیحین:۱۷۵،عن ابی حمید الساعدی
63۔نسائی عن علی،نزل:۱۷۱
64۔نزل الابرار:۱۷۱،طبرانی،عن رویفع
65۔ابن ماجہ:۶۵
66۔القول البدیع:۴۷
67۔ابن ماجہ،،حدیث:۸۹۶
68۔القول البدیع:۴۶،عن ابن عباس مرفوعا
69۔شرح الشفاء:۲/۱۲۳
70۔القول البدیع:۴۵
71۔القول البدیع:۳۸
72۔مجمع الزوائد،ابن سنی:۸۸
73۔القول البدیع:۴۷
74۔مجمع الزوائد:۳۳۸،عن ابی الدرداء
75۔الجلاء القول البدیع:۱۸۸

مشق

سوال نمبر 1 ذیل میں دیئے گئے سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے؟

1. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کی فضیلت لکھیں؟

....

....

2. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتنا درود شریف پڑھ سکتے ہیں؟

....

....

3. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھنے کی وعید کیا ہے؟

....

....

4. انسانوں کے علاوہ بھی کسی نے درود پڑھا ہے؟

....

....

5. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دورد کا جواب کس طرح دیتے ہیں؟

....

....

6. کن مقامات ومواقع پر درود پڑھا جا سکتا ہے؟

....

....

سوال نمبر 2 درج ذیل جوابات میں درست جواب کے سامنے ✓ کا نشان لگائیے۔

① آپ ﷺ کی حدیث مبارک کے سننے کے وقت بھی ......پڑھنا ضروری ہے

درود ☐	ذکر ☐	تلاوت ☐	خاموش ☐

② تمہارا سب سے اسب سے افضل دن...... کا دن ہے۔

اتوار ☐	جمعرات ☐	جمعہ ☐	ہفتہ ☐

③ جو شخص مجھ پر درود پاک پڑھنا بھول گیا وہ...... کا راستہ بھول گیا۔

گھر ☐	مسجد ☐	بیت اللہ ☐	جنت ☐

④ اہل ایمان کی طرف سے درود کہنے کا مطلب ہے اللہ کے حضور آپ ﷺ کے لیے...... کی دعا کرنا

مغفرت ☐	رحمت ☐	مقام محمود ☐	جنت ☐

⑤ آپ (ﷺ) کو سلامت دیکھنے کے بعد ہر مصیبت ...... ہے (اور مجھے کسی کی پروا نہیں)

آسان ☐	مشکل ☐	عزیمت ☐	رخصت ☐

⑥ جو مجھ پر ایک مرتبہ درور پاک پڑھتا ہے اللہ پاک اس کے لیے ایک...... اجر لکھتا ہے

درہم ☐	دینار ☐	قیراط ☐	دو قیراط ☐

تمت بالخیر

ایک مسلمان کا اپنا آپ جاننا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جاننا ضروری ہے

ہر شعبۂ زندگی کے مصروف احباب کو مکمل دینی تعلیم سکھانا